لطائف المعانی

شرح

شرح جامی

مولانا عبد اللطیف خان

تقریظ و تقدیم

مولانا ابن الحسن عباسی

مکتبہ عمر فاروق

مکتبہ عمر فاروق
4/491 شاہ فیصل کالونی، کراچی

لطائف المعانی

شرح

شرح جامی

نحو کی مشہور داخل نصاب کتاب شرح جامی کی
نئی اردو شرح جس میں حل مشکل عبارتوں کی نحوی ترکیب
عام فہم، آسان اور مدرسانہ اسلوب میں کی گئی ہے۔

طلبہ اور اساتذہ کے لئے از حد مفید!

مولانا عبداللطیف خان

تقریظ وتقدیم:

مولانا ابن الحسن عباسی

مکتبہ عمر فاروقؓ
4/501، شاہ فیصل کالونی، کراچی پوسٹ کوڈ 75230

جملہ حقوق محفوظ

لطائف المعانی

پہلا ایڈیشن ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

تعداد........... گیارہ سو

قیمت ....

ناشر

فیاض احمد

ناظم مکتبہ عمر فاروق

شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی

فون نمبر 4594144

ibnulhassan-abbassi@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

جامعہ فاروقیہ میں تین سال تک مجھے ''شرح جامی'' پڑھانے کا موقع ملا، اسی دوران میں ایک دن والد صاحب کی کتابوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا کہ شرح جامی کی زیر نظر شرح ''لطائف المعانی'' ہاتھ لگی، یہ شرح آج سے ستر پچھتر سال پہلے مولانا عبداللطیف خان صاحب نے تحریر فرمائی تھی۔ اور اسی وقت کی چھپی ہوئی تھی۔

شارح پوری عربی عبارت ذکر کرنے کے بعد، انتہائی مختصر، دلنشین اسلوب میں اس عبارت کا مفہوم ومطلب اور غرض واضح کرتے ہیں، اگر اس عبارت میں کسی تقدیری سوال کا جواب یا کسی اشکال کا دفعیہ ہے تو سوال و جواب دونوں کی وضاحت کرتے ہیں اور یوں عبارت اور اس کا مطلب آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

شارح کا اسلوب مدرسانہ ہے، انہوں نے درسی اردو میں یہ شرح مرتب فرمائی ہے جو مدرسین اور با استعداد طلبہ کے لئے بطور خاص مفید ہے۔ یہ شرح چونکہ ستر پچھتر سال پہلے چھپی تھی اور اس کی کتابت بھی کچھ زیادہ عمدہ نہ تھی اس لئے مجھے خیال آیا کہ اس کو اگر نئی کتابت اور جدید طباعت کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو طالبان علوم کے لئے ان شاء اللہ مفید رہے گی...... چنانچہ اس کی نئے سرے سے کمپوزنگ کی گئی، مولانا حبیب اللہ زکریا نے اس کی تصحیح کی اور یوں یہ اب جدید طباعتی جوڑے میں آپ کے سامنے ہے۔

ابتداء میں مؤلف اور ماتن کے مختصر حالات اور نحو کی تعریف، غرض و غایت پر مشتمل ایک ابتدائیہ بھی شامل کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ شرح طلبہ اور مدرسین کے لئے مفید و کارآمد رہے گی۔

ابن الحسن عباسی

فهرس الموضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحه
١	علم نحو كی تعريف، موضوع، غرض وغايت	٦
٢	صاحب شرح جامی	٧
٣	صاحب كافيه	٨
٤	تعريف الكلمة وتقسيمها	١٦
٥	تعريف الكلام وتقسيمه	٣٩
٦	تعريف الاسم	٤٧
٧	الإعراب	٧٧
٨	العامل	٨٥
٩	جمع المذكر السالم	٩٧
١٠	غير المنصرف	١٠٨
١١	العدل	١٢٤
١٢	الوصف	١٣٩
١٣	التأنيث	١٤٦
١٤	المعرفة	١٥٢
١٥	العجمة	١٥٤
١٦	الجمع	١٦١
١٧	التركيب	١٧١
١٨	الألف والنون الزائدتان	١٧٤
١٩	وزن الفعل	١٧٩
٢٠	المرفوعات	٢٠١
٢١	وإذا انتفى الإعراب	٢١٢
٢٢	وإذا تنازع الفعلان	٢٢١
٢٣	مفعول ما لم يسم فاعله	٢٣٢

٢٤	المبتدأ	٢٣٨
٢٥	الخبر	٢٤٣
٢٦	خبر إن وأخواتها	٢٧٢
٢٧	خبر لا التى لنفى الجنس	٢٧٦
٢٨	المنصوبات	٢٨٢
٢٩	المفعول المطلق	٢٨٣
٣٠	المفعول به	٢٩٩
٣١	المنادى	٣٠٤
٣٢	توابع المنادى	٣١٨
٣٣	ترخيم المنادى	٣٣٤
٣٤	ما أضمر عامله على شريطة التفسير	٣٥٧
٣٥	التحذير	٣٨١
٣٦	المفعول فيه	٣٨٧
٣٧	المفعول له	٣٩٦
٣٨	المفعول معه	٤٠٥
٣٩	الحال	٤٠٣
٤٠	التمييز	٤٤١
٤١	المستثنى	٤٦٧
٤٢	خبر كان وأخواتها	٥٠٣
٤٣	اسم إن وأخواتها	٥٠٨
٤٤	المنصوب بلا التى لنفى الجنس	٥٠٩
٤٥	خبر ما ولا المشبهتين بليس	٥٣٠
٤٦	المجرورات	٥٣٣
٤٧	التوابع	٥٧٨
٤٨	النعت	٥٨٢
٤٩	العطف	٥٩٥
٥٠	التأكيد	٦١٣
٥١	البدل	٦٢٢
٥٢	عطف البيان	٦٣٠

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم النحو کی تعریف:

هو العلم بأصول يعرف بها أحوال أواخر الكلم الثلاث من حيث الإعراب والبناء وكيفية التركيب بعضها مع بعض.

علم نحو ایسے اصول وقواعد کو جاننے کا نام ہے، جس کے ذریعہ تینوں کلموں (اسم فعل حرف) کی آخری حالت معلوم ہوجاتی ہے۔ معرب اور مبنی، ہونے کے اعتبار سے اور بعض کلموں کی بعض کے ساتھ ترکیبی حیثیت معلوم ہوجاتی ہے۔

موضوع: **الكلمة والكلام.**

اس کا موضوع: کلمہ اور کلام ہیں۔

غرض: صيانة الذهن عن الخطأ اللفظي في كلام العرب.

غرض: عربی زبان میں ذہن کو لفظی غلطیوں سے بچانا ہے۔

''نحو'' لغت میں: لغت میں اس لفظ کا استعمال سات معنوں میں کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) صیانت (بچانا) (۲) قصد (ارادہ) (۳) مقدار (۴) نوع (۵) مثل (٦) صرف کرنا (۷) قبیلہ۔

علم النحو کی ضرورت وتدوین:

ابتداءً اسلام کا ظل عاطفت چونکہ عالم عربی تک ہی محدود تھا اس لیے یہاں کے مسلمان بوجہ اہل لسان ہونے کے قرآن مجید اور احادیث نبویہ (علی صاحبھا السلام) کو بآسانی پڑھ، لکھ سکتے تھے، بعد میں جوں جوں اسلام کو ترقی نصیب ہوئی اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے مخلص جانثاروں کی انتھک کاوشوں اور بے مثال قربانیوں کی بدولت دین اسلام پورے کرہ ارض پر جلوہ گر ہوا تو عالم عرب کے علاوہ بہت سارے بلادِ عجم نے بھی اس کے دامن رحمت میں جگہ پائی اور عجم چونکہ عربی زبان کو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور قرآن مجید پر بھی اعراب کا سلسلہ نہ تھا، اس لیے ان کے لئے قرآن مجید بغیر اعراب (زبر، زیر، پیش) کے پڑھنا اور غلطی سے محفوظ رہنا ممکن نہ تھا اس لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت ابو الاسود کو قواعد نحو لکھنے کا حکم فرمایا اور یوں اس علم شریف کی ابتدا ہوئی۔

صاحب شرح جامی

نام ونسب:

آپ کا نام عبدالرحمٰن، کنیت ابوالبرکات اور لقب عمادالدین تھا جبکہ والد ماجد احمد، شمس الدین بن محمد شیخ صفی علاؤالدین کے نام سے موسوم ہوئے، آپ کا تخلص جامی تھا۔

پیدائش اور وطن عزیز:

آپ کے اصلی وطن کا نام اصفہان ہے، ''دشت'' نامی محلّہ میں رہتے تھے، پھر کسی حادثہ کے موقعہ پر جام (جو خراسان کا ایک قصبہ ہے) منتقل ہو گئے، ملا عبدالرحمٰنؒ نے ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ میں اسی قصبہ کے ایک دین دار گھرانے میں آنکھ کھولی، بعد میں ہرات منتقل ہو گئے تھے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی علوم اپنے والد بزگوار سے پڑھے، پھر خواجہ علی سمرقندی، مولانا شہاب الدین جاجری اور مولانا جند اصولی سے سے اکتساب فیض کیا۔

آپ بیک وقت بلند پایہ عالم، مناظر، بڑے درجہ کے محقق ہونے کے ساتھ ایک باذوق شاعر اور خداترس صوفی بھی تھے۔آپ نے علم تصوف وسلوک حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور حضرت سعدالدین کاشغریؒ سے حاصل کیا، حضرت خواجہ مرحوم کی نظر کیمیا نے آپ کو روحانیت کے اعلی مقام پر پہنچایا۔

مثنوی جامی: ویسے تو حضرت جامیؒ کے تمام اشعار وغزلیات قابل قدر ہیں لیکن ان میں سے ''مثنوی جامی'' کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ آپؒ کی ایک مشہور نعت ہے جو آپؒ ہی کے دیوان ''یوسف زلیخا'' کے شروع میں ہے۔ اس کے متعلق ریحانۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اپنے رسالہ فضائل درود شریف میں اپنے والد ماجد کی زبانی ایک واقعہ نقل فرمایا ہے: ''حضرتؒ لکھتے ہیں کہ مولانا جامیؒ یہ نعت پڑھنے کے بعد حج پر چلے گئے، وہاں جا کے ارادہ یہ بنا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر یہ نظم پڑھیں گے، چنانچہ اس غرض سے انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا رخت سفر باندھا تو امیر مکہ کو خواب میں یہ اشارہ ہوا کہ جامی کو مدینہ نہ آنے دیا جائے، چنانچہ امیر مکہ نے ممانعت کر دی لیکن حضرت جامیؒ پر شوقِ وصال اس قدر غالب تھا کہ وہ چھپ کر مدینہ کی طرف چل دیئے، امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا: کہ جامی آ رہا ہے اسے روکو! امیر نے آپ کے تعاقب میں آدمی دوڑائے اور گرفتار کروا کر جیل

خانہ میں ڈال دیا۔اس پر امیر مکہ کو تیسری مرتبہ پیارے پیغمبر ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مجرم نہیں! بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے اگر یہ ایسا کرے گا تو اس کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ باہر آئے گا اور......لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گا۔

اس پر انہیں جیل سے نکال دیا گیا اور ان کے اکرام واعزاز میں مزید اضافہ کیا گیا۔قصیدہ فارسی زبان میں ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

زمہجوری بر آمد جان عالم ترحّم یا نبی اللہ ترحّم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی ز محرماں چرا غافل نشینی
ز خاک اے لالہ سیراب بر خیز چوں نرگس خواب چند از خواب بر خیز
برد آور سراز برد یمانی کہ روئے تست صبح زندگانی

وفات حسرت آیات: آپؒ ۱۸ محرم الحرام بروز جمعہ ۸۹۸ھ اکیاسی سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

تصانیف: آپ نے عربی وفارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد چون (۵۴) ہے، منجملہ ان سے ''شرح جامی'' بھی ہے جس کی اہمیت اور خصوصیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کتاب کی تصنیف کے بعد ہر دور میں پڑھی اور پڑھائی گئی ہے! ہندو پاک میں شاید ہی ایسا کوئی عالم ہو جس نے اسے درسانہ پڑھا ہو، نیز اس کتاب کی اردو، عربی مختلف زبانوں میں شروحات لکھی گئیں، صرف حواشی ہی کی تعداد چھبیس ستائیس کے لگ بھگ ہے۔

صاحب کافیہ

نام ونسب:

آپ کا نام نامی عثمان، کنیت ابوعمرو، لقب جمال الدین اور والد کا نام عمر ہے، سلسلہ نسب یوں ہے، جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی۔

ابن حاجب کہلانے کی وجہ: صاحب ظفر المحصلین نے حافظ ذہبیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کے والد امیر عز الدین موسک الصلاحی کے ہاں دربان تھے جس کو عربی میں حاجب (چوکیدار) کہتے ہیں اس لیے آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

ولادت باسعادت:

آپؒ مصر میں ''اسنا'' نامی ایک چھوٹی سی بستی میں ۵۷۰ھ کے اواخر میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم قاہرہ ہی میں حاصل کی، صغر سنی میں حفظ قرآن کی نعمت عظمٰی سے سرفراز ہوئے۔ قرآت کے مشہور امام شاطبیؒ سے ''التیسیر'' کا سماع کیا اور علامہ ابوالجودؒ سے قرآت عشر سبعہ پڑھی۔
شیخ منصور ابیاری سے و دیگر مشاہیر علما سے فقہ مالکی کی کتب پڑھیں جبکہ علامہ شاطبیؒ اور ابن البناؒ سے علم ادب حاصل کیا۔ آپؒ کو دست قدرت نے علم و عمل کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا ذوق بھی وافر مقدار عطا کیا تھا۔ شاعری سے صرف دلچسپی ہی نہیں بلکہ ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ کی شاعری میں علمی تبحر بھی ہے اور تصوف و سلوک کی باریکیاں بھی! کہیں کہیں شکوے کا رنگ بھی ہے اور جرأت کا ڈھنگ اور جوانی کا ترنگ بھی! بے شمار اوصاف حمیدہ سے مزین تھے لیکن بایں ہمہ تکلف و تصنع سے بالکل ناآشنا تھے۔ آپ نے ہی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کافیہ'' خود نظم و اشعار کی لڑی میں پرو کر پیش کی ہے جو کہ ''الوافیہ'' کے نام سے ارباب علم و دانش کے لیے ایک گرانقدر علمی سوغات شمار ہوتی ہے۔

وفات:

آپ نے ۱۶ شوال ۶۴۶ھ بروز جمعرات بوقت دن چڑھے اسکندریہ میں وفات پائی اور وہی شیخ صالح بن ابی اسامہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

تصانیف:

آپ نے کل بارہ کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے مشہور زمانہ المکتفی للمبتدی، الایضاح، شافیہ، المختصر فی الفقہ، المختصر فی الأصول اور جمال العرب فی الادب ہیں۔ بالخصوص ''کافیہ'' وہی کتاب ہے جس سے آپ کی شہرت وقبولیت کی وہ تند جولاں اٹھی اور آفاق میں پھیل گئی جو کسی کے نصیب میں کم ہی آتی ہے!

کافیہ:

علوم دینیہ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس کتابِ لاجواب کو بڑی قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لیے کہ ارباب علم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ''کافیہ'' کی حقیقت ''علم نحو'' میں ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ یہ کتاب چونکہ علم

نحو کے تمام ضروری مسائل پر مشتمل ہے اس ضرورت واہمیت کے پیش نظر ہندوپاک کے تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے اوردرس نظامی کی یہی وہ کتاب ہے جس کی سینتالیس(۴۷) شروحات، چار(۴) معربات، پانچ (۵) مختصرات اور تین (۳) منظومات لکھی گئی ہیں لیکن ہنوز بہت سارے موتی صدف میں چھپے منتظر فرداہیں!

''کافیہ'' سے علمائے امت کا شغف:

یوں تو سبھی ''کافیہ'' کو علم نحو کی کتاب سمجھ کر پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن بعض علمائے کرام نے اسے علم تصوف کا رسالہ قرار دے کر اس کی شرح صوفیانہ مذاق میں ڈھال کر کی ہے۔ چنانچہ میر عبدالوحید بلگرامی نے رسالہ ''سنابل'' کے نام سے غیر منصرف کی بحث تک اس کی تشریح سلوک وعرفان کے مزاج کے مطابق کی ہے۔ اسی طرح بعض اہل علم نے اسے علم کلام کا رسالہ مان کر اس کی تشریح بطرز متکلمین کی ہے۔ جس سے جہاں ''کافیہ'' کے ساتھ علمائے کرام کے غایت شغف کا بخوبی اندازہ ہوتا، وہاں ''صاحب کافیہ'' کے اخلاص وللّٰہیت کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔ صاحب کافیہ کو اس دار فانی سے کوچ کئے صدیاں گذر گئی لیکن اہل علم کے قلوب میں ان کی عظمت ومحبت ابھی تک تازہ ہے اوران شاء اللہ قیامت تک تابندہ رہے گی!

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ۔

الف لام کی چار قسمیں ہیں (۱) جنسی، (۲) استغراقی، (۳) عہد خارجی، (۴) عہد ذہنی۔

جنسی میں نفس ماہیت شیٔ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، استغراقی میں جملہ افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے، عہد خارجی میں ایک فرد معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہو، عہد ذہنی سے ایک فرد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو صرف متکلم کو معلوم ہو۔ یہاں ہر ایک کا مفہوم مراد لیا جاسکتا ہے۔

ولی کے پانچ معنی ہیں (۱) حری (۲) محب (۳) متصرف (۴) صاحب (۵) قریب۔ یہاں اول معنی مراد ہیں، حری کے معنی لائق کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو حمد وثنا کا لائق ہو اسی کے لئے حمد وثنا ہے۔ ولیہ میں ہ کی ضمیر حمد کی طرف ہے۔

والصلوٰۃ علی نبیہ۔

صلوٰۃ خداوند تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا نزول ہے اور ملائکہ کی طرف سے استغفار اور عباد کی طرف سے دعا اور وحش وحیوانات کی طرف سے تسبیح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شریعت میں ارکان مخصوصہ کا نام ہے۔

نبی نبوت سے ماخوذ ہو تو اس کے معنی رفعت کے ہوں گے اور اگر النبأ سے ماخوذ ہو تو خبر کے معنی میں استعمال ہوگا چونکہ نبی خداوند تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے تبلیغی احکام کے۔ لئے ایک بڑا انسان برگزیدہ مقرر کیا جاتا ہے اس لئے اس کو نبی کہتے ہیں۔ جدید کتاب کا ہونا اس کے ساتھ شرط نہیں، رسول اس کے برخلاف ہے۔

نبیہ کی ضمیر مجرور یا تو محمود کی طرف ہے جو حمد کے ضمن میں موجود ہے یا ولی کی طرف ہے جس کے معنی ظاہر ہے اور یہ آخری احتمال صحیح ہے۔

وعلی آلہ وأصحابہ۔

آل سے یہاں جملہ اولاد وازواج واصحاب وخدام پیغمبر علیہ السلام مراد ہیں، اصحاب جمع صاحب یا صحب کی ہے جس کے لغوی معنی ہمراہ کے ہیں۔ شریعت میں اس کا نام ہے جس نے حالت اسلام میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہو اور اسلام پر مرا ہو۔

المتأدبین بآدابہ۔

یہ ادب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فوقی نیک کے ہیں یہاں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا طریقہ عمل مراد ہے۔ ترکیب میں یہ اصحاب کی صفت ہے یعنی حضور اکرم ﷺ کے جملہ اصحاب آپ کے طریقہ عمل کے پورے پابند تھے۔

أما بعد:

أما اصل میں مھما تھا۔ ہاء کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا پھر قلب مکانی کر کے میم کو میم میں مدغم کر دیا پس أمّا ہو گیا یہ لفظ متضمن معنی شرط کو ہے اس لئے اس کے جواب میں فاء لایا جاتا ہے۔ بعد کا لفظ مبنی برضمہ ہے اگر اس کا مضاف الیہ محذوف ہو۔ ورنہ معرب مستعمل ہوگا۔

فهذه فوائد۔

اس میں اشارہ فوائد کی طرف ہے اگر دیباچہ الحاقی ہو تو اس صورت میں کوئی شبہ نہیں اور اگر دیباچہ ابتدائی ہو تو اشارہ ما حضر فی الذهن کو ہوگا۔ فوائد جمع فائدہ کی ہے جس کے معنی مفید چیز کے ہیں۔

وافية۔

یہ لفظ برصیغہ اسم فاعل ترکیب میں فوائد کی صفت ہے جس کے معنی کثیر کے ہیں۔

بحل مشكلات الكافية۔

باء یہاں فی کے معنی میں ہے کافیہ کا لفظ ما دل یہ کتاب ہے۔ تاء اس میں مبالغہ کے لئے ہے یعنی یہ فوائد کتاب کافیہ کے حل کے لئے کافی ہے۔

للعلامة المشتهر فی المشارق والمغارب۔

علامہ میں تاء مبالغہ کے لئے ہے، یہ لفظ عالم کا مبالغہ ہے۔ المشتهر اس کی صفت ہے یعنی یہ کافیہ اس بڑے عالم کی تصنیف ہے جو مشارق و مغارب میں مشہور ہیں۔ مشارق و مغارب سے مراد دنیا کی جملہ اطراف ہیں، جمعیت باعتبار مطالع و مغارب کے ہے اس طرح تثنیہ کا حال ہے کیونکہ در حقیقت مشرق و مغرب دنیا میں ایک ہیں۔ کلام الٰہی میں اس کا استعمال تینوں طرح آتا ہے المشتهر کا لفظ صرف مبالغہ کے لئے اختیار کیا گیا ہے جو علامہ کے مترادف ہے۔

الشیخ۔

یہ لفظ علامہ کا عطف بیان یا بدل ہے اس لئے مجرور ہے اعنی کے مقدر کر لینے سے منصوب کیا جائے گا۔ مرفوع ہو تو مبتدا محذوف کی خبر ہوگی جس کی تقدیر هو الشیخ ہے لغت میں شیخ پچاس سے اسی سال تک کی عمر والے کو

کہتے ہیں۔اصطلاح میں ماہرفن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔

ابن الحاجب۔

یہ ترکیب میں شیخ کی صفت یا بدل ہےاور مصنف کی کنیت ہے،اسم محضہ آپ کا عثمان اور شیخ آپ کا لقب ہے۔

تغمده اللّٰه بغفرانه وأسكنه بحبوحة جنانه۔

یہ لفظ تغمد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ستر کے ہیں اس میں استعارہ ترشیحیہ کی طرف اشارہ ہے ضمیر منصوب میں استعارہ مکنیہ کی طرف اشارہ کیا ہے غفران میں مناسبات استعارہ کا بیان ہے بحبوحة کے معنی وسط کے ہیں یہاں مختار کے معنی مراد ہیں۔جنان کسرۂ جیم کے ساتھ بمعنی جنت ہے۔یہ جملہ دعائیہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمۃ پر مغفرت کی چادر ڈالے اور آپ کو جنت کے برگزیدہ باغوں میں بسائے۔

نظمتها في سلك التقرير۔

ہاء ضمیر منصوب فوائد کی طرف راجع ہے،نظم کے معنی موتیوں کا پرونا کے ہیں۔مراد یہاں مقام کے مناسب کلام کرنا ہے۔غرض اس استعارہ سے صفائی اور موزونیت کلام ہے اور باعث اس استعارہ کا طلباء کو ترغیب دلانا ہے۔

وسمط التحرير۔

یہ جملہ اوپر کے جملہ پر معطوف ہے۔مطلب یہ ہے کہ کافیہ میں فوائد کا بیان نہایت عمدہ تقریر اور بہترین تحریر سے کیا گیا ہے۔

للولد العزيز ضياء الدين يوسف۔

عزیز کے معنی ارجمند اور مبارک کے ہیں اس میں تصنیف کے باعث وعلت کا بیان ہے یعنی باعث تصنیف کافیہ مصنف کا فرزند جگر بند ہے جس کا لقب ضیاء الدین اور اسم محضہ یوسف ہے۔

حفظه اللّٰه سبحانه عن موجبات التلهف والتاسف۔

یہ جملہ دعائیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ولد عزیز ضیاء الدین یوسف کو جملہ موجبات حزن وحسرت سے محفوظ رکھے۔تلهف اور تاسف کے الفاظ مترادفہ بمعنی واحد ہیں۔ایک مطلوب کے فوت ہونے پر حزن وحسرت کو تلہف کہتے ہیں اور فعل حرام کے کرنے پر جو اضطراب اور پریشانی ہوتی ہے وہ تلهف ہے اور فرائض وواجبات کے ترک کرنے پر جو افسوس ہوتا ہے اس کا نام تاسف ہے۔

وسميتها بالفوائد الضيائية۔

سمیتھا میں ضمیر منصوب فوائد کی طرف ہے۔فوائد ترکیب میں موصوف اور الضیائیة کی صفت ہے۔ یاء اس میں نسبتی ہے یعنی وہ فوائد جو ضیاء الدین کی طرف منسوب ہیں۔

لأنه لهذا الجمع والتاليف كالعلة الغائية۔

یہ اس نسبت کی دلیل ہے جو یائے نسبتی سے ظاہر ہے یعنی کافیہ کو فوائد ضیائیہ سے اس لئے موسوم کیا ہے کہ ضیاء الدین اس کی تالیف وتصنیف کے لئے مانند علت غائی کے ہیں۔

فائدہ: علت کی چار قسمیں ہیں: علت غائی۔علت فاعلی۔علت مادی۔علت صوری۔

علت غائی وہ ہے جو فاعل کے فعل کرنے کا باعث ہو۔

علت فاعلی وہ ہے جس سے صدور فعل ہوتا ہے۔

علت مادی وہ ہے کہ جس سے شیء کی ترکیب ہو۔

علت صوری وہ ہے جو شیء کے وجود کا بالفعل موجب ہو۔

یہاں علت غائی کے ساتھ کاف تشبیہ لانے میں اشارہ ہے کہ ضیاء الدین تالیف کے لئے عین علت غائی نہیں کیونکہ یہ تصور میں مقدم اور وجود میں موخر ہوتی ہے اور یہ معنی یہاں درست نہیں کیونکہ ضیاء الدین وجود میں بھی مقدم ہے۔درحقیقت یہاں علت غائی ضیاء الدین کی تعلیم ہے۔

نفعه الله تعالىٰ بها وسائر المبتدئين من أصحاب التحصيل۔

یہ جملہ دعائیہ ہے بھا میں ضمیر مجرور فوائد کی طرف ہے۔أصحاب، تحصیل المبتدئین کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ ضیاء الدین اور جملہ طلباء کو اس تالیف کے فوائد سے فائدہ پہنچائے۔سائر کے لغوی معنی باقی کے ہیں مگر یہاں جملہ اور تمام کے معنی میں ہے۔

وما توفيقي إلا بالله وهو حسبي ونعم الوكيل۔

چونکہ تالیف کافیہ ایک سخت اور مشکل کام تھا اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی ہے اور نعم الوکیل کے جملہ میں مخصوص بالمدح محذوف ہو تو اس صورت میں عطف جملہ خبریہ علی الخبر یہ اور اگر محذوف نہ ہو تو جملہ وھو حسبی اگرچہ صورت میں خبریہ ہے مگر یہ دعا کے محل میں واقع ہے اس لئے انشائیہ مانا جائے گا اور انشاء کا عطف انشاء پر جائز ہے یا یہ عطف قصہ علی القصہ ہے۔

المقدمة

اعلم أن الشيخ رحمه الله تعالیٰ لم يصدر رسالته هذه بحمد الله سبحانه بأنُ جعله جزءًا منها هضماً لنفسه۔

اعلم کے لفظ کو شارح علیہ الرحمۃ تین غرضوں سے نقل کریں گے۔ اول یہ کہ کسی مقدر سوال کا جواب دینا۔ دوم کسی مقام پر سوال قائم کرنا۔ سوم تحقیق مقام ظاہر کرنا مقصود ہوگا۔ یہاں پر سوال مقدر کی طرف اشارہ کر کے جواب دینے کے لئے استعمال میں لائے ہیں۔ سوال مقدر کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے اس رسالہ کو حمد سے شروع کیوں نہیں کیا؟

شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے حمد کو کسر نفسی کی بنا پر چھوڑ کر کتاب کا جز نہیں بنایا۔

بتخييل أن كتابه هذا من حيث أنه كتابه ليس ككتب السلف رحمهم الله تعالیٰ حتى يصدر به على سننها۔

بتخییل سے سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ حمد کے چھوڑنے سے کسر نفسی نہیں ہوتی بلکہ حمد ایک عبادت ہے اس کے کرنے میں کسر نفسی پائی جاتی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ حمد کا چھوڑنا دو طرح کا ہے۔ اول یہ کہ عبادت سمجھ کر چھوڑی جائے یہ گناہ ہے اس میں کسر نفسی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کتاب مصنف کی دوسری کتابوں کی طرح نہیں۔ یہ خیال کر کے چھوڑ دینا کسر نفسی ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اپنی کتاب کو علمائے سلف کے طریقہ پیروی کے خلاف کر کے حمد سے شروع نہیں کیا۔

ولا يلزم من ذلك عدم الابتداء به مطلقاً حتى يكون بتر كه أقطع لجواز إتيانه بالحمد من غير أن يجعله جزءاً من كتابه۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے حمد کو چھوڑ کر ایک حدیث مشہور کی مخالفت کی جو حسب ذیل ہے "كل أمر ذى بال لم يبدأ فيه بحمد الله فهو أقطع إلخ" یعنی جس امر مہتم بالشان کو حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ خراب اور ناقص ہوتا ہے لہذا اس حدیث کی بنا پر مصنف کی کتاب ناقص ہوگی۔

شارح نے جواب دیا ہے کہ حمد کی دو قسمیں ہیں تحریری۔ تقریری۔ تحریری خاص ہے اور تقریری عام ہے خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ جائز ہے کہ تقریری حمد کی ہو اگر چہ کتاب کے اندر لکھ کر جز نہیں بنایا لہذا مصنف

کی کتاب میں حمد کے چھوڑنے سے نقص لازم نہیں آیا۔

وبدأ بتعريف الكلمة والكلام لأنه يبحث في هذا الكتاب عن احوالهما فمتى لم يعرفا كيف يبحث عن أحوالهما؟

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال مقدر کی تفصیل یہ ہے کہ مقصود بالذات نحوی کا کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے اور مصنف نے کلمہ اور کلام کی تعریف شروع کی اور یہ اشتغال بمالا یعنی اور غیر مقصود میں شروع کرنا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ کلمہ اور کلام کی تعریف کئے بغیر احوال سے بحث کرنا ناممکن ہے اس لئے تعریف کو موقوف علیہ سمجھ کر پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف کی تا کہ احوال سے بحث کرنے میں آسانی ہو۔

وقدم الكلمة على الكلام لكون أفرادها جزءً ا من افراد الكلام ومفهومها جزء اً من مفهومه۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ کلام عربی میں عمدہ کلام مانا جاتا ہے کیونکہ اس سے مخاطب کو فائدہ تامہ ملتا ہے بخلاف کلمہ کے کہ اس سے فائدہ تامہ نہیں ملتا پس کلام کو کلمہ پر مقدم ذکر کرنا زیادہ موزوں تھا اور مصنف نے کلمہ کا ذکر مقدم کیا ہے حالانکہ یہ موزوں نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ کلمہ باعتبار اپنے افراد اور معنی کے کلام کا جز ہے اور قاعدہ ہے کہ جز مرکب پر مقدم ہو کر آتا ہے یہ لحاظ کر کے کلمہ کو کلام پر مقدم کر کے کہا ہے کہ

فقال: **الكلمة** قيل هي والكلام مشتقان من الكلم بتسكين اللام وهو الجرح۔

کہا گیا ہے کہ کلمہ اور کلام دونوں کلم بتسکین اللام سے مشتق ہیں جس کے معنی زخم کے ہیں۔

لتأثير معانيهما في النفوس كالجرح۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اشتقاق میں درمیان مشتق اور مشتق منہ کی مناسبت معنوی اور لفظی ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی اس لئے کہ کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک لفظ ہے جو ایک معنی مفرد پر دلالت کرنے اور کلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک لفظ ہے مرکب دو لفظوں سے جو کہ اپنے اسنادی معنی پر دلالت کرے اور کلم کے معنی زخم کے ہیں جو مشتق منہ کلمہ اور کلام کیا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ مناسبت درمیان مشتق اور مشتق منہ کے تین قسموں پر منقسم ہے مناسبت معنی مطابقی

میں، دوسرے تضمنی میں، تیسرے التزامی میں۔ یہاں پر اگرچہ مناسبت تضمنی اور مطابقی نہیں پائی جاتی ہے مگر مناسبت التزامی موجود ہے وہ تاثیر ہے یعنی جس طرح کلمہ اور کلام کا معنی میں اثر ہوتا ہے اسی طریقہ سے زخم کا بھی اثر ہوتا ہے۔

فائدہ: دلالت مطابقی لفظ کے کل معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرنے کو کہتے ہیں اور تضمنی لفظ کے جزئی معنیٰ پر دلالت کرنے کو اور التزامی خارج موضوع لہ پر دلالت کرنے کو بولتے ہیں۔

وقد عبر بعض الشعراء عن بعض تأثيراتهما بالجرح حيث قال: شعر

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

اس میں ایک اعتراض کا جواب ہے جو شارح پر وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ کلمہ سے معنی تاثیر لینے کی کیا دلیل ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ دلیل اس کی ایک فصیح و بلیغ شاعر کا قول ہے جو غالباً حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نیزے کا زخم دوا سے اچھا ہو جاتا ہے لیکن زبان کا زخم کسی صورت اچھا نہیں ہوتا۔ دیکھئے یہاں شاعر نے کلمہ کے معنی تاثیر کے لئے ہیں۔

والكلم بكسر اللام جنس لا جمع كتمر وتمرة بدليل قوله تعالىٰ: ﴿إليه يصعد الكلم الطيب﴾۔

کلم بکسر لام جنس ہے جمع نہیں جیسے تمر و تمرۃ یعنی بغیر تاء کے جنس اور تاء کے ساتھ واحد ہے بدلیل اس قول اللہ تعالیٰ کے جو کہ اوپر مذکور ہے۔ مطلب شارح کا یہ ہے کہ کلمہ تاء کے ساتھ مفرد اور بغیر تاء کے کسرہ لام کے ساتھ اسم جنس ہے۔

وقيل: جمع حيث لا يقع إلا على الثلاث فصاعداً۔

یعنی بعض کے نزدیک یہ کلم بکسر لام جمع ہے اس لئے کہ تین پر اور اس سے زائد پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمع ہے۔

والكلم الطيب مؤوّل ببعض الكلم۔

اس میں اوپر کی عبارت پر ایک سوال تھا جس کا یہ جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ جب یہ کلم بکسرہ لام جمع ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿إليه يصعد الكلم الطيب﴾ ۔ میں مطابقت درمیان موصوف اور صفت کے نہیں ہوئی۔ کیونکہ کلم موصوف جمع اور الطیب مفرد صفت ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یہ مؤول بہ بعض الکلم ہے یعنی کلم سے پہلے مضاف بعض کا لفظ مقدر ہے جو مفرد مطابق موصوف کے ہے اب اس تاویل کی بنا پر طیب کی صفت بعض کا لفظ ٹھہرا۔

واللام فيها للجنس والتاء للوحدة ولا منافاة بينهما لجواز اتصاف الجنس بالوحدة والواحد بالجنس يقال هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ میں الف لام اگر حرفی ہے تو زائد ہے یا غیر زائد، اگر زائد ہے تو مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آئے گا اور اگر زائد نہیں ہے تو استغراقی ہے یا جنسی۔ استغراقی وہ ہے جس سے شی ءکی تمام ماہیت کی طرف اشارہ ہو یہاں پر وہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں پر تمام کلمے مراد نہیں ہیں ورنہ شرعی کلمہ بھی اس تعریف میں داخل ہو جائے گا جو کہ حقیقت میں کلام ہے کلمہ نہیں اور اگر جنسی ہے تو اس میں تاء وحدت کے لئے ہے اور درمیان وحدت اور جنس کے منافات ہے اور جنسی وہ ہے جس سے نفس ماہیت شی ءکی طرف اشارہ ہو اور اگر یہ الف لام اسمی ہے تو وہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور کلمہ فاعل ہے نہ مفعول ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ الف لام اس میں جنسی ہے اور تاء وحدت کے لئے ہے اور وحدت اور جنس کے درمیان منافات نہیں ہے کیونکہ وحدت کی چار قسمیں ہیں۔ وحدت جنسی۔ وحدت صنفی۔ وحدت نوعی۔ وحدت فردی۔ منافات جنس کی وحدت فردی کے ساتھ میں ہے نہ دوسری وحدتوں کے ساتھ۔ اسی وجہ سے جنس کی صفت محاورہ میں وحدت آتی ہے اور وحدت کی جنس دیکھئے۔ محاورات میں بولا جاتا ہے: هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس۔

ويمكن حملها على العهد الخارجي بإرادة الكلمة المذكورة على السنة النحاة۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ نے ایک دوسرے سوال مقدر کا جواب دوسرے پیرایہ پر دیا ہے۔ سوال کی تشریح یہ ہے کہ اگر الف لام عہدی ہو تو عہدی کی دو قسمیں ہیں۔ خارجی اور ذہنی۔ خارجی وہ ہے جس سے اشارہ ایک فرد معلوم کی طرف ہو جو کہ متکلم ہی کو معلوم ہو۔ اگر خارجی مراد ہو تو فرد معلوم خارج میں کونسا ہے؟ اور اگر ذہنی ہو تو ذہنی نکرہ کی قوت میں ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آئے گا۔

شارح نے اوپر مذکورہ عربی عبارت میں جواب دیا ہے کہ اس صورت میں عہد خارجی مراد لینا ممکن ہے اور کلمہ سے وہ کلمہ مراد ہے جو نحویوں کی زبان پر جاری ہے یعنی وہ کلمہ جس سے نحوی بحث کرتے ہیں اب فرد معہود درمیان متکلم اور سامع کے وہ کلمہ ہوا جس کو نحوی استعمال کرتے ہیں۔

لفظ اللفظ في اللغة: الرمي يقال: أكلت التمرة ولفظت النواة أي رميتها۔

لفظ کے معنی لغت میں پھینکنے کے ہیں اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ اول پھینکنا لفظ کے ساتھ منہ سے جیسے زیدٌ قائم۔ دوم پھینکنا بغیر لفظ و منہ کے جیسے لفظت الرحی الدقیق۔ یعنی چکی نے آٹا پھینکا۔ سوم منہ سے بغیر لفظ کے جیسے اکلت التمرة ولفظت النواة یعنی میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی اس کی پھینکی۔ دیکھئے اس میں منہ سے پھینکا جاتا ہے مگر بغیر لفظ کے، شارح نے ان تین صورتوں میں سے ایک آخری صورت کا ذکر کیا ہے۔

ثم نقل في عرف النحاة ابتداءً وبعد جعله بمعنى الملفوظ كالخلق بمعني المخلوق إلى ما يتلفظ به الإنسان۔

اس میں بھی ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الکلمۃ ترکیب میں مبتدا ہے اور لفظ اس کی خبر ہے اور مبتدا پر خبر محمول ہوا کرتی ہے اور یہاں پر حمل صحیح نہیں اس لئے کہ یہ مصدر صرف وصف ہے اور وہ مبتدا ذات ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا کہ لفظٌ کی خبریت باعتبار معنی اصطلاحی کے ہے اور وہ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ لفظ کو عرف نحاۃ میں ابتداءً یا اس کو بمعنی ملفوظ کر کے جیسے خالق بمعنی مخلوق ہے ما یتلفظ به الإنسان کی طرف منقول کیا گیا ہے تب جا کر خبر الکلمۃ کی ٹھہری ہے اب اس معنی کے لحاظ سے حمل صحیح ہو گیا اور اس کا حمل یہاں باعتبار معنی لغوی کے نہیں ہے۔

حقيقة أو حكماً مهملاً كان أو موضوعاً مفرداً كان أو مركباً۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ سوال مقدر یہ ہے کہ تعریف لفظ کی جو ما يتلفظ به الانسان ہے جامع نہیں ہے، اس سے لفظ حکمی خارج ہوتا ہے اس لئے کہ وہ انسان کے تلفظ میں نہیں آتا اور لفظ مہمل بھی خارج ہوتا ہے اس لئے کہ متبادر لفظ سے لفظ موضوع ہے نہ مہمل اور مرکب بھی نکل جاتا ہے کیونکہ لفظ سے متبادر لفظ مفرد مراد ہے نہ مرکب۔

شارح نے جواب دیا کہ ما يتلفظ به الانسان عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً خواہ مہمل ہو یا موضوع، خواہ مفرد یا مرکب۔

واللفظ الحقيقي كزيد وضرب والحكمي كالمنوى في زيد ضرب واضرب، إذ ليس من مقولة الحرف والصوت أصلاً۔

اس میں لفظ حقیقی اور حکمی کی مثالیں ہیں لفظ حقیقی جیسے زیدٌ وضرب اور حکمی جیسے ضمیر مستتر زیدٌ ضرب واضرب میں کیونکہ یہ لفظ حکمی صوت اور حرف کے مقولہ سے نہیں ہے۔

ولم يوضع له لفظ۔

اس میں ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے جو شارح پر وارد ہوتا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ جب لفظ حکمی حرف اور صورت کے مقولہ سے نہیں ہے تو معنیٰ ہونا چاہئے۔

اس کا شارح نے جواب دیا کہ معنیٰ وہ ہے جو مقصود باللفظ ہو اور لفظ حکمی کے لئے کوئی لفظ عربی محاورہ میں موضوع نہیں ہے۔ اس لئے حکمی لفظ ٹھہرا۔

وإنما عبروا عنه باستعارة لفظ المنفصل له من نحو: هو وأنت۔

اس میں بھی اعتراض مقدر کا جواب ہے۔ اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ جب لفظ حکمی حرف وصوت کے مقولہ سے نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ بھی وضع نہیں کیا گیا ہے تو یہ بات ماننے کے قابل نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے واسطے عربی محاورہ میں ضمیریں جیسے هو و انت وغیرهما موضوع ہیں پھر یہ کہنا کہ اس کے واسطے کوئی لفظ موضوع نہیں غلط ہے۔

شارح نے اس کا جواب یوں دیا کہ ضمائر اس کے لئے موضوع نہیں بلکہ اہل لسان استعارہ کر کے ان سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

وأجروا عليه أحكام اللفظ، فكان لفظاً حكماً لا حقيقةً۔

اس میں بھی ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ جب لفظ حکمی مقولہ حرف وصوت نہیں تو پھر اس کے لفظ حکمی ہونے کی کیا دلیل ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل لسان اس پر حکماً لفظ کے احکام جاری کر دیتے ہیں۔

والمحذوف لفظٌ حقيقةً لأنه قد يتلفظ به الإنسان في بعض الأحيان۔

اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظ کی تعریف جو اوپر کی گئی ہے جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے لفظ محذوف خارج ہو جاتا ہے اس واسطے کہ یہ ما يتلفظ به الانسان نہیں ہے۔

شارح نے اس جواب دیا کہ لفظ محذوف واقع میں لفظ ہے اس لئے کہ کبھی کبھی بعض اوقات میں اس پر انسان تلفظ کر لیتا ہے جیسے کہ یوسف میں یا حرف ندا ہے، جو محذوف ہے یا یوسف کہہ کہ محذوف پر تلفظ کر لیا جاتا ہے۔

وكلمات الله تعالىٰ داخلة فيه، إذ هي مما يتلفظ به الانسان۔

اس میں ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ لفظ کی تعریف سے اللہ کے کلمات نکلتے ہیں اس لئے تعریف جامع نہیں ہوئی کیونکہ کلمات اللہ ما يتلفظ به الانسان نہیں بلکہ ما يتلفظ به الله ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ کلمات اللہ اس تعریف میں داخل ہیں اس لئے کہ یہ بھی بعض بعض اوقات انسان کے تلفظ

میں آجاتے ہیں جیسے قرآن شریف جو اللہ کا کلام ہے اور انسان کے تلفظ میں روزمرّہ آتا ہے لہذا تعریف جامع ہوئی۔

وعلى هذا القياس كلمات الملائكة والجن۔

اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ لفظ کی تعریف سے ملائکہ کے کلمات خارج ہوتے ہیں کیونکہ وہ ما يتلفظ به الانسان نہیں بلکہ ما يتلفظ به الملائكة ہیں جیسے جبرائیل علیہ السلام کا قول ہے، حضرت شیر خدا اور حسن حسین کی مدح میں ؎

ان فى الجنة لنهرا من لبن لعلى وحسين وحسنٍ

اس طرح جنات کے کلمات بھی اس تعریف سے خارج ہوجاتے ہیں اس لئے کہ وہ ما يتلفظ به الجن ہیں نہ کہ ما يتلفظ به الانسان جیسے:

قبر حرب بمكان قفر وليس قرب قبر حرب قبر

یہ کسی جن کا حرب بن امیہ کے متعلق قول ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ کلمات ملائکہ اور کلمات جن بھی لفظ کی تعریف میں داخل ہیں اس لئے کہ یہ بھی انسان کے تلفظ میں آجاتے ہیں۔

و الدوال الأربع وهى الخطوط والعقود والنصب والإشارات غير داخلة فيه فلا حاجة إلى قيد يخرجها۔

یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ سوال یہ ہے کہ لفظ کی تعریف مانع دخول غیر سے نہیں، اس لئے کہ تعریف میں باعتبار دلالتِ معنیٰ لفظ کے دوال اربع بھی داخل ہوتے ہیں اس لئے جس طرح لفظ اپنے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اسی طرح یہ دوال اربع بھی اپنے معنوں پر دلالت کرتے ہیں جیسے خطوط، عقود، نصب، اشارات جو اپنے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں لہذا ایک ایسی قید لگانے کی ضرورت ہے جس سے یہ نکل جائیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دوال اربع اس تعریف میں داخل نہیں ہیں قید بڑھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ خروج سبق دخول چاہتا ہے جب یہ پہلے سے داخل نہیں ہیں تو پھر قید بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

وانما قال: لفظٌ ولم يقل لفظةٌ لأنه لم يقصد الوحدة۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ سوال یہ ہے کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور مفصل میں کلمہ کی تعریف میں لفظ کو لفظۃ لکھا ہے اور کافیہ میں لفظ بغیر تاء کے لکھا ہوا ہے۔ اس سے فرع کی اصل سے مخالفت لازم

آتی ہے لہذا مصنف کافیہ کولازم تھا کہ وہ اصل کی مطابقت کر کے لفظۃ تاء کے ساتھ لکھتے۔

اس کا شارح نے جواب دیا کہ کافیہ کے مصنف نے لفظ لکھا اور لفظۃ نہیں لکھا اس لئے کہ مصنف کافیہ کا اس سے مقصد وحدۃ نہیں ہے اور صاحب مفصل نے وحدت کا لحاظ کر کے تاء بڑھادی ہے اس غرض سے مخالفت ہوتی ہے جو باعث ضرر ہے۔

والمطابقة غير لازمة لعدم الاشتقاق۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ والا زمتی کہ لفظۃ تاء کے ساتھ ضرور لکھتے کیونکہ اس میں مبتدا کی خبر کی مطابقت مبدا کے ساتھ ہو جاتی اس لئے کہ مبتدا میں تاء ہے جس نے لفظ مبتدا کو مؤنث بنادیا ہے اسی طرح لفظ کے اندر تاء بڑھانے سے یہ لفظ بھی مؤنث ہو جاتا جس سے درمیان مبتدا اور خبر کے تانیث میں مطابقت ہو جاتی۔

اس کا شارح نے یوں جواب دیا کہ مطابقت درمیان مبتدا اور خبر کے چار شرطوں سے مشروط ہے۔ اول مبتدا و خبر کا اس میں ظاہر ہونا۔ دوم خبر کا ایسی صفت نہ ہونا جس میں تذکیر و تانیث یکساں ہو۔ سوم خبر کے اندر ضمیر مبتدا کی طرف راجع ہونا۔ چہارم خبر کا مشتق ہونا۔ ان شرطوں کے نہ پائے جانے کی بنا پر مطابقت درمیان مبتدا و خبر کے لازم نہیں ہے۔

مع كون اللفظ أخصر۔

اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ یہ شرطیں مطابقت مبتدا و خبر کے وجوب کی شرطیں ہیں یہاں پر ان کے نہ پائے جانے کی بنا پر یہ لازم نہیں آتا کہ مطابقت منع ہو بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مطابقت جس طریقہ سے لازم نہیں ہے اسی طریقہ سے منع بھی نہیں ہے لہذا دونوں طرف مساوی ہو گئے پھر لفظۃ کے ساتھ نہ لکھنا اور بغیر تاء کے لکھ دینے کی کیا ترجیح ہے؟

اس کا شارح نے جواب فرمایا کہ ترجیح لفظ کی لفظۃ پر مختصر ہونے کی وجہ سے ہے۔

وضع الوضع: تخصيص شيء بشيء بحيث متى أطلق أو أحس الشيء الأول فهم منه الشيء الثاني۔

وضع لغت میں رکھنے اور اصطلاح میں تخصیص شی بشی ءکو کہتے ہیں، وہ اس طریقہ سے کہ جس وقت شی ءاول پر اطلاق کیا جائے تو اس سے شی ءثانی معلوم ہو سکے۔ شی ءاول سے مراد لفظ اور ثانی سے معنی ہے یعنی جب لفظ بولا جائے تو اس سے معنی سمجھ میں آ جائیں۔

قیل: یخرج عنه وضع الحرف حیث لا یفهم منه معناه متی أطلق بل اذا أطلق معه ضم ضمیمة۔

اس میں وضع کی تعریف پر جو اوپر تخصیص شی بشی ء سے کی گئی ہے ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ وضع کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے حرف کی وضع نکلتی ہے اس لئے کہ حرف بولا جاتا ہے اور اس سے معنی سمجھ میں نہیں آتے بلکہ جب معنی سمجھ میں آتے ہیں جب اس کے ساتھ دوسرا کوئی لفظ ملا دیا جائے لہذا وضع کے ساتھ مع ضم ضمیمہ یا اطلاقاً صحیحاً کی قید بڑھانے کی ضرورت ہے۔

وأجیب بان المراد متی أطلق إطلاقا صحیحاً وإطلاق الحرف بلا ضم ضمیمة غیر صحیح۔

اس پر اوپر والے اعتراض کا جواب ہے کہ اطلاق سے مراد اطلاق صحیح ہے اور اطلاق حرف کا بغیر کسی دوسرے لفظ کے ملائے اطلاق صحیح نہیں ہوتا۔ لہذا حرف کی وضع تعریف میں داخل ہوئی یعنی حرف کا اطلاق صحیح جب ہوگا جب اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ ملا دیا جائے تو اس لحاظ سے حرف کی وضع کی تعریف صحیح ہے اور جب حرف دوسرے کسی لفظ سے ملا کر بولا جائے گا تو ضرور اس سے حرف کے معنی سمجھ میں آ جائیں گے اور اطلاق صحیح ہو جائے گا۔

ولا یبعد أن یقال: المراد بإطلاق الألفاظ أن یستعملها أهل اللسان فی محاوراتهم وبیان مقاصدهم فلا حاجة إلی اعتبار قید زائد۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے کہ مراد الفاظ کے اطلاق سے یہ ہے کہ اہل لسان اپنے مقاصد کو جب اپنے محاورہ میں ادا کرتے ہیں تو وہ ضم ضمیمہ کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پس اس لئے ضم ضمیمہ یا اطلاق صحیح کی قید بڑھانے کی ضرورت نہیں رہی۔

لمعنی المعنی ما یقصد بشیء۔

لفظ ''معنی'' کے معنی لغت میں مطلق قصد کے ہیں اور اصطلاح میں ما یقصد بشیء یعنی لفظ کے مقصود یا مطلب کو کہتے ہیں۔

فهو اما مفعل اسم مکان بمعنی المقصد أو مصدر میمی بمعنی المفعول أو مخفف معنی اسم مفعول کمرمیٌ۔

اس میں ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ لفظ معنی کا دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا صیغہ ظرف ہوگا جس کی بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ کلمہ ایک لفظ ہے جو مقصد کے مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے یا مصدر میمی ہو گا جس کی بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ کلمہ ایک لفظ ہے جو قصد کے لئے وضع کیا گیا ہے حال یہ کہ ایسا نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ کلمہ ایک لفظ ہے جو متکلم کے مقصود پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ ظرف بمعنی مفعول یا مصدر میمی بمعنی مفعول ہے بطریقہ مجاز اور علامت مجاز درمیان ظرف اور مفعول کے یہ ہے کہ یہ دونوں فعل کے متعلقات میں سے ہیں اور علاقہ مجاز درمیان مصدر اور مفعول کے کلیت اور جزئیت ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ یہ لفظ معنی اصل میں معنوِیٌ بصیغہ اسم مفعول تھا اور اس میں مرمویٌ کا اعلال اس طرح ہوا ہے کہ دو حرفِ علت اس لفظ معنی کے اخیر میں جمع ہوئے، اول ساکن دوسرا متحرک، اول کو اس کی جنس سے بدل کر ادغام کیا پھر خلاف قیاس یاء کی تخفیف کر کے معنی بنا دیا ہے۔

ولما كان المعنى ماخوذا في الوضع فذكر المعنى بعده مبنىٌّ على تجريده عنه۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کی تشریح یہ ہے کہ جب مصنف علیہ الرحمۃ نے وضع کا ذکر مقدم کیا تو اس کے بعد معنی کا ذکر کرنا بیکار ہے اس لئے کہ وضع کے مفہوم میں معنی داخل تھا کیوں کہ لفظ کی وضع بغیر معنی کے نہیں ہوا کرتی۔

اس کا شارح نے یوں جواب دیا ہے کہ معنی کا ذکر کرنا بعد وضع کے بیکار نہیں بلکہ یہ مبنی ہے تجرید پر یعنی وضع میں معنی کا لحاظ نہیں کیا ہے اس وجہ سے وضع کے بعد میں معنی کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔

فخرج به المهملات والألفاظ الدالة بالطبع إذ لم يتعلق بها وضع وتخصيص أصلاً وبقيت حروف الهجاء الموضوعة لغرض التركيب لا بإزاء المعنى وخرجت بقوله لمعنى إذ وضعها لغرض التركيب لا بإزاء المعنى۔

اس میں نہ کسی اعتراض کا جواب دینا مراد ہے نہ سوال کرنا ہے بلکہ اس سے شارح کو یہ بتانا منظور ہے کہ کلمہ کی تعریف میں لفظ، وضع، معنی و مفرد یہ سب قیودات احترازیہ ہیں یعنی جب وُضِـع کہا تو اس قید سے سب مہمل الفاظ اور الفاظ دالہ بالطبع نکل گئے کیونکہ وضع کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور کلمہ کی تعریف میں حروف تہجیہ جو صرف کلمات مرکب کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں باقی رہ گئے تھے وہ معـنـی کی قید بڑھانے سے نکل گئے اس لئے کہ وہ خالی کلمات

مرکب کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں نہ معنی کے لئے۔

فان قلت: قد وضع بعض الألفاظ بإزاء بعض اخر فكيف يصدق عليه أنه وضع لمعنى؟

اس میں کلمہ کی تعریف پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو شارح یوں ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کلمہ کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے وہ الفاظ نکلتے ہیں جو بعض الفاظ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ اسم کا جو زید، عمر، بکر، خالد وغیرہم کے لئے موضوع ہے یا جیسے لفظ فعل جو ضرب، یضرب، اضرب کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے یا لفظ حرف کا جو من ، الیٰ ، حتی وغیرھا کے مقابلہ میں موضوع ہے۔ دیکھئے یہاں الفاظ کے لئے الفاظ وضع کئے گئے ہیں نہ معنی کے لئے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعا یہ ہے کہ لفظ معنی کے لئے وضع ہوتا ہے لہذا تعریف جامع نہیں ہوئی تو پھر کیونکر وُضِع لمعنی ٹھیک ہوسکتا ہے؟

قلنا: المعنى ما يتعلق به القصد وهو أعم من أن يكون لفظاً أو غيره۔

اس میں شارح نے سوال مذکورہ بالا کا جواب دیا ہے کہ معنی اس کو کہتے ہیں جس سے متکلم کے قصد کا تعلق ہو وہ عام ہے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ لہذا کلمہ کی تعریف میں یہ مذکورہ الفاظ بھی داخل ہوئے۔

فان قلت: قد وضع بعض الكلمات المفردة بإزاء الألفاظ المركبة كلفظ الجملة والخبر فكيف يكون موضوعاً لمعنى مفرد؟

اس میں بھی شارح کا مقصد ایک اعتراض پر تنبیہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ تعریف کلمہ کی ان مفرد الفاظوں پر صادق نہیں آتی جو مرکب الفاظ کے مقابلہ میں وضع ہوئے ہیں جیسے لفظ جملہ وخبر کا جو زیدٌ قائمٌ کے مقابلہ میں موضوع ہے اور مصنف کا کہنا یہ ہے کہ کلمہ ایک لفظ ہے جو مفرد معنی کے مقابلہ میں وضع ہوتا ہے پھر کیونکر وضع لمعنی مفرد درست ہوسکتا ہے۔

قلنا: هذه الألفاظ وإن كانت بالقياس إلى معانيها مركبة لكنها بالقياس إلى ألفاظها الموضوعة بإزائها مفردة۔

اس میں شارح نے اوپر کے سوال کا جواب دیا ہے کہ زیدٌ قائمٌ اگر چہ بہ نسبت اپنے معنی کے مرکب ہے لیکن بہ نسبت لفظ جملہ کے مفرد ہے لہذا تعریف کلمہ کی جامع ہوئی۔

وقد أجيب عن الإشكالين بأنه ليس ههنا لفظ بإزاء لفظ اخر مفرداً كان أو مركبا بل

بإزاء مفهوم كلّي أفراده ألفاظ كلفظ الاسم والفعل والحرف والخبر والجملة وغيرها۔

اس میں اوپر مذکورہ سوالوں کا جواب بطریقہ منع دیا گیا ہے کہ بعض الفاظ بعض کے مقابلہ میں خواہ مفرد ہوں خواہ مرکب، موضوع نہیں ہوتے بلکہ لفظ ایک مفہوم کلی کے لئے وضع ہوتا ہے جس کے افراد الفاظ ہوتے ہیں جیسے زید، عمر، بکر، خالد و ضرب یضرب اضرب و من والی و حتی و ضرب زید و زید قائم وغیرھا۔

ولا يخفى عليك أن هذا الحكم منقوض بأمثال الضمائر الراجعة إلى ألفاظ مخصوصةٍ مفردة أو مركبة فان الوضع فيها وان كان عاماً لكن الموضوع له خاص فليس هناك مفهوم كلي هو الموضوع له في الحقيقة۔

اس میں شارح نے اوپر کے سوال کے جواب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حکم ضمیروں پر صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ ضمیریں ہمیشہ مخصوص چیزوں کے مقابلہ میں موضوع ہوتی ہیں خواہ الفاظ مفرد ہوں یا مرکب کیونکہ وضع ان میں اگر چہ عام بھی ہو لیکن ان کا موضوع لہ خاص ہوتا ہے یہاں کوئی مفہوم کلی حقیقت میں موضوع لہ نہیں ہوتا پھر کیسے یہ ٹھیک ہوسکتا ہے کہ مفہوم کلی کے مقابلہ میں الفاظ موضوع ہوتے ہیں۔

اس کا جواب شارح ملا جامی علیہ الرحمۃ نے نہیں دیا۔ یہ تحقیق نفیس دیتا ہے کہ ضمیروں کے متعلق دو مذہب ہیں ایک مذہب متقدمین علماء کا دوسرا متاخرین کا۔ مذہب متقدمین کا یہ ہے ضمیریں مفہوم کلی کے لئے موضوع ہوتی ہیں لیکن استعمال ان کا جزئیات میں ہوتا ہے اور مذہب متاخرین کا یہ ہے کہ ضمیریں بہت سی جزئیات کے لئے موضوع ہوتی ہیں لیکن اس میں لحاظ مفہوم کلی کا بھی ہوتا ہے لہذا ثانی جواب ملا جامی علیہ الرحمۃ کا متقدمین کے مذہب پر مبنی ہے۔

مفردٌ وهو اما مجرور على أنه صفة لمعنىً ومعناه ح ما لا يدل جزء لفظه على جزءه۔

اس میں شارح مفردٌ کا اعراب ترکیبی لحاظ سے تین طریقوں سے بتلانا چاہتے ہیں اول یہ کہ یہ لفظ مجرور ہے اس بنا پر کہ معنی کی صفت ہے اور معنی مجرور باللام ہے یہ لفظ بھی اسی لام کے ماتحت آکر مجرور ٹھہرایا جائے گا اس لئے کہ درمیان موصوف اور صفت کے مطابقت ضروری ہے اور مجرور ہونے کی صورت میں معنی کے مفرد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس کے جز پر جز لفظ دلالت نہ کرے۔

وفيه أنه يوهم أن اللفظ موضوع للمعنى المتصف بالافراد والتركيب قبل الوضع وليس الأمر كذلك فان اتصاف المعنى بالافراد والتركيب انما هو بعد الوضع۔

اس میں ایک سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفرد کا معنی کے لئے صفت ٹھہرانا صحیح نہیں ہے کیونکہ

اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ معنی کا افراد اور ترکیب سے موصوف ہونا بعد وضع کے ہوتا ہے۔

فینبغی ان یرتکب فیه تجوز کما یرتکب فی مثل من قتل قتیلا فله سلبه۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ نے اوپر کے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معنی کا افراد اور ترکیب سے قبل الوضع موصوف ہونا مجازاً ہے باعتبار مایؤول الیہ کے جیسے اس قول میں رسول مقبول ﷺ کے آیا ہے کہ من قتل قتیلا فله سلبه۔ دیکھئے اس میں مقتول کو قتل ہونے سے پہلے مقتول فرمایا۔ جیسے کہ فقہاء کے قول میں ہے کہ "اذا جاء المصلی فلیتوضأ" دیکھئے اس قول میں بھی وضو کرنے اور نماز پڑھنے سے پیشتر نمازی کو نمازی کہا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا گیا ہے۔

أو مرفوع علی أنه صفة للفظ ومعناه ما لا یدل جزء ه علی جزء معناه۔

اس میں اعراب مفرد کی دوسری صورت کا بیان ہے کہ یا یہ مفرد کا لفظ مرفوع ہے اس بنا پر کہ یہ لفظ کی صفت ہے اور لفظ ترکیب میں کلمۃ کی خبر ٹھہری تھی اور وہ مرفوع تھا لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اس صورت میں لفظ مفرد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس کا جزء جزء معنی پر دلالت نہ کرے۔

ولا بد من بیان نکتة فی ایراد أحد الوصفین جملة فعلیة والآخر مفرداً۔

اس میں ایک سوال ہے جس کو شارح یوں ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جب مفرد کو باعتبار صفت لفظ کے مرفوع ٹھہرایا تو لفظ کی اول صفت وضع ہے جو جملہ فعلیہ ہے اور دوسری صفت مفرد ہے جو جملہ نہیں ہے۔ پس ایک صفت جملہ فعلیہ اور دوسری صفت مفرد لانے میں کیا نکتہ ہے؟ اس نکتہ کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

وکأن النکتة فیه التنبیه علی تقدم الوضع علی الافراد حیث أتی به بصیغة الماضی بخلاف الافراد۔

اس میں اوپر کے سوال کا جواب ہے جس میں یہ ظاہر کیا تھا کہ ایک صفت مفرد کی جملہ فعلیہ دوسری صفت مفرد لانے میں کیا نکتہ ہے؟ یہاں شارح علیہ الرحمۃ نے یہ ظاہر کیا کہ وہ نکتہ اس میں یہ ہے کہ وضع افراد پر مقدم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وضع کو ماضی کے صیغہ سے ذکر کیا بخلاف مفرد کے۔

واما نصبه وان لم یساعده رسم الخط فعلی أنه حال من المستکن فی وضع أو من المعنی۔

اس میں مفرد کے اعراب کی تیسری صورت کا بیان ہے کہ جس کی تشریح یہ ہے کہ یا مفرد کا لفظ منصوب ہے

اس وجہ سے کہ یہ وضع کی ضمیر مستتر یا معنی سے حال واقع ہوا ہے جو منصوب ہو......اگر چہ نصب بنا بر حال رسم الخط کے قاعدہ سے خلاف ہے کیونکہ مفرد منصوب کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے اور اس کے آخر میں الف نہیں ہے لیکن یہ قاعدہ وہاں ہے جہاں نصب متعین ہو اور یہاں پر جر اور رفع کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے الف نہیں لکھا گیا اور قاعدہ کے خلاف ہوا۔

فإنه مفعول به بواسطة اللام۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفرد کا نصب بنا بر حال معنی سے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حال یا فاعل سے آتا ہے یا مفعول سے اور معنی نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مجرور باللام ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ معنی بواسطہ لام مفعول بہ ہے اس لئے اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔

ووجه صحته أن الوضع وإن كان مقدمًا علىٰ الإفراد بحسب الذات لكنه مقارن له بحسب الزمان وهذا لقدر كاف لصحة الحالية۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفرد کا نصب بنا بر حال وضع کی ضمیر یا معنی کے صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ درمیان حال اور ذو الحال کے مقارنت ضروری ہے اور درمیان وضع اور افراد کے مقارنت نہیں ہے بلکہ وضع افراد پر مقدم ہے بحسب ذات۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ وضع اگر چہ بحسب ذات افراد پر مقدم ہے لیکن درمیان ان دونوں کے بحسب زمان مقارنت ہے اور حال کی صحت کے لئے یہ مقارنت زمانی کافی ہے۔

وقيد الافراد لاخراج المركبات مطلقا سواءٌ كانت كلامية أو غير كلامية۔

اس میں شارح نے ایک فائدہ ظاہر کیا ہے وہ یہ کہ لفظ کلمہ کی تعریف میں جنس ہے جو مہملات و موضوعات و مفردات و مرکبات کلامی اور غیر کلامی سب کو شامل تھا وضع کی قید سے مہملات اور الفاظ دالہ بالطبع نکلے اور معنی کی قید سے حرف ہجائیہ نکلے اور مفرد کی قید سے مطلق مرکبات نکلے خواہ کلامی ہوں یا غیر کلامی۔

فيخرج به عن حد الكلمة مثل الرجل وقائمة وبصرى وامثالها مما يدل جزء اللفظ منه على جزء المعنى لكنه يعد لشدة الامتزاج لفظةً واحدة واعرب باعراب واحد۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے الرجل، وقائمة، وبصری اور ان کی مثل جن کے جز لفظ جز معنی پر دلالت کرے جیسے رجل کا الف لام اپنے معنی پر اور رجل اپنے معنی پر اور قائم میں قائم اپنے معنی پر اور تائے تانیث اپنے معنی پر اور بصری میں بصرہ اپنے معنی پر اور معنی

نسبتی اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں اس نے سے معلوم ہوا کہ یہ مرکبات ہیں حال یہ کہ واقع میں یہ مفردات ہیں اس لئے کہ یہ ایک اعراب سے معرب ہیں اور اعراب ہی وحدۃ لفظ کی وحدت پر اور اعراب کا تعداد لفظ کے تعدد پر دلالت کرتا ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا کہ اگر یہ الفاظ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت میں مرکبات ہیں اور ان کا ایک اعراب سے معرب ہونا شدت امتزاج کی بنا پر ہے۔

وبقی مثل عبد الله علما داخلا فیه مع انه معرب باعرابین۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں ''عبداللہ'' علمیت کی حالت میں داخل ہوتا ہے کیونکہ حالت علمیت میں جز اس کا جز معنی پر دلالت نہیں کرتا یعنی اس کی علمیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ عبد عبدیت پر اور اللہ الوہیت پر دلالت کرے باوجود اس کے یہ مرکب ہیں کیونکہ یہ لفظ دو اعرابوں سے معرب ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر ''عبداللہ'' حالت علمیت میں کلمہ کی تعریف میں داخل ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ علمیت کی حالت میں ایک کلمہ ہے اور اس کا دو اعرابوں سے معرب ہونا اس لئے ہے کہ اعلام میں حال سابق کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی ترکیب کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

ولا یخفیٰ علی الفطن العارف بالغرض من علم النحو انه لو کان الامر بالعکس لکان انسب۔

اس میں شارح کو ایک سوال پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نحوی لفظ کے احوال یعنی اعراب و بناء اور کیفیت و افراد سے بحث کرتے ہیں اور الرجل ، قائمۃ ، بصریٌ باعتبار لفظ کے مفرد اور باعتبار معنی کے مرکب ہیں اور عبد اللہ باعتبار لفظ کے مرکب اور باعتبار معنی کے مفرد ہے۔ اگر مصنف اس کا عکس کرتے یعنی عبداللہ کلمہ کی تعریف سے خارج کرتے اور الرجل وقائمۃ وبصریٌ کو کلمہ کی تعریف میں داخل کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ نحوی کی غرض لفظ کے احوال بیان کرنا ہوتا ہے۔

شارح نے لا یخفی سے اس سوال پر تنبیہ کر کے جواب چھوڑ دیا ہے اس کا جواب یہ حقیر دیتا ہے کہ نحوی مطلق لفظ سے بحث نہیں کرتے بلکہ لفظ کے ساتھ معنی کی بھی رعایت کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے الرجل و قائمۃ و بصری مرکب ہیں اس لئے کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے اور ''عبداللہ'' مفرد ہے وہ داخل ہوا۔

وما اورده صاحب المفصل فی تعریف الکلمة حیث قال: هی اللفظة الدالة علی معنی مفرد بالوضع فمثل عبد الله علماً خرج عنه، فإنه لا یقال له لفظة واحدة وبقی مثل الرجل

وقائمة وبصريّ مما يعد لشدة الامتزاج لفظة واحدة داخلا فيه فاخرجه بقيد الافراد ولو لم يخرجه بتركه لكان أنسب لماعرفت۔

اس میں شارح ملا جامی صاحب مفصل پر ایک اعتراض ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ انہوں نے کلمہ کی تعریف اس طرح کی ہے "هي اللفظة الدالة على معنى مفرد بالوضع " اس تعریف میں عبداللہ علمیت کی حالت میں کلمہ کی تعریف سے خارج ہوتا ہے کیونکہ اس کو لفظ واحد نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو لفظ مرکب کہا جاتا ہے الرجل وقائمة و بصریّ کو باوجود مرکب ہونے کے بوجہ شدت امتزاج ایک کلمہ سمجھ کر کلمہ کی تعریف میں داخل کیا ہے۔ پھر افراد کی قید سے نکال دیا اگر مفرد کی قید کو چھوڑ دیتے اور کلمہ کی تعریف سے نہ نکالتے تو بہتر ہوتا جیسا تم نے سمجھ لیا ہے کہ نحوی لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے بحث کرتے ہیں۔

اس کا جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ نحوی خالی لفظ سے بحث نہیں کرتے بلکہ معنی کا بھی لحاظ کر کے بحث کرتے ہیں۔

واعلم أن الوضع يستلزم الدلالة لأن الدلالة كون الشيء بحيث يفهم منه شيء اخر فمتى تحقق الوضع تحققت الدلالة، فبعد ذكر الوضع لا حاجة الى ذكر الدلالة كما وقع في هذا الكتاب۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ کہ دلالت دو حالتوں سے خالی نہیں ہے کہ کلمہ کے مفہوم میں داخل ہوگی یا خارج۔ اگر داخل ہے تو مصنف کی عبارت میں ذکر نہ کرنے سے قصور لازم ہوا اور اگر خارج ہو تو مفصل کی عبارت میں دلالت کا ذکر کرنا بیکار ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ وضع کے ذکر کرنے سے دلالت خود معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ دلالت کے معنی یہ ہیں کہ لفظ بولا جائے اور اس سے معنی سمجھ میں آجائیں پس جس وقت وضع ثابت ہوگی تو اس کے ضمن میں ساتھ ساتھ دلالت بھی ثابت ہوگی پس وضع کے ذکر کرنے کے بعد دلالت ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی جیسے کہ مصنف کی کتاب میں واقع ہے لہذا اس بنا پر مصنف کی عبارت میں قصور لازم نہیں ہوا۔

لكن الدلالة لا تستلزم الوضع لإمكان أن تكون بالعقل كدلالة لفظ ديز المسموع من وراء الجدار على وجود اللافظ وان تكون بالطبع كدلالة أح أح على وجع الصدر فبعد ذكر

الدلالة لا بد من ذكر الوضع كما في المفصل۔

اس میں صاحب مفصل پر جو استدراک کا سوال وارد ہوتا تھا اس کا جواب ہے جس کی تشریح یہ کہ جس طرح وضع کے ذکر کرنے سے دلالت الازم آتی ہے اس طریقہ سے دلالت سے وضع بھی سمجھ میں آ جاتی ہے پس صاحب مفصل کی تعریف میں دلالت ذکر کرنے کے بعد وضع کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ وضع سے دلالت سمجھ میں آتی ہے اور دلالت سے وضع سمجھ میں نہیں آتی کیوں کہ دلالت بغیر وضع بھی پائی جاتی ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ دلالت عقلی ہو جیسے لفظ دیز جو دیوار کے پیچھے سے سنا جاتا ہے اور وجود لافظ پر دلالت کرتا ہے یہ دلالت عقلی ہے یا ممکن ہے کہ وہ دلالت طبعی ہو جیسے دلالت اح اح کی درد سینہ پر پس دلالت ذکر کرنے کے بعد وضع کا ذکر کرنا ضروری ہے جیسے صاحب مفصل نے کیا۔

وهي أي الكلمة۔

اس میں صرف شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ھی کا مرجع کلمہ ہے اور یہ ضمیر اس کی طرف لوٹی ہے۔

اسم وفعل وحرف.

اس میں مصنف کافیہ نے کلمہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں ایک اسم، دوسرا فعل، تیسرا حرف۔ اور اسم کو فعل وحرف پر اس لئے مقدم کیا کہ یہ کلام عرب میں عمدہ مسند الیہ ومسند واقع ہوتا ہے بخلاف فعل وحرف کے لہذا اس کو اس شرافت کی وجہ سے مقدم کیا اور فعل کو حرف پر اس لئے مقدم کیا کہ کلام عرب میں یہ کلام کا ایک جز ہوتا ہے یعنی مسند بخلاف حرف کے کہ وہ کلام کی جزئیت سے باہر ہے اور وجہ حصر میں جو حرف کو مقدم کیا ہے وہ مختصر ہونے کی وجہ سے یا بساطت کی وجہ سے۔

أي منقسمة الى هذه الاقسام الثلثة۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضمیر جب مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو جائے تو رعایت خبر کی اولیٰ ہوتی ہے پس مناسب تھا کہ مصنف ھو اسمٌ وفعلٌ وحرف لکھتے نہ کہ ھی۔

شارح نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے مگر اس کی خبر محذوف ہے وہ منقسمة ہے یعنی کلمہ منقسم ہے تین قسموں میں یعنی اسم وفعل وحرف اور اسم، فعل، حرف میں ہر ایک خبر مبتدا محذوف کی ہے یعنی احدها اسمٌ وثانيها فعلٌ وثالثها حرف۔

ومنحصرة فيها۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو مصنف کافیہ کی لانها کی عبارت پر وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ لانها کلمہ کی تین قسموں پر منحصر ہونے کی دلیل ہے اور دلیل بغیر مدعا کے نہیں ہوا کرتی اور یہاں پر دلیل موجود ہے اور مدعا نہیں ہے

لہذا مصنف کی دلیل بغیر مدعا کے ٹھہری۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ دلیل مدعا مقدر کی ہے یعنی مصنف کے کلام میں مدعا مقدر ہے اور وہ منحصرة ہے۔

لأنـها أى الكلمة لما كانت موضوعة لمعنى والوضع يستلزم الدلالة فهى۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی لانھا کی عبارت میں کلمہ کے تین قسموں پر منحصر کر دینے کی دلیل ہے اور دلیل میں دلالت کو ذکر کیا ہے حال یہ کہ کلمہ کی تعریف میں اس کا ذکر نہ تھا اس سے دلیل اور مدعا کے درمیان مخالفت لازم ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کلمہ کی تعریف میں وضع کا ذکر تھا اور وضع سے دلالت خود لازم آجاتی ہے کیونکہ کلمہ معنی کے لئے موضوع مانا گیا ہے اور وضع سے دلالت لازم سمجھی گئی ہے پس کلمہ کی تعریف میں حکما دلالت مذکور ہوئی لہذا اب مخالفت درمیان دلیل اور مدعا کے لازم نہیں ہوئی۔

إمّا من صفتها۔

اس میں بھی شارح نے ایک مشہور مقدر سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خبر ہمیشہ اسم پر محمول ہوا کرتی ہے اور یہاں پر یہ حمل صحیح نہیں اس لئے کہ لانھا میں أن کا اسم ہا ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے اور وہ کلمہ ایک ذات ہے اور خبر اس کی أن تدل کا جملہ واقع ہوا ہے اور یہ ان مصدریہ کے داخل ہونے کی وجہ سے بتاویل مفرد ہو کر ایک مصدر ہو گیا ہے یعنی دلالت اور یہ صرف وصف ہے لہذا اس کا حمل اسم پر صحیح نہیں ہوا کیونکہ اس سے حمل وصف کا ذات پر لازم آتا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں من صفتها خبر کی جانب مقدر ہے جس کی تقدیر یہ ہوئی کہ لأنها من صفتها الخ اب دلالت ترکیب میں یا تو ظرف کا فاعل ہے یا مبتدا ہے اور من صفتها اس کی خبر مقدم ہے پس یہ أن تدل کے رفع کے محل میں ہے جو کہ ان کی خبر واقع ہوئی ہے۔

أن تدل على معنى كائن۔

اس سے شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ جار مجرور کا متعلق محذوف کائنٌ ہے۔

فى نفسها أى فى نفس الكلمة۔

اس میں کسی اعتراض کا رفع کرنا یا سوال کرنا مقصود شارح کا نہیں ہے بلکہ صرف مقصود یہ ہے کہ نفسها میں ہا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع کلمہ ہے۔

والمراد بكون المعنى فى نفسها أن تدل عليه بنفسها من غير حاجة الى انضمام كلمةٍ اخرىٰ اليها لاستقلاله بالمفهومية۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ کے نفس میں کلمے کا معنی کائن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ معنی کلمہ کا مدلول علیہ ہے اور یہ بعینہ أن تدل کے معنی ہیں۔ پس اس سے مصنف کی عبارت میں میں تکرار لازم آیا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کلمہ کے نفس میں معنی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ معنی مدلول علیہ کلمہ کا ہے کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کی حاجت نہیں کیونکہ وہ مستقل بالمفہوم ہے اور أن تدل کا مفہوم یہ ہے کہ معنی مدلول علیہ مطلق کلمہ کا ہے، خواہ مستقل بالمفہوم ہے ہو یا نہ ہو پس مصنف کی عبارت میں تکرار لازم نہیں ہوئی۔

أو من صفتها۔

اس میں بھی مذکورہ بالا من صفتها والی تقریر ہے ملاحظہ فرمایئے۔

أن لا تدل علىٰ معنىً فى نفسها بل على معنى يحتاج فى الدلالة عليه الى انضمام كلمة اخرىٰ اليها لعدم استقلاله بالمفهومية۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے اولا کے قول سے کلمہ کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک وہ کلمہ ہے جو معنی پر بالکل دلالت نہ کرے جیسے مہمل ۔ دوسرا وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت نہ کرے جو اس کے نفس میں ہو بلکہ اس معنی پر دلالت کرے جو غیر میں ہو بوجہ عدم استقلال کے جیسے حرف۔ تو اس سے مصنف کا قول الثانی الحروف مہمل پر بھی صادق آتا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یہ اولا کے اندر مصنف نے نفس دلالت کی نفی کی ہے نہ مطلق دلالت [illegible] ان تدل علی معنیً فی نفسها اس پر دلالت کرتا ہے۔ غور کیا جائے۔

سيجىء تحقيق ذلك فى بيان حد الاسم ان شاء الله تعالىٰ۔

اس میں مصنف نے استقلال بالمفہوم کی تحقیق کے بیان کرنے کا وعدہ اسم کی تعریف میں بیان کرنے کو فرمایا ہے انشاءاللہ تعالیٰ وہاں تحقیق کر کے بیان کریں گے۔

القسم۔

اس کے بڑھانے سے شارح کو ایک سوال مقدر کا جواب دینا منظور ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ ثانی کی صفت ہے اور کلمہ مؤنث ہے اور ثانی مذکر ہے اس لئے درمیان صفت موصوف کے مطابقت نہیں ہوئی۔ مصنف کو لازم تھا

کہ بجائے الثانی کے الثانیۃ لکھتے تا کہ درمیان موصوف اور صفت کے مطابقت ہو جاتی۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ کلمہ مؤول بہ قسم ہے اور وہ مذکر ہے لہذا درمیان موصوف اور صفت کے مطابقت حاصل ہوئی۔

الثانی وهو ما لا یدل علی معنی فی نفسها۔

اس سے شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ثانی قسم حرف کی ہے جو اپنے معنی پر بغیر ملائے کسی دوسرے کلمہ کی دلالت نہ کر سکے۔

الحرف کمن والی فانهما یحتاجان فی الدلالة علی معنیهما اعنیٰ الابتداء والانتهاء الی کلمة اخریٰ کالبصرة والکوفة فی قولك سرت من البصرة الی الکوفة۔

اس میں شارح نے حرف کی مثال اور حرف کی معنوی تحقیق کی ہے یعنی حرف کی مثال جیسے من و الی ہے کہ یہ دونوں اپنے معانی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے محتاج ہیں اور حرف کی تحقیق معنوی یہ ہے کہ من کے معنی ابتدا کے ہیں اور الی کے معنی انتہا کے ہیں۔ دیکھئے کہ سرت من البصرة الی الکوفة کے قول میں اگر سرت اور کوفہ کے الفاظ نہ بڑھائے جائیں تو من والی اپنے معانی پر دلالت نہیں کر سکتے۔ پس یہ اپنے معانی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے محتاج ہو گئے اس لئے یہ مستقل بالمفہوم نہیں ہیں۔

وانما سمی هذا القسم حرفا لان الحرف فی اللغة الطرف۔

اس سے شارح کو صرف حرف کی وجہ تسمیہ بتانی مقصود ہے یعنی حرف کو اس لئے حرف کہتے ہیں کہ حرف کے معنی لغت میں طرف کے ہیں عربی محاورہ میں بولا جاتا ہے فلان فی حرف الوادی یعنی فلاں جنگل کے کنارہ میں ہے۔ دیکھئے یہاں حرف کے معنی طرف کے لئے گئے۔

وهو فی طرف أی جانب مقابل۔

اس سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حرف طرف کلام میں واقع ہوتا ہے یعنی جانب مقابل۔

للاسم والفعل۔

اس عبارت کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حرف کبھی کلام کے درمیان میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے ارید ان تحسن الیّ۔ دیکھئے یہاں پر ارید اور تحسن کے درمیان أن حرف واقع ہوا ہے پس یہ کہنا کہ حرف کے معنی طرف کے ہیں غلط ثابت ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں طرف سے مقابل مراد ہے یعنی حرف اسم وفعل کی جانب مقابل میں واقع ہوتا ہے یعنی نہ اسم ہوتا ہے اور نہ فعل ہوتا ہے یہ معنی ہیں طرف میں واقع ہونے کے۔

حيث يقعان عمدة في الكلام وهو لا يقع عمدة فيه كما ستعرف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حرف مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا اور اسم وفعل مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں پس غیر مستقل مستقل کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے لہذا یہ کہنا کہ حرف فعل واسم کا مقابل ہے غلط ثابت ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مقابلہ کے معنی یہ ہیں کہ اسم وفعل کلام عربی میں عمدہ یعنی مسند اور مسند الیہ واقع ہوتے ہیں اور حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ یہ معنی مقابلہ کے ہوتے ہیں کہ اپنے مقام پر تم جان لوگے۔

والقسم۔

اس کی اوپر تقریر گزر چکی ہے ملاحظہ ہو۔

الأول وهو ما يدل على معنى في نفسها۔

یعنی قسم اول وہ کلمہ ہے جو معنی پر بالاستقلال دلالت کرے۔

إمّا من صفتها۔

من صفتها کے بڑھانے کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

أن يقترن ذلك المعنى المدلول عليه بنفسها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یقترن کی ضمیر مستتر فاعل کی دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا اول کے لفظ کی طرف لوٹے گی یا معنی کی طرف۔ یہ دونوں صحیح نہیں ہیں لفظ اول کی طرف لوٹانا اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ اقتران معنی کی صفت ہے نہ کلمہ کی اور اول سے مراد کلمہ ہے اور معنی کی طرف لوٹانا اس لئے صحیح نہیں کہ معنی کا اوپر عبارت میں کہیں ذکر نہیں ہے اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یقترن کی ضمیر معنی کی طرف لوٹتی ہے اور وہ معنی اگرچہ عبارت میں مذکور نہیں لیکن اس حیثیت سے کہ وہ مدلول کلمہ کا ہے واقع میں مذکور مانا جائے گا جیسے قول اللہ تعالیٰ میں آیا ہے کہ ﴿اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾۔ دیکھئے یہاں پر ھو کی ضمیر عدل مصدر کی طرف لوٹتی ہے اور وہ لفظ میں مذکور نہیں ہے لیکن اعدلوا کے جملہ

میں وہ حکماً مذکور مانا گیا ہے اس لئے ضمیر لوٹائی گئی لہذا معنی کی طرف یقترن کی ضمیر لوٹانے سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا۔

فی الفهم عنها۔

اس میں بھی ایک سوال کا جواب ہے وہ یہ کہ مصادر کے معنی بھی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے مقترن ہوتے ہیں یعنی جب مصدر اپنے معنی پر دلالت کرے گا تو ان تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں ضرور پایا جائے گا پس مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی فعل کی تعریف میں داخل ہوں حالانکہ یہ فعل نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اقتران سے اقتران فی الفہم مراد ہے نہ فی الوجود یعنی فعل اپنے معنی پر دلالت کرے اور اس میں کوئی زمانہ سمجھا جائے تب یہ فعل ہوگا اور مصادر کے معانی کا وجود ان زمانوں میں سے کسی زمانے میں ہوتا ہے لیکن سمجھا نہیں جاتا۔

بأحد الأزمنة الثلثة أعنى الماضى والحال والاستقبال۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یوں ہے کہ صبوح اور غبوق کے معنی بھی تین زمانوں میں سے کسی زمانے سے مقترن ہوتے ہیں لہذا چاہئے کہ یہ بھی فعل ہوں حالانکہ یہ فعل نہیں ہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ تین زمانوں سے مراد مخصوص زمانے ہیں یعنی ماضی، حال اور استقبال نہ مطلق زمانے۔

أى حين يفهم ذلك المعنى عنها يفهم الأحد الأزمنة الثلثة أيضاً مقارناً له۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد فرمایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ماضی و حال و مستقبل کے الفاظ کے معنی بھی تین مخصوص زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے ضرور مقترن ہوتے ہیں تو چاہئے کہ یہ بھی افعال ہو کر فعل کی تعریف میں داخل ہو جائیں حالانکہ یہ افعال نہیں ہیں بلکہ اسماء ہیں۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ اقتران کے معنی یہ ہیں کہ جب فعل اپنے لغوی حدثی معنی پر دلالت کرے تو اس کے ساتھ ساتھ تین زمانوں میں سے ایک زمانہ بھی سمجھا جائے اور ان الفاظ کے معنی عین زمانے کے ہوتے ہیں نہ لغوی حدثی کے معنی، جو فعل کے معنی ہیں۔

أو من صفتها۔

اس کی تقریر اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

أن لا يقترن ذلك المعنى فى الفهم عنها مع أحد الأزمنة الثلثة۔

اس کی تقریر بھی یقترن کے بیان میں مفصل مذکور ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔

القسم الثانی وهو ما يدل على معنىً فى نفسها غير مقترن باحد الازمنة الثلثة۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ثانی قسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں نہ پایا جائے وہ اسم ہے۔

الاسم وهو ماخوذ من السمو وهو العلو لاستعلائه على اخويه حيث يتركب منه وحده الكلام دون اخويه۔

اس سے شارح وجہ تسمیہ اور ماخذ اشتقاق اسم کا بتانا چاہتے ہیں کہ اسم ماخوذ ہے سموٌ سے جس کے معنی علو کے ہیں یعنی اسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے اخوات فعل وحرف پر عالی ہوتا ہے کیونکہ اس سے اکیلا کلام مرکب ہوتا ہے بخلاف فعل حرف کے کہ ان سے بغیر کسی دوسرے کلمہ کے ملائے کلام مرکب نہیں ہوسکتا۔

وقيل: من الوسم وهو العلامة لانه علامة على مسماه۔

اس سے شارح اسم کا دوسرا ماخذ اشتقاق بتانا چاہتے ہیں یعنی کسی نے کہا ہے کہ اسم وسم سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہیں اس لحاظ سے اسم کو اسم کہتے ہیں کہ یہ اپنے مسمی معنی پر علامت ہوتا ہے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے کیونکہ فعل وحرف بھی اپنے معانی پر علامت ہوتے ہیں۔

پس اسی وجہ سے اس مذہب کو شارح نے قیل سے ذکر کرکے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

والقسم۔

اس کے بڑھانے کی وجہ معلوم ہو چکی۔

الأول وهو ما يدل على معنىً فى نفسها مقترن باحد الازمنة الثلثة۔

اس میں مقصد شارح کا یہ ہے کہ دوسری قسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں پایا جائے وہ فعل ہے۔

الفعل سمى به لتضمنه الفعل اللغوى وهو المصدر۔

اس میں شارح فعل کی وجہ تسمیہ بتا کر ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں تقدیر سوال کی یہ ہے کہ فعل کے معانی کا تین زمانوں سے اقتران صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس سے اقتران زمانہ کا زمانہ سے لازم آتا ہے کیوں کہ زمانہ فعل کے مفہوم کا جز ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یہاں فعل کے معنی سے مراد تضمنی معنی حدث کے ہیں یعنی فعل کو اس لئے فعل کہتے ہیں کہ یہ لغوی فعل کو شامل ہے جس کو مصدر کہتے ہیں۔

فائدہ: فعل اصطلاح نحاۃ میں عبارت ہے نسبت فاعلی اور نسبت زمانی اور مصدر سے یعنی اصطلاحی فعل ان تینوں سے مرکب ہے اور لغت میں فعل خالی مصدر ہی کو کہتے ہیں پس اس لحاظ سے اصطلاحی فعل میں تسمیہ کل باسم جز ہے یعنی حقیقت میں فعل مصدر ہی کا نام ہے لیکن وہ اصطلاحی فعل کا ایک جز ہے اس جز کا نام کل کو دے دیا گیا ہے اسی کو تسمیہ کل باسم جز کہتے ہیں۔

وقد علم بذلک أی بوجه حصر الكلمة فی الأقسام الثلثة۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ذلك اسم اشارہ مذکر واحد کا ہے اگر اس سے اشارہ لأنهـا کی طرف ہو تو وہ جملہ ہے پس درمیان اسم اشارہ ومشار الیہ کے مطابقت نہیں ہوگی۔ اگر اس سے اشارہ وجہ حصر کی طرف ہو تو اس کا اوپر کہیں ذکر نہیں ہے اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کا مشار الیہ وجہ حصر ہے اور اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا اس لئے کہ لأنهـا میں حکماً اس کا ذکر ہو چکا ہے اور کلمہ کی تین قسموں میں منحصر کر دینے سے تعریف اسم، فعل اور حرف ہر ایک کی معلوم ہوگئی۔

حد كل واحد منها أی من تلك الاقسام وذلك لانه قد علم به أی بوجه الحصر أن الحرف كلمة لا تدل على معنى فی نفسها بل تحتاج الى انضمام كلمة اخرى، والفعل كلمة تدل على معنىً فی نفسها لكنه مقترنٌ بأحد الأزمنة الثلثة، والاسم كلمة تدل على معنى فی نفسها غير مقترن باحد الأزمنة الثلثة فالكلمة مشتركة بين الاقسام الثلثة۔

یعنی اسم، فعل اور حرف ہر ایک کی تعریف وجہ حصر سے اس طرح معلوم ہوگی کہ حرف ایک کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت نہ کر سکے بلکہ دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے ملانے کا محتاج ہو اور فعل وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی اس میں پایا جائے اور اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر باستقلال دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں نہ پایا جائے۔ پس اس تقدیر سے کلمہ درمیان ان تین قسموں کے مشترک ہوا۔

والحرف ممتاز عن أخويه لعدم الاستقلال فی الدلالة، والفعل ممتازٌ عن الحرف

بالاستقلال وعن الاسم بالاقتران، والاسم ممتاز عن الحرف بالاستقلال وعن الفعل بعدم الاقتران، فعلم لكل واحد منها معرفٌ جامعٌ لافراده، مانعٌ عن دخول غيرها فيه۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو شارح پر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب کلمہ اسم، فعل اور حرف میں مشترک ہوا تو پھر امتیاز کی کیا صورت ہوگی اور ہر ایک کی تعریف دوسرے سے جدا کیسے ہوگی؟

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ حرف اسم وفعل سے بوجہ عدم استقلال ممتاز ہے اور فعل حرف سے بوجہ استقلال ممتاز ہے اور اسم نے بوجہ اقتران ممتاز ہے اور اسم، حرف سے بوجہ استقلال اور فعل سے بوجہ عدم اقتران ممتاز ہے۔ پس اس سے ہر ایک کی تعریف جامع مانع حاصل ہوگئی۔

وليس المراد بالحد ههنا الا المعرف الجامع المانع۔

اس میں بھی ایک مقدر سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حد کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کی تعریف جمیع ذاتیات سے کی جائے اور حصر کی وجہ بیان کرنے سے سوائے مفہوم جامع اور مانع کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ ذاتیات کا کوئی ذکر نہیں معلوم ہوتا۔

شارح نے جواب دیا کہ حد سے یہاں مراد تعریف جامع مانع مجازاً ہے یعنی حد منطقی جس میں تعریف شیء بذاتیات ہوتی ہے یہاں مراد نہیں بلکہ حد سے یہاں تعریف نحوی مراد ہے۔

ولله در المصنف حيث أشار إلى حدودها في ضمن دليل الحصر ثم نبه عليها بقوله وقد علم بذلك ثم صرح بها فيما بعد بناء على تفاوت مراتب الطبائع۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یوں ہے کہ جب مصنف کافیہ نے حصر کی دلیل کی ضمن میں اسم، فعل اور حرف، ہر ایک کی تعریف جدا جدا کر دی تو پھر قد علم سے تنبیہ کرنے اور مابعد میں تصریح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مصنف کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس میں طبیعتوں کا لحاظ کر کے عبارت لکھی ہے یعنی طبیعتوں کے تفاوت کا خیال کر کے وجہ حصر میں اذکیاء کو آگاہ کیا پھر متوسط طبیعت والوں کو قد علم سے متنبہ کیا اور مابعد میں کم فہم طلبہ کو آگاہ کرنے کے لئے تصریح کر کے مشکور فرمایا۔

الكلام۔

جب مصنف کافیہ علیہ الرحمۃ کلمہ کی تعریف اور اقسام بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب کلام کی تعریف شروع کی۔

فی اللغة ما یتکلم به قلیلاً کان أو کثیراً وفی اصطلاح النحاۃ۔

اس سے شارح کا مقصد کلام کی لغوی تعریف بیان کرنا اورعموم کی طرف اشارہ کردینا ہے یعنی کلام لغت میں اس کو کہتے ہیں جس پر متکلم تکلم کرے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر یعنی کلام لغوی، اصطلاحی کلام سے تین وجوہ سے عام ہے ایک یہ کہ لغوی کلام مہمل پر بھی صادق آتا ہے بخلاف اصطلاحی کے۔ دوسرے یہ کہ کلام لغوی اس پر بھی صادق آتا ہے، جس میں نسبت بالکل نہ پائی جائے بخلاف اصطلاحی کے۔ تیسرے یہ کہ کلام لغوی اس پر بھی صادق آتا ہے جس میں نسبت اضافی وتوصیفی پائی جائے بخلاف اصطلاحی کے۔ اور اصطلاح میں کلام کی تعریف ما تضمن کلمتین ہے جیسے مصنف نے کی ہے۔

ما تضمن أی لفظ تضمن۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف میں ما کا لفظ چار حالتوں سے خالی نہیں ہوگا یا اس سے لفظ مراد ہوگا یا شی ء یا کلمہ یا کلام اور یہ سب صحیح نہیں۔

اول اس لئے کہ کلام کی تعریف نعم پر بھی صادق آئے گی جو أقام زید؟ کے جواب میں واقع ہو کیونکہ یہ بھی ایک لفظ ہے جو دو کلموں کو شامل ۔ ہے حال یہ کہ کلام نہیں۔

اور دوسرے اس لئے کہ کلام کی تعریف اس کاغذ پر صادق آئے گی جس پر کہ زید قائم لکھا ہوا ہو کیونکہ وہ بھی ایک شی ء ہے جو دو کلموں کا شامل ہے حال یہ کہ یہ کلام نہیں ہے۔

تیسرے اس لئے کہ اس سے حمل جز کا کل پر لازم آئے گا اور کلمہ کا کلمتین کو شامل ہونا ثابت ہوجائے گا۔

اور چوتھے اس لئے کہ اس سے اخذ محدود کا حد میں لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر ما عبارت لفظ سے ہے اور تضمن سے مراد تضمن کل اجزا کا ہے اور نعم کا لفظ مؤول بکلمتین ہے۔

کلمتین حقیقة أو حکما أی یکون کل واحدة منهما فی ضمه۔

حقیقتا أو حکما کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں ہے اس سے زید قائم ابوہ اور زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ کے جملے نکلتے ہیں کیونکہ ان تین جملوں میں سے ہر ایک جملہ چار کلموں کو شامل ہے نہ کلمتین کو اور مصنف کی تعریف میں تضمن کلمتین ہے حالانکہ ان جملوں پر بھی کلام کی تعریف صادق آتی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ کلمتین عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور یہ جملے مذکورہ مؤول بتاویل مفرد ہیں یعنی زیدٌ قائمٌ الأب۔

فالمتضمن اسم فاعل هو المجموع والمتضمن اسم مفعول كل واحدة من كلمتين فلا يلزم اتحادهما۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے کلام کی تعریف اس طرح کی ہے کہ الکلام ما تضمن کلمتین اور جولفظ کہ دوکلموں کوشامل ہو وہ عین کلام ہوتا ہے اور کلمتین بھی کلام ہے لہذا اس سے درمیان متضمن اور متضمن کے اتحاد لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ متضمن بصیغہ اسم فاعل سے مراد مجموع من حیث مجموع کلام ہے اور متضمن بصیغہ اسم مفعول سے مراد کلام کا ہر ایک کلمہ ہے پس اتحاد لازم نہیں آیا۔

بالإسناد أی تضمناً۔

اس کے بڑھانے سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب جو مصنف کافیہ پر وارد ہوتا ہے دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ عربی کلام میں جب جار مجرور واقع ہوتو اس میں محلی اعراب ہوتا ہے یہاں پر بالاسناد میں محلی اعراب کیا ہوگا؟

شارح نے جواب دیا کہ اس کا اعراب محلی نصب ہے اس لئے کہ یہ مفعول مطلق باعتبار موصوف محذوف تضمن کے واقع ہوا ہے یعنی بالإسناد جار مجرور صفت اور تضمناً جو شارح نے بڑھایا ہے اس کا موصوف ہے۔ موصوف صفت دونوں مل کر ترکیب میں تضمن کا مفعول مطلق واقع ہوئے ہیں۔

حاصلا بسبب إسناد إحدى الكلمتين إلى الأخرى۔

اس میں صرف حاصلاً کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جار مجرور کی وصفیت باعتبار متعلق کے ہوتی ہے اور یہاں پر بالإسناد کا متعلق اگر فعل مذکور تضمن ہوتو اس سے صفت کی تقدیم موصوف پر لازم آئے گی اور اگر اس کا متعلق مصدر محذوف تضمناً ہو جس کو شارح نے بڑھایا ہے تو اس سے درمیان موصوف اور صفت کے اتحاد لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ اس کا متعلق نہ فعل مذکور اور نہ مصدر محذوف ہے بلکہ اس کا متعلق حاصلا مقدر ہے اور بالإسناد میں باسببیت کے لئے ہے یعنی وہ تضمن جو دو کلموں میں سے ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی طرف منسوب کرنے سے حاصل ہو۔

والإسناد نسبة إحدى الكلمتين حقيقة أو حكما إلى الأخرى بحيث تفيد المخاطب فائدة تامة۔

اس سے شارح اسناد کے معنی بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے معنی نسبت کے ہیں اور نسبت کے معنی یہ ہیں کہ دو کلموں میں سے ایک کلمہ کی نسبت دوسرے کی طرف اس طرح کی جائے جس سے مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہو اور اس عبارت میں حقیقةً اور حکماً بڑھانے کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

فقوله: "ما" يتناول المهملات والمفردات والمركبات الكلامية وغير الكلامية وبقيد تضمن كلمتين خرجت المهملات والمفردات وبقيد الإسناد خرجت المركبات الغير الكلامية مثل غلام زيد ورجل فاضلٌ۔

اس میں شارح چند فوائد بتانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ما کا لفظ مصنف کافیہ کے کلام کی تعریف میں ایک جنس ہے جو مہملات، موضوعات اور مفردات و مرکبات کلامیہ اور غیر کلامیہ ان سب کو شامل تھا۔ پس تضمن کلمتین کی قید سے مہملات اور مفردات نکلے اور بالإسناد کی قید سے مرکبات غیر کلامیہ نکلے جیسے غلام زید ورجلٌ فاضلٌ۔

وبقيت المركبات الكلامية سواء كانت خبرية مثل ضرب زيد، وضربت هندٌ وزيدٌ قائم۔

اس سے شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بالاسناد کی قید سے صرف مرکبات غیر کلامیہ نکلے ہیں کلام کی تعریف میں مرکبات کلامیہ باقی رہ گئے ہیں برابر ہے کہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زیدٌ اور ضربت هندٌ وزيدٌ قائمٌ۔

أو انشائية مثل اضرب، ولا تضرب فإن كل واحد منهما تضمن كلمتين إحداهما ملفوظة والأخرى منوية وبينهما إسناد يفيد المخاطب فائدة تامة۔

اس میں شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے کر مرکبات کلامیہ کو خبری اور انشائی کلام میں عام کرنا چاہتے ہیں۔ سوال کی تشریح یہ ہے کہ کلام خبری کا کلمتین کو شامل ہونا مسلم ہے لیکن کلام انشائی کا کلمتین کو شامل ہونا مسلم نہیں ہے کیوں کہ اضرب ولا تضرب میں بظاہر دو کلمے معلوم نہیں ہوتے۔

شارح نے جواب دیا کہ وہ دو کلمے عام ہیں حکماً ہوں یا حقیقةً پس ان جملوں میں یعنی اضرب ولا تضرب میں ہر ایک جملہ کلمتین کو شامل ہے اگرچہ ایک ملفوظ اور دوسرا حکمی ہے کیونکہ ان جملوں میں نسبت پائی جاتی ہے جس سے مخاطب کو فائدہ تامہ مل سکتا ہے۔

وحيث كانت الكلمتان أعم من أن تكونا كلمتين حقيقة أو حكما دخل في التعريف مثل زيدٌ أبوه قائم أو قام أبوه أو قائم أبوه فإن الإخبار فيها مع أنها مركبات لكنها في حكم الكلمة المفردة أعني قائم الأب۔

اس سے شارح وہی اوپر حقيقة اور حكماً بڑھانے کی وجہ کا فائدہ بتانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ جب كلمتين حقیقی اور حکمی ہو کر عام ہو گئے پس اس سے کلام کی تعریف میں زيدٌ أبوه قائم أو قام أبوه اور قائم أبوه یہ سب داخل ہو گئے اس لئے کہ یہ اگرچہ مرکبات ہیں لیکن ان کے اندر خبر مفرد کے حکم میں ہے یعنی قائم الأب۔

ودخل فيه ايضاً مثل جسق مهمل وديز مقلوب زيد مع أنّ المسند إليه فيهما مهمل ليس بكلمة فإنه في حكم هذا اللفظ۔

اس میں شارح صاحب ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے جسقٌ مهمل اور ديز مقلوب زيد نکلتے ہیں کیونکہ ان جملوں میں مسند الیہ مہمل ہے، کلمہ نہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ جسقٌ مهملٌ اور ديز مقلوب زيد کلام کی تعریف میں داخل ہے اگرچہ مسند الیہ ان میں مہمل ہے کلمہ نہیں اس لئے کہ یہ هذا اللفظ کے حکم میں ہے یعنی هذا الفظ بڑھانے سے ان جملوں میں دونوں کلمے کلام کے ہو جائیں گے کلام کی تعریف صحیح ہو جائے گی۔

اعلم أن كلام المصنف عليه الرحمة ظاهرٌ في أن نحو: ضربت زيداً قائماً بمجموعه كلام بخلاف كلام صاحب المفصل حيث قال: الكلام هو المركب من كلمتين أسندت إحدهما إلى الأخرىٰ فإنه صريح في أن الكلام هو ضربت والمتعلقات خارجة عنه۔

اس میں شارح صاحب مفصل اور ابن حاجب کے آپس کے اختلاف کو ظاہر فرما کر ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے ضربت زيداً قائماً نکلتا ہے کیونکہ وہ دو کلموں کو متضمن نہیں ہے نہ حقیقۃً نہ حکماً بلکہ وہ چار کلموں کو شامل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ضربت زيداً قائماً مجموعہ کلام ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں کوئی قید نہیں بڑھائی ہے بخلاف کلام صاحب مفصل کے کہ اس سے صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام صرف ضربت ہے اور متعلقات اس سے خارج ہیں کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف اس طرح کی ہے کہ

الكلام هو المركب من كلمتين أسندت إحداهما إلى الاخرىٰ۔

یعنی کلام وہ ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو اور اس میں ایک کلمہ کی نسبت دوسرے کلمہ کی طرف کی جائے یعنی ایک کلمہ مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ۔ تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ کلام خالی ضربت ہے کیونکہ اس میں مسند و مسند الیہ پایا جاتا ہے۔

ثم اعلم أن صاحب المفصل وصاحب اللباب ذهبا إلى ترادف الكلام والجملة، وكلام المصنف ايضاً ينظر الى ذلك فانه قد اكتفى فى تعريف الكلام بذكر الإسناد مطلقاً ولم يقيده بكونه مقصوداً لذاته ومن جعله اخص من الجملة قيّده به فحينئذ يصدق الجملة على الجمل الخبرية الواقعة اخباراً أو اوصافاً بخلاف الكلام۔

اس سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف مانع نہیں ہے اس میں جملہ داخل ہوا کیونکہ وہ بھی دو کلموں کو بالاسناد شامل ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب اس طرف گئے ہیں کہ جملہ اور کلام مترادف ہیں اور مصنف کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں اسناد کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور اس کو مقصوداً لذاتہ کی قید سے مقید نہیں کیا تو اس لحاظ سے اگر دو مترادفات میں سے ایک دوسرے کی تعریف میں داخل ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور یہی مذہب مختار ہے اور صاحب تسہیل کلام کو جملہ سے اخص مانتے ہیں اور اسناد کو مقصوداً لذاتہ کی قید سے مقید کر دیتے ہیں۔ پس اس بنا پر جملہ ان جمل خبریہ پر بھی صادق آئے گا جو کسی کی خبر یا صفت واقع ہوں بخلاف کلام کے۔

وفى بعض الحواشي أن المراد بالإسناد هو الإسناد المقصود لذاته وحينئذ يكون الكلام عند المصنف ايضاً أخص من الجملة۔

اس میں شارح نے ان لوگوں کی طرف سے جواب دیا ہے جو کلام اور جملوں کے درمیان تباین کے قائل ہیں اس طرح کہ بعض حاشیوں میں لکھا ہے کہ اسناد سے مراد وہی اسناد مقصود لذاتہ ہے تو اس لحاظ سے کلام مصنف کے نزدیک بھی جملہ سے اخص ہوا یعنی جملہ میں اسناد مقصود لذاتہ ہوتا ہے بخلاف کلام کے کہ اس میں نہیں ہوتا۔ پس کلام اور جملہ میں صرف یہی فرق ہے۔

ولا يتاتى أى لا يحصل۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اتیان ذی روح کی صفت ہے اس کی نسبت کلام کی طرف صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ ذی روح نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کا قول لا یتاتی یہاں پر بمعنی لا یحصل کے ہے بحکم ذکر ملزوم مراد لازم یعنی اتیان سے حصول لازم آتا ہے۔

ذلک أی الکلام۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ذلک کا اشارہ تضمن اور اسناد کی طرف ہونا چاہئے کیونکہ وہ قریب ہیں اور قریب کی طرف اشارہ اولی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ذلك کا اشارہ کلام کی طرف ہے تضمن واسناد کی طرف نہیں۔ دو وجہ سے، ایک یہ کہ مصنف کے قول لا یتاتی میں کلام کی تقسیم ہے۔ پس اسی کی طرف اشارہ زیادہ مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ ذلك کا اشارہ بعید کے لئے ہے اور کلام بھی بعید ہے بخلاف تضمن اور اسناد کے کہ وہ قریب ہیں۔

إلا فی ضمن۔

اس لفظ کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ذلك کا اشارہ کلام کی طرف ٹھہرا تو اس سے مصنف کے اس قول اسمین اور اسم و فعل میں ظرفیت شیء لنفسہ لازم ہوگی اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس میں ظرفیت شیء لنفسہ نہیں ہے بلکہ ظرفیت جزئی کلی کے لئے ہے اور عبارت بتقدیر مضاف ہے۔

اسمین أحدهما مسندٌ والآخر مسند الیه۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ غلام زید دو اسموں سے مرکب ہے حالانکہ یہ کلام نہیں ہے پس مصنف کا یہ کہنا کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے غلط ثابت ہوا۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں اسمین سے مطلق اسم مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ اور غلام زید میں ایسا نہیں ہے اس میں ایک مضاف ہے اور دوسرا مضاف الیہ پس مصنف کا یہ کہنا کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے صحیح ہے۔

أو فی ضمن۔

اس کے بڑھانے کی وجہ مذکور ہو چکی۔

اسم مسند إليه وفعل مسند۔

اس عبارت میں اسم کے ساتھ مسند الیہ بڑھانا اور فعل کے ساتھ مسند بڑھانا بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضربک فعل واسم سے مرکب ہے حالانکہ یہ کلام نہیں ہے۔ پس مصنف کا یہ کہنا کہ کلام فعل واسم سے مرکب ہوتا ہے غلط ثابت ہوا۔

شارح نے جواب دیا کہ اسم وفعل سے مراد یہ ہے کہ فعل مسند ہو اور اسم مسند الیہ ہو اور ضربك میں فعل ضرب ہے اور ك ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے اسم نہیں ہے اور مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اسم مسند الیہ ہو اور فعل مسند ہو جب کلام مرکب ہوگا۔

پس اس لحاظ سے مصنف کا یہ کہنا کہ کلام فعل اور اسم سے مرکب ہوتا ہے صحیح ہے۔

وفی بعض النسخ أو فی فعل واسم۔

اس میں شارح نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ کافیہ کے دوسرے نسخہ میں فعل کو اسم پر مقدم ...... ذکر کیا گیا ہے بخلاف موجودہ نسخہ کے کہ اس میں فعل پر اسم کو مقدم ذکر کیا ہے۔

فان التركيب الثنائي العقلي بين الاقسام الثلثة يرتقي الى ستة اقسام، ثلثة منها من جنسٍ واحدٍ: اسم واسم، فعل وفعلٍ، حرف وحرف، وثلثة منها من جنسين: اسم وفعل، اسم وحرف، فعل وحرف، ومن البين ان الكلام لا يحصل بدون الاسناد، والاسناد لا بد له من مسند ومسند اليه وهما لا يتحققان إلا فى اسمين أو اسم وفعل وأما الأقسام الاربعة الباقية ففي الحرف والحرف كلاهما مفقودان وفي الفعل والفعل وفي الفعل والحرف المسند اليه مفقودٌ وفي الاسم والحرف احدهما مفقودٌ فان الاسم ان كان مسنداً فالمسند اليه مفقودٌ وان كان مسنداً اليه فالمسند مفقودٌ۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف کافیہ نے کلام کی تقسیم میں حروف حصر یعنی الا وغیرہ کو ذکر کیا بخلاف کلمۃ کی تقسیم کے کہ اس کو جب اسم، فعل اور حرف کی طرف منقسم کیا تو کوئی حرف قصر کا ذکر نہیں کیا۔

شارح اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ثنائی عقلی اگر کلمہ کے تین قسموں کے درمیان جاری کی جائے تو اس سے چھ قسمیں بنیں گی۔ تین ایک جنس کی یعنی اسم اسم، فعل فعل، حرف حرف، یہ تین قسمیں ہوگئیں اور تین قسمیں دو جنسوں کی یعنی اسم فعل، اسم حرف، فعل حرف، تین قسمیں یہ ہوئی جن کا مجموعہ چھ ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کلام بغیر اسناد کے حاصل نہیں ہوتا اور اسناد مسند و مسند الیہ کو چاہتا ہے اور مسند مسند الیہ یا تو دو اسموں میں پایا جاتا ہے یا اسم وفعل میں۔ بخلاف باقی چار قسموں کے یعنی حرف وحرف میں مسند و مسند الیہ دونوں مفقود ہیں اور فعل وفعل اور فعل وحرف میں مسند الیہ مفقود ہے اور اسم وحرف میں یا مسند مفقود ہے یا مسند الیہ مفقود ہے کیونکہ اس میں اگر اسم مسند ہو تو مسند الیہ مفقود ہوتا ہے اور اگر مسند الیہ ہو تو مسند مفقود ہوتا ہے چونکہ اس ترکیب ثنائی عقلی کی بنا پر کلام کی تین قسمیں ہوئیں اگر حروف حصر نہ ذکر کرتے تو تین قسموں سے چھ قسمیں بن جاتیں۔ پس کلام دو قسموں کے اندر منحصر کر دینے کی غرض سے یہاں پر کلام کی تقسیم میں حروف حصر کو ذکر کیا بخلاف کلمہ کی تقسیم کے کہ کلمہ تین قسموں سے زائد نہیں ہے اس لئے اس میں حروف حصر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

ونحو زید بتقدیر ادعو زیداً فلم یکن من ترکیب الحرف والاسم، بل من ترکیب الفعل والاسم۔

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کا دو قسموں میں منحصر کر دینا باطل ہے کیونکہ اس کی ایک تیسری قسم اور بھی پائی جاتی ہے یعنی جو اسم وحرف سے مرکب ہو جیسے یا زید۔

شارح نے جواب دیا کہ یا زید بتقدیر أدعو زیداً ہے۔ پس اس میں ترکیب اسم وحرف کی نہیں ہے بلکہ فعل اور اسم سے ترکیب ہے۔

الذی ھو المنوی نی أدعو وھو أنا۔

یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام جب فعل اور اسم سے مرکب ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ اسم مسند الیہ ہو اور أدعو زیداً میں زید مسند الیہ نہیں ہے بلکہ أدعو کا مفعول ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مسند الیہ عام ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا منوی پس یہاں اگر چہ اسم ظاہر نہیں لیکن أدعو میں منوی ہے یعنی انا پس یہاں پر کلام اسم وفعل سے مرکب ہوا جو کہ أدعو اور أنا ضمیر مستتر ہے لہذا کلام دو ہی قسموں میں منحصر ہوا یعنی اسم، اسم یا فعل، اسم۔ تیسری کوئی قسم نہیں ہے۔ صرف کلام ان ہی دو قسموں سے مرکب ہوتا ہے۔

الاسم ما دل۔

جب مصنف علیہ الرحمۃ کلمہ اور کلام کی تقسیم اور تعریف سے فارغ ہوئے تو اب کلمہ کے ہر ایک قسم کی تعریف علیحدہ علیحدہ شروع کی۔ حصر کے ضمن میں اسم، فعل اور حرف تینوں کے اجمالاً ہر ایک کی تعریف کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اب یہاں سے تفصیلاً ہر ایک کی تعریف کرنا چاہتے ہیں اور اسم کو تعریف میں فعل وحرف پر دو وجہ سے مقدم کیا۔ ایک یہ کہ اجمال میں تقسیم کلمہ کے اندر اسم مقدم تھا اس وجہ سے تفصیل میں بھی مقدم کیا تا کہ اجمال اور تفصیل دونوں میں مطابقت ہو۔ دوسرے یہ کہ اسم کلام عربی میں عمدہ اور فعل وحرف پر استقلال میں بڑھا ہوا ہے۔ اس شرافت کو مد نظر رکھتے ہوئے مقدم کیا۔

أی کلمة دلت۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں ما کلمہ چار حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ ایک یہ کہ شیء سے عبارت ہو۔ دوسرے یہ کہ لفظ سے عبارت ہو۔ تیسرے یہ کہ کلمہ سے عبارت ہو۔ چوتھے یہ کہ اسم سے عبارت ہو اور یہ سب صورتیں درست نہیں ہیں۔

اول اس لئے کہ اسم کی تعریف دوال اربعہ پر صادق آئے گی کیونکہ وہ بھی شیء ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اسم کی تعریف مرکب پر صادق آئے گی کیونکہ لفظ مرکب کو بھی شامل ہے۔ تیسرے اس لئے کہ درمیان راجع کے یعنی ضمیر مستتر فاعل دل اور مرجع کے یعنی ضمیر مجرور فی نفسه کے مطابقت نہ ہوگی۔ کیونکہ ما جب کلمہ سے عبارت ہے تو فی نفسه کی ضمیر مجرورہ فی نفسها ہونی چاہئے۔ چوتھے اس لئے کہ اخذ محدود کا حد میں لازم آئے گا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ما عبارت کلمہ سے ہے۔

علی معنیً کائن۔

کائنٌ کے بڑھانے کی وجہ گزر چکی ہے۔

فی نفسه أی فی نفس ما دل یعنی الکلمة۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فی نفسه کی ضمیر مجرور ما موصولہ کی طرف جو دل میں ہے لوٹتی ہے۔

فتذکیر الضمیر بناءً علی لفظ الموصول۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو شارح پر وارد ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب فی نفسه کی ضمیر ما دلّ کی طرف ٹھہری اور ما سے مراد کلمہ لیا گیا ہے تو اس صورت میں درمیان راجع ومرجع کے مطابقت نہیں ہوئی اس لئے کہ فی نفسه کی ضمیر مجرور مذکر کی ہے اور اس کا مرجع کلمہ مؤنث ہے پس فی نفسها ہونا چاہئے۔

شارح نے یہ جواب دیا کہ فی نفسہ کی ضمیر کی تذکیر مالفظ موصول کی بنا پر ہے۔

قال المصنف فی الإیضاح شرح المفصل: الضمیر فی ما دل علی معنیً فی نفسہ یرجع الی معنی أی ما دل علی معنیً۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے مفصل کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام ایضاح رکھا ہے وہاں پر فی نفسہ کی ضمیر مجرور کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ ضمیر معنی کی طرف لوٹتی ہے، نہ کہ کلمہ کی طرف بخلاف یہاں کے یہاں کلمہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یہ شارح کی ایک تحقیق تھی جو مصنف کافیہ کے قول سے ثابت کی۔

باعتبارہ فی نفسہ۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضمیر مجرور کا معنیٰ کی طرف لوٹانا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے ظرفیت شیء لنفسہ لازم آتی ہے اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی اس تقدیر پر یہ ہوں گے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو معنی کے نفس میں ہوں اور یہ غلط ہے۔

شارح نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ ظرفیت شیء لنفسہ لازم نہیں آتی ہے کیونکہ فی کے معنی اعتبار کے ہیں اس تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے اس معنی پر جو معتبر فی نفسہ ہو۔

وبالنظر إلیہ فی نفسہ لا باعتبار أمر خارج عنہ۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح معنی اسم کے معتبر فی نفسہ ہیں اسی طرح حرف کے معنی بھی معتبر فی نفسہ ہیں کیونکہ اعتبار ممتنعات میں بھی جاری ہوتا ہے پس اس لحاظ سے درمیان اسمی اور حرفی معنی کے کوئی فرق نہیں ہوا۔

شارح نے جواب دیا کہ معنی کے معتبر فی نفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معنی منظور الیہ فی نفسہ ہو، اس میں کسی امر خارج کا اعتبار نہ ہو اور اس میں شک نہیں ہے کہ معنیٰ اسم کے منظور الیہ فی نفسہ ہوتے ہیں، کسی خارج امر کے اعتبار کے محتاج نہیں بخلاف حرف کے کہ وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں امر خارج کے اعتبار کا محتاج ہے۔

کقولك الدار فی نفسھا حکمھا کذا أی لا باعتبار أمر خارج عنھا ولذلك قیل: الحرف ما دل علی معنی فی غیرہ۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فی کے معنی اعتبار کے لینے کا صرف دعویٰ بلا دلیل ہے عربی محاورہ میں فی کے معنی اعتبار کے نہیں آتے ہیں پھر یہاں اس کے معنی اعتبار کے لینے کی کیا دلیل ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ اس کی دلیل عرب کا یہ مقولہ ہے کہ الدار فی نفسها حکمها کذا یعنی اس مکان کی قیمت باعتبار اپنی ذات کے اتنی ہے نہ باعتبار امر خارج کے یعنی قطع نظر اس کے کہ یہ کس محلّہ میں ہے اور کہاں ہے؟ دیکھئے یہاں پر فـــی کے معنی اعتبار ہی کے بن سکتے ہیں اس لئے یہاں اس کے معنی اعتبار کے ہوئے اور اسی وجہ سے نحویوں نے حرف کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو غیر میں پائے جاتے ہوں۔

أی حاصل فی غیره أی باعتبار متعلقه لا باعتباره فی نفسه انتهی کلامه۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جو حرف کی تعریفی معنی پر وارد ہوتا ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ جب حرف اس معنی کو بتائے جو غیر میں پایا جائے تو اس لحاظ سے حرف مستقل بالمفہوم ہوا کیونکہ وہ اب اپنے معنی کے سوا دوسرے کے معنی کو بھی بتا سکتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر کا معنی بتائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے معنی کو بتائے مگر اس کا حصول دوسرے کے اعتبار سے ہو یعنی باعتبار اپنے متعلق کے اپنے معنی بتائے نہ باعتبار اپنے نفس کے یعنی اس کے معنی پر دلالت کرنے میں ضم ضمیمہ کے اعتبار کی ضرورت ہے بخلاف اسم کے کہ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تک مصنف کے ایضاح کے کلام کا مضمون ختم ہوا۔

ومحصوله ما ذکره بعض المحققین حیث قال: کما أن فی الخارج موجوداً قائماً بذاته وموجوداً قائماً بغیره کذلك فی الذهن معقولٌ هو مدرك قصداً ملحوظا فی ذاته یصلح أن یحکم علیه وبه ومعقول هو مدرك تبعاوآلة لملاحظة غیره فلا یصلح لشیء منهما فالابتداء مثلا إذا لاحظه العقل قصداً بالذات کان معنیً مستقلاً بالمفهومیة فی ذاته ولزمه تعقل متعلقه إجمالا وتبعا من غیر حاجة إلی ذکره وهو بهذا الاعتبار مدلول لفظ الابتداء فقط فلا حاجة فی الدلالة علیه إلی ضم کلمة أخری إلیه لتدل علی متعلقه وهذا هو المراد بقولهم: إن للاسم والفعل معنیً کائناً فی نفس الکلمة الدالة علیه واذا لاحظه العقل من حیث هو حالة بین السیر والبصرة مثلا وجعله اله لتعرف حالهما کان معنیً غیر مستقل بالمفهومیة ولا یمکن أن یتعقل إلا بذکر متعلقه لخصوصه ولا أن یدل علیه إلا بضم کلمة اخری دالة علی متعلقه۔

اس سے شارح حرف کے ایک وجہ سے مستقل ہونا اور دوسری وجہ سے غیر مستقل ہونا بتا کر ایک معقول امر کی

محسوس امر سے تشبیہ دینا چاہتے ہیں جس سے استقلال اور عدم استقلال کی خوب تشریح ہو جائے۔بعض محققین نے ذکر کیا ہے اور بعض محققین سے مراد یہاں ''میر سید شریف'' ہیں یعنی انہوں نے شرح مطالع کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ جس طرح خارج میں ایک امر ممکن موجود قائم بذاتہ ہوتا ہے جس کو جوہر کہتے ہیں اور دوسرا ممکن قائم بالغیر ہوتا ہے جس کا نام عرض ہے اسی طرح ذہن میں بھی ایک امر معقول ہوتا ہے جو قصداً معلوم کیا جاتا ہے اور محکوم بہ اور محکوم علیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے دوسرے وہ معقول جو بالطبع معلوم کیا جاتا ہو اور کسی دوسرے امر کے معلوم کرنے کے لئے آلہ ہو اور وہ محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

پس یہ چار قسمیں ہوئیں یعنی موجود کی دو قسمیں ہیں موجود خارجی اور موجود ذہنی اور موجود خارجی کی پھر دو قسمیں ہوئیں ایک قائم بذاتہ جیسے جوہر دوسرے قائم لغیرہ جیسے عرض۔اس طرح موجود ذہنی کی بھی دو قسمیں ہیں۔مستقل فی الفہم جیسے معنی اسمی دوسرے غیر مستقل فی الفہم جیسے معنی حرفی۔پس اسمی معنی جوہر کے مشابہ ہیں اور حرفی معنی عرض کے مشابہ ہیں پس ابتدا مثلاً جو حرف کے معنی ہیں جب اس کا عقل قصداً و بالذات لحاظ کرے تو یہ معنی مستقل بالمفہوم ہیں محکوم علیہ محکوم بہ ہونے کی صلاحیت اس میں پائی جاتی ہے اور یہ معنی اس اعتبار سے ابتدا کے لفظ کے معنی ہوں گے اور ابتدا کا لفظ اس معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ مثلاً سیر و بصرہ وغیرہ کلموں کے ملانے کا محتاج نہیں ہے اور اس کے سمجھنے سے متعلق بالتبع سمجھنے میں آتا ہے کسی دوسرے کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہی مطلب ہے نحاۃ عرب کے اس قول کا کہ اسم و فعل کے معنی کلمہ کے نفس میں کائن ہوتے ہیں اور یہی ابتدا کا لفظ جب عقل اس کا لحاظ اس طرح کرے کہ یہ ایک حالت ہے درمیان سیر اور بصرہ کے اور اس کو سیر اور بصرہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایک آلہ بنایا جائے تو یہ معنی غیر مستقل بالمفہوم ہو جائیں گے اور سمجھ میں نہیں آئیں گے جب تک کہ ان کے خاص متعلقات کا ذکر نہ ہو اور نہ اس معنی پر یہ ابتدا کا لفظ دلالت کر سکے گا جب تک کہ اس کے ساتھ متعلق کا ذکر نہ کیا جائے۔

والحاصل أن لفظ الابتداء موضوع لمعنى كلي ولفظة من موضوعة لكل واحد من جزئياته المخصوصة المتعلقة من حيث أنها حالات لمتعلقاتها و آلات لتعرف أحوالها، وذلك المعنى الكلي يمكن أن يتعقل قصدا ويلاحظ في حد ذاته فيستقل بالمفهومية ويصلح أن يكون محكوماً عليه وبه وأما تلك الجزئيات فلا تستقل بالمفهومية ولا تصلح أن تكون محكوما عليها وبها إذ لا بد في كل واحد منهما أن يكون ملحوظاً قصداً ليمكن أن يعتبر النسبة بينه وبين غيره بل تلك الجزئيات لا تتعقل إلا بذكر متعلقاتها لتكون آلات لملاحظة أحوالها وهذا هو المراد

بقولهم: "إن الحرف كلمة تدل على معنى فى غيرها"۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا کا لفظ ایک معنی کلی یعنی مطلق شروع کیلئے وضع کیا گیا ہے اور مــن کا لفظ مخصوص اجزاء کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی مــن کی وضع کتاب کے شروع، کھانے کے شروع، پہننے کے شروع، وغیرہ وغیرہ کل جزئی جزئی شروع کے لئے ہے اس حیثیت سے کہ یہ مخصوص اجزاء متعلقات کے احوال معلوم کرنے کے لئے آلات ہیں اور وہ کلی معنی جو مطلق شروع ہے ممکن ہے کہ عقل اس کو قصداً لحاظ کر کے ادراک کرے تو اس لحاظ سے اس میں استقلال بالمفہوم پایا گیا وہ معنی کلی اب محکوم علیہ اور محکوم بہ واقع ہو سکتے ہیں یہ ابتدا کے لفظ کے معنی ہوئے اور وہ جزئیات جو مخصوص مخصوص شروع ہیں مستقل بالمفہوم نہیں اس لئے وہ محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان نسبت کا لحاظ مقصود بالذات ہوتا ہے اور وہ جزئیات بغیر اپنے متعلقات کے ذکر کئے سمجھ میں نہیں آتے کہ متعلقات کے حالات کے لئے آلات بن سکے۔ یہی مطلب ہے نحویوں کے اس قول کا کہ حرف ایک کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے کہ جو دوسرے کلمہ کے ملانے سے حاصل ہوں۔ یہ من کے لفظ کے معنی ہوئے تو گویا من کے دو معنی ہوئے ایک کلی جو ابتدا کے لفظ کے معنی ہیں۔ دوسرے جزئی جو مــن کے لفظ کے معنی ہیں۔ شارحؒ نے اس حاصل میں اول معنی کو مستقل بالمفہوم اور ثانی معنی کو غیر مستقل بالمفہوم ثابت کیا ہے۔

إذا عرفت هذا علمت أن المراد بكينونة المعنى فى نفسه استقلاله بالمفهومية وبكينونة المعنى فى نفس الكلمة دلالتها عليه من غير حاجة إلى ضم كلمة أخرى إليها لاستقلاله بالمفهومية فمرجع كينونة المعنى فى نفسه وكينونته فى نفس الكلمة الدالة عليه إلى أمر واحد وهواستقلاله بالمفهومية ففى هذا الكتاب الضمير المجرور فى نفسه يحتمل أن يرجع إلى ما الموصولة التى هى عبارة عن الكلمة وهذا هو الظاهر ليكون على طبق ما سبق فى وجه الحصر من كينونة المعنى فى نفس الكلمة ويحتمل أن يرجع إلى المعنى ولذا ذكر الضمير تنبيهاً على صحة إرادة كلا المعنيين۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضمیر مجرور مصنف کی عبارت فــی نفسہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ کلمہ کی طرف راجع ہو دوسرے یہ کہ معنی کی طرف۔ اول ٹھیک ہے لیکن دوسرے درست نہیں کیونکہ اس سے درمیان تفصیل اور اجمال کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ صحیح نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مخالفت لازم نہیں آتی کیونکہ معنی کا اپنے نفس میں ہونے سے مراد استقلال بالمفہوم ہے اسی طرح معنی کے کلمہ کے نفس کے اندر ہونے سے مراد کلمہ کا دلالت کرنا ہے اس پر بغیر کسی دوسرے کلمہ کے ملائے۔ پس مرجع اور مقصد معنی کے اپنے نفس میں ہونے اور اسی طرح کلمہ کے نفس میں معنی ہونے سے ایک ہے اور وہ استقلال بالمفہوم ہے پس اس کتاب کافیہ میں جو ضمیر مجرور فی نفسہ میں ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ما موصولہ کی طرف راجع ہو جس سے عبارت کلمہ ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ ضمیر کلمہ کی طرف لوٹتی ہے کہ اس میں سابق وجہ حصر میں جو معنی کا نفس کلمہ میں ہونے کو بتایا تھا اس سے مطابقت ہو جاتی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر مجرور معنی کی طرف لوٹے اور اسی وجہ سے ضمیر کو مذکر بھی کر دیا ہے تاکہ اس سے اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اس ضمیر مجرور کا کلمہ اور معنی دونوں کی طرف راجع کر دینا صحیح ہے۔

ولكن عبارة المفصل ظاهرة في المعنى الأخير، وهو إرجاع الضمير إلى المعنى لعدم مسبوقيتها بما يدل على اعتبار كينونة المعنى في نفس الكلمة ولهذا جزم المصنف هناك برجوعه إلى المعنى۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ضمیر مجرور کافیہ کی عبارت میں محتمل دو معنی کے ہے یعنی اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کلمہ کی طرف راجع ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنی کی طرف راجع ہو جس کو شارح نے اوپر تشریح سے بیان کیا ہے پس ظاہر یہ ہے کہ مفصل کی عبارت میں جو ضمیر مجرور ہے وہ بھی ان دو معنوں کا محتمل ہو کیونکہ کافیہ اس سے ماخوذ ہے حالانکہ مفصل کی عبارت میں معنی کی طرف ضمیر مجرور کو راجع کیا گیا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ مفصل کی عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ معنی کی طرف ضمیر مجرور لوٹتی ہے نہ کلمے کی طرف کیونکہ مفصل کی عبارت میں کوئی لفظ ایسا سابق میں ذکر نہیں کیا جس سے معنی کا نفس کلمہ میں ہونا ثابت ہو اور اسی وجہ سے مصنف کافیہؒ نے بھی شرح ایضاح شرح مفصل میں ضمیر مجرور کو معنی کی طرف راجع کر دیا ہے۔

وبما سبق من التحقيق ظهر أنه لا يختل حد الاسم جمعا ولا حد الحرف منعاً بالأسماء اللازمة الإضافة مثل ذو وفوق وتحت وقدام وخلف إلى غير ذلك لأن معانيها مفهومات كلية مستقلة بالمفهومية ملحوظة في حد ذاتها لزمها تعقل متعلقاتها إجمالاً وتبعاً من غير حاجة إلى ذكرها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد فرمایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف جامع نہیں ہے اور حرف کی تعریف مانع نہیں اس لئے کہ اسم کی تعریف سے اسماء لازم الاضافت نکلتے ہیں اور حرف کی تعریف

میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے معانی پر دلالت کرنے میں مضاف الیہ کے ذکر کے محتاج ہیں یعنی ان اسماء کے ساتھ ان کے مضاف الیہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جب تک ان کے ساتھ میں مضاف الیہ مذکور نہ ہوتو یہ اسماء اپنے معانی کونہیں بتاسکتے لہذا یہ حرف کی تعریف میں داخل ہوکر اسم کی تعریف سے خارج ہوگئے حالانکہ یہ اسم کی تعریف میں داخل ہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ سابق میں جب ہم نے استقلال اور عدم استقلال کی تحقیق کی تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اسم کی تعریف جامع ہے اور حرف کی تعریف مانع ہے اور اسمائے لازم الاضافت اسم کی تعریف سے نہیں نکلتے اور حرف کی تعریف میں داخل نہیں ہوتے اور وہ اسماء جن کے ساتھ اضافت لازم ہے حسب ذیل ہیں:

جیسے ذو ، فوق ، تحت ، قدام ، خلف وغیرہ یہ اسماء مذکورہ حرف کی تعریف میں اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ ان کے معنی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہوم ملحوظ فی ذاتہا ہیں ان کے متعلقات اجمالاً اور بالتبع بغیر ذکر کے سمجھ میں آجاتے ہیں لہذا یہ اسماء بلحاظ اپنے مفہومات کلیہ مستقلہ کے اسم کی تعریف میں داخل ہوئے اور اسم کی تعریف جامع و مانع ہوئی۔

لكن لما جرت العادة باستعمالها فى مفهوماتها مضافة إلى متعلقات مخصوصة لأنها الغرض من وضعها، لزم ذكرها لفهم هذه الخصوصيات لا لأجل فهم أصل المعنى فهى دالة على معانيها معتبرة فى حد نفسها لا فى غيرها فهى داخلة فى حد الاسم لا فى الحرف۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اسمائے لازم الاضافت کے معانی مفہومات کلیہ ہیں پس ان کو مخصوص مخصوص متعلقات میں کیوں استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے مفہوم کلی کا لحاظ کرتے ہوئے عام متعلقات میں استعمال کرنا چاہئے یعنی ان کے مضاف الیہ کو بھی عام کردینا چاہئے۔

شارحؒ نے جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن عرب کی عادت اس طرح جاری ہے کہ ان اسماء کو مخصوص مخصوص متعلقات کی طرف مضاف کر کے مفہومات کلیہ میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان اسماء کے وضع کا یہی مقصد ہے کہ یہ متعلقات مخصوصہ کے معلوم کرنے کے لئے مضاف ہوکر استعمال میں آتے ہیں یہ نہیں ہے کہ ان کے اصلی معنی کلی ان کے مخصوص متعلقات کے ذکر کرنے کے محتاج ہیں جس سے یہ غیر مستقل ثابت ہوں پس یہ اسماء اپنے کلی معنوں پر باستقلال دلالت کرتے ہیں اور اپنے معنوں کے لحاظ سے مستقل بالمفہوم ہوکر اسم کی تعریف میں داخل ہوگئے ۔حرف کی تعریف میں داخل نہیں ہوئے۔

ولما كان الفعل دالا على معنى فى نفسه باعتبار معناه التضمنى۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف مانع نہیں ہے کہ اس میں فعل داخل

ہوتا ہے کیونکہ کلمہ کے نفس میں معنی کے کائن ہونے کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ کینونت باعتبار معنی مطابقی فعل کے ہو۔ دوسرے یہ کہ باعتبار معنی تضمنی کے ہو۔ تیسرے یہ کہ باعتبار معنی التزامی کے ہو۔ چوتھے یہ کہ باعتبار مطلق معنی کے ہواور یہ سب صورتیں درست نہیں۔ اول اس لئے کہ اسم کی تعریف سے فعل کائنٌ کی قید سے نکل چکا ہے کیونکہ معنی مطابقی اس کے کائن فی نفسہ ہیں پس غیر مقترن کی قید سے فعل کو اسم کی تعریف سے نکالنا درست نہیں کیونکہ یہ تخریج مخرج ہے یعنی نکالے ہوئے کو پھر نکالنا۔ دوسری اس لئے کہ اسم کی تعریف سے اسماء بسیط المعنی جیسے الفاظ، نقطے اور مصدر ہیں نکلتے ہیں کیونکہ ان کے معنی تضمنی نہیں ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ معنی التزامی کی صورت میں التزام کا اخذ تعریف میں لازم آتا ہے اور تعریف میں التزام کا اخذ درست نہیں کیونکہ یہ فہم سے بعید ہوتا ہے۔ چوتھی اس لئے درست نہیں کہ مطلق معنی کی صورت میں وہی اعتراض وارد ہوگا جو مقید کی صورت میں واقع ہوتا ہے کیونکہ مطلق کا وجود مقید کی ضمن میں پایا جاتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں فعل کے مطلق معنی مراد ہیں۔ لیکن وہ جو فعل اصطلاحی کے ضمن میں متحقق ہو یعنی معنی تضمنی۔

أعنى الحدث وكان ذلك المعنى مقترناً مع أحد الأزمنة الثلثة فى الفهم عن لفظ الفعل إخرجه بقوله:

اس سے بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ معنی تضمنی فعل کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ نسبت زمانی ہو، دوسرے یہ کہ زمانہ ہو۔ تیسرے یہ کہ معنی مصدری ہو اور یہ تینوں درست نہیں ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت نسبت میں کینونت نہیں پائی جاتی اور دوسری صورت میں اقتران زمان بالزمان لازم آئے گا اور تیسری صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تضمنی معنی سے مراد یہاں معنی مصدری یعنی حدث فعل کے ہیں یعنی چونکہ وہ معنی مصدری فعل کے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ فعل کے لفظ سے سمجھ میں آ کر مقترن ضرور ہوتے ہیں اس لحاظ سے کہ فعل کے معنی اگرچہ مثل اسم کے معنی کے کائن فی نفسہ ہیں لیکن عدم اقتران کی شرط سے فعل کو اسم کی تعریف سے خارج کردیا لہذا اب اسم کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

غیر مقترن بأحد الأمنة الثلثة أى غير مقترن مع أحد الأزمنة الثلثة فى الفهم عن لفظه الدال عليه فهو صفة بعد صفة للمعنى فبالصفة الأولىٰ خرج الحرف عن حد الاسم وبالثانية الفعل۔

اس سے شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باحد الأزمنة کا با بمعنی مع کے ہے یعنی اسم کا لفظ جب اپنے معنی پر دلالت کرے تو تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ نہیں پایا جائے گا اور نہ لفظ اسم سے سمجھ میں آئے گا۔

پس مقترن کا قول اسم کی تعریف میں جو معنی کا لفظ آیا ہے یہ اس کی صفت بعد صفت ہے یعنی اول صفت اس کی کائن فی نفسہ اور دوسری صفت غیر مقترن ہے اس تقدیر پر خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے اس معنی پر دلالت کرے جو کائن فی نفسہ ہو اور تین زمانوں میں سے کسی زمانے سے مقترن نہ ہو۔ صفت اول کی قید سے اسم کی تعریف سے حرف نکلا کیونکہ اس کے معنی کائن فی نفسہ نہیں ہوتے اور صفت ثانی کی قید سے اسم کی تعریف سے فعل نکلا۔ پس اسم کی تعریف خوب جامع و مانع ہوئی۔

والمراد بعدم الاقتران أن يكون بحسب الوضع الأول فدخل فيه أسماء الأفعال لأن جميعها إما منقولة من المصادر الأصلية سواء كان النقل فيها صريحاً نحو رويد فإنه قد يستعمل مصدراً أيضاً أو غير صريح نحو هيهات فإنه وإن لم يستعمل مصدرا إلا أنه على وزن قوقاة مصدر قوقى أو من المصادر التي كانت في الأصل أصواتا نحو صه أو عن الظرف أو الجار والمجرور نحو أمامك زيدا وعليك زيدا فليس لشيء منها الدلالة على أحد الأزمنة الثلثة بحسب الوضع الأول۔

اس میں بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے اسمائے افعال نکلتے ہیں کیونکہ ان کے معنی بھی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے مقترن ہوتے ہیں تو چاہئے کہ یہ اسماء اسماء نہ ہوں حالانکہ یہ اسماء ہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ بحسب وضع اول ہو اور اس میں شک نہیں ہے کہ اسماء افعال کے معنی بحسب وضع اول زمانہ سے مقترن نہیں اگر چہ عارضی طور سے ان کے معانی کا اقتران تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے استعمال میں پایا جاتا ہے۔ پس اس تقدیر سے اسم کی تعریف میں اسمائے افعال داخل ہو گئے اور اسم کی تعریف جامع ہوئی کیونکہ یہ اسمائے افعال سب کے سب یا تو مصادر اصلیہ سے منقول ہیں خواہ نقل ان میں صریحی ہو جیسے رویدکہ یہ مصدریت میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے کلام مجید میں آیا ہے ﴿فمهل الكافرين أمهلهم رويدا﴾ دیکھئے یہاں روید اسم فعل مصدری معنی میں مستعمل ہوا ہے خواہ نقل ان میں غیر صریحی ہو جیسے هيهات کہ یہ مصدری معنی میں مستعمل تو نہیں ہے لیکن یہ قوقات کے وزن پر ہے جو قوقی کا مصدر ہے یا یہ اسمائے افعال ان مصادر سے منقول ہیں جو اصل میں اصوات تھے جیسے کہ صہ یا اسمائے ظرف اور جار مجرور سے منقول ہیں جیسے أمامك زيداً وعليك زيدا پس یہ

مصدر، اصوات، جار مجرور اور ظرف وغیرہ بحسب وضع اول زمانہ سے مقترن نہیں اور نہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ پر دلالت کرتے ہیں۔

وخرج عنه الأفعال المنسلخة عن الزمان نحو عسى وكاد لاقتران معانيها بحسب أصل الوضع۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں افعال منسلخہ داخل ہوگئے اس لئے کہ افعال منسلخہ کے معنی بھی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے مقترن ہوتے ہیں تو چاہئے کہ یہ افعال اسماء ہوں حالانکہ یہ اسماء نہیں بلکہ افعال ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم کی تعریف سے افعال منسلخہ جیسے عسى و كاد خارج ہیں اور مراد اقتران سے وہ ہے جو بحسب وضع اول ہو اور اس میں شک نہیں کہ ان افعال کے معنی بحسب وضع اول زمانہ سے مقترن ہیں اگرچہ استعمال کے عارض سے عدم اقتران ان کے استعمال میں پایا جاتا ہے لہذا اسم کی تعریف مانع ہوئی۔

وخرج عنه المضارع أيضاً فإنه على تقدير اشتراكه بين الحال والاستقبال يدل على زمانين معينين من الأزمنة الثلثة فيدل على واحد معين أيضاً في ضمنها۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس میں فعل مضارع داخل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے مقترن نہیں ہوتے بلکہ دو زمانے یعنی حال و استقبال سے مقترن ہوتے ہیں، لہذا چاہئے کہ مضارع بھی اسم ہو حالانکہ یہ فعل ہے اسم نہیں۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اسم کی تعریف سے جس طرح افعال منسلخہ نکل چکے ہیں اسی طرح فعل مضارع بھی نکلا کیونکہ یہ اس تقدیر پر کہ درمیان حال و استقبال کے مشترک ہے تین زمانوں میں سے دو معین زمانوں پر دلالت کرتا ہے پس یہ ایک معین زمانہ پر بھی دلالت کرے گا جو کہ تین زمانوں کے ضمن میں پایا جاتا ہے کیونکہ دو معین زمانوں پر دلالت کرنے سے ایک زمانہ پر بھی دلالت لازم آجاتی ہے اس لئے کہ ایک دو کے ضمن میں پایا جاتا ہے لہذا فعل مضارع فعل کی تعریف میں داخل ہو کر اسم کی تعریف سے نکلا اور اسم کی تعریف مانع ہوئی۔

إذ لا يقدح في الدلالة على أحد معين الدلالة ما سواه نعم يقدح في إرادة المعين إرادة ما سواه وأين الدلالة من الإرادة؟

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مضارع درمیان

حال واستقبال کے مشترک ہوا اور تین زمانوں میں سے دو معین زمانوں پر اس کی دلالت ثابت ہوئی تو اس سے لفظ مشترک کا عموم لازم ہوا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عموم مشترک ارادہ میں درست نہیں دلالت میں درست ہے اور یہاں پر یہ عموم دلالت میں ہے اور یہ درست ہے اس لئے کہ کسی معین زمانے پر دلالت کرنے میں برائی نہیں ہے کہ اس کے سوا پر بھی دلالت ہو جائے یعنی مضارع دو معین زمانوں پر دلالت کرے اور اس کے ساتھ ایک معین زمانہ پر بھی دلالت لازم آجائے تو یہ درست ہے ہاں برائی اس میں ہے کہ ایک معین زمانہ کا ارادہ ہو اور اس کے ساتھ ماسوا کا بھی ارادہ ہو یہ البتہ درست نہیں اس قسم کا عموم مشترک باطل ہے اور یہاں پر دلالت ایک معین زمانہ پر مقصود ہے ماسوا پر نہیں پس مضارع کے عموم کی یہی صورت جائز ہے جو بتلائی گئی۔

ولما فرغ من بیان حد الاسم أراد أن یذکر بعض خواصه لیفید زیادة معرفة به فقال:

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نحوی کا مقصد کلمہ اور کلام کے حال کا بیان کرنا ہے اور کلمہ اور کلام کی تعریف جو مقدم ذکر کی تھی وہ اس لئے کہ وہ مقصود کا موقوف علیہ تھا لیکن اسم کے خواص کے بیان کرنے میں اشتغال رکھنا جیسے مصنف آگے بیان کرنا چاہتے ہیں یہ اشتغال بمالایعنی ہے یعنی یہ نہ نحوی کا مقصد ہے اور نہ نحوی کے مقصد کا موقوف علیہ ہے۔ پس خواص بیان کرنے میں مصنف کا شروع کرنا اور کلمہ اور کلام کے احوال کو چھوڑ دینا ایک بے کاری بات ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اسم کے دو وجود ہیں ایک وجود ذہنی، دوسرے وجود خارجی۔ اول وجود کلمہ اور کلام کی تعریف سے معلوم ہوا۔ دوسرے بیان خواص سے معلوم ہوگا اس لئے جب مصنف اسم کی تعریف سے فارغ ہو گئے تو اب اسم کے بعض خواص کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس سے ثانی وجود کی معلومیت حاصل ہو جائے اس لئے من خواصه کہہ دیا۔

ومن خواصه منبها بصیغة جمع الکثرة علی کثرتها۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کے خواص یہاں پر مصنف کافیہ نے صرف پانچ ذکر کئے ہیں اور خواص کا صیغہ جمع کثرت کا صیغہ ہے جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہوتا ہے لہذا مصنف کا یہ صیغہ یہاں ذکر کرنا درست نہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر مصنف نے جو صیغہ جمع کثرت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بات پر تنبیہ کرنی

مقصود ہے کہ خواص اسم کے واقع میں بہت ہیں مگر یہاں پر بعضے مشہور مشہور خواص کو ذکر کیا ہے۔

وبمن التبعيضية على ان ما ذكره بعض منها۔

اس سے بھی شارحؒ ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ ماتن ہیں اور ماتن کا طریقہ ہے کہ متن لکھنے میں اختصار مدنظر رکھتے ہیں پس مناسب یہ تھا کہ من کو چھوڑ کر خالی و خواصه دخول اللام لکھتے تاکہ اختصار حاصل ہوتا؟

اس کا شارح نے جواب دیا کہ من تبعیضیہ اس لئے بڑھا کر لکھا ہے کہ اس سے اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اسم کے خواص واقع میں بہت ہیں مگر یہاں بعض ذکر کئے ہیں۔

وهى جمع خاصة وخاصة الشيء ما يختص به ولا يوجد فى غيره۔

اس سے شارح کا مقصد خاصہ کی تحقیق ہے یعنی خواص جمع خاصہ کی ہے اور خاصہ کے معنی یہ ہیں کہ شے کے ساتھ کسی چیز کی خصوصیت ہو جو اس شے کے سوا میں نہ پائی جاتی ہو۔

وهى اما شاملة لجميع افراد ما هى خاصة له كالكاتب بالقوة للانسان أو غير شاملة كالكاتب بالفعل له۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح اس طرح ہے کہ اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ لام کا دخول بھی اسم کے خواص میں سے ہے کیونکہ اسم کے بہت سے افراد پر لام کا داخل ہونا منع ہے۔ جیسے اسمائے اشارات، موصولات اور مضمرات وغیرہ ان سب پر لام کا داخل ہونا منع ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں ایک شاملہ دوسرے غیر شاملہ۔ شاملہ یہ ہے کہ بہ نسبت تمام افراد شے کے ہو جیسے انسان کا کاتب بالقوۃ ہونا یعنی انسان کی کتابت کی قوت سب افراد کو شامل ہے یعنی انسان کے ہر فرد میں لکھنے کی قوت موجود ہے یہ خاصہ شاملہ ہوا اور غیر شاملہ یہ ہے کہ بہ نسبت بعض افراد کے ہو جیسے انسان کا کاتب بالفعل ہونا کہ انسان کے عام افراد کو شامل نہیں بلکہ بعض افراد کو یہ خاصہ غیر شاملہ ہے اور یہاں پر خاصہ سے مراد مطلق خاصہ ہے خواہ وہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ۔

فمن خواص الاسم۔

اسکے بڑھانے سے شارح کا صرف یہ مقصد ہے کہ دخول اللام مبتدا مؤخر اور من خواصه اس کی خبر مقدم ہے یعنی اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ دخول لام ہے۔

اوراسم کے خاصہ کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی۔ دوسری معنوی۔ لفظی دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا محل ورود اس کا اسم کا اول ہوگا یا آخر۔ اگر اول ہوتو یہ لام ہے کہ لام اسم کے اول میں داخل ہوتا ہے اور اگر محل ورود اس کا اسم کا آخر ہوتو یہ نفس حرکت ہوگی یا حرکت کا تابع ہوگا۔ اول جر ہے اور ثانی تنوین کہ یہ دونوں اسم کے آخر میں آتے ہیں اور خاصہ معنوی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں ایک یہ کہ مرکب تام کے ضمن میں پایا جاوے دوسرے یہ کہ مرکب غیر تام کے ضمن میں موجود ہو۔ اول اسناد ہے اور ثانی اضافت ہے یعنی اسم کے مجموع خواص یہ ہوئے۔

دخول اللام أي لام التعريف۔

اس میں شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کے خواص میں سے دخول لام کا ہونا مسلم نہیں اس لئے کہ لام جس طرح اسم میں پایا جاتا ہے اسی طرح فعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے لیضرب میں لام امر اور لاضربن میں لام تاکید دیکھئے یہاں لام فعل میں پایا گیا۔ پس مصنف کا یہ کہنا کہ لام کا داخل ہونا اسم کے خواص میں سے ہے غلط ثابت ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لام سے مراد لام تعریف ہے نہ لام امر و ابتدا اور لام تعریف کا داخل ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ پس مصنف کا یہ کہنا کہ دخول لام اسم کا خاصہ ہے صحیح ہوا۔

ولو قال دخول حرف التعريف لكان شاملا للميم في مثل قوله عليه السلام: ليس من امبر امصيام في امسفر۔

یہ ایک سوال ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح لام تعریف کے لئے آتا ہے اسی طرح میم بھی تعریف کے لئے مستعمل ہوتا ہے لہذا حرف التعریف لکھنا چاہئے تھا تاکہ میم کو بھی شامل ہوجاتا جیسے کہ اوپر حدیث میں میم تعریف کے لئے آیا ہے۔

لكنه لم يتعرض له لعدم شهرته۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح ہو چکی ہے جواب کی تشریح یہ ہے کہ حرف التعریف نہیں لکھا اور میم کو تعریف میں شامل نہیں کیا اس لئے کہ میم کا تعریف کے لئے مستعمل ہونا مشہور نہیں ہے بخلاف لام کے۔

وفي اختياره اللام اشارة الى ان المختار عنده ما ذهب اليه سيبويه من ان اداة التعريف هي اللام وحدها زيدت عليها همزة الوصل لتعذر الابتداء بالساكن، واما الخليل فقد ذهب إلى أنها ال كـ "هل" والمبرد الى انها الهمزة المفتوحة وحدها زيدت اللام للفرق بينها وبين همزة الاستفهام۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مقصود جس طرح مصنف کے قول دخول اللام سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح دخول حرف التعریف سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ پس مصنف کافیہ نے دخول حرف التعریف کو چھوڑ کر دخول اللام کو کیوں اختیار کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس مقام پر نحاۃ کے تین مذہب ہیں۔ ایک مذہب سیبویہ کا۔ دوسرا خلیل کا۔ تیسرا مبرد کا۔ پس لام کے اختیار کرنے میں اور حرف التعریف چھوڑنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک مختار وہی ہے جو سیبویہ کا مذہب ہے وہ یہ کہ حرف تعریف تنہا لام ہی ہے ہمزہ وصل اس کے اوپر اس لئے بڑھایا جاتا ہے کہ ابتدا بساکن عربی محاورہ میں متعذر ہے اور خلیل کے مذہب میں حروف تعریف لام اور ہمزہ وصل دونوں ہیں یعنی ال جیسے ہل اور مبرد کے مذہب میں حرف تعریف صرف ہمزہ وصل مفتوحہ ہی ہے اور لام اس کے ساتھ اس لئے بڑھایا جاتا ہے کہ درمیان ہمزۂ تعریف اور ہمزۂ استفہام کے فرق حاصل ہو۔

وانما اختص دخول حرف التعريف بالاسم لانه لتعيين معنى مستقل بالمفهومية يدل عليه اللفظ مطابقة والحرف لا يدل على المعنى المستقل والفعل يدل عليه تضمناً لا مطابقة وهذه الخاصة ليست شاملة لجميع افراد الاسم فان حرف التعريف لا يدخل الضمائر واسماء الاشارة وغيرها كالموصولات وكذلك سائر الخواص الخمس المذكورة ههنا۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب کلمہ اسم، فعل، حرف تینوں کو شامل ہے اور یہ تینوں کلمے کی اقسام ہیں۔ پس ایک قسم اسم کو دخول حرف تعریف کے لئے کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم کو دخول تعریف کے لئے اس لئے خاص کیا کہ حرف تعریف کے داخل ہونے سے معنی مستقل بالمفہوم معلوم ہوتے ہیں جس پر لفظ مطابقتاً دلالت کرے اور حرف معنی مستقل پر دلالت نہیں کرتا اور فعل معنی مستقل پر دلالت تو کرتا ہے مگر تضمناً، مطابقتاً نہیں کرتا اور حرف تعریف کے داخل ہونے سے مقصد یہ ہے کہ معنی پر مطابقتاً دلالت حاصل ہو اس لئے اسم کو حرف تعریف کے داخل ہونے کے لئے خاص کیا بخلاف فعل، حرف کے اور یہ خاصے جو یہاں پر مذکور ہیں اسم کے تمام افراد کے لئے شامل نہیں۔ یعنی یہ خاصے غیر شاملہ ہیں کیونکہ حرف تعریف ضمائر اور اسمائے اشارات موصولات وغیرہ ہیں داخل نہیں ہوتا اور اسی طرح باقی خواص خمسہ مذکورہ ہیں۔

ومنها دخول الجر۔

اس عبارت میں منہا دخول بڑھانے سے شارح کا مقصد وہی ہے جو مذکور ہو چکا ہے یعنی یہ دخول اللام پر

عطف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ دخول جر ہے۔

وانما اختص دخول الجر بالاسم لانه اثر حرف الجر فی المجرور به لفظا۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جر کا دخول اسم پر اس لئے ہے کہ حرف جر کا اثر مجرور بہ میں ہوتا ہے خواہ وہ لفظی ہو جیسے بزید میں جر باء کا اثر ہے اگر یہ جر مجرور کے ساتھ خاص نہ کیا جائے تو اس سے اثر کا وجود بغیر مؤثر کے وجود کے لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ اثر کا وجود بغیر مؤثر کے نہیں ہوتا۔

وفی المجرور به تقديراً كما فی الاضافة المعنوية ودخول حرف الجر لفظا أو تقديراً يختص بالاسم لانه موضوع لافضاء معنى الفعل الى الاسم فينبغى ان يدخل الاسم ليفضى معنى الفعل اليه۔

اس عبارت میں تقدیراً بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ دلیل مدعا کے مطابق نہیں ہے کیونکہ مدعا تو یہ ہے کہ مطلق جر اسم کے خواص میں سے ہے اور شارح نے دلیل اس پر قائم کی ہے کہ وہ جر اسم کا خاصہ ہے جو حرف جر کا اثر ہوتا ہے تو اس سے وہ جر نکلا جو حرف جر کا اثر نہیں ہوتا جسے اضافت لفظی میں مضاف الیہ کا جر۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حرف جر عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے بزید میں باء، خواہ تقدیری ہو جیسے غلام زید میں لام مقدر اور اس میں اضافت معنوی ہے اور حرف جر لفظی یا تقدیری کا داخل ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حرف جر فعل کے معنی اسم کی طرف پہنچانے کے لئے موضوع ہے۔ پس مناسب ہے کہ اسم ہی پر داخل ہو، تا کہ فعل کے معنی اسم کی طرف پہنچائے۔

واما الاضافة اللفظية فهى فرع للمعنوية فينبغى ان لا يخالف الاصل بان يختص بما يخالف ما يختص به الاصل اعنى الفعل أو يزيد عليه بان يعم الاسم والفعل۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اضافت معنوی اسم کا خاصہ ہے اسی طرح اضافت لفظی بھی اسم کا خاصہ ہے اس لئے کہ اضافت لفظی اضافت معنوی کی فرع ہے پس مناسب ہے کہ یہ فرع اپنے اصل کے مخالف نہ ہو یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اضافت معنوی جو اضافت لفظی کا اصل ہے اسم کے ساتھ خاص ہو اور اضافت لفظی جو اضافت معنوی کی فرع ہے یہ فعل کے ساتھ خاص ہو جائے۔ یا یہ فرع اپنی اصل پر بڑھ جائے اس طرح کہ اضافت معنوی صرف اسم کے ساتھ خاص ہو اور یہ اضافت لفظی اسم و فعل دونوں کے ساتھ خاص ہو جائے لہذا اس سے معلوم ہوا

کہ اضافت معنوی اور اضافت لفظی دونوں اسم کے خواص میں سے ہیں۔

ومنها دخول التنوين۔

اس عبارت میں بھی منہا دخول کے بڑھانے کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

باقسامه الا تنوين الترنم وسيجيء في اٰخر الكتاب ان شاء الله تعالىٰ تعريفه وبيان اقسامه على وجه يظهر جهة اختصاص ما عدا تنوين الترنم به وجهة عدم اختصاص تنوين الترنم به۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم کے خواص میں سے تیسرا خاصہ تنوین ہے سوائے تنوین ترنم کے سب تنوین اسم کے خواص ہیں اس لئے کہ سوائے تنوین ترنم کے باقی سب تنوینوں کے معانی اسم کے ساتھ خاص ہیں کتاب کے آخیر میں سب تنوینوں کی تعریف اور اقسام ایسے طریقہ سے بیان کی جائیں گی کہ جس سے سوائے تنوین ترنم کے ہر ایک تنوین کی اسم کے ساتھ خصوصیت کی وجہ اور تنوین ترنم کے عدم خصوصیت کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

ومنها الاسناد اليه۔

اس عبارت میں بھی منہا بڑھانے کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے یعنی اسم کے خواص میں سے چوتھا خاصہ اسم کی طرف اسناد کا ہونا ہے۔

هو بالرفع عطف على الدخول لا على مدخوله لان المتبادر من الدخول الذكر في الاول او اللحوق بالاٰخر وكلاهما منتفيان في الاسناد وكذا في الاضافة۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد فرمایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کا قول والاسناد دخول کے مدخول پر یعنی لام پر عطف ہو کر مجرور ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر دخول پر یہ عطف کیا جائے تو اس سے درمیان معطوف معطوف علیہ کے فصل لازم آئے گی اور یہ درست نہیں اس لئے کہ اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ دخول اسناد ہے اور یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ دخول ذکر شے کا ہے شے کے اول میں۔ یا لحوق شے کا ہے شے کے آخر میں۔ یہ دخول کے معنی ہوئے اور اسناد درمیان مسند اور مسند الیہ کے ایک نسبت کا نام ہے جو نہ شے کے اول میں ذکر کے قابل اور نہ شے کے آخر میں ذکر کے قابل ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ والاسناد کا قول مرفوع ہے اور دخول پر عطف ہے اور اس کے مدخول یعنی لام پر عطف نہیں ہے اور درمیان معطوف اور معطوف الیہ کے فصل اجنبی ممتنع ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف سے اجنبی نہیں ہے بلکہ اس کے اتمام کے لئے ہے یعنی مضاف کا مقصد جب ہی تمام ہوگا جب اس کے ساتھ مضاف الیہ مذکور ہوگا اور

لام پر اس لئے معطوف نہیں ہے کہ دخول کے معنی یہ ہیں کہ شے کو کسی شے کے اول میں ذکر کیا جائے جیسے الف لام تعریف کا یا شے کے اخیر میں ملحق کر دیا جائے جیسے مررت بزید میں جراور یہ دونوں باتیں اسناد میں نہیں پائی جاتیں اور اسی طرح اضافت بھی ایک نسبت کا نام ہے جو قابل ذکر نہیں ہے۔

والمراد به كون الشيء مسنداً اليه۔

اس میں شارح نے دو مقدر سوالوں کا جواب دیا ہے اول سوال کی تشریح یہ ہے کہ اسناد درمیان مسند مسند الیہ کے ایک نسبت کا نام ہے جب اسناد اسم کا خاصہ ٹھہرا تو چاہئے کہ مسند مسند الیہ بھی اسم کے خواص میں سے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسند کبھی فعل بھی ہوتا ہے۔ اور دوسرے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مسند الیہ ذات ہوتا ہے اور خواص اسم کے اعراض ہیں پس حمل صحیح نہ ہوگا۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مراد اسناد سے مسند الیہ ہے اور مسند الیہ سے مراد شے کا مسند الیہ ہونا ہے اور شے کا مسند الیہ ہونا اسم کے خواص میں سے ہے۔

وإنما اختص هذا المعنى بالاسم لان الفعل قد وضع لان يكون ابداً مسنداً فقط فلو جعل مسندا اليه يلزم خلاف وضعه۔

اس میں صرف شارح اس کی دلیل بتانا چاہتے ہیں کہ مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے کیونکہ یہ استقلال پر دلالت کرتا ہے اور اسم مستقل بالمفہوم ہوتا ہے اور فعل مستقل ہے لیکن اس کی وضع ہمیشہ مسند ہونے کے لئے ہے اگر فعل کو بھی مسند الیہ بنایا جائے تو یہ اس کی وضع کے خلاف ہوگا پس اس سے ثابت ہوا کہ مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے۔

ومنها الإضافة۔

اس عبارت میں منہا بڑھانے کی وجہ مذکور ہو چکی ہے۔

أي كون الشيء مضافا۔

اس میں بھی شارح نے دو مقدر سوالوں کا جواب دیا ہے اول سوال یہ ہے کہ اضافت درمیان مضاف مضاف الیہ کے ایک نسبت غیر تامہ کا نام ہے جب اضافت اسم کا خاصہ ٹھہرا تو چاہئے کہ مضاف مضاف الیہ بھی اسم کے خواص میں سے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ کبھی فعل بھی ہوتا ہے جیسے ﴿يوم ينفع الصادقين﴾ میں دیکھئے یہاں یوم مضاف اور ینفع مضاف الیہ واقع ہوا حالانکہ یہ فعل ہے۔ دوسرے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مضاف ذات ہوتا ہے اور خواص اعراض ہیں لہذا حمل صحیح نہ ہوگا...

شارح نے دونوں سوالوں کا جواب دیا کہ اضافت سے مراد مضاف ہے اور مضاف سے مراد شے کا مضاف ہونا ہے۔

بتقدير حرف الجر لا بذكره لفظا۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شے کا مضاف ہونا جو اسم کے خواص میں سے ٹھہرایا گیا ہے وہ مسلم نہیں کیونکہ خواص کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے میں پایا جائے اور اسکے غیر میں نہ پایا جائے اور اسم کا مضاف ہونا جیسا اسم میں پایا جاتا ہے اسی طرح فعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے مررت بزيد میں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وہ مضاف اسم کے خواص میں سے ہے جس میں حرف جر مذکور نہ ہو اور اوپر کی مثال میں حرف جر مذکور ہے۔

ووجه اختصاصها بالاسم اختصاص لوازمها من التعريف والتخصيص والتخفيف به۔

اس میں شارح اس کی دلیل بتانا چاہتے ہیں کہ اضافت اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ اضافت کے لوازم اسم کے ساتھ مختص ہیں اور وہ لوازم تعریف و تخصیص و تخفیف ہیں یعنی اضافت سے اسم کا معرفہ ہونا اسم کے اندر؟ یا تخصیص ہونا لازم آتا ہے اور یہ اسم کا خاصہ ہے تو جس طرح لوازم خاصہ ہیں اسی طرح ملزوم بھی۔

وانما فسرنا الاضافة بكون الشيء مضافا لان الفعل أو الجملة قد يقع مضافاً اليه كما فی: ﴿يوم ينفع الصادقين صدقهم﴾۔

اوپر شارحؒ نے اضافت سے مراد مضاف لیا تھا اب اس عبارت میں اس کی دلیل بتاتے ہیں کہ ہم نے اضافت سے مضاف اس لئے مرادلیا ہے کہ فعل اور جملہ بھی کبھی مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں جیسے: ﴿يوم ينفع الصادقين صدقهم﴾ میں۔

وقد يقال هذا بتاويل المصدر أی يوم نفع الصادقين۔

اس میں شارح اوپر والے سوال کا جواب دوسرے پیرائے میں دینا چاہتے ہیں کہ یہ بھی جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ﴿يوم ينفع الصادقين﴾ میں ینفع بتاویل مصدر ہے یعنی ﴿يوم نفع الصادقين﴾۔

فالاضافة بتقدير حرف الجر مطلقا يختص بالاسم۔

اس میں شارح نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ اضافت جس میں حرف جر تقدیری ہو وہ مطلقا اسم کا خاصہ ہے۔

وانما قيدناه بقولنا بتقدير حرف الجر لئلا ينتقض بقولنا مررت بزيد فان مررت مضاف

الی زید بواسطة حرف الجر لفظاً۔

اوپر شارح نے بتقدیر حرف الجر بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا تھا اب اس عبارت میں ان کی بڑھانے کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ ہم نے بتقدیر حرف الجر اس لئے بڑھایا ہے تا کہ مررت بزیدسے اعتراض پیدا نہ ہو کیونکہ اس ترکیب میں مــــررت، زید کی طرف مضاف ہے لیکن وہ حرف جر لفظی کے واسطے سے ہے نہ حرف جر تقدیری سے۔

جب مصنف کافیہ اسم کے خواص بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب اسم کی تقسیم شروع کی۔

وهو أی الاسم قسمان..........۔

اس میں قسمان کا لفظ بڑھا کر شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ ترکیب میں هــو کا لفظ مبتدا ہے اور معرب ومبنی اس کی خبر ہے اس میں مبتدا اور خبر کے درمیان مطابقت نہیں ہوئی کیونکہ مبتدا مفرد ہے اور خبر تثنیہ۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مبتدا کی خبر قســـمـــان کا لفظ مقدر ہے اور معرب ومبنی ہر ایک خبر مبتدا محذوف کی ہے یعنی احدهما معرب و ثانيهما مبنیٌ۔

معرب ومبنی لانه لا يخلوا اما ان يكون مركبا مع غيره او لا والاول اما ان يشبه مبنى الاصل او لا وهذا اعنى المركب الذى لم يشبه مبنى الاصل هو المعرب وما عداه اعنى غير المركب والمركب الذى يشبه مبنى الاصل مبنى۔

اس میں شارح اسم کو دو قسموں میں منحصر کر دینے کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ اسم ان دو قسموں سے باہر نہیں ہے یعنی یا مبنی ہوگا یا معرب اس لئے کہ یہ غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں اگر مرکب ہو تو دو حالتوں سے خالی نہیں یا مبنی اصل کے ساتھ مشابہ ہوگا یا نہیں اگر مرکب غیر کے ساتھ ہو اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہ نہ ہو تو یہ قسم معرب کی ہے اور اس کے سوا یعنی غیر مرکب اور وہ مرکب جو مشابہ مبنی اصل کے ساتھ ہو تو یہ قسم مبنی کی ہے۔

جب مصنف کافیہ اسم کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اب معرب کی تعریف شروع کی اور کہا۔

فالمعرب الذی هو قسم من الاسم۔

اس میں شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تقسیم معرب اور مبنی کی طرف صحیح نہیں کیونکہ شے کی قسم اخص ہوتی ہے مقسم سے اور یہاں معرب ومبنی جو اقسام ہیں اسم کے عام ہو گئے اور یہ

درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ المعرب میں الف لام عہدی ہے اس سے اشارہ اسم معرب کی طرف ہے اور اسم معرب مطلق اسم سے خاص ہے تو اب اس تقدیر پر مقسم مطلق اسم عام ٹھہرا اور اسم معرب اور اسم مبنی اس کے اقسام خاص ہو گئے۔

المركب أي الاسم۔

اس لفظ کے بڑھانے سے مقصد شارح کا ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ اس میں ضرب زیدٌ کا فعل داخل ہوا کیونکہ وہ بھی غیر کے ساتھ مرکب ہے اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہ نہیں بلکہ عین مبنی اصل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مرکب سے مراد اسم مرکب ہے اور اس ترکیب میں فعل مرکب مع الغیر ہے لہذا یہ اسم کی تعریف میں داخل نہیں ہوا اور اسم کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

الذی ركب مع غيره۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، جس کی تشریح اس طرح ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہیں ہے، اس سے مبتدا و خبر نکلے۔ کیونکہ ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جو عامل کے ساتھ ہو اور مبتدا و خبر عامل کے ساتھ مرکب نہیں کیونکہ ان کا عامل معنوی ہوتا ہے اور لفظی کی ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جو غیر کے ساتھ ہو خواہ اس کے ساتھ عامل ہو یا نہ ہو اور مبتدا و خبر ہر ایک غیر کے ساتھ مرکب ہے۔ یعنی مبتدا خبر کے ساتھ اور خبر مبتدا کے ساتھ مرکب ہے۔ لہذا تعریف جامع ہوئی۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ مرکب کے دو معنی ہیں۔ ایک مرکب بمعنی مضموم مع غیر۔ دوسرے مرکب بمعنی مجموع مفہومین۔ یہاں مرکب سے مراد مرکب بمعنی اول ہے نہ ثانی۔

تركيباً يتحقق معه عامله فيدخل فيه زيدٌ وقائم وهؤلاء فى قولك زيدٌ قائم وقام هؤلاء بخلاف ما ليس بمركب اصلا من الاسماء المعدودة نحو الف، باء، تاء، زيد، عمر، بكر وبخلاف ما هو مركب مع غيره لكن لاتركيباً يتحقق معه عامله كغلام فى غلام زيد فان جميع ذلك من قبيل المبنيات عند المصنف۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف مانع دخول غیر سے نہیں، اس میں غلام زید کی ترکیب، کا غلام داخل ہو گیا کیونکہ یہ بھی مع غیر مرکب ہے اور مبنی اصل سے مشابہ نہیں ہے حالانکہ یہ مبنی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جس میں عامل کا بھی تحقق ہو اور ترکیب مذکور میں عامل کا تحقق نہیں لہذا تعریف معرب کی مانع ہوئی اور اس میں زید وقائمٌ وھؤلاء جو زید قائم وقام ھؤلاء میں ہے داخل ہو گئے بخلاف ان اسمائے معدودہ کے جو مرکب بالکل نہ ہوں جیسے الف، باء، تاء، زید، عمر، بکر اور بخلاف اس کے جو مرکب مع غیر ہو، لیکن اس کی ترکیب میں تحقق عامل کا نہ ہو جیسے غلام زید میں غلام کہ یہ سب کے سب مصنف کے نزدیک مبنی ہیں۔

الذي لم يشبه أى لم يناسب۔

اس میں شارح نے عدم مشابہت سے عدم مناسبت اس لئے مراد لی ہے کہ اس سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ۔ ہے کہ معرب کی تعریف مانع دخول غیر سے نہیں اس لئے کہ اس میں یا زید کا زید داخل ہوا کیونکہ یہ بھی مرکب مع غیر ہے اور مشابہ مبنی اصل سے نہیں بلکہ یہ اس کا مناسب ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں عدم مشابہت سے مراد عدم مناسبت ہے لہذا یا زید کا زید معرب کی تعریف میں داخل نہیں ہوا اور معرب کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

مناسبة مؤثرة فی منع الاعراب۔

اس میں بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے غیر منصرف نکلتا ہے کیونکہ وہ فعل سے مشابہ ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مناسبت سے مراد وہ مناسبت ہے جو اعراب کے منع کرنے کا اثر کرے لہذا تعریف معرب کی جامع ہوئی اور غیر منصرف اس میں داخل ہوا۔

مبنی الاصل أی المبنی الذی هو الاصل فی البناء۔

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے اسم فاعل نکلتا ہے اس لئے کہ وہ مبنی اصل یعنی مضارع سے مشابہ ہے اور اسم فاعل کا مضارع سے مشابہ ہونا یہ ہے کہ جتنے حروف مضارع کے ہیں اتنے ہی اس کے ہیں اور یہ اسم فاعل مضارع کے مقام میں استعمال بھی ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مبنی اصل سے مراد وہ ہے جو بناء میں اصل ہو، نہ وہ جس کی بناء اصل ہو اور مضارع مبنی الاصل بمعنی ثانی ہے نہ بمعنی اول۔

فالاضافة بيانيةٌ۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مبنی اصل سے مراد یہ ہے جو بناء میں اصل ہو تو اس صورت میں درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے مغائرت حاصل نہیں، حالانکہ ان کے درمیان میں مغائرت ضروری ہوتی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مبنی کی اضافت اصل کی طرف بیانیہ ہے اور اضافت بیانی میں درمیان مضاف مضاف الیہ کے مغائرت نہیں ہوتی۔

وهو الماضى والامر بغير اللام والحرف۔

اس سے شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مبنی اصل تین چیزیں ہیں ایک فعل ماضی، دوسرے امر بغیر لام، یعنی امر حاضر معروف، تیسرے جملہ حروف یعنی جو ان تین چیزوں سے مشابہ نہ ہوگا وہ معرب ہوگا اور جو ان سے [illegible] مبنی ہوگا۔

وبهذا القيد خرج مثل هؤلاء فى مثل قام هؤلاء لكونه مشابها لمبنى الاصل كما سيجئ فى بابه ان شاء الله تعالى۔

اس سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متن کافیہ میں لم يشبه مبنى الاصل کی قید احترازی ہے یعنی اس قید سے قام هؤلاء معرب کی تعریف سے نکلا کیونکہ یہ هؤلاء مبنی اصل سے مشابہ ہے جیسے اپنے مقام پر اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

اعلم ان صاحب الكشاف جعل الاسماء المعدودة العارية عن المشابهة المذكورة معربة، وليس النزاع فى المعرب الذى هو اسم مفعول من قولك "اعربت" فان ذلك لا يحصل الا باجراء الاعراب على اخر الكلمة بعد التركيب، بل فى المعرب اصطلاحاً، فاعتبر العلامة مجرد الصلاحية لاستحقاق الاعراب بعد التركيب وهو الظاهر من كلام الامام عبدالقاهر واعتبر المصنف مع الصلاحية حصول الاستحقاق بالفعل ولهذا اخذ التركيب فى تعريفه واما وجود

الاعراب بالفعل فی کون الاسم معرباً فلم یعتبره احد ولذلك یقال لم تعرب الکلمة وھی معربة۔

اسمائے معدودہ کے متعلق جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں صاحب کشاف یعنی علامہ زمخشری اور امام عبد القاہر اور شیخ ابن حاجب کا اس بات میں نزاع ہے کہ آیا یہ معرب ہیں یا مبنی اگر معرب ہیں تو کس اعتبار سے؟ شارحؒ اس مقام پر اس نزاع کی تحقیق فرما کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب کشاف نے اسمائے معدودہ مذکورہ جو مشابہت سے خالی ہوں کو معرب بتایا ہے اور جھگڑا اس معرب میں نہیں جو مفعول ہو یعنی لغوی معرب میں جھگڑا نہیں ہے یعنی وہ معرب جس کے معنی اعراب دیئے ہوئے کے ہیں کیونکہ یہ لغوی معرب جب ہی حاصل ہوگا کہ اس کو مرکب کر کے بعد ترکیب کے کلمہ کے آخر پر اعراب کو جاری کر دیا جائے بلکہ جھگڑا معرب اصطلاحی میں ہے اور معرب اصطلاحی وہ ہی ہے جو مشابہ مبنی اصل نہ ہو پس علامہ زمخشری نے ترکیب کے بعد اعراب کے استحقاق کی صلاحیت ہی کو اعتبار دیا ہے۔ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ ترکیب کے بعد میں جو اعراب کا استحقاق رکھے وہی معرب ہے تو اسمائے معدودہ مذکورہ سب مستحق اعراب کے ہیں لہٰذا وہ ان کے نزدیک معرب ہوئے اور یہی امام عبد القاہر کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی امام عبد القاہر کا بھی یہی خیال ہے کہ اسمائے معدودہ مذکورہ معرب ہیں اور شیخ ابن حاجب نے استحقاق اعراب کا حصول بالفعل صلاحیت کے ساتھ معتبر کیا ہے یعنی ان کے نزدیک معرب وہ ہے جو بالفعل استحقاق اور صلاحیت اعراب کا رکھے اور اسی وجہ سے معرب کی تعریف میں ترکیب کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور اعراب بالفعل کے وجود اور اسم کے معرب ہونے کو بالفعل کسی نے معتبر نہیں کہا اور اسی وجہ سے محاورہ عرب میں بولا جاتا ہے کہ یہ کلمہ معرب نہیں حالانکہ وہ معرب ہوتا ہے لہٰذا الشیخ ابن حاجب کے نزدیک اسمائے معدودہ مذکورہ مبنی ثابت ہوئے کیونکہ یہ اسماء بغیر ترکیب دیئے سب مبنی ہیں، معرب جب ہی ہوں گے جب غیر سے مرکب ہو جائیں گے۔

وانما عدل المصنف عما ھو المشھور عند الجمھور من ان المعرب ما اختلف اٰخره باختلاف العوامل لان الغرض من تدوین علم النحو ان یعرف به احوال اواخر الکلمة فی الترکیب من لم یتتبع لغة العرب ولم یعرف احکامھا بالسماع منھم فان العارف باحکامھا کذلك مستغن عن النحو ولا فائدة له معتداً بھا فی معرفة اصطلاحاتھم فالمقصود من معرفة المعرب مثلا ان یعرف انه ممّا یختلف اٰخره فی کلامھم لیجعل اٰخره مختلفاً فیطابق کلامھم فمعرفته متقدمة علی معرفة انه ممّا یختلف اخره فلو کان معرفته المتقدمة حاصلة بمعرفة ھذا

الاختلاف وتعريفه به وجب ان يعرف اولا بانه مما يختلف اخره ليعرف انه مما يختلف اخره فيلزم تقدم الشيء على نفسه فينبغي ان يعرف اولا بغير ما عرفه به الجمهور ويجعل ما عرفوه به من جملة احكامه كما فعله المصنف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے معرب کی تعریف میں جمہور کی مخالفت کیوں کی کہ وہ معرب کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ معرب وہ اسم ہے جس کا آخر بسبب اختلاف عوامل کے مختلف ہوتا ہے اور مصنف کافیہ نے اس کے خلاف معرب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ معرب وہ مرکب اسم ہے جو مبنی اصل سے مشابہ نہ ہو؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ نے جمہور کی مشہور تعریف کے خلاف معرب کی تعریف اس لئے کی ہے کہ علم نحو کے جمع کرنے سے غرض یہ ہے کہ جو شخص عرب کی لغت سے واقف نہ ہو اور نہ عرب سے لغت کے احکام سنے ہوں وہ اس علم کی وجہ سے کلمات ثلاثہ کے آخر حرکات کو معلوم کرے، اس لئے کہ جو شخص عرب کے لغت سے واقف ہو یا عرب سے لغت کے احکام سنے ہوں اس کو علم نحو کے جمع کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کو عرب کے اصطلاحات معلوم کرنے میں کوئی فائدہ معتد بہا ہے۔ پس مقصود معرب کے پہچاننے سے یہ ہے کہ مثلاً معرب کی تعریف اس طرح کی جائے کہ معرب وہ اسم ہے جس کا آخر کلام عرب میں مختلف ہو، تا کہ اس کے آخر کو مختلف کر دیا جائے اور عرب کے کلام کے .... مطابق کیا جائے یعنی جس طرح عرب کے کلام میں اس کا آخر مختلف ہوتا ہے اسی طرح نحوی بھی اپنے کلام میں اس کے آخر کو اختلاف عوامل سے مختلف کردے۔ پس معرب کا پہچاننا اس پر مقدم ہوگا کہ معرب وہ ہے جس کا اخیر مختلف ہوتا ہو، یعنی اختلاف آخر کے پہچاننے سے معرب کا پہچاننا مقدم ہے اگر معرب کا پہچاننا اختلاف آخر کے پہچاننے سے اور اس کی تعریف سے حاصل ہو تو اس تقدیر پر ضروری ہے کہ معرب کی تعریف اول اس طرح کی جائے کہ معرب وہ اسم ہے کہ جس کا آخر مختلف ہوتا ہو اس غرض سے کہ اس سے یہ پہچانا جائے کہ معرب وہ ہے کہ جس کے آخر میں اختلاف ہوتا ہو تو اس سے شیء کا تقدم اپنے نفس پر لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ وہ اسم ہے جس کا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہوتا ہے تو اس صورت میں صغریٰ عین نتیجہ ہوا۔ اور حالانکہ صغریٰ مقدم ہوتا ہے اور نتیجہ موخر ہوتا ہے تو اس سے تقدم شیء علی نفسہ جس کو دور بھی کہتے ہیں لازم ہوا اور یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اول تعریف معرب کی جمہور کی تعریف کے خلاف اس طرح کی جائے کہ معرب وہ مرکب اسم ہے جو مبنی اصل سے مشابہ نہ ہو جیسے مصنف کافیہ نے کیا ہے۔ اور جس بات کو جمہور نے معرب کی تعریف ٹھہرایا ہے اس کو معرب کے احکام کے جملہ میں سے کر دیا جائے۔

جیسا کہ مصنف نے کیا تو اس صورت میں نہ تقدم شیٔ علی نفسہ ہوگا اور نہ دور لازم آئے گا یعنی معرب وہ مرکب اسم ہے جو مبنی اصل سے مشابہ نہ ہو اور اس کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اس کے آخر میں اختلاف عوامل سے اختلاف ہوگا۔

وحكمه أي من جملة احكام المعرب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح ہے کہ اضافت حکم کی معرب کی طرف استغراق کے لئے ہے۔ اس لئے کہ جب اسم ظاہر کی اضافت ضمیر کی طرف ہوتی ہے تو یہ مفید استغراق ہوا کرتی ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ معرب کے جملہ احکام یہ ہیں کہ جس کے آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہوں حالانکہ معرب کے احکام اختلاف آخر کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اضافت حکم کی معرب کی طرف یہاں استغراق کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اضافت مفید عہدی ہے یعنی معرب کے احکام کے جملہ میں سے ایک حکم اختلاف آخر ہے۔

واثاره المترتبة عليه من حيث هو معرب۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حکم کی اضافت معرب کی طرف صحیح نہیں ہے کیونکہ حکم عبارت اسناد سے ہے ایک امر کی دو امروں میں سے دوسرے کی طرف یعنی درمیان مسند مسند الیہ کے جو نسبت حکمی ہوتی ہے اس کا نام حکم ہے خواہ ایجابی ہو جیسے زيد قائم یا سلبی جیسے زيد ليس بقائم اور یہ نسبت مرکب کلامی میں پائی جاتی ہے اور معرب مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک لغوی جو اثر مرتب علی الشیٔ ہے دوسری اصطلاحی جو نسبت درمیان مسند مسند الیہ کے ہے اور یہاں پر حکم کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی معرب کا حکم وہ اثر ہے جو اس پر مرتب ہوگا اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہو۔

ان يختلف اٰخره أي الحرف الذى هو اخر المعرب۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کا حکم غلامی کی حرکت سے منقوض ہے اس لئے کہ اس معرب کے آخر میں اختلاف ہے اور حکم نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معرب کے حکم سے مراد یہ ہے کہ وہ معرب کے آخر میں ہو یعنی وہ حرف ہو جو معرب کے آخر میں ہو بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ یہ یائے متکلم کے ماقبل ہے۔

ذاتاً بان يتبدل حرف بحرف اخر۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ اختلاف آخر اس معرب میں تو ٹھیک ہے جو معرب بالحرف ہو مگر اس معرب میں درست نہیں ہے جو معرب بالحرکۃ ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اختلاف آخر عام ہے خواہ وہ ذاتی ہو یا صفتی اور معرب بالحرکت میں اگر چہ اختلاف ذاتی نہیں ہوتا مگر اختلاف صفتی ہوتا ہے اور اختلاف ذاتی یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل دیا جائے۔

فائدہ: معرب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معرب بالحرف یعنی جس میں اعراب حرفی ہو۔ دوسرے معرب بالحرکت جس میں اعراب حرکت ہو اس کی تحقیق انشاء اللہ آگے آئے گی۔

حقیقة او حکما اذا کان اعرابه بالحرف۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اختلاف ذاتی تثنیہ اور جمع مذکر سالم سے حالت نصبی اور جری میں منقوض ہے، کیونکہ تثنیہ اور جمع مذکر سالم معرب بالحرف ہیں اور حالانکہ ان کے آخر میں اختلاف ذاتی نہیں ہوتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اختلاف ذاتی عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور تثنیہ اور جمع مذکر سالم کے آخر میں اگر چہ اختلاف حقیقی نہیں پایا جاتا لیکن حکمی پایا جاتا ہے کیونکہ یا عامل ناصب کے داخل ہونے کے بعد علامت نصب حکمی ہے جیسا کہ بعد داخل ہونے عامل جر کے علامت جر حقیقی ہے یہ جب ہے کہ اعراب بالحرف ہو۔

او صفة بان یتبدل صفة بصفة اخری۔

یہ جملہ ذاتا پر عطف ہے، اس میں شارح صفت کی تبدیلی دوسری صفت سے بتانا چاہتے ہیں یعنی اختلاف صفتی یہ ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل دی جائے، یہ تبدیل صفت صفت سے ہے۔

حقیقة او حکماً اذا کان اعرابه بالحرکة۔

اس میں بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اختلاف صفتی غیر منصرف سے حالت نصبی اور جری میں منقوض ہے اس لئے غیر منصرف معرب بالحرکۃ ہے اور حالانکہ اس کے آخر میں اختلاف صفتی نہیں پایا جاتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اختلاف صفتی عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور یہاں اگر چہ غیر منصرف میں

اختلاف حقیقی نہیں پایا جاتا لیکن حکمی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں عامل جارہ کے داخل ہونے کے بعد جوفتحہ آتا ہے وہ حکماً علامت جری ہے جیسا کہ عامل ناصبہ کے داخل ہونے کے بعد علامت نصبی ہوتی ہے۔ یہ جب اعراب بالحرکۃ ہو۔

باختلاف العوامل أی بسبب اختلاف العوامل الداخلة عليه۔

اس میں شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باختلاف کا باسببیہ ہے یعنی معرب کا حکم یہ ہے کہ جب اس پر عوامل مختلفہ داخل ہو جائیں تو اس کے آخر میں ان عوامل مختلفہ کے داخل ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوگا۔

فی العمل بان يعمل بعض منها خلاف ما يعمل البعض الأُخر۔

اس میں بھی شارح نے عمل کی قید بڑھانے سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ان زیداً مضروب وانی ضربت زیداً وانی ضارب زیداً میں زید پر عوامل مختلفہ داخل ہو گئے ہیں، پہلی مثال میں عامل ان حرفی ہے۔ دوسری مثال میں ضربت عامل فعلی ہے۔ تیسری مثال میں ضـــاربٌ عامل اسمی ہے۔ یہ عوامل آپس میں اسمیت اور فعلیت اور حرفیت میں مختلف ہیں اور حالانکہ اس میں معرب کا آخر جو زید ہے ان عوامل مختلفہ کے داخل ہونے سے مختلف نہیں ہوا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عوامل کے اختلاف سے مراد یہ ہے کہ یہ عمل میں مختلف اس طرح ہو کہ ایک عامل جو عمل کرے دوسرا اس کے خلاف عمل کرے یعنی اگر ایک عامل عمل رفع کا کرے تو دوسرا عمل نصب کا کرے، علیٰ ہذا القیاس اگر ایک عمل جر کا کرے تو دوسرا نصب کا کرے۔ یہ اختلاف عوامل کا اسمیت وفعلیت وحرفیت میں مقصود نہیں ہے۔

وانما خصصنا اختلافها بكونه فی العمل لئلا ينتقض بمثل قولنا ان زيداً مضروبٌ وانی ضربت زيداً وانی ضاربٌ زيداً فان العامل فی زيدا فی هذه الصور مختلف بالاسمية والفعلية والحرفية مع أن آخر المعرب لم يختلف باختلافه۔

اوپر اختلاف کے ساتھ شارح نے عمل کی قید بڑھائی تھی اب یہاں اس کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے عوامل کا اختلاف عمل میں اس لئے خاص کیا ہے تاکہ ان زیداً مضروبٌ الخ پر یہ اوپر والا سوال وارد نہ ہو کہ ان مثالوں میں زید کے اندر تینوں صورتوں میں عامل مختلف بالاسمیت والفعلیت والحرفیت ہے۔ باوجود اس عامل کے اختلاف کے معرب کے آخر میں اختلاف نہیں ہوا۔

لفظاً أو تقديراً نصب على التمييز أی يختلف لفظ اخره أو تقديره۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظاً أو تقدیراً کے الفاظ دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا منصوب بنا بر تمیز ہوں گے یا بنا بر مصدر اور یہ دونوں صحیح نہیں ہیں۔ اول اس لئے کہ یہ اگر یختلف کی نسبت سے تمیز ٹھہرائیں گے تو نسبت سے جو تمیز آتی ہے وہ حقیقت میں فاعل ہوتا ہے یا مفعول اور حالانکہ یہاں پر یختلف کا فاعل آخر کا لفظ ہے نہ لفظاً نہ تقدیراً یعنی لفظا اور تقدیرا اس کا فاعل نہیں ہے اور ثانی اس لئے کہ شرط مصدر میں یہ ہے کہ فعل کے معنی اس پر ایسے مشتمل ہوتے ہیں جیسے اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے یعنی جس طرح کل میں جز پایا جاتا ہے اسی طرح فعل میں مصدر پایا جاتا ہے دیکھئے ضربت میں ضرب پایا جاتا ہے اور یختلف کے معنی اختلاف پر مشتمل ہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً یعنی یختلف کے ضمن میں اختلاف پایا جاتا ہے نہ کہ لفظاً و تقدیراً۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ منصوب بنا بر تمیز ہیں اور یہ الفاظ حقیقت میں یختلف کے فاعل ٹھہرتے ہیں کیونکہ یہ عبارت بتقدیر مضاف ہے یعنی مضاف اس میں مقدر ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ یختلف لفظ آخرہ او تقدیرہ۔ اب دیکھئے اس عبارت میں لفظ اور تقدیر کے الفاظ یختلف کے فاعل ٹھہر گئے ہیں۔

او علی المصدریة أی یختلف اختلاف لفظ او تقدیر۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے کہ یا یہ الفاظ منصوب بنا بر مصدریت ہیں یعنی یہ الفاظ یختلف کے مفعول مطلق باعتبار مضاف مقدر کے واقع ہوئے ہیں اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر یہ ہے یختلف اختلاف لفظ او تقدیر، دیکھئے یہاں پر اختلاف مضاف، لفظ مضاف الیہ ہے مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر یختلف کا مفعول مطلق ٹھہر گئے ہیں۔

والاختلاف لفظا کما فی قولك جاء نی زید ورایت زیداً ومررت بزید وتقدیراً کما فی قولك جاء نی فتی ورایت فتی ومررت بفتی فان اصله فتی وفتیا و بفتیٍ انقلبت الیاء الفاً فصار الاعراب تقدیریاً۔

اس میں شارح نے صرف اختلاف لفظی اور تقدیری کی مثالیں دی ہیں کہ اختلاف لفظی کی مثال جاء نی زید ورایت زید ومررت بزید ہے کہ اس میں پہلی مثال میں زید مرفوع، دوسری مثال میں منصوب اور تیسری مثال میں مجرور ہے۔ دیکھئے یہاں عوامل کے اختلاف سے معرب کے آخر میں اختلاف لفظی ہوا اور تقدیری کی مثال جاء نی فتی ورایت فتی ومررت بفتی، پہلی مثال یعنی حالت رفعی میں اصل میں فتیٌ مرفوع بنا بر فاعلیت ہے۔ دوسری مثال میں یہ لفظ منصوب حالت نصبی میں منصوب بنا بر مفعولیت ہے۔ تیسری مثال میں یہ لفظ بفتی حالت جری میں مجرور ہے۔

اس لفظ کی یاء الف سے بدلی پھر التقائے ساکنین سے الف گرا اور تینوں حالت میں اعراب تقدیری ہوا۔

والاختلاف اللفظی والتقدیری اعم من ان یکون حقیقة او حکما کما اشرنا الیه لئلا ینتقض بمثل قولنا: رایت احمد ومررت باحمد وقولنا: رأیت مسلِمَین ومررت بمسلِمَین مثنیً او مجموعاً فانه قد اختلف العوامل فیه ولا اختلاف فی اٰخر احمد حقیقة بل حکما فان فتحة احمد بعد الناصب علامة النصب وبعد الجار علامة الجر وکذا الحال فی التثنیة والجمع فاٰخر المعرب فی هذه الصور یختلف باختلاف العوامل حکما لا حقیقة۔

اوپر شارح نے حکماً اور حقیقۃً کی قید بڑھا کر سوال مقدر کا جواب دیا تھا، اب یہاں اس قید کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل بتانا چاہتے ہیں کہ اختلاف لفظی اور تقدیری عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ حکمی جیسے ہم نے اس کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے اور اس اختلاف کا عموم اس لئے ضروری ہے تاکہ رأیت احمد، ومررت باحمد، ورأیت مسلمین، ومررت بمسلمین سے خواہ تثنیہ ہو خواہ جمع ہو منقوض نہ ہو کیونکہ ان مثالوں میں معرب پر عوامل مختلف آئے ہیں اور حالانکہ پہلی مثال احمد کے آخر میں اختلاف حقیقی نہیں ہے بلکہ حکمی ہے کیونکہ احمد کا فتحہ حالت نصبی میں عامل ناصب کے داخل ہونے کے بعد علامت نصب کی ہے اور بعد داخل ہونے عامل جارہ کے علامت جر کی ہے اسی طریقہ سے تثنیہ اور جمع میں۔ پس ان صورتوں میں معرب کا آخر عوامل مختلفہ کے داخل ہونے سے حکما مختلف ہوا ہے۔

فان قلت: لا یتحقق الاختلاف لا فی اٰخر المعرب ولا فی العوامل اذا رکب بعض الاسماء المعدودة الغیر المشابهة لمبنی الاصل مع عامله ابتداء اذ لا یترتب علیه اختلاف الاعراب بل هناك حدوث الاعراب بدخول العامل۔

یہ ایک سوال ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ شی ء کا حکم شی ء کا خاصہ ہوتا ہے اور معرب کا اختلاف آخر معرب کا خاصہ نہیں ہے اس لئے کہ جب بعضے اسماء معدودہ جو مبنی اصل سے مشابہ نہ ہوں عامل کے ساتھ ابتداءً مرکب کئے جائیں تو اس صورت میں نہ معرب کے آخر میں اختلاف متحقق ہوتا ہے اور نہ عامل میں کیونکہ اس صورت میں معرب پر اعراب کا اختلاف مرتب نہیں ہوتا بلکہ یہاں عامل کے داخل ہونے سے اعراب کا حدوث ہوتا ہے۔

قلت: هذا حکم اٰخر من احکام المعرب والاختلاف حکم اٰخرٌ فلو لم یدخل احد الحکمین فی الاٰخر لا فساد فیه لان للمعرب احکاماً کثیرة لم تذکر هٰهنا فلیکن هذا الحکم

ایضا من هذا القبیل، غایة الامر أن هذا الحکم لا یکون من خواصه الشاملة۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب شارح نے اس طرح دیا کہ معرب کے احکام میں سے ایک کا حکم معرب کے آخر میں حدوث اعراب ہے اور معرب کے آخر میں اختلاف دوسرا حکم ہے پس اگر دو حکموں میں سے ایک حکم دوسرے میں داخل نہ ہو تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اس لئے کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جو سب یہاں مذکور نہیں۔ پس چاہئے کہ یہ حدوث اعراب کا حکم اس قبیل سے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ حدوث اعراب کا حکم اسم کے خواص شاملہ میں سے نہیں ہے۔

جب مصنف کافیہ معرب کے حکم بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب معرب کے اعراب کی تعریف شروع کی۔

الاعراب ما أی حرکة أوحرف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال کی تشریح یہ ہے کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں عامل اور مقتضی الاعراب داخل ہوئے کیونکہ ان سے بھی معرب کے آخر میں اختلاف آتا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ ما عبارت حرف اور حرکت سے ہے اور عامل اور معنی مقتضی الاعراب حرف حرکت نہیں۔ لہذا یہ اعراب کی تعریف سے خارج ہوئے اور اعراب کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

اختلف اٰخره أی اخر المعرب من حیث هو معرب ذاتاأو صفة به۔

اس میں شارح نے صرف یہ بتایا کہ اعراب وہ حرف حرکت ہے کہ جس سے معرب کے آخر میں اختلاف آتا ہے خواہ وہ اختلاف ذاتی ہو یا صفاتی اور اس عبارت میں ذاتاً و صفةً قید بڑھانے کی وجہ اور دلیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

أی بتلك الحرکة أو الحرف وحین یراد بما الموصولة الحرکة أو الحرف لا یرد العامل والمعنی المقتضی۔

اوپر شارح نے ما سے حرف حرکت مراد لیکر ایک سوال کا جواب دیا تھا جو اوپر گزر چکا ہے۔ اب یہاں اس کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ جب ہم نے ما موصولہ سے حرکت اور حرف مراد لیا ہے تو عامل اور معنی مقتضی الاعراب کا سوال وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ عامل اور معنیٰ مقتضی الاعراب حرف حرکت نہیں۔

ولو أبقیت علی عمومها خرجا بالسببیة المفهومیة من قوله" به" فان المتبادر من السبب هو السبب القریب والعامل والمعنی المقتضی من الاسباب البعیدة۔

اوپر شارح نے ما موصولہ سے حرف حرکت مراد لے کر عامل اور معنی مقتضی الاعراب کو اعراب کی تعریف سے

نکالا تھا لیکن یہ جواب ضعیف تھا اس لئے کہ اعراب کی تعریف میں حروف عاملہ بھی داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان کے داخل ہونے سے بھی معرب کے آخر میں اختلاف آجاتا ہے۔اب یہاں اس عبارت میں شارح اس سوال کا دوسرے پیرائے میں جواب دیتے ہیں جس کی تشریح اس طرح ہے کہ مـا کو عبارت شی ء سے ہے اور بہ کا با سببیت کے لئے ہے اور سبب سے مراد سبب قریب ہے اور عامل اور معنی مقتضی الاعراب اسباب بعیدہ میں سے ہیں۔تو اس لحاظ سے اگر چہ مـا اپنے عام معنیٰ پر محمول کر کے مراد اس سے شی ء لی جائے تو اعراب کی تعریف سے عامل اور معنی مقتضی الاعراب، نکل گئے اور اعراب کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

وبقيد الحيثية خرج حركة نحو غلامي لانه معرب على اختيار المصنف لكن اختلاف هذه الحركة على اخر المعرب ليس من حيث انه معرب بل من حيث انه ما قبل ياء المتكلم وبهذا القدر تم حد الاعراب جمعاً و منعاً۔

اوپر شارح نے معرب کے ساتھ میں معرب ہونے کی حیثیت بڑھا کر سوال مقدر کا جواب دیا اب یہاں اس عبارت میں اس قید کو بڑھانے کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ جب ہم نے معرب کے ساتھ معرب ہونے کی حیثیت بڑھائی تو اس سے اعراب کی تعریف سے غلامی کی حرکت نکل گئی کیونکہ مصنف کے نزدیک یہ غلامی معرب ہے اور یہی ان کا مختار مذہب بھی ہے لیکن اس حرکت کا اختلاف معرب کے آخر میں اس حیثیت سے نہیں ہے کہ یہ معرب ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ یائے متکلم کے ماقبل ہے تو اب اس تقدیر پر اعراب کی تعریف جامع مانع ثابت ہوئی۔

لكن المصنف اراد ان ينبه على فائدة اختلاف وضع الاعراب فضم اليه قوله: ليدل على المعاني المعتورة عليه، فكانه اراد هذا المعنى حيث قال: ليس هذا من تمام الحد لأنه خارج عن الحد واللام في ليدل متعلق بامر خارج عن الحد يعني وضع الاعراب المفهوم من فحوى الكلام فانه بعيد عن الفهم غاية البعد فاللام فيه متعلق بقوله: اختلف اخره يعني اختلف اخره۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تعریف سے مقصود جامعیت اور مانعیت ہوتی ہے اور یہ اوپر کی عبارت میں حاصل ہو چکی ہے پس اس قول ليدل على المعانى المعتورة عليه کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے، لیکن مصنف کافیہ نے یہ عبارت بڑھا کر اعراب کے وضع کے اختلاف کے فائدہ پر تنبیہ کی ہے اس لئے یہ عبارت مذکورہ اس کے ساتھ ضم کی ہے یعنی اس عبارت کو اس لئے بڑھایا ہے کہ اس سے یہ

معلوم ہو کہ اعراب کی وضع اس لئے ہے کہ اس سے اعراب کا اختلاف معلوم ہو سکے، گویا مصنف نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔اس لئے کہ انہوں نے خود کافیہ کی ایک شرح امالی الکافیۃ کے نام سے موسوم کر کے لکھی ہے اس میں مصنف نے یہ لکھا ہے کہ یہ لیدل الخ کی عبارت اعراب کی تعریف کے اتمام سے نہیں ہے اور نہ یہ عبارت اعراب کی تعریف سے خارج ہے اور نہ یہ مراد لیا ہے کہ لیدل کا لام، اعراب کی تعریف کے کسی امر خارج سے متعلق ہو یعنی وضع اعراب جو کلام کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ فہم سے بہت دور ہے بلکہ اس شرح میں مصنف کافیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ لام اس عبارت میں اختلف آخرہ سے متعلق ہے یعنی اعراب وہ حرف حرکت ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو۔

لیدل الاختلاف أو ما به الاختلاف۔

اس میں شارح نے یہ بتایا ہے کہ لیدل کا قول یختلف سے متعلق ہے اور یختلف سے جو اختلاف مصدر نکل آتا ہے وہ اس فعل کا فاعل ہے یا اس کا فاعل ما ہے جس سے عبارت حرف حرکت ہے یعنی جس سے معرب کے آخر میں اختلاف آتا ہے خواہ وہ حرف ہو خواہ حرکت۔

علی المعانی یعنی الفاعلیة والمفعولیة والاضافة۔

اس میں شارح معانی معتورہ بتانا چاہتے ہیں یعنی اسم کے فاعل ہونے اور مفعول ہونے اور اضافت کا نام معانی معتورہ ہے۔

المعتورة علی صیغة اسم الفاعل۔

اس میں صرف یہ بتاتے ہیں کہ معتورہ کا لفظ بصیغہ اسم فاعل ہے۔ بصیغہ اسم مفعول نہیں اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ معرب وہ اسم ہے کہ جس کا اختلاف ان معنوں کو بتائے جو اسم پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں۔

علیه أی علی المعرب متعلق بمعتورة۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یہ جار مجرور معتورۃ کے متعلق ہے اور علیہ کی ضمیر مجرور معرب کی طرف لوٹتی ہے۔

علی تضمین مثل معنی الورود او الاستیلاء یقال اعتوروا الشیء وتعاوروه اذا تداولوه أی اخذه جماعةٌ واحدة بعد واحدة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معتورہ بصیغہ اسم فاعل متعدی بنفسہ ہے پس اس کو علی سے متعدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مصنف کافیہ نے یہاں اس لفظ کو متعدی بعلی کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کو ورود اور استیلاء کے معنی میں تضمین کر کے علی سے متعدی کیا ہے اور تضمین کے معنی یہ ہیں کہ فعل یا صفت میں کسی دوسرے فعل یا صفت کے معنی ملحوظ کئے جائیں جیسے یہاں اعتوار کے معنی ورود اور استیلاء کے ملحوظ کئے ہیں اور ورود متعدی بعلی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اعتوار کو متعدی بعلی کیا ہے اور اعتوار کے معنی لغت میں شیء کو ہاتھ بہ ہاتھ لینے کے ہیں یعنی جب کسی شیء کو ایک جماعت دوسری جماعت کے بعد بسبیل بدلیت ہاتھ بہ ہاتھ لے تو اس وقت اعتور وا الشیء و تعاوروہ بولتے ہیں۔

علی سبیل المناوبة والبدلية لا على سبيل الاجتماع فاذا تداولت المعانی المقتضية لإعراب المعرب متعاقبة متناوبة غير مجتمعة لتضادها، فينبغی ان تكون علاماتها ايضا كذلك فوقع بسببها اختلاف فی اخر المعرب فوضع اصل الاعراب للدلالة على تلك المعانی ووضع بحيث يختلف به اخر المعرب لاختلاف تلك المعانی۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اعراب کا متعدد ہونا درست نہیں اس لئے کہ ایک ہی اعراب متعدد معنوں پر دلالت کر سکتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وہ معانی معتورہ جو اسم پر وارد ہوں گے وہ بسبیل بدلیت ہوں گے بسبیل اجتماع نہیں ہوں گے اس لئے کہ وہ معانی آپس میں متضاد ہیں یعنی فاعلیت کی حالت میں مفعولیت کے معنی نہ ہوں گے اور مفعولیت کی حالت میں فاعلیت کے، علی ہذا القیاس حالت اضافی میں فاعلیت اور مفعولیت کے معنی نہ ہوں گے۔ پس جب ہم نے یہ ثابت کیا کہ وہ معنی معتورہ مقتضی الاعراب معرب پر یکے بعد دیگرے بسبیل نیابت اور بدلیت وارد ہوں گے نہ بسبیل اجتماع کیونکہ وہ آپس میں متضاد ہیں تو چاہئے کہ ان معانی کے علامات بھی اسی طرح یکے بعد دیگرے بہ سبیل بدلیت معرب کے آخر پر وارد ہوں یعنی اعراب ثلثہ مثلاً رفع، نصب اور جر جب معرب کے آخر پر وارد ہوں تو بہ سبیل بدلیت یکے بعد دیگرے ہوں گے تا کہ متضاد کا اجتماع نہ ہو۔ اسی وجہ سے اعراب کو بھی متعدد کر دیا پس ان معانی کے معرب کے آخر پر داخل ہونے سے اعراب کا بھی اختلاف واقع ہوگا۔ پس اعراب کی وضع حقیقت میں اس لئے ہے کہ یہ ان معانی پر دلالت کرے۔ یعنی اسم کے فاعل ہونے، مفعول ہونے اور مضاف الیہ ہونے پر دلالت کرنے کی غرض سے اعراب کی وضع ہوئی ہے اور وضع اس حیثیت سے ہے کہ ان معانی کے اختلاف کی وجہ سے معرب کے آخر میں بھی اختلاف پیدا ہو۔ لہذا اعراب کا متعدد ہونا ضروری ثابت ہوا اور ایک اعراب متعدد، مختلف اور متضاد معانی پر دلالت نہیں کر سکتا۔

وإنما جعل الاعراب فی اخر الاسم المعرب لان نفس الاسم یدل علی المسمی والاعراب علی صفته ولا شك ان الصفة متاخرة عن الموصوف فالانسب ان یکون الدال علیها ایضاً متاخراً عن الدال علیه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم میں اعراب کے محل تین ہیں: اسم کا اول، اوسط اور آخر۔ مصنف نے اسم میں محل اعراب اسم کے آخر کو ٹھہرایا ہے، یہ ترجیح بلا مرجح ہے اس کی کیا وجہ ہے ایسا کیوں کیا؟

شارح نے جواب دیا کہ معرب کے آخر کو محل اعراب اس لئے بنایا ہے کہ اسم اپنے مسمیٰ پر جو اس کا موصوف ہے دلالت کرتا ہے اور اعراب اس مسمیٰ کی صفت کو بتاتا ہے یعنی اس مسمی کا فاعل یا مفعول یا مضاف مضاف الیہ ہونا جو اسم کے اوصاف ہیں، اعراب سے معلوم ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ صفت موصوف سے موخر ہوتی ہے، پس چاہئے کہ صفت کا بتانے والا بھی جو اعراب ہے موصوف سے موخر ہو اس لحاظ سے محل اعراب اسم کا آخر ٹھہرا اور اس میں ترجیح بلا مرجح نہیں، مرجح کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔

وهو ماخوذ من اعربه اذا اوضحه فان الاعراب یوضح المعانی المقتضیة او من عربت معدته اذا فسدت۔

اس میں شارح اعراب کی لغوی تحقیق کر کے اعراب اصطلاحی کی وجہ تسمیہ بتانا چاہتے ہیں کہ اعراب کے معنی وضاحت کے ہیں اور اعراب کو اعراب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معانی مقتضی الاعراب یعنی اسم کے فاعل یا مفعول یا مضاف مضاف الیہ ہونے کو بتاتا ہے یا اعراب کے معنی لغت میں فساد کے ہیں جیسے کسی کے پیٹ میں فساد یا کوئی خرابی ہوتی ہے تو اس وقت عَرَبت معدته بولتے ہیں۔ یعنی اس کے پیٹ میں خرابی ہے۔ گویا اعراب کے لغت میں دو معنی ہوئے ایک وضاحت، دوسرے فساد۔

علی ان یکون الهمزة للسلب فیکون معناه ازالة الفساد سمی به لانه یزیل فساد التباس بعض المعانی ببعض۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرب کا تسمیہ اول معنی مقتضی الاعراب کو واضح کر دیتا ہے فاسد نہیں کرتا لہذا ثانی معنی اعراب کے درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معرب کو اگر اعراب کے ثانی معنی پر محمول کیا جائے تو اعراب میں جو ہمزہ ہے

وہ سلب کے لئے مانا جائے گا یعنی فساد دور کرنے کے لئے ہوگا جس کے معنی یہ ہونگے کہ اعراب معنی مقتضی الاعراب کے درمیان میں جو التباس کا فساد ہے اس کو دور کرتا ہے اس بنا پر معرب کو اس لئے معرب کہتے ہیں کہ اس میں معنی مقتضی الاعراب کے درمیان جو التباس کا فساد تھا وہ اٹھایا گیا۔ جب مصنف اعراب کی تعریف سے فارغ ہوئے تو اب آگے چل کر اعراب کی اقسام بیان کرنا چاہتے ہیں۔

وأنواعه أی انواع اعراب الاسم ثلثة۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ انواع جمع نوع کی ہے اور یہ لفظ یہاں ترکیب میں مبتدا واقع ہوا ہے اور رفع، نصب، جر اس کی خبر ہے، مبتدا مؤنث ہے باعتبار جمعیت کے اور خبر مذکر ہے۔ مطابقت درمیان مبتدا و خبر کے نہیں ہوئی۔

شارح نے جواب دیا کہ اس کی خبر محذوف ہے وہ ثلثۃ ہے یعنی اسم کے اعراب کی تین قسمیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ اعراب یا عمدہ پر دلالت کرے گا یا فضلہ پر۔ اول رفع ہے کہ رفع عمدہ پر دال ہے۔ ثانی دو حالتوں سے خالی نہیں ہے، یا فضلہ پر دال بالذت ہوگا یا حرف جر کے واسطے سے دال ہوگا جو فضلہ پر دال بالذات ہو وہ نصب ہے اور باقی جر ہے اور رفع، نصب، جر ہر ایک خبر مبتدا محذوف کی ہے یعنی احدھا رفعٌ وثانیھا نصبٌ وثالثھا جرٌ۔

اور اس عبارت عربی میں شارح نے اعراب کے ساتھ اسم کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اعراب کا انحصار تین قسموں میں درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کی چوتھی قسم جزم بھی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ یہاں معرب سے مراد اسم معرب ہے اور اعراب سے مراد اسم کا اعراب ہے اور جزم فعل مضارع کا اعراب ہے، لہذا اعراب کا انحصار مذکور صحیح ہوا۔

رفعٌ نصبٌ جرٌ هذه الاسماء الثلثة مختصة بالحركات والحروف الاعرابية ولا تطلق على الحركات البنائية اصلا بخلاف الضمة والفتحة والكسرة فانها مستعملة فى الحركات البنائية غالباً وفى الحركات الاعرابية على قلة۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے حرکات اعرابی کی تعبیر رفع، نصب اور جر سے کی ہے یہ ترجیح بلا مرجح ہے، ضمہ، فتحہ، کسرہ سے کیوں نہیں تعبیر کیا؟ حرکات اعرابی کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ اسمائے ثلثہ یعنی رفع، نصب، جر حرکات اعرابی اور حروف اعرابیہ کے ساتھ مختص ہیں یعنی یہ اسماء خاص کر حرکات اور حروف اعرابیہ میں مستعمل ہوتے ہیں اور ان کا اطلاق حرکات بنائیہ پر

یعنی ضمہ، فتحہ، کسرہ پر بالکل نہیں ہوتا۔ بخلاف ضمہ، فتحہ، کسرہ کے کہ یہ اسماء اکثر حرکات بنائیہ میں مستعمل ہوتے ہیں اور حرکات اعرابیہ میں ان کا استعمال بہت کم ہے اس لئے رفع، نصب، جر کہا اور ضمہ، فتحہ، کسرہ نہیں کہا۔ اس تقریر پر رفع، نصب، جر اور ضمہ، فتحہ، کسرہ میں فرق بھی معلوم ہوا کہ فتحہ، ضمہ، کسرہ کا اطلاق حرکات بنائیہ پر ہوتا ہے اور رفع، نصب، جر کا اطلاق حرکات اعرابی پر ہوتا ہے۔

فالرفع حركةً كان او حرفاً۔

اس میں شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حالت رفعی میں اعراب رفع ہے وہ خواہ حرکت ہو جیسے جاءنی زیدٌ میں کہ اس میں اعراب رفع زید کا ہے یا وہ حروف ہو جیسے جمع اور تثنیہ میں کہ یہاں حالت رفعی میں اعراب جمع کا واؤ اور تثنیہ کا الف ہے۔

علم الفاعلية أى علامة كون الشىء فاعلا ۔

اس میں صرف شارح نے یہ بتایا ہے کہ فاعلیت کی یاء مصدری ہے جس کی بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ رفع اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہے یعنی جس اسم پر رفع ہوگا وہ فاعل ہوگا۔

حقيقة أو حكماً ليشمل الملحقات بالفاعل ايضاً كالمبتدأ والخبر وغيرهما۔

اس میں شارح نے حقیقۃً وحکماً کے الفاظ بڑھا کر ایک سوال مقدر جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں ہے کہ فاعلیت کی علامت رفع ہے کیونکہ رفع جس طرح فاعل میں پایا جاتا ہے اسی طرح غیر فاعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے مبتدا خبر کہ ان میں بھی رفع پایا جاتا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ فاعل عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ حکمی، حقیقی فاعل تو ظاہر ہے، حکمی فاعل وہ ہے جس میں فاعل کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت پائی جائے جیسے اسم کا مسند الیہ ہونا یا اسم کے جملہ کا جز ثانی ہونا وغیرہ وغیرہ جب ہم نے فاعل کو عام مان لیا تو یہ رفع فاعل کے ملحقات کو بھی شامل ہوا جیسے مبتدا و خبر وغیرہ وغیرہ۔

والنصب حركة كان او حرفا۔

اس کے بڑھانے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی۔

علم المفعولية أى علامة كون الشىء مفعولاً ۔

اس کے بڑھانے کی وجہ تشریح بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔

حقيقة أو حكماً لبشمل الملحقات به۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں ہے کہ نصب اسم کے مفعول ہونے کی علامت ہے کیونکہ نصب جس طرح مفعول میں پایا جاتا ہے، اسی طرح غیر مفعول یعنی حال، تمیز، مستثنیٰ میں بھی پایا جاتا ہے۔

شارح نے کا جواب دیا کہ مفعول عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ حکمی۔ حقیقی تو ظاہر ہے اور حکما وہ ہے جس میں مفعول کی خصلت پائی جائے اور مفعول کی خصلت یہ ہے کہ فعل سے متعلق ہوتا ہے یعنی جس طرح فاعل کا فعل سے تعلق ہوتا ہے اسی طرح مفعول کا بھی فعل سے وقوع کا تعلق ہوتا ہے۔ جب ہم نے مفعول کو عام مانا تو اس تقدیر پر نصب اس کے متعلقات کو بھی شامل ہوا جو تمیز، حال و مستثنیٰ ہیں۔

والجر حركةً كان أو حرفاً۔

اس کی تشریح گزر چکی۔

علم الاضافة أي علامة كون الشيء مضافاً اليه ۔

اس میں شارح نے یہ بتایا ہے کہ اضافت مصدر ہے یعنی جر خواہ حرکت ہو خواہ حرف، اسم کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے۔

واذا كانت الاضافة بنفسها مصدرا لم تحتج الى الحاق الياء المصدرية إليها كما في الفاعلية والمفعولية۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یائے مصدری کو فاعل اور مفعول کے ساتھ ملحق کیا اور اضافت کے ساتھ نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ اضافت مصدر بنفسہا ہے اس لئے اس میں یائے مصدری بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بخلاف فاعل اور مفعول کے کہ وہاں ضرورت ہے۔

وإنما اختص الرفع بالفاعل والنصب بالمفعول والجر بالمضاف اليه لان الرفع ثقيل والفاعل قليل لانه واحد فاعطى الثقيل القليل والنصب خفيف والمفاعيل كثيرة لانها خمسة فاعطى الخفيف الكثير، ولما لم يبق للمضاف اليه علامة غير الجر جعل علامة له۔

اس میں شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رفع فاعل کی علامت اور جر اضافت کی علامت کیوں ٹھہرائی گئی، اس کا عکس کیوں نہیں کیا اور رفع کی خصوصیت فاعل کے ساتھ اور مفعول کے ساتھ

نصب کی خصوصیت اور اضافت کے ساتھ جر کو کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ رفع کو فاعل کے ساتھ اور نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے کیونکہ فاعل فعل کا ایک ہی ہوتا ہے پس ثقیل قلیل کو دیا گیا اور نصب خفیف ہے اور مفعول بہت ہیں یعنی پانچ ہیں پس کثیر کو دیا گیا تاکہ مناسبت آپس میں پیدا ہوجائے اور جب مضاف الیہ کے لئے کوئی علامت سوائے جر کے نہ رہی تو جر ہی کو اس کی علامت ٹھہرائی، جب مصنف اعراب کی تعریف اور اقسام بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب عامل کی تعریف شروع کی۔

العامل لفظيا كان أو معنوياً۔

معرب کو اعراب پر اس لئے مقدم کیا تھا کہ معرب بمنزلہ موصوف کے ہے اور یہ معلوم ہے کہ موصوف صفت پر مقدم ہوتا ہے پھر اعراب کو عامل پر مقدم کیا، اس لئے کہ اعراب معرب کے اختلاف آخر کے لئے سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید ہے اس لئے عامل کو مؤخر لایا۔ اس عربی عبارت میں شارح کا مقصد یہ ہے کہ عامل عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی۔ لفظی ظاہر ہے اور معنوی عامل دو ہیں۔ ایک مبتدا خبر میں دوسرے فعل مضارع میں۔

ما به يتقوم أي يحصل۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معنی مقتضی للاعراب معرب کے ساتھ قائم ہوتے ہیں، نہ کہ عامل سے اور مصنف کافیہ نے عامل کی تعریف میں عامل کے ساتھ قائم کئے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تقوم کے معنی یہاں حصول کے ہیں قیام کے نہیں اور اس میں شک نہیں کہ معنی مقتضی للاعراب عامل سے حاصل ہوتے ہیں۔

المعنى المقتضى أي معنى من المعاني المعتورة على المعرب المقتضية۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے عامل کی تعریف اس طرح کی ہے کہ عامل وہ ہے جس سے معنی مقتضی للاعراب معرب میں حاصل ہوں تو اس تقدیر پر معرب میں تضاد کا اجتماع لازم آیا کیونکہ وہ معنی مقتضی للاعراب آپس میں متضاد ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اجتماع تضاد نہیں ہے کیونکہ وہ معنی مقتضی للاعراب معرب پر علی الاجتماع نہیں وارد ہوتے ہیں بلکہ ان معانی میں سے ایک معنی معرب پر وارد ہوتا ہے۔ یعنی وہ معنی سب ایک دم معرب پر نہیں آئیں گے بلکہ یکے بعد دیگرے بسبیل بدل آئیں گے۔

للاعراب ففی جاء زیدٌ جاء عاملٌ اذ به حصل معنی الفاعلیة فی زید فجعل الرفع علامة لها، وفی رأیت زیداً رأیت عامل اذ به حصل معنی المفعولیة فی زیداً فجعل النصب علامة لها، وفی مررت بزید الباء عامل اذ به حصل معنی الاضافة فی زیدٍ فجعل الجر علامة لها۔

یعنی عامل وہ ہے جس سے معنی مقتضی للاعراب حاصل ہوں جیسے جاء زید میں جاء عامل رافع ہے، اس لئے کہ اس سے زید کے فاعل ہونے کے معنی حاصل ہوئے، پس یہ زید کا رفع فاعلیت کی علامت ٹھہرائی گئی اور رأیت زیداً میں رأیت عامل ناصب ہے کیونکہ اس سے زید کے مفعول ہونے کے معنی حاصل ہوئے، پس یہ نصب اس کی مفعولیت کی علامت ہوگئی اور مررت بزید میں عامل جارہ باء ہے کیونکہ اس سے زید کے مضاف الیہ ہونے کے معنی حاصل ہوگئے پس جر اس کی علامت ٹھہرائی گئی۔

فالمفرد المنصرف أی الاسم المفرد الذی لم یکن مثنی ولا مجموعاً ولا غیر منصرف کزید ورجل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفرد کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جمع وتثنیہ نہ ہو، دوسرے یہ کہ مضاف نہ ہو، اول معنی اسمائے ستہ سے منقوض ہیں کیونکہ یہ اسمائے ستہ اس معنی کی بنا پر مفرد ہیں اور حالانکہ یہ اسماء اس قسم کے اعراب سے معرب نہیں اور ثانی معنی غلام زید کے غلام سے منقوض ہیں، اس لئے کہ یہ اس معنی کی بنا پر مفرد نہیں باوجود اس کے یہ اس قسم کے اعراب سے معرب ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفرد سے مراد مفرد بمعنی اول ہے اور اس میں اسمائے ستہ داخل نہیں ہوتے کیونکہ المفرد کا الف لام عہدی ہے اس سے اس مفرد کی طرف اشارہ ہے جو لفظا اور معنا دونوں طرح مفرد ہو اور یہ اسماء اگرچہ باعتبار لفظ کے مفرد ہیں لیکن باعتبار معنی کے مفرد نہیں ہیں کیونکہ ان کے معانی میں تعدد پایا جاتا ہے یعنی مفرد منصرف وہ اسم ہے جو تثنیہ اور جمع اور غیر منصرف نہ ہو جیسے زید اور رجل کہ یہ نہ تثنیہ وجمع ہیں اور نہ غیر منصرف بلکہ معرب ہیں۔

وکذا الجمع المکسر المنصرف أی الذی لم یکن بناء الواحد فیه سالما ولم یکن غیر منصرف کرجال وطلبة۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مکسر کو جمع کی صفت ٹھہرانا درست نہیں اس لئے جب کسی شی کو مشتق سے موصوف کر دیتے ہیں تو اس میں ضروری ہے کہ مشتق منہ اس شیء کے ساتھ قائم ہو اور مکسر کسر سے مشتق ہے اور کسر مفرد سے قائم ہے جمع سے نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ توصیف جمع کی مکسر کے ساتھ توصیف بحال متعلق ہے یعنی وہ جمع جس میں بناواحد کی ٹوٹی ہو اور غیر منصرف نہ ہو جیسے رجال اور طلبۃ کہ ان اسماء میں بناواحد کی ٹوٹی ہے۔ یہ مثالیں جمع مکسر منصرف کی ہیں۔

فالاعراب فی هذین القسمین من الاسم علی الاصل من وجهین احدهما ان الاصل فی الاعراب ان یکون بالحرکة والاعراب فیهما بالحرکة، وثانیهما انه اذا کان الاعراب بالحرکة فالاصل ان یکون بالحرکات الثلث فی الاحوال الثلث والاعراب فیهما بالحرکات الثلث فی الاحوال الثلث فالاعراب فیهما۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ان اسماء کو اس قسم کے اعراب کے لئے کیوں خاص کیا اور خصوصیت کی وجہ کیا ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ اعراب ان دوقسموں کے اسماء میں اپنی اصل پر ہے، دووجہ سے۔ ایک یہ کہ اعراب میں اصل یہ ہے کہ بالحرکت ہو کیونکہ حرکات خفیف ہوتے ہیں اور اعراب ان دو اسماء میں بالحرکت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب اعراب بالحرکت ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ حرکات ثلثہ کے ساتھ احوال ثلثہ میں ہو اور اعراب ان ب احوال ثلثہ میں حرکات ثلثہ کے ساتھ ہے یعنی مفرد منصرف دووجہ سے اصل ہے ایک یہ کہ یہ مفرد ہے اور مفرد بہ نسبت جمع تثنیہ کے اصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ منصرف ہے اور منصرف بہ نسبت غیر منصرف کے اصل ہے۔ اسی طرح جمع مکسر منصرف بھی بہ نسبت جمع مکسر غیر منصرف کے اصل ہے۔ اسی وجہ سے یہ اعراب ان اسماء کے ساتھ خاص کیا گیا یہ ہی وجہ خصوصیت کی ہے۔

بالضمة رفعاً أی حالة الرفع والفتحة نصباً أی حالة النصب والکسرة جراً أی حالة الجر۔

یعنی ان اسماء مذکورہ کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ سے، حالت نصبی میں فتحہ سے اور حالت جری میں کسرہ سے ہوگا۔

فنصب قوله رفعاً ونصباً وجراً علی الظرفیة بتقدیر مضاف ویحتمل النصب علی الحالیة او المصدریة فالقسم الاول مثل جاء نی رجلٌ ورأیت رجلاً ومررت برجلٍ والقسم الثانی مثل جاء نی طلبةٌ ورأیت طلبةً ومررت بطلبةٍ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رفعاً أو نصباً أو جراً کے الفاظ تین حالتوں سے خالی نہیں ایک یہ کہ یہ منصوب بنا بر ظرفیت ہوں گے دوسرے یہ کہ منصوب بنا بر مصدریت ہوں گے تیسرے یہ کہ منصوب بنا بر فاعلیت ہوں گے اور یہ سب صورتیں درست نہیں۔ اول اس لئے کہ ظرف زمان ہوتا ہے یا مکان اور یہ الفاظ مذکورہ نہ زمان ہیں نہ مکان۔ دوسرے اس لئے کہ مصدر میں یہ شرط ہے کہ فعل کے معنی اس پر مشتمل اس طرح ہوں جس طرح اشتمال کل کا جز ہوتا ہے اور یہاں پر معنی اعراب پر مشتمل ہیں نہ رفع، نصب اور جر پر۔ تیسرے اس لئے کہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے اور یہاں پر یہ حمل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے صرف وصف کا حمل ذات پر لازم آئے گا اس لئے کہ یہ اسماء مذکورہ ذات ہیں اور یہ رفع نصب جر کے الفاظ وصف ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ رفعاً، نصباً وجراً کے الفاظ بنا بر ظرفیت بتقدیر مضاف منصوب ہیں یعنی ان سے پہلے حالت مضاف مقدر ہے اور وہ ظرف ہے لہذا ان اسماء کا بنا بر ظرف منصوب ہونا صحیح ہوا۔ یا احتمال ہے کہ یہ الفاظ منصوب بنا بر حال ہوں لیکن مصدر بمعنی مفعول ہو گا یعنی مرفوعٌ، منصوبٌ، مجرورٌ۔ تا کہ حال کا ذوالحال پر حمل درست ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ منصوب بنا بر مصدریت ہوں لیکن اس صورت میں بھی مضاف مقدر ہو گا یعنی اعراب الرفع والنصب والجر، پس قسم اول کی مثال جاء نی رجل ورأیت رجلاً ومررت برجل ہے کہ ان مثالوں میں رجل مفرد منصرف معرب ہے اور تیسری قسم یعنی جمع مکسر کی مثال جاء نی طلبةٌ، ورأیت طلبةً، ومررت بطلبةٍ ہے۔ ان مثالوں میں طلبة کا لفظ جمع مکسر منصرف معرب ہے۔

جمع المؤنث السالم وهو ما یکون بالالف والتاء واحترز به عن المکسر فانه قد علم۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جمع مذکر کی بہت سی جمع اس قسم کے اعراب سے معرب ہیں جیسے مرفوعات، منصوبات، مجرورات، سجلات، خالیات وغیرہ۔ مصنف کافیہ نے اس قسم کے اعراب کو جمع مؤنث سالم کے ساتھ کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ خصوصیت باعتبار اصطلاحی معنی مؤنث کے ہے اور اصطلاح میں جمع مؤنث سالم اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف تاء کا الحاق ہو۔ برابر ہے کہ اس کا مفرد مذکر ہو جیسے مذکورہ مثالوں میں یا مؤنث ہو جیسے مسلمات میں اور سالم کی قید احترازی ہے اس سے جمع مکسر سے احتراز ہوا کیونکہ اس کا اعراب اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

بالضمة رفعا والکسرة نصباً وجراً فان النصب فیه تابع للجر اجراءً للفرع علی

وتیرۃ الاصل الذی هو جمع المذکر السالم فان النصب فیه تابع للجر کما سیجیء ذکرہ۔

یعنی جمع مؤنث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی وجری میں کسرہ سے ہوگا کیونکہ اس میں نصب جر کا تابع ہے تاکہ فرع اپنی اصل کے طریقہ پر جاری ہو جائے یعنی جمع مؤنث سالم جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور جمع مذکر سالم میں نصب جر کا تابع تھا تو جمع مؤنث سالم میں بھی نصب جر کا تابع ہونا چاہئے تاکہ فرع اصل کے مطابق ہو جیسا کہ اس کا ذکر اور تحقیق اپنے مقام پر آئے گا اور کافیہ کی عبارت میں جو شارح نے رفعاً اور نصباً اور جراً کے الفاظ منصوب کر کے بڑھائے ہیں ان کی منصوب ہونے کی وجہ اور دلیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

مثل جاء تنی مسلمات ورأیت مسلمات ومررت بمسلمات۔

یہ شارح نے جمع مؤنث سالم کی مثال دی ہے ان تینوں مثالوں میں غور کر کے یہ معلوم کرو کہ پہلی مثال میں مسلمات حالت رفعی میں مرفوع ہے اور دوسری تیسری مثال میں نصبی، جری دونوں حالتوں میں مجرور ہے اور یہ مثال اس جمع مؤنث سالم کی ہے جس کا مفرد مؤنث ہو۔

غیر المنصرف بالضمة رفعاً والفتحة نصباً وجراً فالجر فیه تابع للنصب کما سنذکرہ نحو جاء نی احمد ورأیت احمد ومررت باحمد۔

یعنی غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت جری نصبی میں فتحہ سے ہوگا اور اس میں جر نصب کا تابع ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ امثال غیر منصرف کی اوپر عربی عبارت میں مذکور ہیں یعنی لفظ احمد کا مثال مذکور میں غیر منصرف ہے دیکھئے پہلی مثال میں یہ لفظ مضموم ہے اور دوسری وتیسری مثال میں مفتوح ہے۔ یہ واضح رہے کہ غیر منصرف ہمیشہ حالت رفعی میں مبنی برضمہ اور حالت نصبی جری میں مبنی برفتحہ ہوگا۔

اخوك وابوك حموك بکسر الکاف لان الحم قریب المرأة من جانب زوجها فلا یضاف الا الیها۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسمائے ستہ مکبرہ میں حموكِ کا لفظ بکسر کاف ہے یہ دوسرے الفاظ سے مخالف کیوں ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ حم اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جو عورت کے خاوند کی جانب سے ہو یعنی دیور پس اس لحاظ سے اس لفظ کی اضافت سوائے عورت کے کسی دوسری کی طرف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس لفظ کو کسرۂ کاف کے ساتھ لکھا ہے۔

وهنوك والهن: الشیء المنکر الذي يستهجن ذكره كالعورة الغليظة والصفات الذميمة والافعال القبيحة وهذه الاسماء الاربعة منقوصات واوية۔

اس میں شارح "هــن" کے لغوی معنی اور تحقیق کرنا چاہتے ہیں یعنی ھن اس بری چیز کا نام ہے جس کا ذکر برا معلوم ہوتا ہو جیسے عورت غلیظہ، صفات ضمیمہ اور افعال قبیحہ اور یہ اسمائے اربعہ ناقص واوی ہے۔

فائدہ: ناقص کی تین قسمیں ہیں اول ناقص واوی۔ دوم ناقص یائی۔ سوم ناقص الفی۔ یعنی اگر کلمہ کے لام کلمہ کی جگہ واو ہو تو اسے ناقص واوی کہتے ہیں اور اگر یا ہو تو وہ ناقص یائی ہے اور اگر الف ہو تو اس کو ناقص الفی کہتے ہیں۔

وفوك وهو اجوف واوی لامه هاء اذ اصله فوه۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فــوہ کا لفظ اجوف واوی ہے کیونکہ اس کا لام کلمہ ہاء ہے جو کثرت استعمال سے محذوف ہوا ہے کیونکہ اصل اس کی فوہ ہے۔

فائدہ: اجوف واوی اس کو کہتے ہیں جس کے عین کلمہ میں واؤ ہو۔

وذو مال وهو لفيف مقرون بالواوين اذ اصله ذوو۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ لفظ لفیف مقرون بالواوین ہے کیونکہ اس کی اصل ذوو ہے۔

فائدہ: لفیف کی دو قسمیں ہیں اول لفیف مقرون۔ دوم لفیف مفروق۔ یعنی اگر فاء و عین یا عین اور لام کی جگہ دو حرف علت جمع ہوں تو اس کو لفیف مقرون کہتے ہیں جیسے یہاں اس لفظ کے عین اور لام کی جگہ دو واؤ حرف علت جمع ہو گئے ہیں اور اگر فاء و لام کی جگہ دو حرف علت جمع ہو جائیں تو اس کو لفیف مفروق کہتے ہیں۔

وانما اضيف ذو الى الاسم الظاهر دون الكاف لانه لا يضاف الا الى أسماء الاجناس۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ذو کا لفظ دوسرے اسماء سے اضافت میں مخالف کیوں ہوا کہ یہ لفظ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے بخلاف دوسرے اس کے اخوات کے کہ وہ کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف مستعمل ہوتے ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ذو کی اضافت اسم ظاہر کی طرف اس لئے مخصوص ہے کہ یہ لفظ اسم جنس کے ساتھ توصیف شیء کے لئے استعمال میں آتا ہے اور کاف ضمیر خطاب اسم جنس نہیں ہے اس لئے اس لفظ کی اضافت ہمیشہ اسمائے اجناس کی طرف ہوگی تاکہ مذکورہ بالا فائدہ اس پر مرتب ہو سکے۔

فاعراب هذه الاسماء الستة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کا قول ابوك واخوك الخ بالواو والالف والیاء درست نہیں اس لئے کہ اس سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ایک کلام میں استحالہ۔ دوسرے کلام میں لغویت۔ استحالہ یہ ہے کہ ابوک کا الف اور یاء سے ہونا محال ہے اور لغویت یہ ہے کہ اس پر واو کے ساتھ حکم لگانا لغو اور بیکار ہے اس لئے کہ وہ خود واو پر مشتمل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان اسمائے مذکورہ پر حکم لگانا خصوصیت کے ساتھ نہیں ہے جس سے یہ خرابیاں لازم آئیں بلکہ عموم کے ساتھ ہے اور بسا اوقات ایک معین چیز پر حکم لگایا جاتا ہے اور مراد اس سے اس کے نوع پر حکم لگانا ہوتا ہے جیسے عرب کے محاورہ میں ہے کہ زید صاحبٌ بالطبع مستوی القامة دیکھئے یہاں صاحب بالطبع کا حکم زید پر لگایا گیا ہے اور مراد اس سے یہاں زید کے نوع یعنی انسان پر حکم لگانا مقصود ہے، اسی طرح یہاں مجموعہ اسمائے ستہ مکبرہ پر حکم لگانا مقصود ہے یعنی ان اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب حالت رفعی میں واو حالت نصبی میں الف اور حالت جری میں یاء کے ساتھ ہوگا، یہ مجموعہ کا حکم ہے خالی ابوك واخوك کا حکم نہیں ہے جس سے مذکورہ بالا خرابیاں پیدا ہوسکیں۔

بالواو رفعا والالف نصبا والیاء جرا۔

اس عبارت میں شارح نے جو رفعا اور نصبا اور جرا کے الفاظ منصوب کر کے بڑھائے ہیں اس کی وجہ مذکور ہوچکی ہے۔

ولکن لا مطلقا بل حال کونها مکبرة اذ مصغرتها معربة بالحرکات نحو جاء نی اخیُّك ورأیت اخیَّك ومررت باخیِّك۔

اس میں شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ اسمائے ستہ مکبرہ مذکورہ اس قسم کے اعراب سے حالت تثنیہ اور جمع اور تصغیر میں معرب نہیں ہیں پس مصنف کا علی العموم یہ حکم لگانا صحیح نہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ یہ اسماء اس قسم کے اعراب سے اس وقت معرب ہوں گے جب یہ مکبرہ ہوں یہ حکم مطلقاً نہیں ہے یعنی علی العموم بلکہ جب یہ مکبرہ ہوں اس وقت ان کا یہ اعراب ہوگا کیونکہ ان کے مصغرات حرکات ثلثہ سے معرب ہوتے ہیں جیسے عبارت مذکورہ کی مثالوں سے واضح ہے۔

وموحدة اذ المثنی والمجموع منها معرب باعراب التثنیة والجمع۔

اس میں شارح نے یہ قید موحدة بڑھا کر اوپر والے سوال میں دو شقوں سے سوال قائم کیا تھا جس کا جواب

ایک شق سے تو اوپر شارح مکبرہ کی قید بڑھا کر دے چکے ہیں یہاں اس عبارت میں دوسری شق کے سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں یعنی ان اسمائے مذکورہ کا اعراب اس وقت ہوگا جب یہ موحدہ ہوں کیونکہ ان کے تثنیہ اور جمع کا اعراب مثل دوسرے تثنیہ اور جمع کے ہے۔

وانما لم یصرح بهذین القیدین اکتفاءً بالامثلة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ دو قیدیں اگر مصنف کافیہ کی عبارت میں مقصود ہیں تو پھر انہوں نے کیوں ذکر نہیں کیں اور اگر مقصود نہیں ہیں تو شارح کا بڑھانا بیکار ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ دو قیدیں مصنف کی عبارت میں مقصود ہیں لیکن ان پر تصریح کر کے عبارت میں ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ مثالوں پر اکتفا کر کے چھوڑ دی گئی ہیں۔

مضافة لأنها اذا کانت مکبرة وموحدة ولم تکن مضافة اصلاً فاعرابها بالحرکات نحو جاء نی اخٌ ورأیت اخاً ومررت باخٍ فینبغی ان تکون مضافة ولکن۔

یعنی ان اسمائے ستہ مکبرہ اعراب مذکور پر جب معرب ہوں گے جب کہ یہ یائے متکلم کے غیر کی طرف مضاف بھی ہوں کیونکہ جب یہ مکبرہ اور موحدہ ہوں اور مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب اس وقت احوال ثلاثہ میں حرکات ثلاثہ کے ساتھ ہوگا جیسے مثال عبارت عربی سے واضح ہے پس چاہئے کہ یہ اسماء مضاف بھی ہوں لیکن کاف ضمیر خطاب کی طرف ان کی اضافت ہو جب یہ اوپر والے اعراب سے معرب ہوں گے۔

إلى غیر یاء المتکلم لانها اذا کانت مضافةً الی یاء المتکلم فحالها کسائر الاسماء المضافة الیها۔

مصنف کافیہ نے اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب مذکور پر معرب ہونے کے لئے مضافۃ کی قید غیر یاء متکلم کی طرف بڑھائی تھی۔

شارح اس عبارت میں اس قید کا فائدہ اور وجہ بتاتے ہیں کہ یہ اسماء اگر متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اس وقت ان کا حال باقی اسماء کی طرح ہے یعنی جس طرح اور اسماء یائے متکلم کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور ان کا اس وقت جو اعراب ہوگا وہی بعینہ ان اسماء کا بھی ہوگا۔

ولم یکتف فی هذا الشرط بالمثال لئلا یتوهم اشتراط اضافتها بکونها الی الکاف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے مکبرۃ اور موحدۃ

کی قیدیں مثالوں پر اکتفا کر کے چھوڑ دی تھیں۔تو اسی طرح مضافۃ کی قید کو بھی مثالوں پر اکتفا کر کے چھوڑ دیتے۔

شارح نے جواب دیا کہ اس قید میں مثالوں پر اکتفا نہیں کیا اور عبارت میں ذکر کر کے تصریح کی تا کہ اس سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ ان اسماء کا کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف ہونا ضروری ہے۔

وانما جعل اعراب هذه الاسماء بالحروف لانهم لما جعلوا اعراب المثنى و جمع المذكر السالم بالحروف ارادوا ان يجعلوا اعراب بعض الاحاد ايضاً كذلك لئلا يكون بينهما وبين الاحاد وحشةٌ ومنافرةٌ تامةٌ۔

اس عبارت میں بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ مفردات میں اصل اعراب بالحرکت ہے اور یہ اسمائے ستہ مکبرہ جب موحد ٹھہریں گے تو ان کا اعراب بھی بالحرکت ہونا چاہئے، نہ کہ بالحرف حالانکہ یہ معرب بالحروف ہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ ان اسمائے مکبرہ کا اعراب بالحرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ جب تثنیہ اور جمع مذکر سالم کا اعراب بالحرف کیا تو چاہنے کہ بعض احاد کے درمیان منافرت اور وحشت پیدا نہ ہو یعنی اگر تثنیہ اور جمع مذکر سالم کا اعراب بالحرف ہوتا اور ان اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب بلحاظ مفرد ہونے کے بالحرکت ہوتا تو اس سے یہ لازم آتا کہ مفردات اور تثنیہ اور جمع میں ایک دوسرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے حالانکہ احاد اور تثنیہ اور جمع کے درمیان میں مناسبت ہے، وہ یہ کہ مفردات ہی سے تثنیہ اور جمع بن جاتے ہیں، اسی وجہ سے ان اسمائے ستہ مکبرہ کو اعراب بالحرف دیا گیا۔

وإنما اختاروا اسماءً ستة لان اعراب كل من المثنى والمجموع ثلاثة فجعلوا فى مقابلة كل اعراب اسماً۔

اس عبارت سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ان اسمائے ستہ مکبرہ کو اعراب مذکور کے لئے کیوں خاص کر مختار کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تثنیہ اور جمع کے اعراب کی تین حالتیں ہیں یعنی حالت رفعی، حالت نصبی اور حالت جری، پس تثنیہ اور جمع میں ہر ایک حالت کے اعراب کے مقابلہ میں ایک ایک اسم ان اسمائے ستہ مکبرہ میں سے مقرر کیا یعنی جس طرح جمع اور تثنیہ کا اعراب حالت رفعی میں واو اور الف اور حالت نصبی میں یاء ماقبل مکسور یا مفتوح اور حالت جری میں بھی یہی حروف اعراب ہوتے ہیں اسی طرح ان اسماء کا بھی اعراب ان تینوں حالتوں میں واو الف اور

یا ٹھہرایا گیا۔

وإنما اختاروا هذه الاسماء الستة لمشابهتها المثنى والمجموع في كون معانيها منبئة عن تعدد ولوجود حرف صالح للاعراب في أواخرها حين الاعراب سماعاً۔

اس میں بھی شارح ایک مقدر سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ ان اسمائے ستہ مکبرہ کو تثنیہ اور جمع کی تین حالتوں کے مقابلہ کے لئے مختار کر کے کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان اسماء کو اس لئے خاص کیا کہ یہ اسماء تثنیہ اور جمع کے ساتھ مشابہت لفظی اور معنوی رکھتے ہیں، معنوی یہ کہ جس طرح تثنیہ اور جمع تعدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ان اسماء کے معنی بھی تعدد پر دلالت کرتے ہیں اور لفظی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح تثنیہ اور جمع کے آخر میں حرف صالح للاعراب ہوتا ہے اسی طرح ان اسماء کے آخر میں بھی سماعاً اعراب دیتے وقت حرف صالح للاعراب پایا جاتا ہے اسی وجہ سے ان اسماء کو تثنیہ اور جمع کے ہر ایک حالت کے مقابلہ کے لئے خاص کیا۔

بخلاف سائر الأسماء المحذوفة الاعجاز كيدٍ ودمٍ فانه لم يسمع فيها من العرب اعادة الحروف المحذوفة عند الاعراب۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح ان اسمائے ستہ مکبرہ کے آخر میں حروف صالح للاعراب ہے اسی طرح ید اور دم کے الفاظ کے آخر میں بھی حرف صالح للاعراب پایا جاتا ہے پس چاہئے کہ ان الفاظ کا بھی اعراب اسمائے ستہ مکبرہ کی طرح ہو حالانکہ ان کا اعراب ایسا نہیں ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ اسمائے ستہ مکبرہ میں عرب سے حروف محذوفہ کا اعادہ اعراب دیتے وقت مسموع ہے بخلاف ان اسماء کے کہ جن کے آخر سے حروف محذوف ہو گئے ہیں کہ ان میں اعراب دیتے وقت عرب سے حروف محذوفہ کا اعادہ اعراب کے لئے مسموع نہیں ہے اسی وجہ سے یدٌ اور دمٌ کا اعراب اسمائے ستہ مکبرہ کی طرح نہیں ہے۔

المثنّى وما يلحق به وهو۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثنّیٰ کے بعد کلا، اثنان اور اثنتان کا ذکر کرنا مستدرک یعنی بیکار ہے اس لئے کہ مثنّیٰ سے مراد اس کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس کے افراد ہیں اور یہ الفاظ اس کے افراد میں سے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کلا اثنان و اثنتان کا مثنّیٰ کے افراد میں سے ہونا مسلم نہیں ہے بلکہ یہ اس کے

ملحقات میں سے ہیں کیونکہ ملحق مثنیٰ کا وہ ہے جس کی صورت، صورت تثنیہ کی ہو اور اس کا لفظ سے کوئی مفرد نہ ہو اور یہ الفاظ مذکورہ بھی صورت تثنیہ کی رکھتے ہیں اور ان کا مفرد نہیں ہے لہذا یہ الفاظ ملحقات مثنیٰ کے ہوئے اور مثنیٰ کے بعد ان کا ذکر کرنا بیکار نہیں، گویا مثنیٰ کی دو قسمیں ہوئیں ایک مثنیٰ حقیقی، دوسرے ملحق بہ، مصنف کافیہ نے دونوں قسموں کا ذکر کیا ہے۔

کلا و کذا کلتا۔

یعنی مثنیٰ کے ملحقات میں سے ایک کلا ہے اور اسی طرح کلتا بھی اس کا ملحق ہے فرق صرف اتنا ہے کہ کلا مذکر اور کلتا مؤنث کی لئے ہے۔

ولم یذکرہ لکونہ فرع کلا۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ جس کی تشریح یہ ہے کہ جب کلتا بھی مثنیٰ کا ملحق ہے تو مصنف کافیہ نے کلا کو ذکر کر کے اس کا ذکر کیونکر چھوڑا باوجودیکہ یہ کلتا کلا کے حکم میں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ کلا کی فرع ہے اور اصل کے ذکر کرنے سے حقیقت میں فرع کا ذکر خود ہی معلوم ہوتا ہے لہذا اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی بنا پر مصنف نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔

مضافاً أی حال کون کلا و کلتا مضافاً۔

اس عبارت سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب معطوف، معطوف الیہ کے بعد حال واقع ہوتا ہے تو وہ ان دونوں سے حال مانا جاتا ہے پس چاہئے کہ مثنیٰ کا اعراب الف ویاء سے اضافت کی قید کے ساتھ ضمیر کی طرف مقید ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ یہ مضافاً کا لفظ حرف کلا سے یعنی معطوف سے حال ہے اور وہ جو سائل نے سوال میں قائم کیا ہے کہ جو حال معطوف ومعطوف علیہ کے بعد میں واقع ہو وہ ان دونوں سے حال ہوگا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے یعنی حال کون کلا وکلتا کے جب یہ الفاظ ضمیر کی طرف مضاف ہوں جب ان پر وہ اعراب جس کا مصنف آگے ذکر کریں گے مرتب ہوگا۔

إلی مضمر وانما قید بذلك لان کلا باعتبار لفظه مفردٌ وباعتبار معناه مثنی فلفظه یقتضی الاعراب بالحرکات ومعناه یقتضی الاعراب بالحروف فَرُوعِیَ فیه کلا الاعتبارین فاذا اضیف المظهر الذی هو الِاصل روعی جانب لفظه الذی هو الاصل واُعرِب بالحرکات التی هی الاصل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے کلا اور کلتا کا اعراب اضافت کی قید کے ساتھ ضمیر کی طرف کیوں مقید کیا اور اس کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کے مقید کرنے کی وجہ اور دلیل یہ ہے کہ کلا میں دو اعتبار ہیں ایک لفظ کا دوسرے معنی کا اور یہ کلا باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور باعتبار معنی کے مثنی ہے تو اس کا لفظ اعراب بالحرکت کو چاہتا تھا اور اس کے معنی اعراب بالحروف کے مقتضی تھے پس اس میں ان دونوں اعتبار کا لحاظ اور رعایت اس طرح کی گئی ہے کہ جب یہ لفظ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوگا جو اس کا اصل ہے تو اس صورت میں اس کا لفظی اعتبار ہوگا جو بہ نسبت ضمیر کے اصل ہے اور اس کا اعراب اس وقت حرکات کے ساتھ ہوگا جو کہ بہ نسبت اعراب بالحرف کے اصل ہے۔

لکن تکون حرکاته تقديرية لان اخره الف تسقط بالتقاء الساكنين نحو جاء نی کلا الرجلين ورأيت كلا الرجلين ومررت بكلا الرجلين۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا جاء نی کلا الرجلین ورأيت كلا الرجلين ومررت بكلا الرجلين سے ٹوٹتا ہے کیونکہ اس مثال میں یہ کلا کا لفظ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہے اور حالانکہ معرب بالحرکت نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ معرب بالحرکت یہاں بھی ہے لیکن اس جگہ اس کے حرکات ثلثہ احوال ثلثہ میں تقدیری ہیں کیونکہ اس کلا کے آخر میں جو الف ہے اس کا الرجلین اسم ظاہر کے الف لام سے التقاء ساکنین ہوا تو یہ الف اس مذکورہ مثال میں کلا کے لفظ سے گر کر تینوں حالتوں میں اس کا اعراب تقدیری ہوا۔

واذا اضيف الى المضمر الذي هو الفرع رُوعِي جانب معناه الذى هو الفرع وأُعرِب بالحروف التى هى الفرع نحو جاء نی کلاهما ورأيت كليهما ومررت بكليهما فلذلك قيد كون اعرابه بالحروف بكونه مضافا الى مضمر۔

یہ جملہ فاذا اضيف الى المظهر الخ پر عطف ہے یعنی جب کلا ضمیر کی طرف جو بہ نسبت اسم ظاہر کے فرع ہے مضاف ہوگا تو اس وقت اس کے معنی کے جو بہ نسبت لفظ کے فرع ہیں رعایت ہوگی اور اس کا اعراب بالحروف ہوگا جو بہ نسبت حرکت کے فرع ہے اس کی مثال عربی عبارت میں مذکور ہے، پس اسی وجہ سے کلا کا اعراب بالحروف ہونا ضمیر کی طرف مضاف ہونے کے ساتھ مقید کر دیا یعنی یہ لفظ معرب بالحروف جب ہی ہوگا جب ضمیر کی طرف مضاف ہوگا۔

واثنان وكذا اثنتان وثنتان فان هذه الالفاظ وان كانت مفردة لكن صورتها صورة

التثنية ومعناها معنى التثنية فالحقت بها۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثنیٰ کے بعد اثنان اور اثنتان اور ثنتان کے الفاظ کا ذکر کرنا بیکار ہے کیونکہ یہ الفاظ مثنیٰ کے افراد میں داخل ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان الفاظ کا مثنیٰ کے بعد لانا بیکار نہیں۔ اس لئے کہ یہ الفاظ اگر چہ باعتبار لفظ کے مفرد ہیں لیکن یہ صورت میں تثنیہ کے ہیں اور معنی بھی ان کے تثنیہ کے ہیں پس یہ مثنیٰ کے افراد میں سے نہیں بلکہ اس کے ملحقات میں سے ہیں اسی وجہ سے مصنف کافیہ نے ان کا ذکر مثنیٰ کے بعد ضروری سمجھ کر کیا ہے۔

بالالف رفعا والياء المفتوح ما قبلها نصباً وجراً كما سيجيء۔

یعنی ان تمام الفاظ مذکورہ بالا کا اعراب حالت رفعی میں الف اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوگا جیسے اس کی تحقیق عنقریب آنے والی ہے۔

جمع المذكر السالم والمراد به ما سمى به اصطلاحا وهو الجمع بالواو والنون فيدخل فيه نحو سنين وارضين مما لم يكن واحده مذكرا لكن يجمع بالواو والنون۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جمع مذکر سالم وہ ہے جس کا مفرد مذکر ہو اور آخر میں اس کے واو ونون یا یاء اور نون ملحق ہو گیا ہو تو یہ قاعدہ دو وجہ سے ٹوٹتا ہے۔ اول یہ کہ سنین کا لفظ واو اور یاء اور نون کے ساتھ معرب ہے اور حالانکہ اس کا مفرد مؤنث سالم کا ہے۔ مذکر سالم کا نہیں۔ دوسرے یہ کہ مرفوعات، منصوبات ومجرورات جمع مذکر سالم ہیں اور باوجود اس کے یہ الفاظ واو اور یاء کے ساتھ معرب نہیں ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جمع مذکر سالم سے یہاں مراد جمع مذکر سالم اصطلاحی ہے اور اصطلاحی جمع مذکر سالم وہ ہے جو واو اور نون سے جمع ہو خواہ اس کا مفرد مذکر ہو خواہ مؤنث تو اس تقدیر پر جمع مذکر سالم کے اعراب میں سنین اور ارضین وغیرہ وہ الفاظ جن کا واحد مذکر نہ ہو لیکن واو اور نون سے جمع ہو گئے ہوں داخل ہوں گے۔

وما الحق به وهو۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جمع مذکر سالم کے بعد الواو اور عشرون اور اس کے اخوات کا ذکر بیکار ہے کیونکہ یہ جمع مذکر سالم کے افراد میں داخل ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ مذکورہ جمع مذکر سالم کے افراد میں داخل نہیں بلکہ یہ اس کے ملحقات میں

سے ہیں کیونکہ ان کی صورت جمع کی ہے لیکن ان کا مفرد نہیں ہے۔اس لئے یہ ملحقات ہوئے اور ملحق بہ کے ذکر کرنے سے ملحق کا ذکر لازم نہیں آتا،اس وجہ سے جمع مذکر سالم کے بعد ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھ کر کیا ہے۔

الو جمع ذو لا عن لفظه۔

یعنی جمع مذکر سالم کے ملحقات میں سے الو ہے اور یہ ذو کی جمع ہے لیکن الو کے لفظ سے نہیں۔

وعشرون واخوانها أی نظائرها السبع وهی ثلثون الی تسعین۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ثلثون اور تسعین وغیرہما کی اخوات کا اطلاق عشرون پر صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اخت وہ ہے جو ایک ماں سے ہو اور یہاں اس معنی کا احتمال ہی نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں اخوات سے مراد نظائر اور اشباہ ہیں اس مناسبت سے کہ جس طرح بہن بھائیوں میں شباہت اور مثلیت ہوتی ہے اسی طرح عشرون اور اس کے اخولت میں بھی اعراب کے اتحاد میں شباہت اور مثلیت ہے۔

ولیس عشرون جمع عشرة ولا ثلثون جمع ثلاثة والا تصح اطلاق عشرین علی ثلثین لانه ثلثة مقادیر العشرة واطلاق ثلثین علی التسعة لانها ثلثة مقادیر الثلثة وعلیٰ هذا القیاس البواقی۔

اوپر شارحؒ نے جواباً یہ ثابت کیا تھا کہ الو اور عشرون اور اس کے اخوات جمع مذکر سالم کے ملحقات میں سے ہیں اس پر یہ سوال مقدر وارد ہوا کہ الــو کا ملحقات میں سے ہونا تو صحیح ہے کیونکہ اس کا لفظ سے مفرد نہیں ہے اور جس کا لفظ سے مفرد نہیں ہوتا وہ یقینی ملحق ہوتا ہے لیکن عشـــــرون اور اس کے اخوات کا ملحق سے ٹھہرانا صحیح نہیں کیونکہ جائز ہے کہ عشرون جمع عشرة کی ہو اور ثلثون جمع ثلثة کی ہو۔اسی طرح باقی الفاظ میں۔تو اس تقدیر پر ان الفاظ کا مفرد جب ثابت ہوا تو یہ ملحق جمع مذکر سالم کے نہیں ہوئے بلکہ اس کے افراد میں سے ہو گئے لہذا وہی بیکاری کا سوال جو اوپر وارد ہوا تھا، یہاں پر وارد ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عشرون جمع عشرہ کی نہیں ہے اور نہ ثلثون جمع ثلثه کی ہے،ورنہ عشرین کا اطلاق ثلثیں پر اس سے لازم آئے گا کیوں کہ عشرون دس کے تین مقادیر ہیں اور ثلاثین کا اطلاق نو پر لازم آئے گا کیونکہ نو تین کے تین مقادیر ہیں اس طرح اور الفاظ کا قیاس کرنا چاہئے اور یہ معلوم ہے کہ یہ اطلاق یقینی غلط اور ناجائز ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ عشرون اور اس کے اخوات کے مفردات نہیں ہیں لہذا یہ جمع مذکر سالم کے ملحقات ٹھہرے اور جمع مذکر سالم کے بعد میں ان کا ذکر ضروری ثابت ہوا۔

وایضاً هذه الالفاظ تدل علی معان معینة ولا تعیین فی الجموع۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے کہ یہ الفاظ معین معانی پر دلالت کرتے ہیں اور جموع میں تعین نہیں ہوا کرتا لہذا اس سے ثابت ہوا کہ عشرون جمع عشرة کی نہیں ہے اور ثلثون جمع ثلثة کی نہیں ہے لہذا یہ سب الفاظ جمع مذکر سالم کے ملحقات ثابت ہوئے۔

بالواو رفعا والیاء المکسورة ما قبلها نصباً وجراً۔

یعنی جمع مذکر سالم اور الو و عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب حالت رفعی میں واو اور حالت نصبی وجری میں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا۔

وانما جعل اعراب المثنیٰ مع ملحقاته والجمع مع ملحقاته بالحروف لأنهما فرعان للواحد۔

اس میں شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اعراب بالحرف اعراب بالحرکت کی فرع ہے پس جمع اور تثنیہ کے اعراب بالحرف ہونے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تثنیہ اور جمع واحد کی فرع ہیں اور اعراب بالحرف اعراب بالحرکت کی فرع ہے تو اصل کا اعراب اصل کو دیا اور فرع کا اعراب فرع کو دیا تاکہ مناسبت پیدا ہوجائے۔

وفی اخرهما حرف یصلح للاعراب وهو علامة التثنیة والجمع فناسب ان یجعل ذلك الحرف اعرابهما لیکون اعرابهما فرعاً لاعرابه کما انهما فرعان له لان اعراب الحروف فرع للاعراب بالحرکات۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم بھی مفرد کی فرع ہے پس چاہئے کہ اس کو بھی اعراب بالحرف دیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ معرب بالحرکت ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں کوئی حرف صالح للاعراب نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ معرب بالحرکت ہے، بخلاف تثنیہ اور جمع کے کہ ان کے آخر میں حرف صالح للاعراب موجود ہے اور وہ تثنیہ اور جمع کی علامت ہے یعنی تثنیہ میں الف اور جمع میں واو۔ پس مناسب ہے کہ ان حروف کو ان دونوں کا اعراب دیا جائے تاکہ تثنیہ اور جمع کا اعراب، واحد کے اعراب کی فرع ہوجائے پس یہ تثنیہ اور جمع واحد کی فرع ہیں کیونکہ اعراب بالحروف اعراب بالحرکت کی فرع ہے۔

ولما جعل اعرابهما بالحروف وكان حروف الاعراب ثلثة واعرابها ستة، ثلثة للمثنى وثلثة للمجموع فلو جعل اعراب كل واحد منهما بتلك الحروف الثلثة لوقع الالتباس ولو خص المثنىٰ بها بقى المجموع بلا اعراب ولو خص المجموع بها بقى المثنىٰ بلا إعراب فوزّعت عليهما بان جعلوا الالف علامة الرفع فى المثنى لانه الضمير المرفوع للتثنية فى الفعل نحو يضربان وضربا والواو علامة الرفع فى المجموع لانه الضمير المرفوع للجمع فى الفعل نحو يضربون وضربوا وجعلوا اعرابهما بالياء حال الجر على الاصل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع کا اعراب خلاف اصل ہے اس لئے کہ رفع تثنیہ کا الف کے ساتھ ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ واو کے ساتھ ہو اور نصب اس کا یاء کے ساتھ ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ الف کے ساتھ ہو۔

شارح نے جواب دیا کہ جب تثنیہ اور جمع کا اعراب بالحرف ثابت ہوا اور اعراب کے حروف تین ہیں یعنی واو، الف، یاء اور اعراب ان کے چھ ہیں تین تثنیہ کے اور تین جمع کے جس کا مجموعہ چھ ہوتا ہے پس اگر جمع اور تثنیہ ہر ایک کا اعراب وہی تین حروف ٹھہرائے جاتے ہیں تو تثنیہ اور جمع میں التباس واقع ہوتا ہے یعنی یہ فرق نہ ہوسکے گا کہ یہ اعراب تثنیہ کا ہے یا جمع کا اور اگر تثنیہ کو اس اعراب کے ساتھ خاص کر کے یہ تین حروف اعراب کے اس کے لئے اعراب ٹھہرائے جائیں تو جمع بلا اعراب رہ جاتی ہے اور اگر اس اعراب کے لئے جمع کو خاص کردیا جائے تو تثنیہ بلا اعراب ہوتا ہے پس یہ حروف ثلثہ مذکورہ بالا تثنیہ وجمع پر تقسیم اس طرح ہوئے کہ الف کو علامت رفع کی تثنیہ میں کردیا کیونکہ الف فعل میں ضمیر مرفوع تثنیہ کے ہوتا ہے جیسے یضربان اور ضربا میں اور واو کو جمع میں علامت رفع کی کردیا کیونکہ وہ فعل میں ضمیر مرفوع جمع کی ہے جیسے یضربون اور ضربوا میں اور تثنیہ اور جمع کا اعراب حالت جری میں یاء کے ساتھ اپنی اصل پر چھوڑ دیا۔

وفرقوا بينهما بان فتحوا ما قبل الياء فى التثنية لخفة الفتحة وكثرة التثنية وكسروه فى الجمع لثقل الكسرة وقلة المجموع۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب یاء کو حالت جری میں تثنیہ اور جمع میں مشترک ٹھہرایا تو اس سے درمیان جمع اور تثنیہ کے وہ التباس واقع ہوگیا جس کو اوپر رفع کیا گیا تھا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حالت جری میں بھی درمیان تثنیہ اور جمع کے کوئی التباس لازم نہیں آتا کیونکہ یہ التباس تثنیہ میں یاء کے ماقبل مفتوح ہونے سے اور جمع میں ماقبل مکسور ہونے سے رفع ہوجاتا ہے اور تثنیہ میں ماقبل مفتوح اس لئے ہوگا کہ فتح کی حرکت خفیف ہوتی ہے اور تثنیہ کثیر ہوتا ہے تو خفت پیدا کرنے کی غرض سے تثنیہ کی حالت جری میں ماقبل یاء کا مفتوح رہے گا اور جمع میں یاء کا ماقبل اس لئے مکسور ہوگا کہ کسرہ ثقیل ہوتا ہے اور جمع قلیل تو جمع کی قلت کا لحاظ کر کے حالت جری میں یاء کا ماقبل مکسور رہے گا تاکہ مناسبت اور خفت پیدا ہوجائے۔

وحملوا النصب على الجر لا على الرفع لمناسبة النصب بالجر لوقوع كل منهما فضلة فی الكلام۔

اس میں بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا دفع کرنا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نصب کو رفع پر کیوں محمول نہ کیا، جر پر محمول ہونے کی کیا وجہ اور دلیل ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ درمیان نصب اور جر کے ایک مناسبت ہے وہ یہ کہ نصب اور جر دونوں فضلہ پر دلالت کرتے ہیں بخلاف رفع کے کہ وہ کلام عربی میں عمدہ پر دلالت کرتا ہے لہذا نصب کو جر پر حمل کرنا زیادہ مناسب ہوا۔

ولما فرغ من تقسيم الاعراب الى الحركة والحرف وبيان مواضعهما المختلفة شرع فی بيان مواضع الاعراب اللفظی والتقديری الذين اشير الى تقسيميه اليهما فيما سبق۔

اس میں شارح نے آگے عبارت التقدير فی ما تعذر الخ کی تحقیق کے لئے تمہید باندھی ہے یعنی جب مصنف کافیہ اعراب کو دو قسموں میں منقسم کردیئے یعنی اعراب بالحرکت و اعراب بالحرف کی تقسیم اور اس کی مختلف مقامات کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اعراب لفظی اور تقدیری کے اعراب کے مقامات کا بیان شروع کیا جس کی تقسیم کی طرف ماسبق عبارت لفظاً اور تقدیراً میں اشارہ بھی فرمایا تھا۔ یعنی اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اعراب کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی، دوسرے تقدیری۔

ولما كان التقديری اقل أشار اليه اولا ثم بين ان اللفظی ما عداه فقال:۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اعراب لفظی بنسبت اعراب تقدیری کے اصل ہے اور مصنف کافیہ نے ماسبق میں لفظی اعراب مقدم ذکر کر کے لفظاً اور تقدیراً میں اشارہ کیا تھا کہ لفظی اعراب مقدم ہوگا تو اس مقام پر اعراب لفظی کو مؤخر ذکر کرنا اور تقدیری کو مقدم ذکر کرنا خلاف اصل ہے۔ پس چاہئے کہ

لفظی اعراب یہاں بھی مقدم ہو، تاکہ خلاف اصل اور تفصیل کی مخالفت لازم نہ آئے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تقدیری اعراب کے مقامات قلیل ہیں اور لفظی کے کثیر اور قلیل بمنزلہ جز کے ہوتا ہے اور کثیر بمنزلہ کل کے اور یہ قاعدہ ہے کہ جز کل پر مقدم ہوتا ہے، اسی وجہ سے مصنف نے یہاں اول تقدیری اعراب کی طرف اشارہ کر کے بیان کیا پھر لفظی بیان کر کے کہا۔

التقدیر أی تقدیر الإعراب۔

اس میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ تقدیر کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اور مضاف الیہ اس کا اعراب کا لفظ مقدر ہے جس کو محذوف کر کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

فیما أی فی الاسم المعرب الذي۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ماضی، امر حاضر اور حرف میں بھی اعراب متعذر ہوتا ہے تو چاہئے کہ یہاں بھی اعراب مقدر مانا جائے حالانکہ یہاں اعراب مقدر نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فیما میں ما کا لفظ عبارت اسم سے ہے اور یہ الفاظ مذکورہ بالا اسماء نہیں ہیں یعنی اعراب تقدیری اس اسم معرب میں ہوگا جہاں اعراب متعذر ہو۔

تعذر الإعراب فیہ۔

اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تعذر کی ضمیر فاعل دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو اعراب کی طرف لوٹے گی یا اسم کی طرف اور یہ دونوں درست نہیں۔ اول اس لئے کہ موصول بلا عائد ہو جائے گا اور ثانی اس لئے کہ معنی میں فساد پیدا ہو جائے گا کیونکہ یہاں اعراب کا تعذر مقصود ہے، نہ کہ اسم کا تعذر اور اگر اسم کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ تقدیری اعراب وہاں ہوگا جہاں اسم متعذر ہو حالانکہ یہ معنی مقصود نہیں ہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ ضمیر تعذر کی اعراب کی طرف لوٹتی ہے اور عائد موصول کا اس میں محذوف ہے یعنی فیہ کا لفظ عائد موصول کی طرف محذوف مانا جائے گا۔

أی امتنع۔

شارح نے اس لفظ کو بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تعذر کے معنی یہ ہیں کہ جو کلفت اور مشقت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے اور عصا اور غلامی میں اعراب بالکل حاصل ہی نہیں ہو سکتا تو پھر ان لفظوں

میں اعراب کے تقدیری ہونے کے کیا معنی ہیں جن کو تقدیری اعراب کی مثال میں لایا گیا ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ تعذر سے یہاں مراد امتناع ہے یعنی ان لفظوں میں اعراب منع ہے۔

ظهوره فی لفظه۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب عصا اور غلامی میں اعراب منع ہے تو چاہئے کہ یہ الفاظ مبنیات میں سے ہوں۔ معرب کے اقسام میں سے کیوں ٹھہرائے گئے ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ غلامی اور عصا کے الفاظ میں اعراب کا ظہور منع ہے تقدیر منع نہیں ہے یعنی اعراب کا مقدر ہونا منع نہیں ہے بلکہ ان لفظوں میں اعراب کا ظہور منع ہے۔

وذلك إذا لم يكن الحرف الذى هو محل الإعراب قابلا للحركة الإعرابية كما فى الاسم المعرب بالحركة الذي فى آخره ألف مقصورة سواء كانت موجودة فى اللفظ كالعصا بلام التعريف أو محذوفة بالتقاء الساكنين۔

اور یہ اعراب کا امتناع اس وقت ہوگا کہ جب حرف جو محل اعراب کا ہو قابل حرکت اعرابی کا نہ ہو جیسے اس اسم معرب میں جو کہ معرب بالحرکت ہو اور آخر میں اس کے الف مقصورہ ہو۔ برابر ہے کہ وہ الف مقصورہ لفظ میں موجود ہو جیسے العصا معرف باللام کے ساتھ یا التقاء ساکنین سے محذوف ہو گیا ہو جیسے عصا میں۔

کعصا بالتنوين فان الالف المقصورة فى الصورتين غير قابلة للحركة۔

تنوین کے ساتھ کیونکہ الف مقصورہ ان دونوں صورتوں میں جو اوپر مذکور ہوئیں قابل حرکت اعرابی کا نہیں ہے۔

وكما فى الاسم المعرب بالحركة المضاف لى ياء المتكلم نحو:

اس میں شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ غلامی کا لفظ عصاً پر معطوف ہے یعنی اعراب تقدیری اس اسم معرب میں بھی ہوگا جو معرب بالحرکت ہو اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے غلامی ۔

غلامی فإنه لما اشتغل ما قبل ياء المتكلم بالكسرة للمناسبة قبل دخول العامل امتنع ان يدخل عليه حركة أخرى بعد دخوله موافقةً لها أو مخالفة۔

اس میں شارح نے غلامی میں اعراب کے متعذر ہونے اور تقدیری ماننے کی دلیل اور وجہ بیان کی ہے کہ

جب متکلم کے یاء کے ماقبل بوجہ مناسبت یاء کے کسرہ کے ساتھ عامل کے داخل ہونے سے پیشتر مانا جائے تو عامل کے داخل ہونے کے بعد دوسری حرکت کا داخل ہونا منع ہو جائے گا خواہ وہ حرکت اس پہلی حرکت کے موافق ہو یا مخالف۔

فما ذهب إليه بعض من أن إعراب مثل هذا الاسم في حالة الجر لفظي غير مرضي۔

کسی شارح کا غلامی کے لفظ میں یہ خیال تھا کہ اس لفظ کی حالت جری میں جو اس کا کسرہ ہے وہ اعرابی ہے؟ شارح نے اس عربی عبارت میں اس شارح کی غلط فہمی کو ظاہر کر کے اس کے خیال کو غلط ثابت کیا ہے کہ وہ جو بعضے شارحوں کا خیال ہے کہ غلامی کا اعراب حالت جری میں لفظی ہے تقدیری نہیں ہے یہ خیال باطل ہے بلکہ اس لفظ میں اعراب تقدیری ہے جس کی وجہ و دلیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

مطلقاً أي في الأحوال الثلث يعني كون الإعراب تقديريا في هذين النوعين من الاسم المعرب إنما هو في جميع الأحوال غير مختص ببعضها۔

اس میں شارح نے عصا اور غلامی کے اعراب کے تقدیری ہونے کا عموم بتا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ لفظ متن کا مطلقاً جو منصوب ہے اس کا منصوب ہونا دو وجہوں سے ہوگا۔ ایک منصوب بنا بر مصدریت۔ دوسرے منصوب بنا بر ظرفیت اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں اس لئے کہ وہ مصدر ہے جس پر فعل مشتمل ہو اور یہاں پر کوئی ایسا نہیں ہے جس کا یہ مصدر ٹھہرایا جا سکے اور منصوب بنا بر ظرف اس لئے درست نہیں ہے کہ ظرف مکان ہوتا ہے یا زمان اور یہ لفظ دونوں نہیں ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ منصوب بنا بر خبریت کان محذوفہ کے ہے جس کی تقدیر یہ ہوگی کہ وکان إعرابهما مطلقا یعنی تینوں حالتوں میں اس اسم معرب کی ان دونوں قسموں میں اعراب کا تقدیری ہونا سب حالتوں میں ہوگا کسی خاص حالت سے مختص نہیں ہوگا۔ یعنی عصا اور غلامی میں حالت جری، حالت نصبی، حالت رفعی ان تینوں حالتوں میں ہمیشہ اعراب تقدیری رہے گا لفظی کسی وجہ سے ممکن نہ ہوگا۔

أو استثقل عطف على تعذر أي تقدير الإعراب فيما تعذر وفي الاسم الذي استثقل ظهور الإعراب في لفظه، وذلك إذا كان محل الإعراب قابلاً للحركة الإعرابية، ولكن يكون ظهوره في اللفظ ثقيلاً على اللسان كما في الاسم الذي في اخره ياء مكسور ما قبلها سواء كانت محذوفة بالتقاء الساكنين۔

اس میں شارحؒ نے صرف یہ بتایا ہے کہ استثقل کا جملہ تعذر کے جملہ پر عطف ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ اعراب کا مقدر ہونا وہاں ہوگا جہاں اعراب متعذر ہو یا اس اسم میں اعراب تقدیری مانا جائے گا جس کے لفظ میں ظہور اعراب زبان پر ثقیل ہو اور یہ اعراب کا استثقال وہاں ہوگا جہاں محل اعراب قابل حرکت اعرابی تو ہو لیکن ظہور اعراب کا اسم کے لفظ میں زبان پر ثقیل اور دشوار ہو جیسے کہ اس اسم میں جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو وہ عام ہے کہ التقاء ساکنین کی وجہ سے لفظ سے محذوف ہوئی ہو جیسے قاضٍ میں۔

كقاضٍ أوغير محذوفة كالقاضي.

یا غیر محذوف ہو جیسے القاضی معرف باللام میں۔

رفعاً وجراً أي في حالتي الرّفع والجر لا في حالة النصب لاستثقال الضمة والكسرة على الياء دون الفتحة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رفعاً اور جراً کے الفاظ کا نصب دو حالتوں سے خالی نہیں یا یہ الفاظ منصوب بنا بر مصدریت ہوں گے یا منصوب بنا بر ظرفیت اور یہ دونوں حالتیں درست نہیں، اول اس لئے کہ مصدر پر فعل مشتمل ہوتا ہے اور یہاں فعل یعرب مقدر مانا جائے گا وہ إعراباً پر مشتمل ہے نہ رفعاً وجراً پر۔ دوم اس لئے کہ ظرف زمان ہوتا ہے یا مکان اور یہ الفاظ نہ مکان ہیں نہ زمان؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ منصوب بنا بر ظرف ہیں اور مضاف اس میں مقدر ہے جو کہ حالت کا لفظ ہے جس کو شارح نے بڑھایا ہے یعنی قاضی کا اعراب حالت رفعی اور حالت جری میں تقدیری ہوگا، نہ کہ حالت نصبی میں، اس لئے کہ یاء پر ضمہ اور کسرہ کا آنا ثقیل ہوتا ہے فتحہ ثقیل نہیں ہوتا لہذا اس لفظ کا اعراب حالت نصبی میں فتحہ لفظی ہوگا فقط۔

ونحو مسلميّ عطف على قول كقاضٍ يعني تقدير الإعراب للاستثقال قد يكون في الإعراب بالحركة وقد يكون في الإعراب بالحرف نحو مسلميّ بخلاف تقدير الإعراب للتعذر فإنه مختص بالإعراب بالحركة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اعراب تقدیری دو مقاموں پر ہوتا ہے، ایک مقام تعذر، دوسرا مقام استثقال۔ پہلے کی مثال مصنف نے عصا اور غلامی سے دی ہے اور دوسرے کی مثال قاضی سے اور مسلمیّ کی مثال ان دو مثالوں کے بعد میں لانا مثالی بلا مثل ہے یعنی اس کا مثل نہیں ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ قاضی کے قول پر عطف ہے اور قاضی استثقال کی مثال تھی اور استثقال کی وجہ سے اعراب کا مقدر ہونا دو طرح کا ہے ایک بالحرکت جس کی مثال قاضی میں دے چکے ہیں دوسرے بالحرف جس کی مثال مسلمیّ ہے یعنی استثقال کی وجہ سے اعراب کا مقدر ہونا کبھی تو اعراب بالحرکت میں ہوگا اور کبھی اعراب بالحرف میں جس کی مثال مسلمیّ ہے بخلاف اس کے کہ جب تعذر کی وجہ سے اعراب مقدر ہو کہ وہ اعراب بالحرکت کے ساتھ مختص ہوگا یعنی اس مثال میں اعراب بالحرف کی تقدیر نہیں ہوگی بخلاف استثقال کے مقام کے کہ وہاں پر اعراب بالحرکت اور اعراب بالحرف دونوں مقدر ہوں گے اول کی مثال قاضی ہوئی، دوسرے کی مثال مسلمی لہذا اس تقدیر پر مسلمی کی مثال بلا مثل نہیں ہوئی۔

رفعاً یعنی تقدیر الإعراب فی نحو مسلمی إنما هو فی حالة الرفع فقط دون النصب والجر نحو جاء نی مسلمی فإن أصله مسلموی بسقوط النون بالإضافة فاجتمع الواو والیاء، والسابق منهما ساکن فانقلبت الواو یاءً، وأدغمت الیاء فی الیاء وکسر ما قبل الیاء فلم یبق علامة الرفع التی فی الواو فی اللفظ فصار الإعراب فی حالة الرفع تقدیریا بخلاف حالتی النصب والجر فإن الإدغام لا یخرج الیاء عن حقیقتها فإن الیاء المدغمة أیضا یاء۔

اس عبارت عربی میں شارح نے جو رفع کے آگے حالت کے لفظ کو بڑھا کر لکھا ہے اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح رفعاً وجراً کے الفاظ کے تحت میں اوپر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے اس کو ملاحظہ کر کے وہی سوال و جواب یہاں بھی سمجھ لینا چاہئے اور اس عربی عبارت کی تشریح یہ ہے کہ مسلمی کے اعراب کا مقدر ہونا فقط حالت رفعی ہی میں ہوگا بخلاف حالت نصبی وجری کے کہ یہاں لفظی ہوگا جیسے جاء نی مسلمیّ یہ اصل میں مسلمونی تھا جب یائے متکلم کی طرف اس کی اضافت ہوئی تو اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہوا، جس کی اصل مسلموی رہی پس یہاں واو اور یاء جمع ہو گئے اور پہلا یعنی واو ساکن تھا پس واو یاء سے بدلا اور اس بدلی ہوئی یاء کا ادغام یائے متکلم میں ہو کر مسلمُی بضم میم کے ہوا چونکہ یاء اپنے ماقبل کو مکسور چاہتا ہے اس مناسبت سے اس میم کے ضمہ کو جو یاء کے ماقبل واقع ہے کسرہ سے بدل دیا جس کی اصل مسلِمی بکسرہ میم ہوئی پس حالت رفعی میں مسلمی کے لفظ میں واو جو علامت رفعی کے تھا وہ لفظ میں باقی نہیں رہا اس لئے اب حالت رفعی میں اس لفظ کا اعراب تقدیری ہوا بخلاف حالت نصب اور جر کے کہ یہاں اعراب میں اس لفظ کا یہی یاء ماقبل مکسور ہوگا کیونکہ ادغام یاء کو یاء ہونے کی حقیقت سے نہیں نکالتا اس لئے کہ

ادغام کے بعد میں بھی یاء مدغمہ کو یاء ہی کہا جاتا ہے یعنی یاء اپنی حقیقت پر باقی رہتا ہے۔

وقد يكون الإعراب بالحروف تقديريا في الأحوال الثلث في مثل جاء ني أبو القوم ورأيت أبا القوم ومررت بأبي القوم، فإنه لما سقط حروف الإعراب عن اللفظ بالتقاء الساكنين لم يبق الإعراب لفظيا بل صار تقديرياً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بسا اوقات معرب بالحرف میں اعراب احوال ثلثہ میں مقدر ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں واقع ہے۔ پس چاہئے کہ یہ بھی اسی قسم سے بنایا جائے جو معرب بالحرف ہو اور اس میں اعراب بالحرف مقدر ہو حالانکہ مصنف کافیہ نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اعراب بالحرف میں تقدیر اعراب صرف ایک ہی حالت رفعی میں ثابت کیا ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مثال مذکور میں جو اعراب بالحروف احوال ثلثہ میں مقدر ہے وہ قلیل ہے (جس پر قد تقلیلیہ دلالت کرتا ہے) اور یہ بوجہ عارض اضافت ہے اس لئے کہ جب التقاء ساکنین سے اس مثال مذکور میں اعراب کے حروف ساقط ہوئے تو اب لفظ میں اعراب باقی نہیں رہا بلکہ تقدیری ہوا لیکن عوارض کا کوئی اعتبار نہیں لہذا مصنف نے کثرت کا لحاظ کر کے اعراب بالحروف کی تقدیر کے لئے ایک ہی حالت رفعی کو مخصوص کیا۔

واللفظي أي الإعراب المتلفظ به۔

اس میں شارح نے یہ سوال ظاہر کیا ہے کہ لفظی صفت ہے اور صفت موصوف کو چاہتی ہے اور یہاں صفت موجود ہے اور موصوف نہیں؟

شارحؒ نے جواب دیا کہ اس کا موصوف محذوف ہے وہ موصوف اعراب ہے۔

فيما عداه يعني فيما عدا ما ذكر مما تعذر فيه الإعراب أو استثقل۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کو دفع کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سابق میں تقدیر اعراب کے لئے مصنف کافیہ نے دو امر ذکر کئے ہیں۔ ایک تعذر، دوسرے استثقال اور یہ تثنیہ ہوا پس چاہئے کہ فيما عداهما لکھتے جس سے ان دو امروں کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی۔ حالانکہ مصنف نے یہاں ضمیر واحد غائب کی ان دو امروں کی طرف لوٹائی ہے تو اس تقدیر پر درمیان مرجع اور راجع کے مطابقت نہیں ہوئی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ دو امر مؤول بمذکور کے مرجع اس ضمیر واحد غائب کے ٹھہرے ہیں لہذا اب

درمیان راجع ومرجع کے مطابقت ہوگئی، اب مرجع مذکور کا لفظ ٹھہرا اور وہ مذکور واحد غائب ہے یعنی سوائے اس مقام کے جہاں پر اعراب متعذر ہو یا ثقیل ہو سب جگہ اعراب لفظی ہوگا۔

ولمّا ذكر في تفصيل المعرب المنصرف وغير المنصرف وكان غير المنصرف أقل من المنصرف وبمعرفته يعرف المنصرف على قياس الإعراب التقديري واللفظي عرّف غير المنصرف واكتفى بتعريفه فقال:

اس میں شارح نے غیر منصرف کی تعریف اور اس کے اسباب بیان کرنے کے لئے تمہید باندھ کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے پس مناسب تھا کہ مصنف کافیہ منصرف کی تعریف پر اکتفا کر کے غیر منصرف کی تعریف کو چھوڑ دیتے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معرب کی تفصیل میں جب مصنف کافیہ نے منصرف اور غیر منصرف کا ذکر کیا اور غیر منصرف بہ نسبت منصرف کے کم ہے اور غیر منصرف کے پہچاننے سے اعراب تقدیری اور لفظی پر قیاس کر کے منصرف کی تعریف خود ہی معلوم ہوتی ہے تعرف الأشياء باضدادها اور غیر منصرف کا مفہوم وجودی ہے اور منصرف کا عدمی ہے یعنی غیر منصرف کا مفہوم یہ ہے کہ جس میں نو اسباب منع صرف سے دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جائے اور منصرف اس کا عکس ہے لہذا مصنف نے غیر منصرف کی اقلیت اور مفہوم وجودی کا لحاظ کر کے غیر منصرف کی تعریف پر اکتفا کر کے منصرف کی تعریف چھوڑ دی اور کہا۔

غير المنصرف۔

یہ غیر کا لفظ ترکیب میں یہاں پر اعراب کے لحاظ سے تین طرح پڑھ سکتے ہیں: مرفوع، منصوب اور مجرور۔ مرفوع اس لحاظ سے کہ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ یا مبتدا ہے خبر اس کی محذوف ہے اور منصوب اس بنا پر ہوگا کہ یہاں پر غیر کے لفظ سے مقدم اعنی فعل مقدر مانا جائے گا جس کا یہ ترکیب میں مفعول بہ ٹھہرے گا اور مجرور اس لئے ہوگا کہ اس سے مقدم مضاف مقدر مانا جائے گا جو لفظ بحث کا ہوگا یعنی هذا بحث غير المنصرف پس اس تقدیر پر غیر کا لفظ بحث کے لفظ کا مضاف الیہ ہوا اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے اس لحاظ سے اس کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ما أي اسم۔

اس میں یہ لفظ بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ غیر منصرف کی

تعریف مانع دخول غیر سے نہیں ہے کیونکہ اس میں ضـــربـــت داخل ہوا اس لئے کہ اس میں بھی دو اسباب منع صرف کے پائے جاتے ہیں ایک تانیث دوسرے وزن فعل لہذا چاہئے کہ یہ غیر منصرف ہو حالانکہ یہ مبنی ہے غیر منصرف نہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ غیر منصرف کی تعریف میں کلمہ مـــا عبارت اسم سے ہے نہ لفظ سے تا کہ اس میں فعل داخل ہو کر سوال مذکور بالا وارد ہو سکے لہذا غیر منصرف کی تعریف مانع دخول غیر سے ہوئی۔

معرب۔

اس میں بھی اسم کے ساتھ معـــرب کا لفظ بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حـــضـــار میں دو اسباب پائے جاتے ہیں ایک تانیث، دوسرے علمیت۔ تو چاہئے کہ یہ بھی غیر منصرف ہو حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ اسم سے مراد اسم معرب ہے اور حضار اسم مبنی ہے لہذا تعریف غیر منصرف کی مانع ہو کر حضار اس کی تعریف سے نکلا۔

فیه علتان تؤثران باجتماعهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حبلی اور مصابیح کے الفاظ اگر دو شخصوں کے علم ٹھہرائے جائیں تو اس وقت ان دو لفظوں میں دو اسباب منع صرف کے موجود ہو جائیں گے یعنی حبلی میں ایک سبب الف مقصورہ، دوسرے علمیت اور مصابیح میں ایک سبب صیغہ منتہی الجموع، دوسرے علمیت پائی جائے گی تو چاہئے کہ یہ دونوں الفاظ غیر منصرف کی قسم اول میں داخل کر دیئے جائیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ جس میں دو سبب منع صرف کے پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس میں ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جائے حالانکہ یہ دونوں الفاظ مذکورہ قسم ثانی میں داخل ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد علتوں سے وہ ہیں جو دونوں ایک اسم میں جمع ہو کر غیر منصرف کر دینے کا اثر بھی رکھیں اور علمیت، الف تانیث اور صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ اثر نہیں رکھتی ہے لہذا یہ دو الفاظ غیر منصرف کے ثانی قسم میں داخل ہو گئے، نہ کہ اول میں۔

واستجماع شرائطهما فيه أثراً سيجيء ذكره۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نوح کے لفظ میں دو سبب مؤثر پائے جاتے ہیں ایک عجمہ دوسرے علمیت تو چاہئے کہ یہ لفظ غیر منصرف ہو حالانکہ یہ علی المختار منصرف ہے جیسے کہ آگے

مصنف خود تحقیق کریں گے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد علتوں سے دو علتیں مؤثرہ ہیں لیکن ان دو علتوں میں ان کے مؤثر ہونے کی شرطوں کا اجتماع بھی ضروری ہے اور عجمہ کے اندر تحرک حرف اوسط یا زیادت علی الثلثۃ شرط ہے اور نوح میں ان دو شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر علی المختار منصرف ہوا جیسے اس کی تحقیق عنقریب آنے والی ہے۔

من علل تسع أو علة۔

علۃ کے لفظ کو بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت واحدۃ ترکیب میں صفت ہے اور صفت موصوف کو چاہتی ہے اور موصوف اس کا یہاں نہیں ہے لہذا صفت کا بغیر موصوف کے ہونا لازم آیا؟

شارح نے جواب دیا کہ اس کا موصوف علۃ کا لفظ محذوف ہے لہذا اعتراض دفع ہوگیا۔

واحدة منها أی من تلك التسع۔

اس میں شارح نے صرف "منها" میں ھا ضمیر واحد غائب مؤنث کا مرجع بتایا ہے کہ وہ علل تسع ہے یعنی ایک علت ان نو علتوں میں سے جو دو کے قائم مقام ہو۔ علت سے مراد سبب ہے۔

تقوم هذه العلة الواحدة۔

اس میں شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تقوم کا فاعل وہی علة واحدة ہے جس کی طرف تقوم میں ضمیر فاعل ھی لوٹتی ہے۔

مقامهما أی مقام هاتین العلتین۔

اس میں صرف یہ بتایا ہے کہ مقامهما میں هما ضمیر تثنیہ مؤنث غائب انہیں دو علتوں کی طرف لوٹتی ہے جو اوپر متن میں مذکور ہیں۔

بأن تؤثر وحدها تأثیرهما۔

اس عبارت میں شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ایک علت کا دو علتوں کی جگہ قائم ہونا درست نہیں ہے کیونکہ قیام اجسام میں متصور ہوتا ہے اور علل تسع اعراض میں سے ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قیام سے مراد تاثیر ہے یعنی ایک سبب کا دو کے قائم مقام ہونے کے معنی یہ ہیں

کہ وہ ایک علت تنہا دو علتوں کی طرح اثر رکھے۔

وهي أي العلل التسع مجموع ما في هذين البيتين من الأمور التسعة لا كل واحد حتى يقال: لا يصح الحكم على العلل التسع بكل واحد من هذه الأمور وذلك المجموع شعر:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ علتوں پر حکم ہر ایک سے لگانا درست نہیں اس لئے کہ اس سے حمل واحد کا متعدد پر لازم آتا ہے یعنی اس سے یہ لازم آئے گا کہ ان نو علتوں میں سے ہر ایک علت نو علت ہے اور یہ یقینی غلط ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ سوال جب وارد ہوسکتا ہے کہ ربط عطف پر مقدم مانا جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے جیسا کہ شارح نے أي العلل التسع مجموع ما في هذين البيتين میں اس کی طرف اشارہ کیا لہذا حمل واحد کا متعدد پر لازم نہیں آیا بلکہ مجموعہ علتوں پر علل تسع کا حکم ثابت ہوا یعنی وہ علل تسع جو ان دو شعروں میں جمع ہیں وہ علل تسع ہیں، ہر ایک علت علل تسع نہیں تا کہ یہ سوال مذکور وارد ہو سکے کہ اطلاق ہر ایک علت کا ان نو علتوں میں سے مجموعہ نو علتوں پر لازم آتا ہے وہ نو علتیں آنے والے شعروں میں جمع ہیں۔

عدل ووصف وتانيث ومعرفة وعجمة ثم جمع ثم تركيب

یہ اشعار ابو سعید انباری نحوی کے ہیں۔

والعدول في عطف هاتين العلتين من الواو إلى ثم لمجرد المحافظة على الوزن۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ثم کا کلمہ مفید تراخی کے ہے تو اس تقدیر پر یہ لازم آتا ہے کہ جمع اور ترکیب کا علت ہونا ان پانچ علتوں کے بعد میں ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے لہذا واو عطف چھوڑ کر جمع اور ترکیب کو ثم سے عطف کرنا درست نہیں پس اس عدول کی کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے؟

شارح نے جواب دیا کہ ان دو علتوں کے عطف میں عدول واو سے ثم کی طرف صرف وزن شعری کی محافظت کے لئے ہے، نہ کہ تراخی کے لئے یہی اصل عدول کی وجہ ہے۔

والنون زائدةً من قبلها ألف ووزن فعل وهذا القول تقريب

فقوله زائدة منصوب على أنه حال إذ المعنى وتمنع النون الصرف حال كونها زائدةً، وقوله: ألف فاعل الظرف أعني من قبلها، أو مبتدأ خبره الظرف المتقدم۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متن کافیہ میں جو زائدۃ کا لفظ ہے وہ دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا یا وہ مرفوع ہوگا اس بنا پر کہ وہ نون کی صفت ٹھہرائی جائے یا منصوب ہوگا اس لحاظ سے کہ وہ نون سے حال مانا جائے حالانکہ یہ دونوں صورتیں درست نہیں اول اس لئے کہ درمیان صفت اور موصوف کے تعریف اور تنکیر میں مطابقت نہ ہوگی اس لئے کہ نون معرفہ باللام ہے اور زائدۃ نکرہ ہے اور یہ مطابقت ضروری ہے دوسرے اس لئے کہ حال فاعل سے آتا ہے یا مفعول سے اور نون کا لفظ اس ترکیب میں نہ فاعل ہے نہ مفعول؟

شارح نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ لفظ زائـدۃ منصوب بنا بر حال ہے اور نون کا لفظ حقیقت میں فاعل ہے کیونکہ عبارت کی تقدیر یوں ہے کہ وتمنع النونُ الصرفَ دیکھئے اس عبارت میں نون کا لفظ تمنع کا فاعل ٹھہرا یعنی نون اسم کے منصرف ہونے کو منع کرتا ہے درآنحالیکہ وہ زائدہ ہو اور ألفْ کا لفظ ظرف من قبلها کا فاعل مانا جائے گا یا یہ ألف کا لفظ مبتدا مؤخر ہے اور خبر اس کی ظرف مقدم یعنی من قبلها ہے اس لئے کہ مبتدا نکرہ واقع نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس کی خبر من قبلها مقدم مانی جائے گی جس کی تقدیم سے اس لفظ کے لفظ کا مبتدا ہونا صحیح ہو جائے۔

ولا يخفى أنه لا يفهم من هذا التوجيه زيادة الألف مع أنها أيضاً زائدة ولهذا يعبر عنهما بالألف والنون الزائدتين۔

اس عبارت میں شارح لا یخفی کے لفظ سے ایک سوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ زائدۃ کا لفظ منصوب جب بنا بر حال مانا جائے اور ألف کا لفظ من قبلها کا فاعل یا مبتدا اور من قبلها اس کی خبر مقدم ٹھہرائی جائے تو اس صورت میں الف کا زیادہ ہونا اس توجیہ سے معلوم نہیں ہوگا بلکہ صرف نون کا زائد ہونا سمجھ میں آئے گا حالانکہ الف بھی زائد ہوتا ہے اسی وجہ سے الف اور نون دونوں کی تعبیر الف نون مزیدتان سے کرتے ہیں۔

ولو جعل الالف فاعلا لقوله زائدة والظرف متعلقا بالزيادة، وأريد بزيادة الألف قبل النون اشتراكهما في وصف الزيادة وتقدم الألف عليها في هذا الوصف فهم زيادتهما جميعاً وهذا كما إذا قلت: جاء زيد راكباً من قبله أخوه فإنه يدل على اشتراكهما في وصف الركوب وتقدم أخيه عليه في هذا الوصف۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر ألفْ کا لفظ زائدۃ کا فاعل ٹھہرایا جائے اور الف کے نون سے پیشتر زیادہ ہونے سے ان دونوں کا اشتراک زیادت کی صفت میں اور

تقدم الف کا نون پر اس صفت میں مراد لی جائے تو اس صورت میں دونوں کا یعنی الف ونون کا زیادہ ہونا سمجھ میں آئے گا اور یہ ایسا ہوگا کہ جیسا کہ تم کہو کہ زید سوار ہوکر آیا اور اس کے پہلے اس کا بھائی سوار تھا تو دیکھئے یہ مثال زید اور أخ کے وصف رکوب میں شریک ہونے اور بھائی کے رکوب کی صفت میں مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے یعنی یہ مثال یہ بتاتی ہے کہ پہلے بھائی سوار ہوکر آیا اس کے بعد زید۔ اسی طرح الف اور نون زیادت کی صفت میں مشترک پائے جائیں گے، صرف اتنا فرق ہوگا کہ ایک کا زیادہ ہونا پہلے، دوسرے کا زیادہ ہونا بعد میں ہوگا، لہذا اس تقدیر پر الف ونون دونوں کا زیادہ ہونا لازم آیا اور سوال مذکور کا جواب بھی ہوا۔

وقوله: وهذا القول تقريب يعني أن ذكر العلل بصورة النظم تقريب لها إلى الحفظ لأن حفظ النظم أسهل أو القول بأن كل واحد من الأمور التسعة علةٌ قول تقريبي لا تحقيقي إذ العلة في الحقيقة اثنان منها لا واحد أو القول بأنها تسع تقريب لها إلى الصواب لأن في عددها خلافاً فقال بعضهم: إنها تسع، وقال بعضهم: اثنان وقال بعضهم: أحد عشر لكن القول بأنها تسع تقريب لها إلى ما هو الصواب من المذاهب الثلثة۔

اس عبارت میں وهذا القول تقريب کا جو متن کافیہ میں ہے شارح تین معنی بتانا چاہتے ہیں۔

ایک یہ کہ اسباب منع صرف کا ذکر نظم کی صورت میں یاد کرنے کے لئے فہم میں قریب کرنا ہے کیونکہ نظم کا یاد کرنا آسان ہوتا ہے یعنی مصنف کافیہ نے علل تسعہ کو صورت نظم میں اس لئے ذکر کیا تا کہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔

دوسرے معنی اس قول کے جو اوپر مذکور ہے یہ ہیں کہ نو اسباب منع صرف میں سے ہر ایک سبب کو علت منع صرف کا کہنا مجازی قول ہے حقیقی نہیں کیوں کہ حقیقت میں اسم کے غیر منصرف بنادینے کے لئے ان نو سببوں میں سے دو ہی سبب ہوتے ہیں ایک نہیں ہوتا۔

تیسرے معنی اس قول کے یہ ہیں کہ اسباب منع صرف میں نو اسباب کو مقرر کرنا یہی ٹھیک مذہب ہے کیونکہ اس کی گنتی میں اختلاف ہے بعضے نحوی کہتے ہیں کہ اسباب منع صرف نو ہیں جیسے کہ اس مذہب کو مصنف نے بھی اختیار کیا ہے اور بعض کا یہ مذہب ہے کہ اسباب منع صرف دو ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ اسباب منع صرف گیارہ ہیں لیکن نو والا قول اور مذہب بہ نسبت باقی تین مذہبوں کے زیادہ درست اور صحیح ہے اس لئے مصنف نے اس کو اختیار کیا۔

ثم إنه ذكر أمثلة العلل المذكورة على ترتيب ذكرها في البيتين فقال:

اس میں شارح نے آگے آنے والے متن کی تمہید باندھ کر اشارہ کیا ہے، جب مصنف کافیہ علل تسعہ کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد ان نو اسباب منع صرف مذکورہ کو اسی ترتیب سے جو اوپر شعروں میں مذکور ہیں مثالوں کے ضمن میں بغرض وضاحت بیان کرنا چاہتے ہیں پس کہا۔

مثل عمر مثال للعدل۔

یہ عدل کی مثال ہے یعنی عمر غیر منصرف ہے۔ اس میں دو سبب منع صرف کے موجود ہیں۔ ایک علمیت۔ دوسرے عدل تقدیری۔

وأحمر مثال للوصف۔

یہ وصف کی مثال ہے یعنی أحمر کا لفظ غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک وصف، دوسرے وزن فعل ہے۔

وطلحة مثال للتانيث۔

یہ تانیث کی مثال ہے یعنی طلحة کا لفظ غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک تانیث لفظی، دوسرے علمیت ہے۔

وزينب مثال للمعرفة۔

یہ معرفہ کی مثال ہے یعنی زینب جو غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک تانیث، دوسرے معرفہ ہے۔

وفي إيراد زينب مثالا للمعرفة بعد طلحة إشارة إلى قِسْمَي التانيث اللفظي والمعنوي۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ زینب کا طلحة کے بعد ذکر کرنا بیکار ہے، کیونکہ یہ دونوں لفظ مؤنث ہیں اس کا کوئی فائدہ ضرور ہونا چاہئے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ طلحة کے بعد معرفہ کے لئے زینب کو مثال میں لانے سے اشارہ کیا اور فائدہ یہ ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی۔ دوسرے معنوی۔ مصنف نے طلحة میں مثال تانیث لفظی کی اور زینب میں مثال تانیث معنوی کی دی ہے۔

وإبراهيم مثال للعجمة۔

یہ عجمہ کی مثال ہے یعنی إبراهيم غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک علمیت، دوسرے عجمہ ہے۔

ومساجد مثال للجمع۔

یہ مثال جمع کی ہے یعنی مساجد کا لفظ غیر منصرف ہے اور اس میں وہ جمع ہے جو قائم مقام دو سببوں کے ہے۔

ومعدیکرب مثال للتركيب۔

یہ ترکیب کی مثال ہے یعنی معدیکرب غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک ترکیب، دوسرے سبب علمیت ہے۔

وعمران مثال للألف والنون۔

یہ الف نون مزیدتان کی مثال ہے یعنی عمران غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک علمیت، دوسرے سبب الف نون مزیدتان ہے۔

وأحمد مثال لوزن الفعل۔

اس میں وزن فعل کی مثال ہے یعنی أحمد کا لفظ غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک وزن فعل، دوسری علمیت ہے۔

وحکمه أي حكم غير المنصرف۔

اس عبارت کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ حکمه میں ضمیر مجرور غیر منصرف کی طرف لوٹتی ہے اور حکم کا لفظ اسی کی طرف مضاف ہے۔

والأثر المترتب عليه۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف صحیح نہیں ہے کیونکہ حکم عبارت ہے اسناد احد الامرین سے آخر کی طرف ایجاباً اور سلباً اور یہ مرکب میں پایا جاتا ہے اور غیر منصرف مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حکم کے دو معنی ہیں۔ ایک اصطلاحی، دوسرے لغوی جو اثر مرتبہ علی الشی ہے۔ یہاں یہ ثانی لغوی معنی مراد ہیں اور اسی اعتبار سے حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف کی گئی ہے۔

من حيث اشتماله على علتين أو واحدة منها تقوم مقامهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حکم مؤثر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مؤثر یہاں دو سبب منع صرف کے ہیں یا ایک سبب جو قائم مقام دو کے ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف اس مناسبت سے ہے کہ یہ غیر منصرف امور

علتوں پر یا ایک علت پر جو قائم مقام دو کے ہو مشتمل ہے اس اشتمال کی وجہ سے حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف کی گئی ہے۔

أن لا كسرة فيه۔

اس میں شارح نے فیہ کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حکمہ کا لفظ ترکیب میں مبتدا واقع ہوا ہے اور وہ جملہ جو اس کے بعد واقع ہے یعنی أن لا كسرة ولا تنوين اس کی خبر ہے اور جب مبتدا کی خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں وہ عائد موجود نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عائد اس میں محذوف فیہ کا لفظ ہے۔

ولا تنوين۔

یعنی غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر حالت جری میں نہ کسرہ آئے نہ تنوین۔

وذلك لأن لكل علة فرعية فإذا وقع في الاسم علتان حصل فيه فرعيتان فيشبه الفعل من حيث أن له فرعيتين بالنسبة إلى الاسم أحدهما افتقاره إلى الفاعل واخرهما اشتقاقه من المصدر فمنع منه الإعراب المختص بالاسم وهو الجر والتنوين الذي هو علامة التمكن۔

اس میں شارح غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی وجہ اور دلیل بیان کر کے اس وعدہ کا ایفاء جو پہلے کسی مقام پر کیا تھا کرنا چاہتے ہیں کہ غیر منصرف پر تنوین اور کسرہ اس لئے نہیں آ سکتا کہ غیر منصرف کی ہر علت کے لئے فرعیت ہے جب کسی اسم میں دو علتیں واقع ہوں تو اس میں دو فرعیں بھی حاصل ہو جائیں گے پس اس تقدیر پر اسم غیر منصرف فعل سے مشابہ ہوا۔ اس میں کہ فعل کی بہ نسبت اسم کے دو فرعیں ہوتی ہیں ایک فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا۔ دوسرے فعل کا مصدر سے مشتق ہونا اور فعل پر کسرہ اور تنوین جو اسم معرب کا خاصہ ہے نہیں آ سکتا تو اسی طرح غیر منصرف پر بھی اس مشابہت مذکورہ بالا کی بنا پر تنوین اور کسرہ نہیں آ سکے گا اور یہ اعراب غیر منصرف سے منع کیا جائے گا کیونکہ تنوین اور جر اسم متمکن کا خاصہ ہے۔

وإنما قلنا لكل علة فرعية لأن العدل فرع المعدول عنه، والوصف فرع الموصوف، والتانيث فرع التذكير لأنك تقول قائم ثم قائمة، والتعريف فرع التنكير لأنك تقول رجل ثم الرجل، والعجمة فى كلام العرب فرع العربية إذ الأصل فى كل كلام أن لا يخالطه لسان اخر، والجمع فرع الواحد، والتركيب فرع الإفراد، والألف والنون الزائدتين فرع ما زيد عليه، ووزن

الفعل فرع وزن الاسم لأن الأصل فی كل نوع أن لا يكون فيه الوزن المختص بنوع اخر فإذا وجد فيه هذا الوزن كان فرعا لوزنه الأصلی۔

اوپر شارح نے غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی دلیل میں یہ کہا تھا کہ غیر منصرف پر تنوین اور کسرہ اس لئے نہیں آسکتا ہے کہ ہر علت کے لئے فرعیت ہوتی ہے جب غیر منصرف اسم میں دو علتیں پائی جاتی ہیں تو اس میں دو فرعیں بھی پائی جائیں گی تو اس تقدیر پر اسم غیر منصرف فعل سے مشابہ ہوا اور فعل پر تنوین اور کسرہ نہیں آسکتا اسی طرح غیر منصرف پر بھی نہیں آئے گا اب یہاں اس کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے ہر علت کو فرع اس لئے کہا ہے کہ عدل فرع معدول عنہ کی ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث تذکیر کی فرع ہے کیونکہ عربی کلام میں قائم بول کر اس کے بعد قائمة کہتے ہیں اور تعریف تنکیر کی فرع ہے کیونکہ پہلے رجل نکرہ بولتے ہیں اس کے بعد الرجل معرفہ باللام مستعمل کرتے ہیں اور عجمہ عربی کلام میں فرع عربی کلام کی ہے کیونکہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس میں دوسری زبان کا کوئی لفظ مستعمل نہ ہو چونکہ عربی میں دوسرے کسی زبان کا کوئی لفظ مستعمل نہیں ہوتا اس لئے یہ عجمی زبان کی اصل ٹھہری اور جمع فرع واحد کی ہے اور ترکیب فرع افراد کی ہے اور الف نون مزیدتان فرع اس لفظ کے ہیں جس میں یہ بڑھتے ہیں جیسے عمران میں عمر اصل ہے اور یہ الف نون جو اس میں بڑھتے ہیں یہ اس کی فرع ہوئے اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے کیونکہ اصل ہر نوع میں یہ ہے کہ اس میں وہ وزن جو دوسرے نوع سے مختص ہو نہ آئے پس اس میں یہ وزن پایا گیا تو یہ اس وزن اصلی کی فرع ہوئی یعنی اسم کا وزن اصلی ہے اور فعل کا وزن اس کی فرع ہے۔

جب مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا کہ غیر منصرف پر تنوین اور کسرہ نہیں آسکتا تو اس قاعدہ کلیہ پر ایک اعتراض وارد ہوا کہ یہ قاعدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قول سے منقوض ہے جو حضرت رسول مقبول ﷺ کے مرثیہ میں فرمایا ہے، شعر:

ما ذا علی من شم تربة أحمد　　أن لا يشم مدی الزمان غواليا

دیکھئے اس شعر میں احمد کا لفظ غیر منصرف ہے باوجود اس کے اس پر کسرہ آیا ہے۔

دوسرے یہ قاعدہ کلیہ حضرت شافعی کے قول سے منقوض ہے جو حضرت امام اعظم ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں فرمایا ہے، شعر:

أعد ذكر نعمان لنا إن ذكره　　هو المسك ما كررته يتضوع

دیکھئے اس شعر میں نعمان کا لفظ غیر منصرف ہے باوجود اس کے مجرور ہے۔

تیسرے یہ قاعدہ کلیہ حضرت شیر خدا کے قول سے منقوض ہے جو کہ رسول پاک کی تعریف میں فرمایا ہے شعر

سلام علی خیر الأنام وسید حبیب إلٰه العالمین محمد

بشیر نذیر هاشمی مکرم عطوف رءوف من یسمی باحمد

دیکھئے اس آخری مصرع میں احمد کا لفظ مجرور ہے، باوجودیکہ غیر منصرف ہے۔ اب آگے چل کر مصنف خود ہی اس اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

ویجوز أی لا یمتنع سواء کان ضروریا أو غیر ضروری۔

یعنی مصنف نے مذکورہ اعتراض کا جواب دیا کہ غیر منصرف کا منصرف کر دینا جائز ہے اور اس عبارت عربی میں شارح نے جو یجوز سے لا یمتنع مراد لیا ہے۔

اس میں ایک سوال مقدر کا دفعیہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ غیر منصرف بضرورت شعر سے منصرف کر دینا واجب ہے اور تناسب کی وجہ سے منصرف کر دینا جائز ہے پس مصنف کے یجوز کا قول علی العموم کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں جواز سے مراد جواز بمعنی امکان عام ہے یعنی غیر منصرف کا منصرف کر دینا منع نہیں خواہ ضروری اور واجب ہو جیسے ضرورت شعری میں یا غیر ضروری یعنی جائز ہو جیسے کہ ضرورت تناسب میں۔

فائدہ: امکان کی دو قسمیں ہیں خاص و عام۔ خاص وہ ہے جس میں سلب ضرورت جانبین سے ہو یعنی جس کا نہ وجود ضروری ہو نہ عدم۔ اس کو امکان خاص کہتے ہیں اور عام وہ ہے جس میں سلب ضرورت جانب واحد سے ہو یعنی جس کا عدم ضروری نہ ہو بلکہ وجود ضروری ہو۔ وہ امکان عام کہلاتا ہے۔ پھر اس امکان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ امکان عام جس کا وجود ضروری ہے جیسے واجب تعالیٰ۔ دوسرا وہ امکان عام جو مقید بجانب عدم ہو۔ اول وہ ہے جس میں سلب ضرورت جانب عدم سے ہو خواہ وجود اس کا ضروری ہو یا نہ ہو اور ثانی وہ ہے جس میں سلب ضرورت جانب وجود سے ہو۔ برابر ہے کہ عدم اس کا ضروری ہو یا نہ ہو۔

صرفه أی جعله فی حکم المنصرف بإدخال الکسرة والتنوین فیه لا جعله منصرفاً حقیقة فإن غیر المنصرف عند المصنف ما فیه علتان أو واحدة تقوم مقامهما وبإدخال الکسرة والتنوین لا یلزم خلو الاسم عنهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دوعلتیں پائی جائیں، یاایک علت جو دوعلتوں کے قائم مقام ہواوراسم، کسرہ وتنوین داخل کردینے سے غیر منصرف ہونے سے نہیں نکلتا۔ پس مصنف کا یہ قول ویجوز صرفه کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ غیر منصرف کو منصرف کردینے کے معنی یہ ہیں کہ غیر منصرف کو منصرف کا حکم دے کراس پر تنوین اور کسرہ داخل کردی جائے، یہ مراد نہیں کہ غیر منصرف کو حقیقۃً منصرف کردیا جائے، کیونکہ غیر منصرف مصنف کے نزدیک وہ ہے جس میں دوعلتیں یاایک علت قائم مقام دوعلتوں کے پائی جائے اور کسرہ وتنوین داخل کرنے سے غیر منصرف کا علتوں سے خالی ہونا لازم نہیں آتا۔

وقيل: المراد بالصرف معناه اللغوي لا الاصطلاحي، والضمير في صرفه راجع إلى حكمه.

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے دوسرے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف کے لفظ سے اس کے لغوی معنی مراد لیے جائیں، نہ کہ اصطلاحی اور لغوی معنی صرف کے پھیردینے کے ہیں اور صرفه کی ضمیر مجرور حکم کی طرف لوٹائی جائے، جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ غیر منصرف کے حکم کا پھیردینا ضرورت شعری کی وجہ سے جائز ہے، یعنی غیر منصرف کو اپنے حکم سے پھیر کراس پر کسرہ اور تنوین کا داخل کرنا جائز ہے۔

للضرورة أي لضرورة وزن الشعر أو رعاية القافية، فإنه إذا وقع غير المنصرف في الشعر فكثيراً ما يقع من منع صرفه انكسار يخرجه عن الوزن أو انزحاف يخرجه عن السلاسة، أما الأول فكقوله: شعر ۔

صبت عليّ مصائب لو أنها صبت على الأيام صرن لياليا

وأما الثاني فكقوله: شعر ۔

أعد ذكر نعمان لنا إن ذكره هو المسك ما كررته يتضوع

فإنه لو فتح نون "نعمان" من غير تنوين يستقيم الوزن، ولكن يقع فيه زحاف يخرجه عن السلاسة كما يحكم به سلامة الطبع.

اس میں شارح نے غیر منصرف کو ضرورت شعری کی وجہ سے منصرف کردینے کی وجہ اور دلیل بتائی ہے کہ غیر منصرف ضرورت شعری اور رعایت قافیہ کی بنا پر منصرف کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ جب غیر منصرف اسم، شعر میں واقع

ہوتو بسا اوقات اس کے غیر منصرف پڑھ دینے سے شعر میں انکسار واقع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے شعر اپنے وزن اصلی سے نکل جاتا ہے، یا زحاف واقع ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے شعر سلاست سے نکل آتا ہے۔ اول کی مثال صبت إلخ ہے، جس میں غور کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ مصائب کا لفظ جو غیر منصرف ہے، اگر منصرف کر کے نہ پڑھا جائے تو شعر کے وزن میں انکسار لازم آئے گا۔ اور ثانی یعنی زحاف کی مثال أعد ذکر نعمان والا شعر ہے، جس میں نعمان کا لفظ غیر منصرف ہے، اگر نعمان کا لفظ بغیر تنوین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو شعر کا وزن ٹھیک ہوگا، لیکن اس میں زحاف واقع ہوجائے گا، جیسا کہ اس کو سلیم الطبع آدمی یعنی شعرا سمجھ لیتے ہیں تو اس ضرورت کی وجہ سے نعمان کا لفظ منصرف کے حکم میں کر کے مکسور پڑھا جائے گا۔

فإن قلت: الاحتراز عن الزحاف ليس بضروري، فكيف يشمله قوله: للضرورة؟

اس میں مصنف کے قول للضرورۃ پر ایک سوال وارد ہوتا ہے، جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ زحاف سے بچنا ضروری نہیں، پس اس کو مصنف کا قول للضرورۃ کس طرح شامل ہوسکتا ہے؟

قلنا: الاحتراز عن بعض الزحافات إذا أمكن الاحتراز عنه ضروري عند الشعراء.

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے کہ بعض زحافات سے جب احتراز ممکن ہو تو وہ احتراز شعرا کے نزدیک ضروری ہے، لہذا مصنف کا قول للضرورۃ اس کو بھی شامل ہوا۔

وأما الضرورة الواقعة لرعاية القافية فكما في قوله: شعر ـ

سلام على خير الأنام وسيد　　　حبيب إله العالمين محمد

بشير نذير هاشمي مكرم　　　عطوف رؤف من يسمى بأحمد

فإنه لو قال: بأحمد بالفتح لا يخل بالوزن، ولكنه يخل بالقافية، فإن حرف الروي في سائر الأبيات الدال المكسورة.

اس میں شارح اس غیر منصرف کی مثال بتاتے ہیں جو ضرورت قافیہ کی وجہ سے منصرف کے حکم میں ہوگیا ہو، یعنی وہ ضرورت جو رعایت قافیہ کی وجہ سے واقع ہو، اس کی مثال سلام علی خير الأنام والے اشعار ہیں، جن کے آخری مصرعے میں احمد کا لفظ غیر منصرف آیا ہے، اب اگر اس لفظ کو مفتوح پڑھا جائے اور غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں نہ کیا جائے تو اس سے شعر کے وزن میں نقصان تو نہیں ہوتا، لیکن اس کے قافیے میں نقصان واقع ہوگا، اس لیے کہ اس

قصیدے کے تمام شعروں کے آخری حرف میں دال مکسورہ ہے، اس وجہ سے یہ احمد کا لفظ ان اشعار میں منصرف کے حکم میں لاکر مکسور پڑھا گیا۔

مصنف کے اس قاعدہ کلیہ پر جو اوپر مذکور ہو چکا ہے ایک دوسرا اعتراض وارد ہوتا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ سلاسلا وأغلالا کا لفظِ غیر منصرف منصرف منون کر کے پڑھا جاتا ہے، باوجودیکہ اس میں ضرورت شعری نہیں ہے۔ آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

أو للتناسب أى ويجوز صرف غير المنصرف ليحصل التناسب بينه وبين المنصرف؛ لأن رعاية التناسب بين الكلمات أمر مهم عندهم، وإن لم يصل إلى حد الضرورة.

اس میں شارح اوپر والے سوال کے جواب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں کہ غیر منصرف کا منصرف کر دینا اس غرض سے کہ درمیان غیر منصرف اور منصرف کے مناسبت حاصل ہو، جائز ہے، اس لیے کہ عرب کے نزدیک کلمات کے درمیان مناسبت کی رعایت ایک امر مقصودی اور ضروری ہے، اگرچہ حدِ وجوب کو نہیں پہنچتا۔

مثل: سلاسلا وأغلالا حيث صرف سلاسلا لتناسب المنصرف الذى يليه أعنى أغلالا، فقوله: سلاسلا وأغلالا مثال لمجموع غير المنصرف الذى صرف، والمنصرف الذى صرف غير المنصرف لتناسبه.

اس میں مصنف نے اس غیر منصرف کی مثال جو کہ تناسب کی وجہ سے منصرف ہو گیا ہو وہ ذکر کی ہے، یعنی اس مثال مذکور میں سلاسلا کا لفظ اس منصرف کی مناسبت کی وجہ سے جو اس کے قریب ہے، یعنی أغلالا کی مناسبت سے سلاسلا غیر منصرف منصرف ہو گیا ہے، پس سلاسلا اور أغلالا کا قول مجموعی اس غیر منصرف کی مثال ہے جو منصرف ہو گیا ہو اور اس منصرف کی ہے، جس کی مناسبت سے غیر منصرف منصرف ہو گیا ہو، یعنی اس میں غیر منصرف اور منصرف دونوں کی مثال ہے۔

وما يقوم مقامهما أى العلة الواحدة التى تقوم مقام العلتين من العلل التسع علتان مكررتان قامت كل واحدة منهما مقام العلتين لتكرارهما إحدهما.

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ ما يقوم مقامهما کا جملہ مبتدا ہے اور الجمع وألفا التأنيث ترکیب میں اس کی خبر واقع ہوئی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جمع جو حرف سے جمع ہوئی ہو

وہ مثل جمع لفظی کے ہوتی ہے اور یہاں ألـفـا التـأنيث کو جمع کے ساتھ واو حرف جمع کے ساتھ جمع کیا ہے تو اس تقدیر پر عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ جمع اور ألـفاالتانيث دونوں ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ جمع اور ألفا التأنيث میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایک سبب، قائم مقام دو سببوں کے ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مـا يقوم مقامهما کی خبر علتان مكر رتان کا لفظ ہے اور جمع اور ألفا التأنيث ہر ایک خبر مبتدا محذوف کی ہے، یعنی وہ علت جو قائم مقام دو علتوں کے علل مذکورہ میں سے ہو، وہ دو علتیں مکرر ہیں، جو کہ ہر ایک ان میں سے بوجہ تکرار کے قائم مقام دو علتوں کے ہے، ایک ان دو علتوں میں سے جمع ہے۔

الجمع البـالـغ إلى صيغة منتهى الجموع، فإنه قد تكرر فيه الجمعية حقيقةً كأكاليب وأساور وأناعيم.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ مسلمون اور رجال بھی جمع ہیں، لہذا ہونا یہ چاہیے کہ یہ الفاظ بھی ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوں، حالانکہ یہ سبب نہیں ہیں؟

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا کہ مطلق جمع ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے نہیں، بلکہ وہ جمع جو جمعیت میں صیغۂ منتهى الجموع کو پہنچتی ہو وہ ایک سبب، قائم مقام دو سببوں کے ہو سکتی ہے اور صیغۂ منتهى الجموع وہ ہے جس میں جمعیت حقيقةً مکرر ہو، جیسے أكاليب کہ یہ جمع أكلب کی ہے اور أكلب جمع ہے كلب کی۔ یا أساور کہ یہ جمع أسورة کی ہے اور أسورة سوار کی جمع ہے۔ یا جیسے أناعيم کہ یہ جمع أنعام کی ہے اور أنعام جمع أنعم کی ہے۔ دیکھئے ان الفاظ میں جمعیت حقيقةً مکرر ہوگئی ہے، لہذا یہ جمعیت ایک سبب، قائم مقام دو سبب کے ہو سکتی ہے۔

أو حـكـمـا كالجموع الموافقة لها في عدد الحروف والحركات والسكنات كمساجد ومصابيح.

اس میں حـكـمـاً کا لفظ بڑھا کر شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، جس کی تشریح یہ ہے کہ اوپر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ جمع ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہو سکتی ہے، جس کی جمعیت میں تکرار ہو تو یہ قاعدہ مساجد اور مصابیح سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ ان الفاظ میں جمعیت مکرر نہیں ہے اور باوجود اس کے ان الفاظ کی جمعیت قائم مقام دو سببوں کے ہے۔ لہذا چاہیے کہ یہ مساجد اور مصابیح غیر منصرف نہ ہوں، کیونکہ ان الفاظ میں جمعیت مکرر نہیں ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ جمعیت کا مکرر ہونا عام ہے، خواہ حقیقی ہو، خواہ حکمی، جیسے وہ جمع جو

حقیقی جمع کی حروف کی گنتی اور حرکات وسکنات میں موافق ہو، جیسے مساجد اور مصابیح کہ یہ الفاظ حقیقی جمع کے ساتھ حرکات، سکنات اور حروف کی گنتی میں موافق ہیں، لہذا ان الفاظ میں جمعیت مکرر ہوگئی، اسی وجہ سے یہ غیر منصرف ٹھہرے اور ان کی جمعیت ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوگئی۔

وثانيتهما: التأنيث.

یہ جملہ اوپر إحداهما کے جملے پر عطف ہے، یعنی ان دونوں سببوں میں سے جو ہر ایک قائم مقام دو سببوں کے ہو، ایک جمع ہے، دوسری تانیث کہ تانیث بھی ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوتی ہے۔

لكن لا مطلقاً بل بعض أقسامه.

اس میں بھی سوال مقدر کا جواب ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ قائمة میں تانیث ہے، چاہیے کہ یہ بھی غیر منصرف ہو، حالانکہ یہ لفظ منصرف ہے؟

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا کہ مطلق تانیث ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے نہیں ہے، بلکہ بعض اقسام تانیث کے ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوسکتے ہیں اور وہ تانیث الف ممدودہ اور مقصورہ کی ہے۔

وهو ألفا التأنيث المقصورة والممدودة.

یعنی وہ تانیث ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوسکتی ہے جو الف مقصورہ اور ممدودہ سے حاصل ہو۔

أي كل واحدة منهما كحبلى وحمراء؛ لأنهما لازمتان للكلمة وضعا، لا تفارقانها أصلاً، فلا يقال في حبلى: حبل، ولا في حمراء: حمر، فيجعل لزومهما للكلمة بمنزلة تأنيث آخر، فصار التأنيث مكرراً.

اس میں بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت ألفا التأنيث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں مل کر ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ الف مقصورہ علیحدہ ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے اور الف ممدودہ علیحدہ ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ الف ممدودہ ومقصورہ میں سے ہر ایک قائم مقام دو سببوں کے ہے، الف مقصورہ کی مثال حبلی اور ممدودہ کی مثال حمراء ہے، کیونکہ یہ دونوں الف کلمہ کے ساتھ وضع

میں لازم ہوتے ہیں، اس لیے کہ یہ کلمہ سے الگ نہیں ہوتے ہیں، حبلی میں حبل اور حمراء میں حمر نہیں بولا جاسکتا۔ پس ان کا لزوم کلمہ سے بمنزلہ ایک دوسری تانیث کے ٹھہرائی گئی، لہذا تانیث ان دونوں لفظوں میں گویا مکرر ہوئی۔

بخلاف التاء، فإنها ليست لازمة للكلمة بحسب أصل الوضع، فإنها وضعت فارقة بين المذكر والمؤنث، فلو عَرض اللزوم لعارض كالعلمية مثلاً لم يقو قوة اللزوم الوضعي.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ بسا اوقات تاء کلمہ کے ساتھ بوجہ کسی عارض کے لازم ہوتا ہے، جیسے قائمۃ کا لفظ، جب اس کو کسی کا علم مانا جائے تو اس وقت یہ تاء اس کلمے سے الگ نہیں ہوسکتا، لہذا چاہیے کہ یہ بھی ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوجائے، حالانکہ قائمۃ لفظ منصرف ہے، غیر منصرف نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تائے تانیث اصل وضع میں کلمے کے ساتھ لازم نہیں، کیونکہ اس کی وضع درمیان مذکر ومؤنث کے فرق کرنے کے لیے ہے، پس اگر اس کو لزوم بوجہ عارض علمیت عارض ہوجائے تو وہ لزوم وضعی کی طرح قوت نہیں رکھے گا، لہذا قائمۃ کی تانیث وقت علمیت میں قوت سبب بننے کی نہیں رکھتی ہے۔ پس یہ لفظ منصرف ٹھہرا، نہ کہ غیر منصرف۔

جب مصنف علل تسعہ کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب ہر ایک علت کی علیحدہ علیحدہ تعریف کرتے ہیں۔

فالعدل مصدر مبنى للمفعول.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل متکلم کی صفت ہے اور خروج لفظ کی اور ان دونوں صفتوں میں سے ہر ایک کا موصوف دوسرے سے متبائن ہے، لہذا اس تقدیر پر ان دونوں متبائنین میں سے ایک متبائن کی صفت کا حمل دوسرے متبائن کی صفت پر لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں عدل مصدر مبنی للمفعول ہے، یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے۔

أى كون الاسم معدولاً.

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ جب عدل مصدر بمعنی مفعول ہوا تو اس سے دو خرابیاں لازم آئیں:۔ ایک یہ کہ معدول ذات مع الوصف ہے اور خروج وصف ہے تو اس صورت میں صرف وصف کا حمل ذات مع الوصف پر لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔ دوسری خرابی یہ لازم آئی کہ اسباب منع صرف اوصاف ہیں معدول ذات مع الوصف ہے، لہذا ذات مع الوصف پر حمل اوصاف کا لازم ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معدول سے مراد اسم کا معدول ہونا ہے۔

خروجه أی خروج الاسم.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ خــروجـــه کی ضمیر مجرور دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو یہ ضمیر اسم کی طرف لوٹائی جائے گی، یا عدل کی طرف اور یہ دونوں درست نہیں۔ اول اس لیے کہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اس لیے کہ یہاں عدل کا ذکر ہے اسم کا نہیں۔ اور ثانی اس لیے کہ اس سے اخذ محدود کا حد میں لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ ضمیر اسم کی طرف راجع ہے اور اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ یہ مقام اسم کی بحث کا ہے، اس قرینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خروجه کی ضمیر اسم کی طرف لوٹتی ہے۔

أی کونه مخرجاً.

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ جب معدول سے کون الاسم معدولاً مراد لیا گیا تو اس پر دو خرابیاں لازم آئیں:۔ ایک یہ کہ کون الاسم معدولاً متعدی ہے اور خروج لازمی ہے تو اس سے متعدی کی تفسیر لازمی سے ہوئی اور یہ درست نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ کون الاسم معدولاً حاصل بالمصدر ہے اور خروج نفس مصدر ہے تو اس سے نفس مصدر کا حمل حاصل بالمصدر پر لازم آیا اور یہ درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خروج اسم سے مراد اسم کا مخرج ہونا ہے، لہذا یہ بھی متعدی اور حاصل بالمصدر ہوا، پس حمل صحیح ہوا۔

عن صيغته الأصلية أی عن صورته التی يقتضی الأصل والقاعدة أن يكون ذلك الاسم عليها.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ صیغہ عبارت ہیئت اور مادہ اسم سے ہے اور اسم بھی بعینہ اس ہیئت اور مادہ کو کہتے ہیں، لہذا اس سے اخراج کل کا کل سے لازم آیا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد صیغے سے صورت ہے، یعنی عدل اسم کا اپنی اصلی صورت سے نکلنا، جس کو اصل اور قاعدہ یہ چاہتا ہو کہ وہ اسم اس قاعدے پر ہو، یعنی عدل کے معنی یہ ہیں کہ اسم اس صورت سے نکل کر دوسری صورت میں آجائے، جس کو اصل اور قاعدہ چاہتا ہے۔

ولا يخفى أن صيغة المصدر ليست صيغة المشتقات، فبإضافة الصيغة إلى ضمير الاسم خرجت المشتقات كلها.

اس میں شارح نے لا یخفی سے ایک دفع سوال مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف فعل کے مشتقات پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ وہ بھی اپنے اصلی صیغوں سے مخرج ہوتے ہیں، مثلاً ضارب ومضروب وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ضرب مصدر سے مخرج ہوئے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل کے مشتقات عدل کی تعریف سے خارج ہیں، کیونکہ صیغے کی اضافت صیغے میں اسم کی طرف منظور مانی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر کا صیغہ مشتقات کا صیغہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر مصدر کا صیغہ اور مشتقات کا صیغہ ایک ہوتو اسم کی ضمیر کی طرف یہ اضافت نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ مصدر کا صیغہ اور ہے، مشتقات کا اور۔ لہذا عدل کی تعریف سے کل مشتقات خارج ہوگئے۔

وإن المتبادر من خروجه عن صيغته الأصلية أن تكون المادة باقية، والتغير إنما وقع في الصورة فقط، فلا ينتقض بما حذف عنه بعض الحروف كالأسماء المحذوفة الأعجاز، مثل: يد ودم، فإن المادة ليست باقية فيها.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں اسمائے محذوفۃ الأعجاز جیسے ید ودم داخل ہوئے، اس لیے کہ یہ بھی اپنی اصلی صیغوں سے خارج ہوئے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خروج کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ اسم اپنے صیغہ اصلی سے نکل کر مادۂ حروف اس میں باقی رہیں اور تغیر صرف صورت میں واقع ہو، جب یہ قید ضروری مانی گئی تو تعریف ان اسماء سے نہیں ٹوٹے گی، جن کے بعض حروف محذوف ہوگئے ہوں، جیسے اسمائے محذوفۃ الأعجاز دم اور ید میں کہ ان میں خروج تو ہوا ہے، لیکن مادہ حروف اصلیہ کا باقی نہیں رہا، اس لیے یہ عدل کی تعریف سے نکل گئے اور عدل کی تعریف مانع ہوئی۔

وأن خروجه عن صيغته الأصلية يستلزم دخوله في صيغة أخرى أي مغايرة للأولى، ولا يبعد أن يعتبر مغايرتها لها في كونها غير داخلة تحت أصل وقاعدة كما كانت الأولى داخلة تحته، فخرجت عنه المغيرات القياسية.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف میں مغیرات قیاسیہ جیسے داعٍ اور رامٍ داخل ہوئے، کیونکہ یہ بھی اپنے اصلی صیغوں سے خارج ہوتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خروج میں اسم کے اپنے اول صیغہ سے یہ ضروری اور لازم ہے کہ وہ اسم اپنے اصلی صیغے سے نکل کر دوسرے مغائر صیغے میں داخل ہو، یعنی یہ نکلا ہوا اسم اپنے پہلے صیغے سے مغائر ہو اور اس کی مغائرت اس طرح ہو کہ نکلا ہوا صیغہ کسی اصل اور قاعدے کے تحت داخل ہو، جس طرح کہ پہلا صیغہ قاعدے میں داخل تھا، چونکہ یہ داعٍ اور رامٍ کے صیغے قاعدۂ صرفی کے تحت داخل ہیں، اس لیے یہ عدل کی تعریف سے نکلے۔

وأما المغيرات الشاذة فلا نسلم أنها مخرجة عن الصيغ الأصلية، فإن الظاهر أن مثل: أقوس وأنيب من الجموع الشاذة، ليست مخرجة عما هو القياس فيها، أعني أقواساً وأنياباً، بل إنما جمع القوس والناب ابتداءً على أقوس وأنيب على خلاف القياس من غير أن يعتبر جمعهما أولاً على أقواس وأنياب، وإخراج أقوس وأنيب عنهما.

اس عبارت سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مغیرات شاذہ پر صادق آتی ہے، جیسے أقوس وأنيب، کیونکہ أقوس جمع قوس کی ہے اور أنيب جمع ناب کی ہے اور یہ دونوں لفظ اجوف ہیں اور اجوف میں قاعدہ صرفی یہ ہے کہ افعال کے وزن پر اس کی جمع آتی ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ أقوس اور أنيب کے الفاظ أقواس وأنياب سے نکلے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مغیراتِ شاذہ کا اپنے صیغۂ اصلی سے خارج ہونا مسلم نہیں ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ أقوس اور أنيب جموع شاذہ میں سے ہیں، اپنے قیاس کے قاعدے کے مطابق نہیں نکلے ہیں، یعنی قاعدہ یہی چاہتا ہے کہ أقواس وأنياب سے نکلے، لیکن یہ خلاف قیاس جمع آئے ہیں، یہ ابتداءً أقوس اور أنيب کے وزن پر خلاف قیاس قاعدۂ صرفی مذکور کے جمع ہو کر آئے ہیں، بغیر اس کے کہ ان دونوں لفظوں کو اول أقواس اور أنياب کے وزن پر جمع کیا جائے اور اس کے بعد أقوس اور أنيب اس سے نکالے جائیں۔

وقال بعض الشارحين: قد جوز بعضهم تعريف الشيء بما هو أعم منه إذا كان المقصود تميزه عن بعض ما عداه، فيمكن أن يقال: المقصود ههنا تميز العدل عن سائر العلل، لا عن كل ما عداه، فحيث حصل بتعريفه هذا التميز لا بأس بكونه أعم منه، فحينئذٍ لا حاجة

في تصحيح هذا التعريف إلى ارتكاب تلك التكلفات.

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف جامع ومانع ثابت کرنے کے لیے اوپر والے تکلف کی ضرورت نہیں، کیونکہ تعریف سے مقصود معرف کا اپنے بعض ماعدا سے امتیاز کرنا ہوتا ہے اور وہ یہاں عدل کی تعریف سے حاصل ہے، کیونکہ عدل اپنی تعریف مذکور کی بنا پر باقی علل سے ممتاز ہوا اور اس کا تمام ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تعریف کے متعلق علماء کے دو مذہب ہیں، ایک متقدمین کا مذہب ہے، دوسرا متاخرین کا۔

متقدمین یہ کہتے ہیں کہ تعریف میں معرف کا بعض ماعدا سے امتیاز شرط ہے اور متاخرین یہ کہتے ہیں کہ تعریف میں شرط یہ ہے کہ معرف تمام ماعدا سے ممتاز ہو اور مصنف کے نزدیک متاخرین کا مذہب مختار ہے۔

یعنی اوپر والے سوال کا جواب بعض شارحین اس طرح دیتے ہیں کہ شیء کی تعریف عام کے ساتھ جائز ہے، جب مقصود اس شیء کا اپنے بعض ماعدا سے امتیاز کرنا ہو، پس اس تقدیر پر یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدل اپنی تعریف کی بنا پر باقی علتوں سے ممتاز ہوا اور اس کا علیحدہ علیحدہ ہر ایک علت سے ممتاز ہونا ضروری نہیں، جب عدل کی تعریف سے یہ امتیاز حاصل ہوا تو اب اس کے عام ہونے کی کوئی پروا نہیں، پس اس لحاظ سے عدل کی تعریف صحیح کرنے کے لیے اوپر والے تکلفات کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رہی۔

اعلم أنا نعلم قطعاً أنهم لما وجدوا ثلث ومثلث وأخر وجمع وعمر غير منصرف، ولم يجدوا فيها سبباً ظاهراً غير الوصفية أو العلمية احتاجوا إلى اعتبار سبب آخر، ولم يصلح للاعتبار إلا العدل، فاعتبروه فيها؛ لا أنهم تنبهوا للعدل فيما عدا عمر من هذه الأمثلة، فجعلوه غير منصرف للعدل وسبب آخر، ولكن لا بد في اعتبار العدل من أمرين: أحدهما وجود أصل للاسم المعدول، وثانيهما اعتبار إخراجه عن ذلك الأصل؛ إذ لا يتحقق الفرعية بدون اعتبار ذلك الإخراج، ففي بعض تلك الأمثلة يوجد دليل غير منع الصرف على وجود الأصل المعدول عنه، فوجوده محقق بلا شك، وفي بعضها لا دليل غير منع الصرف، فيفرض له أصل؛ ليتحقق العدل بإخراجه عن ذلك الأصل، فانقسام العدل إلى التحقيقي والتقديري إما هو باعتبار كون

ذلك الأصل محققاً أو مقدراً أو إما اعتبار إخراج المعدول عن ذلك الأصل؛ ليتحقق العدل، فلا دليل عليه إلا منع الصرف فعلى هذا قوله:

اس عربی عبارت میں شارح اعلم کے لفظ سے عدل کے ثبوت کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بات ہم کو یقینی طور معلوم ہے کہ اہل لسان ثلث ومثلث وأخر وجمع وعمر کے الفاظ کو غیر منصرف مستعمل کرتے ہیں اور ان الفاظ میں سوائے وصفیت یا علمیت کے کوئی اور سبب منع صرف کا ان میں ظاہر نہیں پاتے۔ اس لیے اس کی حاجت اور ضرورت پڑی کہ وہ ایک دوسرے سبب کا اعتبار کر کے الفاظ مذکورہ کو غیر منصرف ثابت کریں اور سوائے عدل کے اور کوئی سبب صلاحیت اعتبار کا نہیں رکھتا۔ اس لیے الفاظ مذکورہ کو غیر منصرف بنا دینے کی بنا پر عدل ہی کو معتبر کیا۔ اب یہ الفاظ غیر منصرف ثابت ہوئے، کیونکہ ان میں دو علتوں کا ثبوت ہوا، ایک وصفیت یا علمیت، دوسرے عدل۔

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ الفاظ مذکورہ میں عمر کے سوا عدل کے ثبوت پر تنبیہ کر کے اس کو بوجہ پائے جانے عدل اور ایک دوسرے سبب کے غیر منصرف بنا دیا ہو، یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ ثلث ومثلث وأخر وجمع میں ہی دو سبب ثابت کر کے غیر منصرف پڑھے جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ مذکورہ اور عمر کا لفظ، ان سب لفظوں میں ایک سبب عدل ہے اور دوسری وصفیت یا علمیت ہے، ان دو اسباب کے پائے جانے کی بنا پر یہ سب الفاظ غیر منصرف پڑھے جائیں گے اور سب میں عدل کا اعتبار ہوگا، لیکن عدل کے اعتبار میں دو امر اور کی بھی ضرورت ہے، ایک اسم معدول کی اصل کا پایا جانا، دوسرا اس اصل سے اس اسم معدول کے اخراج کا اعتبار کرنا، کیونکہ اخراج کے اعتبار کیے بغیر فرعیت کا تحقق نہیں ہو سکتا اور جب فرعیت کا تحقق نہ ہوگا تو اس وقت اسم معدول میں دو سببوں کا تحقق بھی ثابت نہ ہوگا۔ پس اسم معدول کا غیر منصرف ہونا ناممکن ہو جائے گا، اس لیے اعتبار کی اشد ضرورت ہے اور مذکورہ الفاظ میں بعض کے اندر منع صرف کے علاوہ معدول عنہ اصل کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہے۔

پس اس کو بلا شک محقق پایا اور ان الفاظ میں سوائے منع صرف کے اور کوئی دلیل اصل پر نہیں پائی جاتی، اس لیے ان کے لیے اصل فرض کی جائے گی، تاکہ اس اصل سے اسم معدول کا ثبوت ہو کر عدل کا تحقق پایہ ثبوت کو پہنچ جائے۔ پس عدل کا انقسام تحقیقی اور تقدیری کی طرف باعتبار اسی اصل کے ہوگا، اگر وہ اصل محقق ہو تو عدل تحقیقی ہوگا اور اگر اصل مفروض ہو تو عدل تقدیری ہوگا اور اسم معدول کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی بنا پر تحقیقاً اور تقدیراً کے الفاظ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

تحقيقاً معناه خروجا كائنا عن أصل محقق يدل عليه دليل غير منع الصرف.

اس عبارت کو بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کی جانب اشارہ کیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ تحقیقاً اور تقدیراً کے الفاظ کا نصب تین حالتوں سے خالی نہیں، یہ الفاظ منصوب بنا بر مصدریت ہوں گے۔ یا منصوب بنا بر ظرف ہوں گے یا منصوب بنا بر حال ہوں گے اور یہ تینوں صورتیں درست نہیں۔

اول اس لیے کہ مصدر پر فعل مشتمل ہوتا ہے اور ان الفاظ کا یہاں کوئی فعل نہیں ہے جو ان پر مشتمل ہو۔ دوسرا اس لیے کہ ظرف زمان ہوتا ہے یا مکان اور یہ الفاظ دونوں نہیں ہیں۔ تیسرا اس لیے کہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے اور یہ الفاظ مصادر ہیں، ان کا حمل درست نہیں۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ یہ الفاظ منصوب بنا بر خبریت کان محذوفہ کے ہیں، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی کان خروجہ تحقیقاً أو تقدیراً اور حمل صحیح ہونے کے لیے یہ الفاظ مؤول بہ محقق اور مقدر کر لیے جائیں گے، جس کی تقدیر پر عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ عدل اسم کا اپنے صیغۂ اصلی سے خارج ہونا ہے، درآنحالیکہ وہ خروج اصل محقق سے ثابت ہو، جس پر سوائے منع صرف کے کوئی اور دلیل دلالت کرے اور ان الفاظ کا منصوب ہونا بنا بر حال یا بنا بر خبریت کان محذوفہ اس لحاظ سے ہوگا کہ یہ صفت موصوف محذوف خروجاً کے مانے جائیں گے۔

فائدہ: تحقیقاً اور تقدیراً کے الفاظ سے عدل کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے، یعنی عدل کی دو قسمیں ہیں، تحقیقی اور تقدیری۔ اور عدل تحقیقی اور تقدیری کی تفسیر میں علمائے عامہ اور علمائے محققین کے درمیان اختلاف ہے، علمائے عامہ کے مذہب میں عدل تحقیقی خروج محقق اصل محقق سے ہے اور عدل تقدیری خروج اعتباری ہے اصلی اعتباری سے۔

اور علمائے عامہ کی اس تفسیر کی تین دلیلیں ہیں: ایک یہ کہ تحقیقاً اور تقدیراً کا قول خروجاً کی صفت ہے اور یہ جب درست ہوگا کہ اول میں خروج تحقیقی اور ثانی میں اعتباری مانا جائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خروج ثانی میں اعتباری ہے، اگر اول میں بھی اعتباری مانا جائے تو اس سے شی ء کی تقسیم اپنے نفس اور غیر کی طرف لازم آئے گی اور یہ صحیح نہیں ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ عدل تحقیقی اس کو کہتے ہیں جس میں سوائے منع صرف کے اصل کے وجود پر دلیل پائی جائے اور اصل کے وجود پر دلیل کا پایا جانا بعینہ خروج کے وجود پر دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ خروج قسم اول میں تحقیقی ہے اور ثانی میں اعتباری۔

اور محققین کا مذہب یہ ہے کہ عدل تحقیقی خروج اعتباری ہے اصل محقق سے اور عدل تقدیری خروج اعتباری ہے اصل اعتباری سے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خروج دونوں قسموں میں اعتباری ہے، فرق صرف اعتبار اصل کے ہے، اگر اصل محقق ہو تو عدل تحقیقی ہے اور اگر اصل مفروض ہو تو عدل تقدیری ہے، اس لیے کہ اصل اسباب اعتبار میں سے ہے، پس

اگر خروج عدل تحقیقی میں تحقیقی ہو تو عدل اسباب اعتباریہ میں سے نہ ہوگا۔

اور علمائے محققین علمائے عامہ کی پہلی دلیل کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ تحقیقاً اور تقدیراً کا قول خروجاً کی صفت باعتبار حال کے ہے۔ اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عدل کی تقسیم تحقیقی اور تقدیری کی طرف باعتبار متعلق کے ہے اور متعلق اصل ہے، باعتبار حال کے نہیں ہے اور خروج حال ہے، لہٰذا تقسیم الشیء الی نفسہ وغیرہ لازم نہیں ہوئی۔ اور تیسری دلیل کا جواب یوں دیتے ہیں کہ عدل تحقیقی وہ ہے جس میں سوائے منع صرف کے اصل وجود پر دلیل پائی جاتی ہو اور دلیل کا پایا جانا بعینہ خروج کے وجود پر دلیل ہونا مسلم نہیں، کیونکہ جائز ہے کہ اصل اور فرع دونوں موجود ہوں اور فرع کا اخراج اصل سے معتبر نہ ہو، جیسے أقوس اور أنیب میں ہے۔

مصنف کافیہ رحمۃ اللہ علیہ عدل کی تقسیم سے فارغ ہو کر اب آگے چل کر عدل تحقیقی اور عدل تقدیری کی مثال دیتے ہیں:۔

کثلث ومثلث والدلیل علی أصلهما أن فی معناهما تکراراً دون لفظهما، والأصل أنه إذا کان المعنی مکرراً یکون اللفظ أیضا مکرراً کما فی جاء نی القوم ثلثة ثلثة، فعلم أن أصلهما لفظ مکرر، وهو ثلثة ثلثة، وکذا الحال فی أحاد وموحد وثناء ومثنی إلی رباع ومربع بلا خلاف، وفیما وراء ها إلی عشار ومعشو خلاف، والصواب مجیّها، والسبب فی منع صرف ثلث ومثلث وأخواتهما العدلِ والوصف.

یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے، اس لیے کہ یہ دونوں الفاظ جب کلام عربی میں غیر منصرف مستعمل ہوتے ہیں اور ان میں سوائے وصفیت کے کوئی اور دوسرا سببِ ظاہر نہیں پایا جاتا اور ایک سبب منع صرف کے لیے کافی نہیں ہے، اس وجہ سے وصفیت کے ساتھ ایک دوسرے سبب کی ضرورت پڑی اور سوائے عدل کے کوئی دوسرا سبب معتبر نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مجبور ہو کر ان دونوں الفاظ میں عدل تحقیقی کو معتبر مانا، کیونکہ عدل تحقیقی اس کو کہتے ہیں جس میں سوائے منع صرف کے اصل کے وجود پر دلیل پائی جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں الفاظ کی اصل کے وجود پر بھی دلیل پائی جاتی ہے اور دلیل ان کی اصل پر یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معنی میں تکرار پایا جاتا ہے، حالانکہ لفظ ان کا مکرر نہیں اور تکرار معنی تکرار لفظ دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ جب معنی مکرر ہوں تو لفظ بھی مکرر ہونا چاہیے، جیسے: جاء القوم ثلثة ثلثة، پس اس سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ کی اصل مکرر ہے، وہ ثلثة ثلثة ہے، اسی طرح احاد وموحد وثناء ومثنی ورباع اور مربع۔

میں بھی قیاس کرنا چاہیے بغیر اختلاف کے اور ان الفاظ کے علاوہ عشار اور معشر تک میں علماء کا اختلاف ہے، یعنی بعض حضرات کہتے ہیں کہ عشار معشر وغیرہ کے الفاظ میں تکرار لفظ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان الفاظ کے اصول میں بھی تکرار ہوتا ہے اور ثلث ومثلث وغیرہ الفاظ کے منع صرف کے اسباب میں ایک عدل ہے، دوسرا وصف ہے۔

لأن الوصفية العرضية التي كانت في ثلثة ثلثة صارت أصلية في ثلث ومثلث لاعتبارها فيما وضعا له.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ منع صرف کی سببیت میں وصف اصلی معتبر ہے، وصف عرضی نہیں اور ثلثة ثلثة میں وصف عرضی ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا کہ ثلثة ثلثة کا وصف اگرچہ عارضی تھا، لیکن اسم معدول یعنی ثلث اور مثلث میں آکر اصلی ہوگیا، کیونکہ عدل بمنزلہ وضع ثانی کے ہے، گویا ثلث اور مثلث میں وصف کی وضع ہوئی ہے، لہذا اب یہ وصف منع صرف کا سبب بن سکتا ہے۔

وأخر جمع أخرى مؤنث آخر، وآخر اسم التفضيل.

یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے، کیونکہ عدل تحقیقی وہ ہے جس کے اصل کے وجود پر سوائے منع صرف کے دلیل پائی جائے اور اس لفظ کی اصل پر دلیل یہ ہے کہ یہ أخر جمع أخرى مؤنث أخر کی ہے اور آخر اسم تفضیل ہے۔

لأن معناه في الأصل أشد تأخرا، ثم نقل إلى معنى غير.

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ آخر کا اسم تفضیل ہونا مسلم نہیں، اس لیے کہ اسم تفضیل موصوف کی زیادت پر دلالت کرتا ہے، یعنی اسم تفضیل میں زیادت کے معنی پائے جاتے ہیں اور آخر بمعنی غیر کے ہیں، جیسے: جاء ني زيد آخر القوم، دیکھیے اس مثال میں آخر کے معنی غیر کے ہوئے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ آخر اصل میں بمعنی أشد تأخراً کے تھا، پھر استعمال کے عارض سے بمعنی غیر کے ہوا اور عارض کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس لیے اس کا اسم تفضیل ہونا ثابت ہوا۔

وقياس اسم التفضيل أن يستعمل باللام أو الإضافة أو كلمة من، وحيث لم يستعمل

بواحد منها علم أنه معدول من أحدها، فقال بعضهم: إنه معدول عما فيه اللام أي عن الأخر، وقال بعضهم: هو معدول عما ذكر معه "من" أي عن أخر من.

اور اسم تفضیل کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مستعمل بالألف واللام ہو، دوسرا یہ کہ مستعمل بالاضافت ہو، تیسرا یہ کہ مستعمل بکلمہ من ہو اور یہاں یہ أخر کا لفظ ان تین طریقوں میں سے ایک سے بھی مستعمل نہیں ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ضرور مستعمل ہے۔ پس بعض نے کہا ہے کہ یہ أخر کا لفظ اس اسم تفضیل سے معدول ہے جس میں الف ولام ہو، یعنی الآخر سے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس سے معدول ہے جس کے ساتھ من کا کلمہ مذکور ہو، یعنی أخر من۔

وإنما لم يذهب إلى تقدير الإضافة لأنها توجب التنوين أو البناء أو إضافة أخرى مثلها، نحو: حينئذٍ، وقبل، ويا تيم تيم عدي، وليس في أخر شيء من ذلك، فتعين أن يكون معدولاً عن أحد الأخرين.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ أخر کا لفظ اس اسم تفضیل سے معدول کیوں نہیں مانا جاتا ہے جو مستعمل بالاضافت ہو، جیسے: أخر القوم میں ہے، یعنی یہ أخر کی اصل کیوں نہیں ٹھہرائی جاتی ہے؟

شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا أخر کی اصل وہ اسم تفضیل جو مستعمل بالاضافۃ ہو اس لیے ٹھہرائی نہیں جاسکتی ہے کہ اس میں تین فائدے ہونے چاہئیں، اول تنوین کا وجوب، دوم بنا، سوم دوسری اضافت جیسے حینئذٍ میں حین کی اضافت سے مضاف الیہ میں تنوین واجب ہوا ہے۔ اور قبل میں بنا اور تیم تیم عدی میں دوسری اضافت کی مثل کی طرف اضافت لازم آئی ہے اور أخر کے لفظ میں نہ تنوین ہے، نہ بنا اور نہ اضافت ہے، پس اس کا معدول ہونا اس اسم تفضیل سے جو مستعمل باللام ہو، یا مستعمل بکلمہ من ہو، متعین ہوا، لہذا لفظ أخر کا غیر منصرف ثابت ہوا اور اسباب منع صرف کے اس میں دو ٹھہرائے گئے ہیں، ایک عدل تحقیقی، دوسری صفت۔

وجُمَعُ جمع جمعاء مؤنث أجمع وكذلك كتع وبتع وبصع، وقياس فعلاء مؤنث أفعل إن كانت صفة أن تجمع على فعل كحمراء على حمر، وإن كانت اسما أن تجمع على فعالى أو فعلاوات كصحراء على صحاري أو صحراواتٍ، فأصلها إما جمع أو جماعى أو جمعاوات فإذا اعتبر

إخراجها عن واحدة منها تحقق العدل فأحد السببين فيها العدل التحقيقي والآخر الصفة الأصلية۔

یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے اس لئے کہ یہ جُمَعُ کا لفظ کلام عربی میں غیر منصرف مستعمل ہوتا ہے اور اس میں سوائے وصف کے کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں پایا جاتا ہے اور ایک سبب منع صرف کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے اس میں عدل تحقیقی معتبر ماننے کی ضرورت پڑی اور عدل تحقیقی وہ ہے جس میں معدول عنہ کی اصل کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہو اور یہاں جُمَعُ کے اصل کے وجود پر دلیل یہ ہے کہ یہ جمعاء کی جمع ہے جو مؤنث أجمع کی ہے اور اسی طرح کتع بتع بصع کو بھی قیاس کرنا چاہئے یعنی کتع جمع کتعاء بتع جمع بتعاء بصع جمع بصعاء کی ہوگی اور فعلاء مؤنث أفعل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر فعلاء کا لفظ صفتی ہو تو اس کی جمع فعلٌ کے وزن پر ہوگی جیسے حمراء کی جمع حمرٌ کے وزن پر آتی ہے اور اگر یہ لفظ فعلاء کا اسمی ہو تو اس وقت اس کی جمع فعالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آئے گی جیسے کہ صحراء کی جمع صحاریٰ یا صحروات آتی ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ جمع کی اصل یا جمعٌ ہے یا جماعی ہے یا جمعاوات ہے اور یہ لفظ ان تین لفظوں میں سے ایک لفظ سے ضرور مخرج مانا جائے گا پس جب اس کا اخراج ان لفظوں میں سے ایک لفظ سے معتبر مانا گیا تو عدل کا تحقق لازمی ہو گیا پس جمع کے لفظ میں دو سبب منع صرف کے ثابت ہو گئے ایک عدل تحقیقی، دوسرا وصف اصلی۔

وان صارت بالغلبة في باب التاكيد اسما وفي أجمع وأخواته أحد السببين وزن الفعل والآخر الصفة الأصلية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أجمع کا لفظ تاکید معنوی کے الفاظ میں سے ہے پس یہ وصف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ درمیان وصف اور تاکید کے منافات ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ أجمع کا لفظ اصل میں وصف تھا اگرچہ تاکید کے باب میں اس کا استعمال اسمیت سے غالب ہوا ہے یعنی تاکید کے باب میں آ کر اسم مستعمل ہوا ہے اور اسمیت کا غلبہ وصف کو منع صرف کے سبب سے نہیں نکال سکتا لہٰذا أجمع اور اس کے دوسرے اخوات میں دو سبب منع صرف کے ثابت ہو گئے ایک وزن فعل دوسرا صفت اصلی۔

وعلى ما ذكرنا لا يرد الجموع الشاذة كأنيب وأقوس فإنه لم يعتبر إخراجهما عما هو القياس فيهما كالأنياب والأقواس، كيف ولو اعتبر جمعهما أولا على أنياب وأقواس فلا شذوذ

فی هذه الجمعية۔

اس عبارت میں شارح نے عدل کی تعریف کی مانعیت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جب ہم نے اوپر یہ ثابت کیا ہے کہ عدل اسم کا اپنی صیغۂ اصلی سے قیاس کے مطابق نکلنا ہے تو اب جموع شاذہ جیسے أنیب وأقوس سے عدل کی تعریف پر مانعیت کا سوال وارد نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ان لفظوں کا اخراج قیاس کے مطابق أنیاب اور أقواس سے ہونا چاہئے تھا لیکن اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے پھر کس طرح ان پر عدل کی تعریف صادق آ سکتی ہے اور اگر یہ الفاظ اول أنیاب اور أقواس کے وزن پر جمع کئے جاویں تو اس صورت میں ان لفظوں کی جمعیت میں شذوذ نہیں رہتا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ مذکورہ بالا خلاف قیاس جمع آئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو جموع شاذہ کہتے ہیں۔

ولا قاعدة للاسم المخرج ليلزم من مخالفتها الشذوذ فمن أين يحكم فيهما بالشذوذ؟ ومن هذا تبين الفرق بين الشاذ والمعدول۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ جائز ہے کہ اسم معدول کا کوئی قاعدہ ہو اور اس کے اس قاعدہ کے مخالفت کی بنا پر اس کو شاذ کہا جاتا ہو، نہ اس بنا پر کہ وہ اپنے صیغۂ اصلی سے خلاف قیاس نکلا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم معدول کے لئے جو اپنے صیغۂ اصلی سے نکلا ہو کوئی قاعدہ مقرر نہیں جس کی مخالفت سے اس میں شذوذ آئے پس انیب اور اقوس اگر اپنے صیغوں سے قیاس کے مطابق نکلے ہوئے ہوتے تو ان میں شذوذ کا حکم نہیں لگایا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو جموع شاذہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خلاف قیاس جمع ہوئے ہیں اور اس تقریر سے درمیان شاذ اور معدول کے فرق بھی معلوم ہوا یعنی شاذہ وہ اسم ہے جو خلاف قیاس ہو اور معدول وہ اسم ہے جو قیاس کے مطابق ہو۔

أو تقديراً أي خروجا كائنا عن أصل مقدر مفروض يكون الداعي إلى تقديره وفرضه منع الصرف لا غير۔

اس میں تقديراً کے لفظ کی منصوب ہونے کی وجہ اوپر تحقیقاً کی شرح میں بطور سوال و جواب تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے ملاحظہ ہو یعنی عدل اسم کا اپنی اصلی صیغہ مفروضہ سے نکلنا ہے جس کی تقدیر اور فرض کا باعث منع صرف ہی ہو، نہ کہ کوئی دوسرا سبب یعنی اگر اس اسم معدول کی اصل مفروض ہو تو یہ عدل تقدیری ہے۔

كعمر وكذلك زفر فإنهما لما وجدا غير منصرفين ولم يوجد فيهما سبب ظاهر إلا

العلمية اعتبر فيهما العدل ولما توقف اعتبار العدل على وجود الأصل ولم يكن فيهما دليل على وجوده غير منع الصرف قدر فيهما أن أصلهما عامرٌ وزافر عدلا عنهما إلى عمر وزفر۔

یہ عدل تقدیری کی مثال ہے اس لئے کہ جب یہ اسماء کلام عربی میں غیر منصرف مستعمل ہوتے ہیں اوران میں سوائے علمیت کے کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں ہے اور ایک سبب منع صرف کے لئے کافی نہیں ہے پس اس کے ساتھ میں ایک دوسرے سبب کے معتبر ماننے کی ضرورت پڑی چونکہ علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب اسباب منع صرف میں سے سبب نہیں ہوسکتا تھا اس لئے مجبور ہوکر ان میں عدل تقدیری معتبر مانا اور عدل تقدیری اس کو کہتے ہیں جس میں سوائے منع صرف کے اصل کے وجود پر دلیل نہ پائی جائے اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں بھی عمر اور اسی طرح زفر کی اصل کے وجود پر سوائے منع صرف کے کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اس لئے کہ جب یہ دونوں اسماء عربی کلام میں غیر منصرف مستعمل پائے جاتے ہیں اور ان میں سوائے علمیت کے کوئی دوسرا سبب نہیں پایا جاتا، پس بدرجہ مجبوری ان میں عدل تقدیری معتبر مانا گیا اور چونکہ ان اسماء کے اصل کے وجود پر عدل کا اعتبار موقوف ہے اور ان میں اصل کے وجود پر سوائے منع صرف کے کوئی دوسری دلیل نہیں ہے اس لئے ان میں فرض کیا گیا کہ ان اسماء کی اصل معدول عنہ عامر اور زافر ہے اور یہ دونوں اسماء اس اصل سے نکل کر عمر اور زفر بنے لہذا یہ دونوں اسماء غیر منصرف ثابت ہوئے اور اسباب منع صرف میں سے ان میں دو سبب عدل تقدیری اور علمیت متحقق ہوگئے۔

ومثل۔

اس میں مثل کے بڑھانے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کہ عمر کے ساتھ مشاکلت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مثل کا لفظ شارح نے بڑھایا ہے یعنی عمر کا لفظ جس میں عدل تقدیری ہے مجرور بکاف مثلی ہے اس طرح یہاں بھی قطام کے لفظ میں عدل تقدیری ہے اس کے ساتھ شارح نے مثل کا لفظ بڑھایا تاکہ عمر کے ساتھ مشاکلت حاصل ہو جائے۔

باب قطام۔

یہ بھی عدل تقدیری کی مثال ہے۔

المعدولة من قاطمة۔

یعنی یہ قطام کا لفظ قاطمة کے لفظ سے معدول ہے لہذا یہ بھی غیر منصرف ہوا اس لئے کہ اس میں اسباب منع

صرف میں سے دوسبب تانیث یاعلیت اورعدل تقدیری ہےاوراس لفظ کوقـاطم سے جوبغیرتاء ہےاس لئے معدول نہیں کیا کہ اس میں تانیث ہےاس لئے کہ یہ عورت کا نام ہے پس ضروری ہے کہ اس کا معدول عنہ بھی مؤنث ہواس لئے قاطمة سےمعدول مانانہ قاطم سے۔

وأراد ببابها كل ما هو على فعال علماً للأعيان المؤنثة من غير ذوات الراء.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قطام کے باب سے مرادتمام وہ اسماء ہیں جوفعال کے وزن پرآئے ہوں حالانکہ ایسانہیں ہے کیونکہ بہت سے اوزان اس قسم کےمبنی بھی آتے ہیں جیسے نزال،فجار،حضار وغیرہ یہ سب الفاظ مبنی ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قطام کے باب سے مرادتمام وہ اسماء ہیں جوفعال کے وزن پرآئے ہوں لیکن وہ اعیان مؤنثہ کے علم میں ہوں بغیر ذوات الراء کےاور یہ اوپر والے اسماء مذکورہ اگر چہ فعال کے وزن پرآئے ہیں لیکن یہ ذوات الراء ہیں اس لئے یہ مبنی ٹھہرے۔

في لغة بني تميم.

اس میں شارح نے لغة کالفظ بڑھاکرایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قطام کے غیر منصرف ہونے کے لئے بنی تمیم کی ظرفیت محال ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ قطام بنی تمیم میں غیرمنصرف ہے اور یہ معنی ظاہر ہے کہ صحیح نہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ قطام کے غیرمنصرف ہونے کے لئے بنی تمیم کی لغت ظرف ہے نہ بنی تمیم۔اس تقدیر پرمعنی یہ ہیں کہ قطام بنی تمیم کی لغت میں غیرمنصرف مستعمل ہوتا ہےاب یہ معنی صحیح ہوئے۔

فإنهم اعتبروا العدل في هذا الباب حملا له على ذوات الراء في الأعلام المؤنثة مثل حضار وطمار فإنهما مبنيتان وليس فيهما إلا السببان: العلمية والتأنيث والسببان لا يوجبان البناء فاعتبروا فيهما العدل لتحصيل سبب البناء فلما اعتبروا فيهما العدل لتحصيل سبب البناء اعتبروا فيها عداهما مما جعلوه معربا غير منصرف أيضا حملا له على نظائره مع عدم الاحتياج إليه لتحقق السببين لمنع الصرف العلمية والتانيث فاعتبار العدل فيه إنما هو للحمل على نظائره لا لتحصيل سبب منع الصرف ولهذا يقال ذكر باب قطام ههنا ليس في محله لأن الكلام فيما قدر

فيه العدل لتحصيل سبب منع الصرف۔

اس عبارت میں شارح قطام کے غیر منصرف ہونے کی بنی تمیم کے لغت میں دلیل اور وجہ بتانا چاہتے ہیں کہ لغت بنی تمیم میں قطام کے باب میں عدل تقدیری معتبر مان کے قطام کو غیر منصرف اس لئے ٹھہرایا ہے کہ یہ اعلام مؤنثہ ذوات الراء پر محمول ہے جیسے حضار، طمار کیونکہ یہ دونوں الفاظ مبنی ہیں اور حالانکہ ان میں سوائے علمیت اور تانیث کے کوئی سبب بنا کا نہیں پایا جاتا اور یہ علمیت اور تانیث بنا کی موجب نہیں ہیں لہذا مجبور ہو کر ان دو لفظوں میں بناء کے سبب کو حاصل کرنے کے لئے عدل کو معتبر مانا پس جب ان دو لفظوں میں بناء کے سبب حاصل کرنے کے لئے عدل کو معتبر مانا، تو ان کے علاوہ معرب غیر منصرف اسماء میں بھی عدل کو معتبر کر لیا تا کہ اس سے ایک نظیر کا حمل دوسری نظیر پر ہو جائے یعنی غیر منصرف مبنی کی نظیر ہے جب مبنی میں بنا کے سبب حاصل کرنے کے لئے عدل تقدیری معتبر مانا گیا تو اسی طرح غیر منصرف میں بھی غیر منصرف کر دینے کے لئے عدل تقدیری معتبر سمجھا گیا تا کہ ایک نظیر کا حمل دوسری نظیر پر ہو باوجود اس کے کہ یہاں قطام کے عدل معتبر ماننے کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس میں دو سبب منع صرف کے یعنی علمیت اور تانیث متحقق ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ اس قطام میں عدل تقدیری کا معتبر ماننا صرف نظائر پر حمل کرنے کے لئے ہے۔ اسباب منع صرف حاصل کرنے کے لئے نہیں کیونکہ اسباب منع صرف اس میں حاصل ہیں اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قطام کے باب کا ذکر یہاں اپنے محل پر نہیں کیونکہ کلام اس میں تھا کہ جس میں منع صرف کے سبب حاصل کرنے کے لئے عدل تقدیری معتبر مانا جائے۔

وإنما قال: في بني تميم لأن الحجازين يبنونه فلا يكون مما نحن فيه۔

اس عبارت میں شارح نے بنی تمیم کی لغت میں قطام کے غیر منصرف ہونے کی خصوصیت کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ مصنف نے بنی تمیم کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ حجازین اس لفظ کو مبنی سمجھتے ہیں پس اس تقدیر پر مما نحن فیہ سے نہیں ہوا یعنی غیر منصرف نہیں ہے بلکہ مبنی ٹھہرا یہ وجہ ہے بنی تمیم کی خصوصیت کی۔

والمراد من بني تميم أكثرهم فإن الأقلين منهم لم يجعلوا ذوات الراء مبنية بل جعلوها غير منصرفة فلا حاجة إلى اعتبار العدل فيها لتحصيل سبب البناء وحمل ما عداها عليها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا کہ بنی تمیم قطام کو غیر منصرف مستعمل کرتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بعضے بنی تمیم ذوات الراء کو بھی غیر منصرف سمجھتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بنی تمیم سے مراد اکثر ہیں کیونکہ کم لوگ ان میں ایسے ہیں جو ذوات الراء کو مبنی نہیں مانتے ہیں بلکہ غیر منصرف سمجھتے ہیں پس اس تقدیر پر ذوات الراء میں بناء کے سبب کو حاصل کرنے اور ان پر ماعدا کا حمل کرنے اور عدل کے معتبر ماننے کی حاجت اور ضرورت نہیں۔

الوصف وهو كون الاسم دالا على ذات مبهمة مأخوذة مع بعض صفاتها سواء كانت هذه الدلالة بحسب الوضع مثل أحمر فإنه موضوع لذات ما أخذت مع بعض صفاتها التي هي الحمرة أو بحسب الاستعمال مثل أربع في مررت بنسوة أربع فإنه موضوع لمرتبة معينة من مراتب العدد فلا وصفية فيه بحسب الوضع بل قد تعرضه الوصفية كما في المثال المذكور فإنه لما اجرى فيه على النسوة التي هي من قبيل المعدودات لا الأعداد علم أن معناه مررت بنسوة موصوفة بالأربعية وهذا معنى وصفي عرض له في الاستعمال لا أصلي بحسب الوضع والمعتبر في سببية منع الصرف هو الوصف الأصلي لإصالته لا العرضي لعرضيته فلذلك قال المصنف:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وصف کا اسباب منع صرف سے شمار کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ وصف نحوی کی اصطلاح میں وہ اسم ہے جو ذات مبہمہ ماخوذ مع بعضے صفات پر دلالت کرے اور وہ ذات ہے اور اسباب منع صرف اعراض میں سے ہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ وصف سے مراد اسم کا ذات مبہمہ ماخوذ مع بعضے صفات پر دال ہونا ہے خواہ یہ کہ اس کی یہ دلالت بحسب وضع ہو جیسے أحمر میں کہ یہ أحمر کا لفظ اس ذات کے لئے موضوع ہے جو بعض صفات کے ساتھ ماخوذ ہو اور وہ یہاں سرخی ہے یا اس کی دلالت بحسب استعمال ہو جیسے کہ أربع کے لفظ میں جو مررت بنسوة أربع کی مثال میں ہے کہ اس میں یہ أربع کا لفظ شمار کے مراتب میں سے ایک معین مرتبہ کے لئے موضوع ہے اور وہ مرتبہ معینہ وہ ہے جو کہ نہ تین ہو نہ پانچ یعنی درمیان میں ہو پس اس لحاظ سے کہ اس أربع کے لفظ میں باعتبار اصل وضع کے وضع اس مرتبہ معین کے لئے ہے، وصفیت کے لئے نہیں ہے، اس لئے اس میں وصف وضعی نہیں بلکہ عرضی ہے جیسے مثال مذکور مررت بنسوة سے معلوم ہوتا ہے اور اس کا وصف ہونا اس لئے عارضی ہے کہ جب اس أربع کی نسبت بنسوة کی طرف ہوگئی اور وہ معدودات میں سے ہے، عدد میں سے نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مثال مذکور کے معنی یہ ہیں کہ ان عورتوں پر ہو کر گزرا جو موصوف باربعیت ہیں اور یہ معنی اس أربع کے لفظ کے لئے استعمال میں وصفی ہیں بحسب وضع نہیں یعنی

جب اس لفظ سے پہلے موصوف بنسوۃ مقدر مانا گیا اور یہ لفظ اس موصوف کے لئے صفت ٹھہرائی گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی وصفیت باعتبار استعمال کے ہے باعتبار وضع کے نہیں اور منع صرف کی سببیت میں وہ وصف اصلی معتبر ہے جو وضعی ہو اور زائل نہ ہوتا ہو، وہ وصف عرضی معتبر نہیں ہے جو عارض سے زائل ہوتا ہو جیسے یہاں أربع کے لفظ کی نسبت بنسوۃ کی طرف معتبر نہ مانی جائے تو یہ لفظ صرف اپنی وضعی معنی یعنی شمار پر دلالت کرے گا اسی وجہ سے مصنف کافیہ نے شرطه أن یکون فی الأصل کے قول میں وصف اصلی کو شرط ٹھہرایا ہے۔

شرطه أی شرط الوصف فی سببیة منع الصرف۔

اس میں شارح نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ شرطہ کی ضمیر مجرور وصف کی طرف لوٹتی ہے یعنی منع صرف کی سببیت میں وصف کا اصلی وضعی ہونا شرط ہے۔

أن یکون وصفاً فی الأصل الذی هو الوضع۔

اس عربی عبارت میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اصل کا لفظ جب وصف کے مقابلہ میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد موصوف لیا جاتا ہے اور یہ معنی وصف عارضی میں بھی پائے جا سکتے ہیں تو چاہئے کہ وصف عرضی بھی منع صرف کے لئے سبب بنے حالانکہ وصف عرضی منع صرف کے لئے سبب نہیں بن سکتا؟

شارح نے جواب دیا کہ یہاں اصل سے مراد موصوف نہیں بلکہ وضع ہے۔

بأن یکون وضعه علی الوصفیة لا أن تعرضه الوصفیة بعد الوضع فی الاستعمال سواء بقی علی وصفیة الأصلیة أو زالت عنه۔

اس عبارت کو بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اصل سے مراد وضع ہے تو اس سے وضع کی ظرفیت وصف کے لئے لازم آئی اور یہ درست نہیں اس لئے کہ ظرف زمان ہوتا ہے یا مکان اور وضع نہ مکان ہے نہ زمان؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فی کا کلمہ جو متن میں ہے یہاں عند کے معنی میں ہے یعنی وصف میں شرط یہ ہے کہ وصفیت اس کی وضع کے وقت ہو اور شارح کی عبارت میں علی بمعنی عند ہے اور وصفیت عرضی جو استعمال میں بعد وضع کے عارض ہوتی ہے وہ منع صرف کی سببیت کے لئے معتبر نہیں بلکہ وہ وصف معتبر ہے جو اصلی وضعی ہو، خواہ وہ وصفیت اصلی پر باقی ہو یا عارضی استعمال سے زائل ہو گیا ہو۔

فلا تضره بأن تخرجه عن سببية منع الصرف۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم کا غلبہ وصف اصلی کو ضرر دیتا ہے اس طرح کہ جب اسم پر اسمیت کے معنی غالب آ جاتے ہیں تو وصف زائل ہو جاتا ہے یعنی وصف کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا پس مصنف کا یہ کہنا کہ وصف اصلی کو غلبہ اسمیت سے ضرر نہیں پہنچتا درست نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وصف اصلی کو غلبۂ اسمیت کے ضرر نہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو منع صرف کی سببیت سے نہیں نکال سکتا یعنی جب وصف اصلی ہو تو اگر اس پر استعمال میں اسمیت غالب ہو جائے تو یہ اس کی سببیت کے لئے مضر نہیں بلکہ وہ وصف اصلی اسمیت کے غلبہ کے بعد بھی سبب بن سکتا ہے۔

الغلبة أي غلبة الاسمية على الوصفية۔

اس میں شارح نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ الغلبة کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اور مضاف الیہ اس کا محذوف ہے وہ اسمیت کا لفظ ہے اور محذوف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کیا ہے یعنی اس وصف اصلی پر اسمیت اگر غالب ہو جائے تو یہ اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے یعنی یہ سببیت سے روک نہیں سکتی۔

ومعنى الغلبة اختصاصه ببعض أفراده.

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب وصف اصلی کو غلبۂ اسمیت نقصان نہیں پہنچاتا تو اس تقدیر پر اگر أسود کا لفظ رجل أبیض کا نام رکھا جائے تو چاہئے کہ یہ أسود کا لفظ اس صورت میں وصفیت اور وزن فعل کے وجود کی بنا پر غیر منصرف مانا جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ لفظ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسمیت کے غلبہ کے معنی وصف کے بعض افراد سے مختص ہونے کے ہیں یعنی غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اسم کے بعض افراد کے ساتھ وصف کی خصوصیت ہو اور رجل أبیض چونکہ أسود کے افراد میں سے نہیں ہے اس لئے یہاں وصف کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ علمیت اور وزن فعل کا اعتبار ہے۔

بحيث لا يحتاج في الدلالة عليه إلى قرينة كما أن أسود كان موضوعاً لكل ما فيه سواد ثم كثر استعماله في الحية السوداء بحيث لا يحتاج في الفهم عنه إلى قرينة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أسود کا لفظ علمیت اور وزن فعل کی

وجہ سے غیر منصرف ہے اور وصف کا اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ رجل أبیض، أسود کے افراد میں سے نہیں ہے لہذا چاہئے کہ أسود رجل أسود کا نام رکھا جائے تو اس صورت میں رجل أسود، أسود کے افراد میں سے ہو جائے گا پس چاہئے کہ اس صورت میں یہ أسود کا لفظ بوجہ پائے جانے وصف اصلی اور وزن فعل کے غیر منصرف ہو، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ لفظ اس وقت بھی وزن فعل اور علمیت کے وجود کی بنا پر غیر منصرف مانا جاتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معنیٰ غلبہ کے اسم کے بعض افراد کے ساتھ خصوصیت کے ہیں اس حیثیت سے کہ جب اسم اس وصف پر دلالت کرے تو دلالت کرنے میں قرینہ کے انضمام کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ ہو اور یہ أسود کا لفظ اس صورت مذکورہ میں قرینہ کا محتاج ہے اور قرینہ موصوف کا ذکر کرنا ہے جیسے بقرٌ اسود دیکھئے اس مثال میں بقر موصوف کے انضمام کے قرینہ سے أسودٌ کے لفظ نے اپنے معنی پر دلالت کی اس لئے کہ یہ أسود کا لفظ ہر اس چیز کے لئے موضوع ہے جس میں سیاہی ہو پھر اس کا استعمال کالے سانپ کے معنی میں کثرت سے مقرر ہوا ہے یعنی اب یہ کالے سانپ کا نام ہے اور کالے سانپ پر دلالت اس طرح کرتا ہے کہ یہ لفظ بول کر اس سے بغیر قرینہ کے انضمام کے سانپ ہی سمجھ میں آتا ہے قرینہ کی یہاں کوئی حاجت اور ضرورت نہیں لہذا یہ لفظ علمیت اور وزن فعل کی بنا پر غیر منصرف ہوا۔

فلذلک المذکور من اشتراط إصالة الوصفية وعدم مضرة الغلبة۔

اس عبارت سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اوپر کی عبارت میں مصنف کافیہ نے دو امروں کا ذکر کیا ہے۔ ایک وصف اصلی کا شرط ہونا، دوسرا وصف اصلی کو غلبۂ اسمیت کا نقصان نہ پہنچانا۔ یہاں ذلك کے اشارہ میں ان دو امروں کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ اشارہ درست نہیں اس لئے کہ مشار الیہ تثنیہ ہے اور اشارہ واحد لہذا اس تقدیر پر درمیان مشار الیہ اور اشارہ کے مطابقت نہیں ہوئی پس مصنف کو چاہئے تھا کہ بجائے ذلك کے ذانك لکھتے تاکہ درمیان مشار الیہ اور اشارہ کے مطابقت ہو جاتی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وہ دو امر مؤول بلفظ مذکور ہے اور مذکور کا لفظ واحد ہے لہذا اس تقدیر پر درمیان مشارٌ الیہ اور اشارہ کے مطابقت ہوئی۔ یعنی جب وصف اصلی منع صرف کے سببیت کے لئے شرط ہے اور وصف جب اصلی ہو تو اس کو غلبۂ اسمیت ضرر نہیں پہنچاتا اس لئے أربعٌ کا لفظ منصرف مانا جائے گا کیونکہ اس میں وصف اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے اور عارضی وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔

صرف لعدم إصالة الوصفية أربع في قولهم مررت بنسوة أربع۔

یعنی مررت بنسوة أربع کےقول میں أربعٌ کالفظ منصرف ہے کیونکہ اس کی وصفیت اس ترکیب میں عارضی ہےاس لئے کہ یہ لفظ اصل وضع میں ایک مرتبہ معینہ کے لئے موضوع ہےاور وہ مرتبہ یہ ہے کہ جو تین کے اوپر اور پانچ کے نیچے ہو اور شارح نے ترکیب مذکور مررت بنسوة میں جو قول کا لفظ بڑھایا ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب دینے کے لئے ہے سوال یہ ہے کہ صرف کا فاعل یہ کل جملہ مذکورہ معلوم ہوتا ہے، حالانکہ کل جملے کا منصرف ہونا مقصود نہیں بلکہ صرف أربع کا انصراف بتانا مقصود ہے؟

شارح نے أربع اور قول کا لفظ بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ اس ترکیب مذکور میں صرف أربع ہی کے لفظ کا منصرف بتانا مقصود ہے۔

وامتنع من الصرف لعدم مضرة الغلبة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أسود اور أرقم کے منع ہونے کی نسبت درست نہیں کیونکہ ان دولفظوں کے وجود میں کوئی امتناع نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ امتناع کا فاعل محذوف صرف کا لفظ ہے یعنی أسود اور أرقم اور أدھم کے الفاظ کا منصرف ہونا منع ہے اس لئے کہ ان الفاظ میں وصف اصلی موجود ہے باعتبار اصل وضع کے اگر چہ اب ان میں اسمیت کا غلبہ ہوا ہے لیکن یہ غلبہ اسمیت ان اسماء مذکورہ کے غیر منصرف ہونے کو ضرر نہیں دے سکتا ہے لہذا یہ اسماء غیر منصرف ٹھہرے اور اسباب منع صرف ان میں ایک وصف اصلی، دوسرا وزن فعل ہے۔

أسود وأرقم حيث صارا اسمين للحية ، الأول للحية السوداء، والثانی للحية التی فيها سواد وبياضٌ۔

یعنی أسود وأرقم اب استعمال میں سانپ کے نام ہو گئے ہیں، اول کالے سانپ کا نام ہے، دوسرا اس سانپ کو کہتے ہیں جس میں سیاہی وسفیدی پائی جائے یعنی أبلق سانپ کا نام ہے۔

وأدهم حيث صار اسماً للقيد من الحديد لما فيه من الدهمة أعنی السواد۔

یعنی أدھم اصل وضع میں ہر سیاہ چیز کا نام تھا اب یہ لفظ استعمال میں لوہے کی بیڑی کا نام مقرر ہوا اس لئے کہ لوہے میں بھی سیاہی پائی جاتی ہے۔

فإن هذه الأسماء وإن خرجت عن الوصفية لغلبة الاسمية لكنها بحسب أصل الوضع

أوصاف لم يهجر استعمالها في معانيها الأصلية أيضاً بالكلية، فالمانع من الصرف في هذه الأسماء الصفة الأصلية ووزن الفعل، وأما عند استعمالها في معانيها الأصلية فلا إشكال في منع صرفها لوزن الفعل والوصف في الأصل والحال۔

اس عبارت میں شارح أسود اور أرقم اور أدهم کے غیر منصرف ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ یہ اسماء غیر منصرف ہیں اگر چہ بوجہ استعمال کے غلبۂ اسمیت سے یہ اپنے وضعی معانی میں مستعمل نہیں بلکہ استعمال کے عارض سے وضعی معانی سے خارج ہوگئے ہیں۔لیکن یہ اسماء اصل وضع میں اوصاف ہیں ان کا استعمال اپنے اصلی وضعی معانی میں بھی ہوتا ہے حالت اسمیت میں بالکل معنی وصفی میں ان کا استعمال متروک بھی نہیں ہے یعنی اسمیت کی حالت میں بھی ان کی وصفیت کا لحاظ کیا جاتا ہے اوپر مثالوں میں غور کرنا چاہئے دیکھئے أسود اور أرقم کالے اور أبلق سانپوں کا نام ہے چونکہ أسود کالے اور أرقم أبلق سانپ کا نام ہے اس لئے ان الفاظ میں وہی اصلی وصف سیاہی اور ابلقی وقت اسمیت میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، پس ان اسماء میں منصرف ہونے کا مانع ایک وصف اصلی، دوسرا وزن فعل ہے اور اگر یہ اسماء اپنے اصلی وضعی معانی میں مستعمل کردیئے جائیں تو اس وقت ان کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا بوجہ پائے جانے وزن فعل اور وصف اصلی اور حالی کے یعنی جب یہ اسماء اپنے اصلی معانی میں مستعمل ہوں تو ان میں ایک وزن فعل، دوسرا وصف ہوگا اور یہ وصف وضع میں بھی معتبر تھا اور اب استعمال میں بھی ملحوظ رکھا گیا لہذا یہ وصف اصلی وحالی ہوگیا اور غیر منصرف ہونے کے لئے ایک قوی سبب بن گیا۔

وضعف منع أفعى اسما للحية على زعم وصفيته لتوهم اشتقاقه من الفعوة التي هي الخبث وكذلك منع۔

جب اوپر مصنف کافیہ یہ ثابت کر چکے کہ أسود اور أرقم اور أدهم کے الفاظ بوجہ پائے جانے وزن فعل اور وصف اصلی یا حالی کے غیر منصرف ہیں تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ أفعى اور أجدل اور أخيل کے الفاظ بھی غیر منصرف ہونا چاہئیں حالانکہ ان الفاظ میں غیر منصرف اور منصرف ہونے میں اختلاف ہے مصنف نے خود ہی اس اعتراض کا جواب دیا کہ أفعى کا غیر منصرف ہونا اور اسی طرح أجدل اور أخيل کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے یعنی ان اسماء کا منصرف ہونا قوی ہے کیونکہ ان کی وصفیت میں شک ہے اس لئے کہ أفعى کے فعوة سے جس کے معنی أخبث کے ہیں مشتق ہونے میں وہم ہے یعنی یقینی نہیں اس وہم کی بنا پر اس لفظ کا غیر منصرف ہونا ضعیف اور منصرف ہونا قوی ہوا

اور افعی اژدھے کا نام ہے اسی طرح أجدل کا بھی منصرف ہونا قوی اور غیر منصرف ہونا ضعیف ہے۔

أجدل للصقر علی زعم وصفیته لتوهم اشتقاقه من الجدل بمعنی القوة۔

یعنی أجدل کا لفظ بھی غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی وصفیت میں شک ہے کیونکہ اس کے جدل سے جس کے معنی قوت کے ہیں مشتق ہونے میں وہم ہے یعنی اس کا جدل سے مشتق ہونا یقینی نہیں ہے اس لئے اس لفظ کا بھی غیر منصرف ہونا ضعیف ہوا۔

وأخیل للطائر أی لطائر ذی خیلان علی زعم وصفیته لتوهم اشتقاقه من الخال۔

یعنی أخیل کا بھی غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے جو خال والے پرندہ کا نام ہے کیونکہ اس کی وصفیت میں بھی شک ہے اس لئے کہ اس لفظ کا خال سے مشتق ہونا موہوم ہے اس وہم کی بنا پر اس لفظ کا غیر منصرف ہونا ضعیف اور منصرف ہونا قوی ہوا۔

ووجه ضعیف منع الصرف فی هذه الأسماء عدم الجزم بکونها أوصافا أصلیة، فإنها لم یقصد بها المعانی الوصفیة مطلقا لا فی الأصل ولا فی الحال۔

اس عبارت میں شارح اسمائے مذکورہ بالا کے غیر منصرف ہونے کے ضعف کی دلیل اور وجہ بتانا چاہتے ہیں یعنی ان اسماء کے غیر منصرف ہونے کے ضعف کی وجہ ان کے اوصاف اصلی ہونے کا عدم یقین ہے یعنی چونکہ ان اسماء کی وصفیت کا یقین نہیں اس لئے ان کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہوا کیونکہ ان اسماء میں ان کے معنی وصفی نہ اصل وضع میں مقصود ہیں نہ حال میں، اس لئے ان اسماء کا منصرف ہونا زیادہ قوی ہوا۔

مع أن الأصل فی الاسم الصرف۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح ان اسماء کے اوصاف ہونے کا یقین نہیں اسی طرح اوصاف نہ ہونے کا بھی یقین نہیں ہے لہذا دونوں طرفین مساوی ہوئے یعنی غیر منصرف ہونا اور منصرف ہونا دونوں برابر ہوگئے پس منصرف ہونے کو ترجیح دینا یہ ترجیح بلا مرجح ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان اسماء کے منصرف ہونے کی ترجیح یہ ہے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے یعنی چونکہ یہ الفاظ مذکورہ نہ اصل میں وصفی معانی میں مستعمل ہیں اور نہ استعمال میں باوجودیکہ اصل اسماء میں انصراف ہوتا ہے، اس لئے ان الفاظ کا منصرف ہونا قوی اور غیر منصرف ہونا ضعیف ہوا۔

التأنيث اللفظي الحاصل۔

شارح نے اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح تانیث لفظی تاء سے ہوتی ہے، اسی طرح تانیث معنوی بھی تاء کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ تانیث معنوی میں تاء معتبر مانی جاتی ہے اور مقدر کالملفوظ ہوتا ہے پس اس تقدیر پر تانیث لفظی کا مقابلہ تانیث معنوی کے ساتھ درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں تانیث سے مراد تانیث لفظی ہے جو تاء سے حاصل ہو۔اب جب لفظی کی قید مقدر مانی گئی تو معنوی کا مقابلہ درست ہوگیا۔

بالتاء لا بالألف فإنه لا شرط له۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یہاں تانیث سے مراد وہی تانیث ہے جو لفظی تاء سے حاصل ہو، نہ وہ تانیث جو الف ممدودہ یا مقصورہ سے حاصل ہو کیونکہ الف ممدودہ اور مقصورہ کی تانیث سے سببیت کے لئے کوئی شرط نہیں ہے بخلاف تانیث بالتاء کے کہ اس کی سببیت مشروط بعلمیت ہے۔

شرطه في سببية منع الصرف العلمية أي علمية الاسم المؤنث ليصير التأنيث لازما؛ لأن الأعلام محفوظة عن التصرف بقدر الإمكان ولأن العلمية وضع ثان وكل حرفٍ وضعت الكلمة عليه لا ينفك من الكلمة۔

اس عبارت میں شارح تانیث لفظی کی سببیت کی شرط کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ تانیث لفظی کی منع صرف کے سببیت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اسم جس میں تانیث کے معنی پائے جائیں علم بھی ہو، تا کہ علمیت کی وجہ سے اس کی تانیث لازم ہوجائے کیونکہ اعلام بقدر امکان یعنی جہاں تک ہو سکے تغیر اور تبدل سے محفوظ ہوتے ہیں جب اس اسم مؤنث میں علمیت شرط مانی جائے گی تو علمیت کی وجہ سے اب اس کی تانیث میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوگا اور یہ تانیث منع صرف کا ایک قوی سبب ہوجائے گا اور علمیت ایک وضع ثانی ہے اور جس حرف پر کلمہ موضوع ہو تو وہ حرف وضع کی وجہ سے کلمہ سے الگ نہیں ہوسکتا پس جب تانیث کے ساتھ علمیت شرط ٹھہرائی گئی تو اس صورت میں اس علمیت کی وجہ سے تانیث کلمہ سے الگ نہیں ہوگی گویا یہ علمیت کی شرط ہونے کی دوسری دلیل ہے۔

اور علمیت کے بعد جو شارح نے اسم مؤنث کا لفظ بڑھایا ہے اس سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ علمیت کا لفظ مضاف ہے اور مضاف الیہ اس کا محذوف اسم کا لفظ ہے مضاف الیہ کو محذوف کر کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

والتأنيث المعنوی كذلک۔

اس میں التأنیث کالفظ بڑھا کر شارح نے اشارہ کیا ہے کہ یہ تانیث بالتاء پرعطف ہے یعنی جس طرح تانیث بالتاء میں علمیت شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں بھی علمیت شرط ہے۔

أی كالتأنيث اللفظی بالتاء فی اشتراط العلمية فيه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تشبیہ تانیث معنوی کی تانیث لفظی کے ساتھ درست نہیں کیونکہ تانیث لفظی میں علامت تانیث تاء لفظی ہوتی ہے اور معنوی میں علامت تانیث تاء مقدر ہوتی ہے پس درمیان مشبہ اور مشبہ بہ کے مناسبت نہیں ہوئی اور یہ مناسبت تشبیہ کے لئے ضروری ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تانیث معنوی کی تشبیہ تانیث لفظی کے ساتھ صرف علمیت کے شرط ہونے میں ہے نہ تاء لفظی اور مقدر ہونے میں یعنی تانیث معنوی علمیت کی شرط ہونے میں مثل تانیث لفظی کے ہے یعنی جس طرح علمیت تانیث لفظی میں شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں بھی علمیت شرط ہے۔

إلا أن بينهما فرقا فإنها فی التأنيث اللفظی بالتاء شرط لوجوب منع الصرف وفی المعنوی شرط لجوازه ولا بد فی وجوبه من شرط آخر كما أشار اليه بقوله:

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب تانیث معنوی تانیث لفظی کے ساتھ صرف علمیت کی شرط ہونے میں مشابہ ہے اور علمیت تانیث لفظی میں شرط وجوب کی ہے پس چاہئے تانیث معنوی میں بھی شرط وجوب کی ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ علمیت دونوں تانیثوں میں شرط ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ تانیث لفظی بالتاء میں علمیت وجوب کی شرط ہے اور معنوی میں جواز کی یعنی تانیث لفظی میں علمیت ایک ضروری شیء ہے اور تانیث معنوی میں ضروری نہیں ہے اگر تانیث لفظی کے ساتھ علمیت نہ ہوتو وہ منع صرف کا سبب بن ہی نہیں سکتی اگر علمیت نہ ہوتو اس کی سببیت کے لئے اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی وجوب کے لئے دوسری شرط ہے جیسا کہ مصنف نے خود آگے چل کر وشرط تحتم تأثيره کے قول میں اشارہ کیا ہے۔

وشرط تحتم تأثيره أی شرط وجوب التأنيث المعنوی فی منع الصرف۔

اس عبارت میں شارح کا مقصد یہ ہے کہ تحتم کے معنی وجوب کے ہیں اور تأثیرہ کی ضمیر مجرور تانیث معنوی

کی طرف لوٹتی ہے یعنی تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے تین شرطوں میں سے ایک شرط کا وجود ضروری ہے۔

أحد الأمور الثلثة۔

اس عبارت کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وشرط تحتم تأثيره کا قول ترکیب میں مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا ہے اور الزيادة اپنے معطوف کے ساتھ مل کر اس کی خبر واقع ہوگئی ہے۔ جس کی تقدیر پر عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے زیادۃ، تحرک اوسط اور عجمہ تینوں شرط ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان میں سے ایک شرط ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ زیادۃ اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر خبر نہیں بلکہ مبتدا کی خبر یہاں محذوف أحد الأمور الثلثة کا لفظ ہے اور زیادۃ، تحرک اوسط اور عجمہ ہر ایک خبر مبتدا محذوف کی ہے یعنی تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے ان تین شرطوں میں سے ایک ضروری ہے مجموعہ نہیں۔

الزيادة على الثلثة أى زيادة حروف الكلمة على ثلثة مثل زينب۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ الزيادة کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف حروف الكلمة کا لفظ ہے، مضاف الیہ کو محذوف کر کے مضاف پر اس کے عوض میں الف لام داخل کیا ہے یعنی تانیث معنوی کی تاثیر وجوب معنوی کی شرطوں میں سے ایک کلمہ میں تین حرفوں پر زیادت ہے جیسے زینب میں کہ اس میں تین حرفوں پر باء رابع صرف زیادہ ہوا ہے۔

أو تحرك الحرف الأوسط من حروفها الثلثة مثل سقر۔

اس عبارت میں شارح نے جو الأوسط کے لفظ سے قبل الحرف کا لفظ بڑھایا ہے، اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے الأوسط صفت ہے اور صفت موصوف کو چاہتی ہے یہاں موصوف نہیں لہذا مصنف کی عبارت میں صفت کا وجود بلا موصوف لازم آیا اور یہ عبارت کا نقص ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں نقص نہیں، موصوف اس کا محذوف الحرف کا لفظ ہے، یعنی تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے شرط زیادۃ ہے یا تحرک حرف اوسط حروف ثلثہ میں سے ہے جیسے سقر میں۔

أو العجمة مثل ماه وجور۔

یعنی تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے زیادۃ علی الثلثۃ شرط ہے یا تحرک حرف اوسط یا عجمہ شرط ہے جیسے ماہ وجور میں کہ اس میں تانیث معنوی کی تاثیر کی قوت کے لئے عجمہ شرط ہے اور یہ دونوں الفاظ غیر منصرف ہیں اور اسباب منع صرف میں سے ان میں ایک علمیت، دوسری تانیث معنوی عجمہ کے ساتھ ہے۔

وإنما اشترط في وجوب التأثير التأنيث المعنوي أحد الأمور الثلثة ليخرج الكلمة بثقل أحد الأمور الثلثة عن الخفة التي من شأنها أن تعارض ثقل أحد السببين فتزاحم تأثيره وثقل الأولين ظاهر وكذا العجمة لأن لسان العجم ثقيل على العرب۔

اس عبارت میں شارح تانیث معنوی کی تاثیر کی وجوب کی أحد الأمور الثلثة میں سے ایک امر کی شرط ہونے کی وجہ اور دلیل بتانا چاہتے ہیں یعنی تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کے لئے امور ثلثہ میں سے ایک امر شرط اس لئے ہے کہ کلمہ أحد الأمور میں سے ایک امر کے ثقل سے اس خفت سے نکلے جو احد السببین کے ثقل کا معارض ہو جس سے تانیث معنوی کی تاثیر میں مزاحمت ہوتی ہے اور زیادۃ علی الثلثۃ اور تحرک حرف اوسط کا ثقیل ہونا تو ظاہر ہے اسی طرح عجمہ بھی ثقیل ہے، اس لئے کہ زبان عجمی عرب پر ثقیل ہوتی ہے یعنی عربی محاورہ میں جب عرب گفتگو کرتے ہیں تو عجمی لفظ بولنے سے ان کی زبان پر بار معلوم ہوتا ہے۔

فهند يجوز صرفه نظراً إلى انتفاء شرط تحتم تأثير التأنيث المعنوي أعني أحد الأمور الثلثة ويجوز عدم صرفه نظراً إلى وجود السببين فيه۔

یہ اوپر کے شرط پر تفریع ہے یعنی ھند کے لفظ کا منصرف پڑھنا جائز ہے اس لحاظ سے کہ اس میں تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کی شرط نہیں پائی جاتی یعنی اس میں نہ زیادۃ علی الثلثۃ ہے نہ تحرک اوسط اور نہ عجمہ ہے تو ان شرطوں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس لفظ کا منصرف پڑھنا جائز ہوا اور اس لحاظ سے کہ اس میں دو اسباب منع صرف کے موجود ہیں ایک علمیت دوسری تانیث اس لفظ کا غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔

وزينب وسقر علما لطبقة من طبقات النار۔

اس میں شارح نے سقر کے معنی بتائے ہیں کہ سقر آگ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا علم ہے۔

وماه وجور عجميين بلدتين۔

یعنی ماہ و جور دو شہروں کے نام ہیں۔

ممتنعٌ صرفها۔

اس میں شارح نے صرفها کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ زینب اور سقر اور ماہ وجور کے الفاظ ترکیب میں مبتدا واقع ہوئے ہیں اور ممتنع اس کی خبر ہے اور اس کی خبریت درست نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ الفاظ مؤول بجماعة ہیں اور یہ اس تقدیر پر مؤنث ہے اور ممتنع مذکر ہے پس درمیان مبتدا اور خبر کے مطابقت نہیں ہوئی۔ ممتنعةٌ ہونا چاہئے تاکہ مطابقت حاصل ہو؟

شارح نے جواب دیا کہ ممتنعٌ کا فاعل صرف کا لفظ ہے اب یہ اسم فاعل بافاعل مل کر شبہ جملہ ہوا اور جملہ مؤنث ہے لہذا یہ الفاظ غیر منصرف ہیں۔

أما زينب فللعلمية والتانيث المعنوی مع شرط تحتم تاثيره وهو الزيادة على الثلثة وأما سقر فللعلمية والتانيث المعنوی مع شرط تحتم تاثيره وهو تحرك الأوسط وأما ماه وجور فللعلمية والتانيث المعنوی مع شرط تحتم تاثيره وهو العجمة۔

اس میں شارح الفاظ مذکورہ کے غیر منصرف ہونے کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ زینب اس لئے غیر منصرف ہے کہ اس میں ایک علمیت دوسری تانیث معنوی مع شرط تحتم تاثیر جو کہ زیادۃ علی الثلثۃ ہے پائی جاتی ہے اور سقر اس لئے غیر منصرف ہے کہ اس میں ایک علمیت دوسری تانیث معنوی مع شرط تحتم تاثیر جو کہ تحرک اوسط ہے پائی جاتی ہے اور ماہ وجور کے الفاظ اس لئے غیر منصرف ہیں کہ ان میں ایک علمیت دوسری تانیث معنوی مع شرط تحتم تاثیر جو کہ عجمہ ہے موجود ہے۔

فإن سمی به أی بالمؤنث المعنوی۔

اس میں شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بہ کی ضمیر مجرور مؤنث معنوی کی طرف لوٹتی ہے۔

مذكرٌ فشرطه فی سببية منع الصرف۔

یعنی اگر مؤنث سماعی کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کی شرط یہ ہے کہ

الزيادة على الثلثة۔

اس کے حروف تین حرفوں سے زیادہ ہوں۔

لأن الحرف الرابع فی حكم تاء التانيث قائم مقامها۔

اس میں شارح نے اس مؤنث معنوی کی غیر منصرف ہونے کی دلیل بیان کی ہے جس کو کسی مذکر کا نام رکھا گیا ہو یعنی جب اس صورت میں اس کے حروف تین سے زیادہ ہوں گے تو وہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ چوتھا حرف تاء تانیث کے قائم مقام ہوگا گویا اس زیادۃ کی صورت میں تانیث حکمی موجود ہے پس اگر چہ علمیت کی وجہ سے تانیث معنوی زائل بھی ہو لیکن چوتھا حرف تانیث حکمی ہی مانا جائے گا اس لئے غیر منصرف ہوگا۔

فقدم وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی إذا سمی به رجلٌ۔

اس میں اوپر کی عبارت پر تفریع ہے کہ قدم کا لفظ جو کہ باعتبار معنی جنسی اپنے کے مؤنث معنوی سماعی ہے اگر کسی آدمی کا نام رکھا جائے تو

منصرفٌ۔

یعنی منصرف ہوگا۔

لأن التـانيث الأصلی زال بالعلمية للمذكر من غير أن يقوم شیءٌ مقامه والعلمية وحدها لا تمنع الصرف۔

اس عبارت میں شارح قدم کے منصرف ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ قدم کا لفظ جب کسی آدمی کا نام رکھا جائے تو یہ اس صورت میں منصرف ہوگا، اس لئے کہ تانیث معنوی بوجہ علمیت کے زائل ہوگئی اور کوئی چوتھا حرف زائدہ علی الثلثہ اس میں نہیں پایا جاتا جو کہ تانیث حکمی کے قائم مقام ہو اور علمیت تنہا غیر منصرف ہونے کے لئے سبب نہیں بن سکتی لہذا منصرف رہے گا۔

وعقرب وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی إذا سمی به رجل۔

یعنی عقرب کا لفظ باعتبار اپنے جنسی معنی کے مؤنث معنوی سماعی ہے اگر یہ کسی مرد کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف ہوگا۔

ممتنعٌ صرفها۔

اس میں صرفها کا لفظ بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عقرب کا لفظ ترکیب میں مبتدا ہے اور ممتنع کا لفظ اس کی خبر ہے اور یہ خبریت صحیح نہیں، اس لئے کہ عقرب مؤنث ہے اور ممتنع مذکر ہے لہذا درمیان مبتدا و خبر کے مطابقت نہیں ہوئی اگر ممتنعة کا لفظ ہوتا تو مطابقت حاصل ہو جاتی؟

شارح نے جواب دیا کہ ممتنع کا فاعل محذوف صرف کا لفظ ہے اب یہ شبہ فعل با فاعل مل کر شبہ جملہ ہوا اور جملہ مؤنث ہے لہذا درمیان مبتدا وخبر کے مطابقت حاصل ہوگئی۔

لأنه وإن زال التانيث بعلميته للمذكر فالحرف الرابع قائم مقامه۔

اس میں شارح عقرب کے غیر منصرف ہونے کی دلیل بتاتے ہیں کہ یہ عقرب کا لفظ جب کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو اس صورت میں بھی غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کی تانیث معنوی اگر چہ بوجہ علمیت کے زائل بھی ہو جائے لیکن اس کا حرف رابع قائم مقام تانیث معنوی کے ہوگا پس یہ اس زیادت کی بنا پر غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

بدليل أنه إذا صغر قدم ظهر التاء المقدرة كما اقتضته قاعدة التصغير فيقال قديمةٌ بخلاف عقرب فإنه إذا صغر يقال عقيربٌ من غير إظهار التاء لأن الحرف الرابع قائم مقامه فعقرب إذا سمي به رجل امتنع صرفه للعلمية والتانيث الحكمي۔

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ عقرب میں علمیت کے وقت حرف رابع قائم مقام تانیث کے ہے اور یہ حرف رابع زائدہ علی الثلثۃ ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ قدم کے لفظ کو جب مصغر کیا جائے گا تو اس کی تائے مقدرہ ظاہر کی جائے گی جیسا کہ اس کو تصغیر کا قاعدہ چاہتا ہے پس قديمةٌ بولا جائے گا۔

فائدہ: جب اسماء کی اصل معلوم کرنی ہو تو ان میں تصغیر کا قاعدہ جاری کیا جاتا ہے تصغیر میں لا کر حروف اصلی اور زائد کا فرق کر لیتے ہیں جب قدم کی تصغیر قديمة سے کی تو معلوم ہوا کہ تاء اس میں زائدہ ہے اور یہ لفظ ثلاثی ہے، رباعی نہیں بخلاف عقرب کے کہ جب اس کی تصغیر کی جاتی ہے تو عقیرب بولا جاتا ہے بغیر اظہار تاء کے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ رباعی ہے اور اس میں حرف رابع قائم مقام تانیث معنوی کے ہے پس اگر یہ لفظ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو اس صورت میں بھی غیر منصرف ہوگا اور اسباب منع صرف میں سے اس میں ایک علمیت، دوسری تانیث حکمی مانی جائے گی۔

المعرفة أي التعريف لأن سبب منع الصرف هو وصف التعريف لا ذات المعرفة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معرفہ کا اسباب منع صرف سے ہونا درست نہیں کیونکہ سبب منع صرف، صرف وصف تعریف ہے نہ معرفہ کی ذات؟

شارح نے جواب دیا کہ یہاں معرفہ سے مراد مصدر تعریف ہے اب اس کا اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست ہوا اور معرفہ سے یہاں مراد مصدری معنی لینے کی اس لئے ضرورت ہے کہ سبب منع صرف کی تعریف ہی ہوتا ہے معرفہ نہیں ہوتا۔

شرطها أي شرط تاثيرها في منع الصرف۔

اس میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ "شرطها" کی ضمیر مجرور معرفہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی معرفہ کی تاثیر کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو۔

أن تكون علمية أي كون هذا النوع من جنس التعريف على أن يكون الياء مصدريةً۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت مذکورہ میں تکرار ہے وہ یہ کہ أن ناصبہ جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اس کو بمعنی مصدر کر دیتا ہے لہذا اس تقدیر پر ایک تکرار تكون کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے، دوسرے یائے مصدری سے معلوم ہوتی ہے جو کہ علمية میں ہے پس اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر یہ ہوگی کہ شرطها كونها علما دیکھئے تکرار صاف معلوم ہوتا ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ علمیت کی یاء مصدری ہے لیکن علمیت سے مراد یہ تعریف کے جنس کی نوع ہے یعنی یہاں تعریف بالعلمیت مقصود ہے۔

فائدہ: تعریف کی کئی قسمیں ہیں ایک تعریف ضمائر کی، دوسری تعریف موصولات کی، تیسری تعریف اسمائے اشارات کی، چوتھی باللام، پانچویں تعریف بالاضافت اور چھٹی تعریف بالعلمیت ہوتی ہے، یہاں یہی مراد ہے۔

أو منسوبة إلى العلم بأن تكون حاصلة في ضمنه على أن يكون الياء للنسبة۔

اس میں شارح نے سوال مذکورہ بالا کا دوسرا جواب دوسرے پیرایہ میں اس طرح دیا ہے کہ یا علمیت کی یا نسبتی ہے یعنی وہ معرفہ غیر منصرف ہونے کا سبب بن سکتا ہے جو منسوب الی العلم ہو اس طرح کہ وہ معرفہ علم کے ضمن میں حاصل ہو یعنی وہی تعریف ضمنی مقصود ہے اور جب یا نسبتی ٹھہرائی گئی تو اس تقدیر پر سوال مذکور بالکل ہی رفع ہو گیا۔

وإنما جعلت مشروطة بالعلمية لأن تعريف المضمرات والمبهمات لا يوجد إلا في المبنيات ومنع الصرف من أحكام المعربات والتعريف باللام أو الإضافة يجعل غير المنصرف

منصرفا كما سيجيء فلا يتصور كونه سبباً لمنع الصرف فلم يبق إلا التعريف العلمي.

اس عبارت میں شارح معرفہ کی علمیت کے ساتھ مشروط ہونے کی وجہ اور دلیل بتانا چاہتے ہیں کہ معرفہ سے یہاں تعریف علمی اس لئے مراد ہے کہ ضمائر اور مبہمات یعنی موصولات اور اشارات کی تعریف مبنیات ہی میں پائی جاتی ہے اور غیر منصرف اسم کا غیر منصرف ہونا معربات کے احکام میں سے ہے اور الف لام اور اضافت کی تعریف غیر منصرف اسم کو منصرف کر دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں جیسے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کی تحقیق فرمائیں گے پس یہ اضافت اور الف لام کی تعریف منع صرف کے لئے سبب نہیں ہو سکتی لہذا اب سوائے تعریف علمی کے اور کسی تعریف کا سبب ہونا باقی نہ رہا۔

وإنما جعل المعرفة سبباً والعلمية شرطها ولم يجعل العلمية سبباً كما جعل البعض لأن فرعية التعريف للتنكير أظهر من فرعية العلمية له۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے معرفہ کو سبب منع صرف کا بنایا ہے اور علمیت اس کی شرط ٹھہرائی ہے اور اس کا عکس نہیں کیا جیسا کہ بعض یعنی صاحب مفصل نے کیا ہے اس کی کیا دلیل اور وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دار مدار سببیت کا فرعیت پر ہے اور تعریف کی فرعیت علمیت کی فرعیت سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے اس لئے مصنف نے معرفہ کو سبب منع صرف کا بنایا اور علمیت اس کی شرط ٹھہرائی اور علمیت کو سبب نہیں بنایا جیسا کہ صاحب مفصل نے کیا ہے۔

العجمة وهي كون اللفظ مما وضعه غير العرب۔

اس عبارت میں بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ عجمہ کا اسباب منع صرف میں سے شمار کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ عجمہ لغت عجمی کے معنی کے لئے اسم موضوع کا نام ہے اور وہ ذات ہے اور اسباب منع صرف اوصاف کے قبیل میں سے ہیں؟

شارح نے جواب دیا کہ یہاں عجمہ سے مراد وہ لفظ ہے جس کو غیر عرب یعنی اہل عجم نے کسی معنی کے لئے وضع کیا ہو جب کون کا لفظ شارح نے بڑھایا تو اس تقدیر پر عجمہ کی وصفیت بھی ظاہر ہوگئی لہذا اب اس کا اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست ہوا۔

ولتاثیرها فی منع الصرف شرطان۔

اس عبارت میں شارح نے شرطان کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ العجمة کا لفظ ترکیب میں مبتدا ہے اور شرطها أن تكون علمية فى العجمية معطوف علیہ اور تحرک اوسط یا زیادة علی الثلثہ معطوف اور معطوف علیہ ملکر اس کی خبر واقع ہوئی ہے، اس تقدیر پر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مل کر مجموعہ عجمہ کی شرط ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ عجمہ کے لئے علمیت علیحدہ شرط ہے اور تحرک اوسط اور زیادة علی الثلثہ دوسری شرط ہے؟

شارح نے "شرطان" کا لفظ بڑھا کر جواب دیا ہے کہ العجمة کی خبر محذوف یہی شرطان کا لفظ ہے یعنی عجمہ کی دو شرطیں ہیں۔

شرطها الأول أن تكون علمية.

یعنی اول شرط عجمہ کی سببیت کی یہ ہے کہ وہ لغت عجمی میں علم بھی ہو۔

أى منسوبة إلى العلم۔

اس میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ علمیت کی یاء نسبتی ہے یعنی وہ عجمہ سبب منع صرف بن سکتا ہے جو منسوب الی العلم ہو۔

فى اللغة العجمية.

اس میں شارح نے اللغة کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عجمہ کی ظرفیت علمیت کے لئے درست نہیں ہے کیونکہ علمیت کے عجمہ میں ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں؟

شارح نے اللغة کا لفظ بڑھا کر جواب دیا کہ عبارت میں مضاف مقدر اللغة کا لفظ ہے اب اس کے بڑھانے سے عجمہ کی ظرفیت درست ہوگئی یعنی عجمہ کی اول شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجمی میں علم ہو۔

بأن تكون متحققة فى ضمن العلم فى العجم حقيقةً كإبراهيم۔

اس عبارت میں شارح عجمہ کی لغت عربی میں علمیت ہونے کی صورت بتاتے ہیں یعنی لغت عجمی میں عجمہ کی علمیت اس طرح ہوگی کہ وہ لغت عجمی میں حقیقۃً علم کے ضمن میں متحقق ہو جیسے کہ إبراهيم کہ یہ لفظ عجمہ بھی ہے اور لغت عجمی میں علم بھی۔

أو حكما بأن ينقله العرب من لغة العجم إلى العلمية من غير تصرف فيه قبل النقل كقالون فإنه كان في العجم اسم جنس، سمي به أحد رواة القراء لجودة قراء ته قبل أن يتصرف فيه العرب، فكأنه كان علما في العجمية۔

اس عبارت میں شارح نے حکماً کالفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ قالون سے منقوض ہے کہ وہ لغت عجمی میں علم نہیں بلکہ اسم جنس ہے لہذا چاہئے کہ یہ لفظ منصرف ہو حالانکہ یہ غیر منصرف ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ عجمہ کا عجمی لغت میں علم ہونا عام ہے خواہ حقیقۃ ہو جیسے ابراھیم میں خواہ حکماً ہو جیسے قالون میں۔ حکماً اس طرح ہوگا کہ اس کو عرب لغت عجمی میں علمیت کی طرف نقل کریں اور اس میں نقل سے پیشتر کوئی تصرف، تغیر، تبدل نہ کریں جیسے کہ قالون میں ہے جس کے معنی لغت رومی میں جید کے ہیں یہ لفظ عجمی لغت میں اسم جنس تھا جس کو رومی لوگ ہر جید چیز کے لئے مستعمل کرتے تھے اب یہ لفظ عرب کے محاورہ میں آکر قراء میں سے ایک قاری کا علم ہوا چونکہ اس قاری کی قرأت بہ نسبت دوسرے قاریوں کی قرأت کے زیادہ جید اور عمدہ ہے اس لئے اس قاری کا نام بھی قالون رکھا گیا۔ دیکھئے اس لفظ کو عرب نے عجمی لغت سے علمیت کی طرف نقل کیا ہے اور اس میں نقل سے پیشتر کوئی تغیر، تبدل نہیں کیا گویا یہ بوجہ عدم تصرف کے لغت عجمی میں حکماً علم ہی ہوا لہذا یہ لفظ بہ سبب پائے جانے علمیت حکمی کے غیر منصرف ہوا۔

وإنما جعلت شرطا لئلا يتصرف فيها العرب مثل تصرفاتهم في كلامهم فتضعف فيه العجمة فلا يصلح سببا لمنع الصرف فعلى هذا لو سمي بمثل لجام لا يمتنع صرفه لعدم علميته في العجمة۔

اس عبارت میں شارح نے عجمہ کے لغت عجمی میں علمیت شرط ہونے کی دلیل اور وجہ بیان فرمائی ہے کہ عجمہ کی لغت عجمی میں شرط ہونا اس لئے ضروری مانا گیا ہے کہ عرب جس طرح اپنے محاورہ کے الفاظ میں تغیر و تبدل کرتے ہیں اس میں نہ کرسکیں کیونکہ اگر عرب نے عجمی لفظ کو نقل کر کے اپنے محاورہ میں تغیر و تبدل کیا تو اس صورت میں اس کا عجمہ ہونا ضعیف ہو جائے گا پس یہ منع صرف کے لئے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا اس لئے عجمہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ لغت عجمی میں علم بھی ہو، تاکہ عرب اس میں تغیر نہ کرسکیں کیونکہ اعلام بقدر امکان تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتے ہیں پس اس

تقدیر پر لجام کا لفظ جس میں عرب نے تغیر وتبدل کیا ہے اگر اس میں اسمیت کا لحاظ کیا جائے تو اس کا منصرف ہونا منع نہیں ہے بلکہ یہ وقت علیت میں بھی منصرف ہی رہے گا کیونکہ یہ عجمی لغت میں نہ حقیقۃً علم ہے نہ حکماً اور عجمہ میں شرط تھی کہ وہ لغت عجمی میں حقیقۃً یا حکماً علم ہو۔

و شرطها الثاني أحد الأمرين۔

اس عبارت میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ سابق شرطها الاول کے جملہ پر عطف ہے اور اس میں أحد الأمرين کا لفظ جو شارح نے بڑھایا ہے اس سے ایک سوال مقدر کو رفع کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تحرک اوسط اور زیادہ علی الثلثۃ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مل کر شرط ثانی ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ شرط ثانی ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ شرطها کی خبر یہ مجموعہ نہیں بلکہ ان دونوں میں سے ایک ہی ترکیب میں خبر واقع ہوئی ہے یعنی مبتدا کی خبر محذوف احد الامرین کے لفظ کو سمجھنا چاہئے یعنی شرط تحرک حرف اوسط ہے یا زیادۃ علی الثلثۃ۔

تحرك الحرف۔

اس کے بڑھانے سے شارح علیہ الرحمۃ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت الأوسط ترکیب میں صفت ہے اور صفت موصوف کو چاہتی ہے اور یہاں موصوف نہیں ہے، پس مصنف کی عبارت میں نقص لازم آیا؟

شارح نے جواب دیا کہ عبارت میں نقص نہیں اس وجہ سے کہ صفت موصوف یہاں محذوف الحرف ہے۔

الأوسط أو الزيادة على الثلثة أي على ثلثة أحرف لئلا يعارض الخفة أحد السببين۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد شرط ثانی کی علت اور وجہ بیان کرنا ہے یعنی عجمہ کی شرط ثانی یہ ہے کہ وہ متحرک الاوسط ہو یا تین حرفوں سے اس کے حروف زیادہ ہوں یہ ضروری شرط ہے اس لئے کہ اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ثقیل ہوگا اگر یہ شرط ثانی نہ پائی جائے تو کلمہ میں خفت پیدا ہو جائے گی پس احد السببین کے ثقل سے خفت کا معارضہ ہو جائے گا اور معارضہ کی صورت میں عجمہ کا اثر جاتا رہے گا اس لئے یہ شرط ثانی ضروری مانی گئی تاکہ خفت کا ثقل سے معارضہ نہ ہو سکے اور اسم غیر منصرف ہو جائے۔

فنوح منصرفٌ هذا تفريع بالنظر إلى الشرط الثاني فانصراف نوح إنما هو لانتفاء الشرط الثاني۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فنوح کا فاءتفریعیہ ہے گویا یہ بنظر شرط ثانی کے تفریع ہے یعنی نوح کا منصرف ہونا شرط ثانی کے نہ پائے جانے پرمبنی ہے۔

وهذا اختيار المصنف لأن العجمة سبب ضعيف لأنه أمر معنويٌ فلا يجوز اعتبارها مع سكون الأوسط۔

اس سے شارح کا مقصد نوح کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے کا اختلاف ظاہر کرکے مصنف کے مذہب مختار پر تنبیہ کرنا ہے۔نوح کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے میں دو مذہب ہیں۔ایک مذہب علامہ زمخشری صاحب مفصل کا ہے،دوسرا مصنف کافیہ کا مذہب ہے۔صاحب مفصل کے نزدیک نوح ھندٌ کے مثل ہے یعنی وہ نوح کا انصراف اور عدم انصراف دونوں جائز سمجھتے ہیں اور مصنف کافیہ منصرف خیال کرتے ہیں اور یہ منصرف ہونا نوح کا ان کے نزدیک مختار بھی ہے اوراس کوغیر منصرف نہیں کہتے ہیں بلکہ منصرف ہونا مختار سمجھتے ہیں اس لئے کہ عجمہ سبب ضعیف ہے کیونکہ وہ ایک امر معنوی ہے اس کے واسطے علامت لفظی ظاہری کوئی نہیں پس عجمہ کا سکون اوسط کے ساتھ سببیت کے لئے معتبر قرار دینا جائز نہیں۔

وأما التانيث فإن له علامة مقدرة تظهر في بعض التصرفات فله نوع قوة فجاز أن يعتبر مع سكون الأوسط وأن لا يعتبر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عجمہ اور تانیث معنوی دونوں امر معنوی ہونے میں برابر ہیں اور تانیث معنوی میں انصراف اور عدم انصراف دونوں فرمایا ہے اور عجمہ میں صرف ایک امر پر اکتفا کیا ہے لہذا چاہئے کہ عجمہ میں بھی جواز امرین کالحاظ کرتے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تانیث معنوی ایک امر معنوی ہے لیکن اس کی علامت تانیث لفظ میں بعض اوقات ظاہر بھی ہوتی ہے جیسے تصغیر میں۔پس اس کوایک قسم کی قوت حاصل ہوگئی پس جائز ہے کہ یہ سکون اوسط کے ساتھ معتبر بھی ہواور یہ بھی جائز ہے کہ معتبر نہ ہو بخلاف عجمہ کے کہ اس کی لفظ میں کوئی علامت تانیث کی ظاہر نہیں ہوتی ہے پس یہ سبب ضعیف ہوا اس لئے کہ اس میں جواز امرین کا اعتبار نہیں ہے۔

فان قلت: قد اعتبرت العجمة فی ماہ وجور مع سکون الأوسط فیما سبق، فلم لم تعتبر ھھنا؟
یہ ایک سوال ہے جواوپر ھذا اختیار المصنف إلخ کی عبارت پر وارد ہو رہا ہے، جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ نوح کے لفظ میں سکون اوسط کے ساتھ عجمہ کو معتبر کیوں نہیں کیا حالانکہ ماہ وجور میں سکون اوسط کے ساتھ ماسبق میں معتبر قرار دیا ہے پس مناسب ہے کہ مصنف نوح میں بھی اوسط کے ساتھ عجمہ کا اعتبار کر کے جواز امرین کا لحاظ فرماتے حالانکہ ایسا نہیں کیا۔

قلنا: اعتبارھا فیما سبق إنما ھو لتقویة سببین اخرین لئلا یقاوم سکون الأوسط أحدھما فلا یلزم من اعتبارھا لتقویة سبب اخر اعتبار سببیتھا بالاستقلال۔
اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے کہ عجمہ کا اعتبار جو پیشتر کیا ہے وہ منع صرف کے دواور سببوں کی تقویت کے لئے کیا ہے تاکہ ان دوسببوں میں سے ایک سبب کا ثقل سکون اوسط یعنی خفت کا مقابل اور معارض نہ ہو پس دوسرے سبب کی تقویت کے لئے عجمہ کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی بالاستقلال سببیت کا بھی اعتبار ہو۔

وشَتر وھو اسم حصن بدیار بکر وإبراھیم ممتنعٌ۔
یعنی شتر جو دیار بکر میں کسی قلعہ کا نام اور ابراہیم جو ایک مشہور پیغمبر علیہ السلام کا اسم گرامی ہے غیر منصرف ہے۔
صرفھما لوجود الشرط الثانی فیھما فإن فی شتر تحرك الأوسط وفی إبراھیم الزیادة علی الثلثة۔

اس عبارت میں صرفھما کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل اوپر گزر چکی ہے اور اس عبارت عربی کا خلاصہ یہ ہے کہ شتر اور إبراھیم اس لئے غیر منصرف ہے کہ ان دونوں لفظوں میں شرط پائی جاتی ہے، شتر میں تحرک اوسط اور ابراھیم میں زیادۃ علی الثلثۃ پائی جاتی ہے۔

وإنما خص التفریع بالشرط الثانی لأن غرضه التنبیه علی ما ھو الحق عنده من انصراف نحو نوح ولهذا قدم انصرافه مع أنه متفرع علی انتفاء الشرط الثانی والأولی تقدیم ما ھو متفرع علی وجوده کما لا یخفی۔
اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے نوح کے منصرف

ہونے کوشرط ثانی کی انتفا پر تفریع کیا ہے اور شرائط اول کے انتفا پر تفریع نہیں کیا جیسا کہ صاحب ہدایۃ النحو نے فـجـاء منصرف کہہ کر کیا ہے اس کی خصوصیت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ شرط ثانی کی انتفا پر تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مصنف کا مقصد اور تنبیہ اس پر ہے جو مصنف کے نزدیک حق اور درست ہے اور وہ نوح کا منصرف ہونا ہے یعنی اس سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ان کے نزدیک نوح کا منصرف ہونا غیر منصرف ہونے سے زیادہ صحیح اور درست ہے اور اسی وجہ سے نوح کے منصرف ہونے کو مقدم ذکر کیا باوجودیکہ اس کا انصراف شرط ثانی کی انتفا پر متفرع ہے اور اولی تقدیم اس کی ہے جو کہ وجود پر متفرع ہو کیونکہ وجودی عدمی سے اشرف مانا جاتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

واعلم أن أسماء الأنبياء عليهم السلام ممتنعة عن الصرف إلا ستة: محمد وصالح وشعيب وهود؛ لكونها عربية ونوح ولوط لخفتهما۔

اس میں شارح انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے غیر منصرف ہونے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ تمام اسمائے گرامی انبیاء علیہم السلام کے غیر منصرف ہیں سوائے چھ اسماء کے یعنی محمد وصالح وشعیب وہود علیہم السلام کہ یہ چار اسمائے مبارکہ اس لئے منصرف ہیں کہ یہ عربی الفاظ ہیں ان میں عجمہ نہیں پایا جاتا اور نوح اور لوط اس لئے منصرف ہیں کہ ان میں خفت پائی جاتی ہے ان چھ اسماء کے علاوہ باقی سب اسماء انبیاء علیہم السلام کے غیر منصرف ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے اشعار میں لکھا ہے ؎

صالح وہود ومحمد با شعیب ونوح ولوط   منصرف داں ایں ہمہ دیگر ہمہ لاینصرف

وقيل: إن هوداً كنوح لأن سيبويه قرنه معه ويؤيده ما يقال: من أن العرب من ولد إسمعيل ومن كان قبل ذلك فليس بعربي وهود قبل إسمعيل فيما يذكر فكان كنوح۔

کسی نے ہود کو مثل نوح کے سمجھا ہے اس دلیل سے کہ سیبویہ نے جہاں پر انبیاء کے اسماء کا ذکر کیا ہے وہاں پر ہود کو نوح کے ساتھ میں ذکر کیا ہے اس طرح محمد وصالح وشعیب ونوح وہود ولوط (علیہم السلام)۔ دیکھئے ہود کو نوح کے ساتھ میں ذکر کیا شعیب کے ساتھ ذکر نہیں کیا اگر یہ ہود عربی لفظ ہوتا تو اس کو نوح پر مقدم کرتے اور شعیب کے ساتھ قریب کر کے لکھتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثل نوح کے ہے یعنی جو نوح کا حکم ہے وہی اس کا بھی ہوگا اور سیبویہ کے قول کی تقویت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ کل عرب کے لوگ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں اور جو لوگ حضرت اسمٰعیل علیہ

السلام سے پہلے گزرے ہیں وہ عرب نہیں مانے جاتے ہیں اور تاریخ انبیاء میں جہاں پیغمبروں کے نام کا ذکر ہے وہاں پر ہود کو اسماعیل سے پہلے لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہود مثل نوح کے ہے اور نوح مصنف کے نزدیک منصرف ہے لہذا یہ بھی منصرف ہوگا۔

الجمع وهو سببٌ قائم مقام السببين۔

یعنی اسباب منع صرف میں سے ایک جمع ہے اور یہ ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہے۔

شرطه أي شرط قيامه مقام السببين۔

اس میں مصنف نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رجال اور مسلمون جمع ہے باوجودیکہ یہ منع صرف کے لئے سبب نہیں۔

مصنف نے خود ہی اس سوال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ جمع سے مراد یہاں مطلق جمع نہیں بلکہ جمع سے مراد وہ جمع ہے جو صیغہ منتہی الجموع کا ہو یعنی جمع کے دو سببوں کے قائم مقام ہونے کی شرط صیغہ منتہی الجموع ہونا ہے۔

صيغة منتهى الجموع وهى الصيغة التى كان أولها مفتوحاً وثالثها ألفا وبعد الألف حرفان أو ثلثة أوسطها ساكن۔

اس عبارت میں شارح صیغہ منتہی الجموع کی تعریف بتانا چاہتے ہیں کہ صیغہ منتہی الجموع اس کو کہتے ہیں کہ جس کا اول حرف مفتوح اور ثالث حرف اس کا الف ہو اور بعد الف کے دو حرف متحرک ہوں جیسے مساجد میں یا بعد الف کے تین حروف ہوں اول حرف مکسور، اوسط ساکن ہو جیسے مصابیح میں۔

وهى الصيغة التى لا تجمع جمع التكسير مرة أخرى ولهذا سميت صيغة منتهى الجموع لأنها جمعت فى بعض الصور مرتين تكسيراً فانتهىٰ تكسيرها المغير للصيغة فأما جمع السلامة فإنه لا يغير الصيغة فيجوز أن تجمع جمع السلامة كما يجمع أيامن جمع أيمن علىٰ أيامنين وصواحب جمع صاحبة على صواحبات وإنما اشترطت لتكون صيغة مصونة عن قبول التغير فتؤثر۔

اس عبارت میں شارح صیغہ منتہی الجموع کی وجہ تسمیہ بتانا چاہتے ہیں کہ صیغہ منتہی الجموع اس کو کہتے ہیں جو جمع تکسیر کے ساتھ دوبارہ جمع نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے اس کو صیغہ منتہی الجموع کہتے ہیں کیونکہ صیغہ بعض صورتوں میں تکسیر کے ساتھ دو دفعہ جمع ہو جاتا ہے پھر اس کی تکسیر جو صیغہ کو تبدیل کر دیتی ہے ختم ہو جاتی ہے اور جمع سلامت چونکہ صیغہ میں تغیر و

تبدل نہیں کرتی ہے اس لئے جائز ہے کہ یہ جمع سلامت کے ساتھ پھر جمع ہو جیسا کہ أیامن جو کہ جمع أیمن کی ہے أیامنین کے وزن پر جمع آتی ہے اور صواحب جو جمع صاحبة کی ہے صواحبات کے وزن پر جمع ہوتی ہے اور مصنف نے جمع کے منع صرف کی سبیت کے لئے صیغۂ منتہی الجموع ہونا اس لئے شرط قرار دیا ہے کہ صیغہ جمع کا تغیر وتبدل سے محفوظ ہوکر سبیت کا اثر کر سکے کیونکہ صیغہ اگر بار بار جمع ہو تو اس کی جمعیت میں ایک قسم کا فتور آئے گا اور جب کہ صیغہ منتہی الجموع ہونے کی وجہ سے اس کی جمعیت ختم ہو جائے تو اس صورت میں جمعیت کی ایک قسم کی قوت پیدا ہو جائے گی جس سے صیغہ تغیر اور فتور سے محفوظ ہوکر سبیت کا اثر کر سکے گا۔

بغیر هاء منقلبة عن تاء التانیث حالة الوقف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ فوارہ منصرف ہونا چاہئے کیونکہ یہ ہاء کے ساتھ ہے اور فرازنۃ غیر منصرف ہونا چاہئے کیونکہ یہ بلا ہاء کے ہے، حالانکہ امر بالعکس ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد یہاں وہ ہاء ہے جو حالت وقف میں تائے تانیث سے بدل جاتا ہو۔

أوالمراد بها تاء التانیث باعتبار ما یؤول إلیه حالة الوقف فلا یرد نحو فواره جمع فارهة۔

اس عبارت میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے کہ یا ہاء سے مراد یہاں تاء ہے مجازاً باعتبار مایؤول کے یعنی جب اس پر وقف کیا جائے گا تو وہ تاء اس وقف کی حالت میں یاء ہو جائے گی جب ہاء سے مراد وہ تاء مجازاً یہ ہے تو اس تقدیر پر اوپر والا فواره کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

وإنما اشترط کونها بغیر هاء لأنها لو کانت مع هاء کانت علی زنة المفردات کفرازنة فإنها علی زنة کراهیة وطواعیة بمعنی الکراهة والطاعة فیدخل فی قوة جمعیته فتورٌ۔

اس میں شارح نے جمع کی سبیت کے لئے بغیر ہاء ہونے کی دلیل اور وجہ بیان کی ہے کہ جمع میں یہ شرط ہے کہ بغیر ہاء کے ہو کیونکہ اگر وہ ہاء کے ساتھ ہو تو اس صورت میں وہ جمع مفردات کے وزن پر مانی جائے گی جیسے فرازنةٌ جو کہ کراهیةٌ کے وزن پر ہے یا جیسے طواعیة ہے اور یہ جمع اس حالت میں بمعنی کراهة اور طاعة کے ہے پس اس کی جمعیت کی قوت میں فتور اور نقصان لازم آئے گا جس کی بنا پر یہ جمع منع صرف کا سبب نہ بن سکے گا۔

ولا حاجة إلیٰ إخراج نحو مدائنیٌّ فإنه مفردٌ محض لیس جمعا لا فی الحال ولا فی

المآل، وإنما الجمع مدائنُ وهو لفظ آخر بخلاف فرازنةٌ فإنها جمع فرزين أو فرزان بكسر الفاء فعلم مما سبق أن صيغة منتهى الجموع على قسمين: أحدهما ما يكون بغير هاء وثانيهما ما يكون بهاء فأما ما كان بغير هاء فممتنعٌ صرفه لوجود شرط تاثيرها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف اگر بغير هاء وياء النسبة لکھتے تو یہ عبارت زیادہ بہتر ہوتی کیونکہ اس عبارت کی رو سے مدائنی غیر منصرف ہونے سے نکل جاتا کیونکہ یہ لفظ منصرف ہے باوجودیکہ یہ صیغہ منتہی الجموع بغیر ہاء کے ہے لہذا قید یائے نسبتی کے بڑھانے کی ضرورت ہے جس کی بنا پر یہ خارج ہوجائے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس لفظ کے خارج کرنے کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ یائے نسبتی کے ساتھ مفرد محض ہے نہ جمع فی الحال ہے اور نہ فی المآل بلکہ جمع اس کی مدائن بغیر یائے نسبتی کے ہے اور یہ دوسرا لفظ ہے، بخلاف فرازنة کہ وہ جمع فرزين يا فرزان بکسر فاء کے ہے پس گزشتہ بغیر ہاء کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ صیغہ منتہی الجموع کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بغیر ہاء کے ہو، دوسرے وہ جو ہاء کے ساتھ ہو پس وہ جو بغیر ہاء کے ہو وہ غیر منصرف ہوگا بوجہ پائے جانے اس کی تاثیر شرط کے جو کہ جمع کا بغیر ہاء کے ہونا ہے۔

كمساجد مثال لما بعد ألفه حرفان۔

یہ اس جمع کی مثال ہے کہ جس کی جمع کی الف کے بعد میں دو حرف متحرک آئے ہوں۔

ومصابيح مثال لما بعد ألفه ثلثة أحرف أوسطها ساكن۔

اس میں مثال اس جمع کی ہے جس کی الف جمع کے بعد تین حروف آئے ہوں اول حرف مکسور، درمیان والا ساکن ہو یہ دونوں مثالیں اس صیغہ منتہی الجموع کی ہیں جو بغیر ہاء کے ہوں۔

وأما فرازنة وأمثالها مما هي على صيغة منتهى الجموع مع الهاء۔

یہ اس صیغہ منتہی الجموع کی مثال ہے جو ہاء کے ساتھ ہو یعنی یہ لفظ اور اس کے مثل جو صیغہ منتہی الجموع کے وزن پر ہاء کے ساتھ آئے ہو سب منصرف ہوں گے بخلاف پہلی قسم کے کہ وہ غیر منصرف ہوگا۔

فمنصرف لفوات شرط تاثير الجمعيّة وهو كونها بلاهاء۔

اس میں مصنف نے جمعیت کی تاثیر کی شرط کے فوت ہونے کی بنا پر فرازنة اور اس کے امثال کو متفرع کر

کے منصرف بتایا ہے یعنی فرازنۃ اور اس کے وزن پر جتنے الفاظ ھاء کے ساتھ آئیں گے وہ سب بوجہ فوت ہونے جمعیت کے تاثیر کی شرط کے جو کہ صیغہ منتہی الجموع بغیر ھاء کے ہوتا ہے منصرف ہوں گے۔

وحضاجر علما للضبع، هذا جواب سوال مقدر تقديره: أن حضاجر علم جنس للضبع يطلق على الواحد والكثير كما أن أسامة علم جنس للأسد فلا جمعية فيه وصيغة منتهى الجموع ليست من أسباب منع الصرف بل هي شرط للجمعية فينبغي أن يكون منصرفاً لكنه غير منصرف وتقدير الجواب: أن حضاجر حال كونه علما للضبع۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ حضاجر، ضبع کے جنس کا نام ہے اس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر آتا ہے جس طرح اسامہ اسد کے جنس کا نام ہے اور قلیل وکثیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے پس اس حضاجر کے لفظ میں باعتبار جنسی معنی کے جمعیت نہیں پائی جاتی ہے اور صیغہ منتہی الجموع اسباب منع صرف میں سے نہیں بلکہ جمع کی جمعیت کے لئے شرط ہے لہذا اس تقدیر پر مناسب ہے کہ یہ حضاجر کا لفظ منصرف ہو حالانکہ غیر منصرف ہے۔

جواب کی تشریح یہ ہے کہ حضاجر درآنحالیکہ ضبع کا علم مانا جائے غیر منصرف ہے اور شارح نے جو حال کونہ علما کا لفظ بڑھایا ہے اس میں اشارہ کیا ہے کہ متن میں علما کا لفظ ترکیب میں حال ہے اور ذوالحال اس کا حضاجر کا لفظ ہے۔

غير منصرف لا للجمعية الحالية بل للجمعية الأصلية۔

یعنی حضاجر کا غیر منصرف ہونا باعتبار جمع حالی کے نہیں بلکہ اس کا غیر منصرف ہونا باعتبار جمع اصلی کے ہے یعنی اگر چہ یہ لفظ علمیت کے وقت جمع نہیں لیکن یہ لفظ اصل میں جمع تھا اس اصلی جمعیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس لفظ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

لأنه منقول عن الجمع فإنه كان في الأصل جمع حضجر بمعنى عظيم البطن سمي به الضبع مبالغة في عظم بطنها كأن كل فرد منها جماعة من هذا الجنس فالمعتبر في منع صرفه هو الجمعية الأصلية۔

اس میں شارح نے حضاجر کے غیر منصرف ہونے کی دلیل اور وجہ بیان کی ہے کہ یہ لفظ اصل میں حضجر

کی جمع ہے جس کے معنی عظیم البطن کے ہیں اب مبالغۃ ضبع کا نام رکھا گیا اس لئے کہ اس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے گویا اس جانور کے جنس میں سے ہر ایک فرد مبالغۃ بوجہ بڑے ہونے پیٹ کے علیحدہ علیحدہ جماعت ہے پس اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے جمعیت اصلی معتبر مانی گئی ہے۔

فإن قلت: لا حاجة فی منع صرفه إلی اعتبار الجمعية الأصلية فإن فيه العلمية والتانيث لأن الضبع هی أنثی الضبعان۔

یہ ایک سوال ہے جو جمع اصلی کے معتبر ماننے پر وارد ہوا ہے جس کی شارح تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ حضاجر کے غیر منصرف ہونے میں جمعیت اصلی کے اعتبار کی کیا حاجت اور ضرورت ہے؟ کیونکہ اس میں دو اسباب منع صرف موجود ہیں ایک تانیث دوسرے علمیت۔ تانیث اس لئے کہ ضبع ضبعان کا مؤنث ہے لہذا تانیث محقق ہو گئی پس یہ لفظ بنا بر علمیت اور تانیث کے غیر منصرف ہونا چاہئے جمعیت اصلی کی اس میں ضرورت نہیں۔

قلنا: علميته غير مؤثرة وإلا لكان بعد التنكير منصرفا والتانيث غير مسلم لأنه علم لجنس الضبع مذكراً كان أو مؤنثاً۔

اس عبارت میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ حضاجر کی علمیت مؤثر نہیں ہے ورنہ یہ لفظ نکرہ بنانے کے بعد منصرف ہو جائے گا اور اس کی تانیث مسلم نہیں کیونکہ یہ جنس ضبع کا علم ہے خواہ مذکر ہو خواہ مؤنث۔

وإنما اكتفى المصنف فی التنبيه على اعتبار الجمعية الأصلية بهذا القول، ولم يقل الجمع شرطه أن يكون فی الأصل كما قال فی الوصف لئلا يتوهم أن الجمعية كالوصف قد تكون أصلية معتبرة وقد تكون عارضة غير معتبرة وليس الأمر كذلك إذ لا يتصور العروض فی الجمعية۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب جمعیت حالی اور اصلی کو عام بنایا گیا ہے پس مناسب تھا کہ مصنف عبارت یہاں اس طرح لکھتے الجمع أن يكون فی الأصل جس طرح کہ وصف میں لکھ چکے ہیں تا کہ اس سے جمع کی دو قسمیں معلوم ہوتیں ایک حالی، دوسری اصلی۔ حالانکہ مصنف نے ایسا نہیں کیا؟

شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے جمع اصلی کے اعتبار پر لأنه منقولٌ عن الجمع کے قول پر اکتفا کر کے

تنبیہ ظاہر کی ہے اور الجمع شرطه أن يكون في الأصل جس طرح وصف میں کہا اس طرح یہاں اس لئے نہیں کہا تا کہ اس سے یہ وہم نہ پیدا ہو کہ جس طرح وصف کی دو قسموں کی بنا پر کبھی وصف معتبر مانا جاتا اور کبھی نہیں مانا جاتا ہے اسی طرح یہاں جمع بھی مثل وصف کے اصلی ہو تو معتبر اور اگر عارضی ہو تو غیر معتبر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جمع کی جمعیت میں عروض متصور نہیں ہو سکتا یعنی وصف میں یہ ضرور ہے کہ جب اصلی ہو تو منع صرف کی سببیت کے لئے معتبر مانا جاتا ہے اور اگر عارضی ہو تو معتبر نہیں مانا جاتا اور جمع میں ایسا نہیں ہے یعنی جمع عارضی سبب نہیں ہوتی بلکہ اصل ہی منع صرف کے لئے سبب بن سکتی ہے۔

وسراويل جواب عن سوال مقدرٍ تقديره: أن يقال قد تفصيت عن الإشكال الوارد على قاعدة الجمع بحضاجر بجعل الجمع أعم من أن يكون في الحال أو في الأصل فما تقول في سراويل، فإنه اسم جنس يطلق على الواحد والكثير ولا جمعية فيه لا في الحال ولا في الأصل؟ فأجاب بأنه قد اختلف في صرفه ومنعه منه فهو۔

یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اوپر جمع کے قاعدہ پر جو حضاجر کا اعتراض وارد ہوا تھا اس کا جواب جمع کو حالی اور اصلی کی طرف عام مان کر دے چکے ہیں لیکن اب سراویل کا اعتراض عائد ہوا کہ یہ لفظ اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے اور اس میں نہ جمع حالی ہے نہ اصلی، لہذا یہ لفظ بوجہ نہ پائے جانے جمع حالی واصلی کے علی الاتفاق منصرف ہونا چاہئے حالانکہ اس کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے پس مصنف نے خود ہی اس کا جواب اس طرح دیا کہ اس لفظ کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک غیر منصرف اور اقل کے نزدیک منصرف ہے جیسا کہ خود تشریح کرتے ہیں۔

إذا لم يصرف وهو الأكثر في موارد الاستعمال فيرد به الإشكال على قاعدة الجمع كما قلت۔

یعنی اگر یہ سراویل کا لفظ غیر منصرف تسلیم کیا جائے جیسا کہ اکثر موارد استعمال میں غیر منصرف ہی مستعمل ہوتا ہے تو اس پر اوپر والا اعتراض جمع کے قاعدہ کا جیسا کہ تم کہہ چکے ہو وارد ہو جائے گا جس کا جواب یہ ہوگا۔

فقد قيل في التفصي عنه: إنه اسم أعْجَمِيٌّ ليس بجمع لا في الحال ولا في الأصل۔

یعنی اس سوال کے جواب دو طرح دیے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہ لفظ عجمی اسم ہے، یہ نہ جمع حالی ہے اور نہ جمع

اصلی، بلکہ۔

حمل فی منع الصرف **علی موازنه** أی علی ما یوازنه من الجموع العربیة کأناعیم ومصابیح فإنه فی حکمها من حیث الوزن فهو وإن لم یکن من قبیل الجمع حقیقة لکنه من قبیله حکما فالجمعیة علی هذا التقدیر أعم من أن تکون حقیقة أو حکما۔

یہ لفظ اپنے موازن پر محمول ہو کر غیر منصرف ہوگا یعنی چونکہ یہ الفاظ جو عربی میں جمع آئے ہیں جیسے أناعیم ومصابیح ان کے وزن پر ہے اس لئے یہ لفظ غیر منصرف ہوگا کیونکہ یہ وزن کے اعتبار سے ان لفظوں کے حکم میں ہے پس اس تقدیر پر یہ سراویل کا لفظ اگر چہ جمع حقیقی کے قبیل سے تو نہیں لیکن حکمی جمع کے قبیل سے مانا جائے گا پس اس تقدیر پر جمع کی عام ہو کر دو قسمیں ہوئی ایک حقیقی، دوسری حکمی لہذا یہ سراویل کا لفظ جمع حکمی میں داخل ہو کر غیر منصرف ہوا۔

فبناء هذا الجواب علی تعمیم الجمعیة لا علی زیادة سبب آخر علی الأسباب التسعة وهو الحمل علی الموازن۔

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس جواب کی بنا پر اسباب تسعہ میں حصر کا بطلان لازم آیا اس لئے اب دس اسباب ہوئے، نو مذکور ہو چکے ہیں، دسواں حمل علی الموازن ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بنا اس جواب کی جمعیت کی تعمیم پر ہے اسباب تسعہ پر دوسرے سبب کی زیادۃ جو کہ حمل علی الموازن ہے مقصود نہیں ہے یعنی اس جواب سے یہ معلوم ہوا کہ جمع عام ہو کر دو قسم ہوئی ایک حالی، دوسرے اصلی۔ یہ مقصد نہیں کہ نو سببوں پر دسواں اور بڑھ جائے۔

وقیل: هو اسم عربیٌ لیس بجمع تحقیقاً لأنه اسم جنس یطلق علی الواحد والکثیر لکنه **جمع سروالة تقدیراً** وفرضاً فإنه لما وجد غیر منصرف ومن قاعدتهم: أن هذا الوزن بدون الجمعیة لم یمنع الصرف قدّر حفظا لهذه القاعدة أنه جمع سروالة فکأنه سمی کل قطعة من السراویل سروالة ثم جمعت سروالة علی سراویل۔

اس میں دوسرا جواب ہے کہ یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ اسم عربی جمع حقیقی نہیں ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہے جس کا واحد، کثیر دونوں پر اطلاق ہوتا ہے بلکہ یہ فرضی اور تقدیری جمع ہے جس کا مفرد سروالۃ ہے کیونکہ جب اس لفظ کو عربی میں غیر منصرف مستعمل کرتے ہیں اور عرب کا قاعدہ ہے کہ یہ وزن بغیر پائے جانے جمعیت کے اسم کو غیر

منصرف نہیں بنا سکتا لہذا ضرورتاً اس قاعدہ کی حفاظت کے لئے یہ فرض کیا گیا کہ یہ سروالة کی جمع ہے جس کے معنی پاجامے کے کسی حصے کے ہیں گویا پاجامے کے ہر ایک ٹکڑے کا نام سروال رکھا گیا پھر سروال کو سراویل کی جمع فرض کیا گیا، لہذا جب اس میں جمع فرضی پائی گئی تو اب یہ لفظ غیر منصرف ہوا۔

وإذا صرف أي سراويل لعدم تحقق جمعيته تحقيقاً والأصل في الأسماء الصرف **فلا إشكال** بالنقض به على قاعدة الجمع ليحتاج إلى التفصي عنه۔

یہاں سے سراویل کے منصرف ہونے کی تحقیق فرماتے ہیں یعنی اگر سراویل کا لفظ بوجہ نہ متحقق ہونے جمعیت حقیقی کے منصرف مانا جائے علاوہ ازیں اصل اسماء میں انصراف ہے تو اس تقدیر پر اوپر والا اعتراض جو جمع کے قاعدہ پر وارد ہوا تھا وارد نہیں ہوگا جس کے جوابات مذکورہ کے دینے کی ضرورت پڑے۔

ونحو جوار أي كل جمع منقوص على فواعل يائيا كان أو واويا كالجواري والدواعي۔

اوپر مصنف کافیہ نے سراویل کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کا اختلاف بتایا تھا اب یہاں جوارٍ کا اختلاف بتانا چاہتے ہیں اور شارح کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جوار کے لفظ سے یہاں مراد ہر جمع ناقص ہے جو کہ فواعل کے وزن پر آئی ہو خواہ وہ ناقص یائی ہو خواہ واوی جیسے کہ جواری اور دواعی ہے۔

رفعاً وجراً أي في حالتي الرفع والجر۔

اس عبارت میں شارح نے جو رفع اور جر سے پہلے حالتی کا لفظ مقدر نکالا ہے اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ یہ الفاظ کس بنا پر منصوب ہیں؟ اگر بنا بر مصدریت ہوں تو یہ درست نہیں اور اگر منصوب بنا بر حال ہوں یا منصوب بنا بر ظرف ہوں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ الفاظ یہاں نہ مصدر ہیں اور نہ حال اور نہ ظرف جیسے کہ اس سوال وجواب کی تشریح بار بار ہو چکی ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ یہ الفاظ یہاں منصوب بنا بر ظرف ہیں اور ان الفاظ کی ظرفیت یہاں باعتبار مضاف مقدر کے جو کہ حالت کا لفظ ہے مانی جائے گی یعنی جوارٍ کا لفظ حالت رفعی اور حالت جری میں۔

كقاض أي حكمه حكم قاض۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جوارٍ کی تشبیہ قاضٍ کے ساتھ

درست نہیں اس لئے کہ جوار کا لفظ جمع ہے اور قاضٍ کا لفظ مفرد ہے لہذا درمیان مشبہ اور مشبہ بہ کے مناسبت حاصل نہیں ہوئی اور یہ ضروری ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جوارٍ کی تشبیہ قاضٍ کے ساتھ حکم میں ہے صیغہ میں نہیں۔

بحسب الصورة۔

اس عبارت کے بڑھانے سے بھی مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جوارٍ کی تشبیہ قاض کے ساتھ حکم میں بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ قاضٍ کا منصرف ہونا اتفاقی اور جوار کا منصرف ہونا اختلافی ہے یعنی قاضٍ بالاتفاق منصرف ہے اور جوارٍ کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تشبیہ جوارٍ کی قاضٍ کے حکم میں ہے بحسب صورت۔

فی حذف الياء عنه وإدخال التنوين عليه تقول جاء تنی جوارٍ ومررت بجوارٍ كما تقول جاء نی قاضٍ ومررت بقاضٍ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صورت جوارٍ کی مثل صورت قاضٍ کے ہونا مسلم نہیں ہے اس لئے کہ صورت جوار کی اعلال سے پیشتر فواعل کے وزن پر ہے اور قاضٍ کی صورت قبل اعلال فاعل کے وزن پر ہے لہذا بحسب صورت بھی تشبیہ درست نہیں ہوئی؟

شارح نے جواب دیا کہ تشبیہ صورت جوار کی قاضٍ کی صورت کے ساتھ یاء کے حذف ہونے اور اس پر تنوین کے داخل کرنے میں ہے یعنی جس طرح قاضيٍ میں یاء کو حذف کر کے اس پر تنوین داخل کی جاتی ہے اسی طرح جوارٍ کی یاء بھی حذف کر کے اس پر تنوین داخل ہوتی ہے جیسے کہ مثال عربی عبارت میں موجود ہے۔

وأما فی حالة النصب فالياء متحركة مفتوحة نحو رأيت جواری فلا إشكال فی حالة النصب لأن الاسم غير منصرف للجمعية مع صيغة منتهى الجموع۔

یعنی حالت نصبی میں یاء متحرک مفتوح ہوگی جیسے مثال مذکور میں ہے، پس حالت نصبی میں اس لفظ کا غیر منصرف ہونا اتفاقی ہے کیونکہ نصبی حالت میں جمعیت مع صیغہ منتہی الجموع کے پائی جاتی ہے۔

بخلاف حالتی الرفع والجر فإنه قد اختلف فيه فذهب بعضهم إلى أن الاسمُ منصرف والتنوين فيه تنوين الصرف لأن الاعلال المتعلق بجوهر الكلمة مقدم على منع الصرف الذی هو

من أحوال الكلمة بعد تمامها، فأصل جوارٍ في قولك جاء تني جوارٍ جواريٌ بالضم والتنوين بناء على أن الأصل في الاسم الصرف وبنى الإعلال على ما هو الأصل ثم أسقطت الضمة للثقل والياء لالتقاء الساكنين فصار جوارٍ على وزن سلام وكلام فلم يبق على صيغة منتهى الجموع فهو بعد الإعلال أيضاً منصرف، والتنوين فيه للصرف كما كان قبل الإعلال كذلك، وذهب بعضهم إلى أنه بعد الإعلال غير منصرف؛ لأن فيه الجمعية مع صيغة منتهى الجموع لأن المحذوف بمنزلة المقدر ولهذا لا يجرى الإعراب على الراء۔

بخلاف حالت رفعی اور جری کے کہ ان دونوں حالتوں میں اس لفظ کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے میں نحاۃ کا اختلاف ہے۔

بعضے اس طرف گئے ہیں کہ یہ لفظ ان دونوں حالتوں میں منصرف ہے اور اس میں جو تنوین ہے یہ تنوین صرفی یعنی علامت اسم کے منصرف ہونے کی ہے کیونکہ اس کلمہ میں جو اعلال ہوا ہے وہ کلمہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے یہ منع صرف پر مقدم مانا جاتا ہے اس لئے کہ منع صرف یعنی اسم کا غیر منصرف ہونا کلمہ کے احوال عارضہ میں سے ہے جو کہ کلمہ کے تمام ہونے کے بعد کلمہ کو عارض ہوتا ہے پس جاء تنی جوار کے قول میں جوارٍ کے لفظ کی اصل جواریٌ ضمہ کے ساتھ ہے اور اس کی تنوین اس بنا پر ہے کہ اصل اسماء میں صرف ہے لہذا اس تقدیر پر اس لفظ کا اعلال اصل یعنی اسم کے منصرف ہونے پر مبنی ہے پھر اس لفظ کا ضمہ بوجہ ثقیل ہونے کے ساقط ہوا اس کے بعد یاء بوجہ التقائے ساکنین جو کہ درمیان یاء اور تنوین کے ہے ساقط ہوگئی پھر یہ لفظ جواریٌ سے جوارٍ، سلامٍ و کلامٍ کے وزن پر ہو کر صیغہ منتہی الجموع پر باقی نہیں رہا اس لئے یہ لفظ اب اعلال کے بعد بھی منصرف ٹھہرا اور اس کی تنوین صرفی ہوئی جس طرح کہ اعلال سے قبل تھی۔

اور بعضے اس طرف گئے ہیں کہ یہ لفظ بعد اعلال غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں جمعیت مع صیغہ منتہی الجموع جو جمعیت کی سببیت کے لئے شرط ہے پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں یائے محذوفہ بمنزلہ مقدر کے ہے اور مقدر کالملفوظ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس لفظ کی واو پر اعراب جائز نہیں ہوتا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ محذوف کالملفوظ ہے۔

والتنوين فيه تنوين العوض فإنه لما أسقط تنوين الصرف عوض عن الياء المحذوفة أو عن حركتها هذا التنوين وعلى هذا القياس حالة الجر بلا تفاوت وفي لغة بعض العرب إثبات الياء في حالة الجر كما في حالة النصب تقول: مررت بجواري كما تقول رأيت جواري وبناء هذه اللغة

علی تقدیم منع الصرف علی الإعلال فإنه حینئذٍ تکون الیاء مفتوحة فی حالة الجر والفتحة خفیة فما وقع فیه إعلال وأما فی حالة الرفع فأصل جوارٍ جواری بالضمة بلا تنوین، حذفت الضمة للثقل وعوض عنها التنوین فسقطت الیاء لالتقاء الساکنین فصار جوارٍ وعلی هذه اللغة لا إعلال إلا فی حالةٍ واحدة بخلاف اللغة المشهورة فإن فیه الإعلال فی حالتین کما عرفت۔

اس میں شروع والی التنوین فیه تنوین العوض کی عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب یہ اسم بعض کے نزدیک بعد اعلال غیر منصرف ٹھہرا تو غیر منصرف پر تنوین اور کسرہ کا آنا منع ہے اس میں یہ تنوین جو آئی ہے یہ کس بنا پر ہوگی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس میں جو تنوین ہے یہ تنوین یائے محذوفہ کے عوض میں آئی ہے کیونکہ جب اس لفظ سے تنوین صرفی ساقط ہوئی تو یائے محذوفہ یا اس کی حرکت کے عوض میں یہ تنوین اس لفظ پر جاری ہوئی ہے اور اسی پر اس لفظ کو حالت جری میں بھی بلا تفاوت قیاس کرنا چاہئے یعنی جو تشریح حالت رفعی کی گزر چکی ہے، وہی حالت جری کی بھی ہے۔

اور عرب کے بعضے لغت میں یہ لفظ حالت جری میں بھی یاء کے اثبات کے ساتھ ہے جس طرح حالت نصبی میں مررت بجواری یاء کے اثبات کے ساتھ بولا جاتا ہے، اسی طرح عرب کے بعض لغت میں حالت جری میں بھی بولا جاتا ہے جس طرح کہ رأیت جواری یاء مفتوحہ کے ساتھ بولتے ہیں اسی طرح بعضے عرب مررت بجواری یاء مفتوحہ کے ساتھ حالت جری میں بھی استعمال کرتے ہیں اور اس لغت کی بنا پر یہ معلوم ہوا کہ اسم کا غیر منصرف ہونا اعلال پر مقدم ہے کیونکہ اس لغت کے لحاظ سے حالت جری میں اس لفظ کی یاء اس وقت مفتوح ہوگی اور فتحہ خفیف ہوتا ہے لہذا حالت جری میں اس جوارٍ کے لفظ میں اعلال واقع نہیں ہوگا اور حالت رفعی میں جوارٍ کی اصل جواریُ بضمہ بغیر تنوین کے ہے بوجہ ثقیل ہونے ضمہ کے یاء پہ یہ ضمہ یاء پر سے محذوف ہوا، اس ضمہ کے عوض میں یہ تنوین جاری کی گئی پھر یاء بوجہ التقائے ساکنین کے ساقط ہوئی۔ پس یہ لفظ جوار رہا اور اس لغت کی بنا پر اس لفظ میں ایک ہی حالت یعنی حالت نصبی ہی میں اعلال مانا جائے گا بخلاف اوپر والی لغت مشہورہ کے کہ اس کی بنا پر اس لفظ میں دونوں حالتوں یعنی حالت نصبی اور جری میں اعلال متصور ہوگا جیسا کہ تم جان آئے ہو۔

التركيب وهو صيرورة كلمتين أو أكثر كلمة واحدة من غير حرفية جزء فلا يرد النجم وبصریٌ علمین۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ النجم وبصری کے الفاظ میں ترکیب مع علمیت پائی جاتی ہے لہذا چاہئے کہ یہ الفاظ غیر منصرف ہوں حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہیں یعنی النجم میں الف لام ایک جز اور نجم دوسرا جز دونوں جز مل کر مرکب ہوکر ستارے کا نام ہے اور بصریؒ میں بصری ایک جز، یائے نسبتی دوسرا جز، دونوں مل کر مرکب ہے، لہذا ترکیب معہ علمیت ان لفظوں میں متحقق ہوگئی، یہ الفاظ غیر منصرف ہونا چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ترکیب سے مراد مطلق ترکیب نہیں ہے بلکہ یہاں ترکیب سے مراد یہ ہے کہ دو کلموں یا دو سے زیادہ مرکب ہوکر ایک کلمہ بن جائے اور ترکیب میں دونوں جز اسم ہوں اور النجم میں ایک جز حرف ہے اسی طرح بصری میں ایک جز یعنی یائے نسبتی حرف ہے لہذا یہ ترکیب سببیت منع صرف کے لئے کافی نہیں اس لئے یہ الفاظ منصرف ہوں گے اور جب ہم نے یہ ثابت کیا کہ ترکیب میں حرف کی جزئیت نہ ہو پس ان الفاظ کا اعتراض جو اوپر وارد ہوا تھا دفع ہوگیا۔

شرطه العلمية ليأمن من الزوال فيحصل له قوة فيؤثر بها في منع الصرف۔

یعنی ترکیب کے منع صرف کی سببیت کے لئے علمیت شرط ہے تاکہ علمیت کے سبب سے اسم تغیر وزوال سے محفوظ رہے کیونکہ اعلام حتی الامکان تغیر وتبدل سے محفوظ ہوتے ہیں جب اسم تغیر سے محفوظ ہوگا تو اس میں ایک قسم کی قوت آجائے گی جس کے ذریعے سے منع صرف کے لئے ترکیب مؤثر ہوکر سبب بن سکے گی۔

وأن لا يكون بإضافة لأن الإضافة تخرج المضاف إلى الصرف أو إلى حكمه فكيف تؤثر في المضاف إليه مايضاده أعني منع الصرف؟

یعنی ترکیب کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب اضافت کی نہ ہو جیسے غلام زید میں ہے اس لئے کہ اضافت اسم مضاف کو منصرف کر دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں پس مضاف الیہ میں منصرف کی ضد یعنی غیر منصرف کر دینے کا اثر نہ کر سکے گی کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ مضاف میں عمل صرف اور مضاف الیہ میں عمل عدم صرف کا کرے جو دونوں ضدین ہیں۔

ولا إسناد لأن الأعلام المشتملة على الإسناد من قبيل المبنيات نحو تأبط شرا فإنها باقية في حالة العلمية على ما كانت عليها قبل العلمية فإن التسمية بها إنما هي لدلالتها على

قصة غريبة فلو تطرق إليها التغير يمكن أن تفوت تلك الدلالة، وإذا كانت من قبيل المبنيات فكيف يتصور فيها منع الصرف الذي هو من أحكام المعربات؟

یعنی ترکیب کے ساتھ تیسری شرط یہ ہے کہ یہ ترکیب اسنادی نہ ہو جیسے زید قائم میں ہے کیونکہ وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوں وہ مبنیات کے قبیل میں سے ہیں جیسے تأبط شراً ہے کہ اعلام حالت علمیت میں پہلی علمیت سے جو حالت ہے اسی حالت پر باقی رہتے ہیں کیونکہ اعلام کا تسمیہ مبنیات کے ساتھ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ مبنیات کسی قصہ غریبہ پر دلالت کرتے ہوں گے اگر ان مبنیات میں معرب بنا کر کسی قسم کا تغیر پیدا ہو جائے تو اس صورت میں ممکن ہے کہ اس قصہ غریبہ پر دلالت کرنا فوت ہو جائے یعنی معرب بنانے کی صورت میں اس قصہ غریبہ پر دلالت نہ ہو سکے گی جب کہ وہ اعلام جن میں اسناد پایا جاتا ہے مبنیات کے قبیل سے ہیں تو پھر ان میں منع صرف جو احکام معربات میں سے ہے کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

فائدہ: تابط شراً کا قصہ غریبہ یہ ہے کہ عرب میں ایک شخص جنگل جا کر چارہ کاٹ کر بکریوں کے لئے گھر لایا جب گھر میں چارہ کی گٹھڑی کھولی تو اس میں سے اتفاقاً ایک سانپ برآمد ہوا جس کو دیکھ کر اس شخص کی بیوی نے تأبط شراً کہا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ بغل میں شر چھپا کر لایا اب یہ جملہ اس شخص کا نام ہوا جو ایسا شریر واقع ہو۔ یہ جملہ اسناد پر مشتمل ہے اس لئے یہ مبنیات میں سے ہوا غیر منصرف نہیں۔

فإن قلت: كان على المصنف أن يقول: وأن لا يكون الجزء الثاني من المعرب صوتا ولا متضمنا بحرف العطف ليخرج مثل سيبويه ونفطويه ومثل خمسة عشر وستة عشر علمين۔

یہ ایک سوال ہے جو مصنف کے متن پر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مصنف پر لازم تھا کہ جس طرح کہا ہے کہ ترکیب کی شرط یہ ہے کہ اضافی اور اسنادی نہ ہو اسی طرح کہتے کہ ترکیب کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اسم مرکب کا جز ثانی صوت نہ ہو اور نہ حرف عطف کو شامل ہو، تاکہ ترکیب کی تعریف سے سیبویہ اور نفطویہ اور خمسة عشر وستة عشر جو دو علم ہیں خارج ہو جاتے کیونکہ یہ سب مرکب ہیں حالانکہ غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہیں لہذا چوتھی شرط بڑھا کر ان کو خارج کر دینا چاہئے تھا حالانکہ مصنف نے ایسا نہیں کیا۔

قلنا: كأنه اكتفى في ذلك بما ذكره في ما بعد أنهما من قبيل المبنيات وأما الأعلام المشتملة على الإسناد فلم يذكر بنائها أصلا فلذلك احتاج إلى إخراجها۔

اس عبارت میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے کہ سیبویہ اور نفطویہ وغیرہ الفاظ کو اس لئے غیر منصرف کی تعریف سے نہیں نکالا کہ اس میں مصنف نے اس پر اکتفا کیا ہے جو کہ ان الفاظ کے متعلق مابعد میں ذکر کریں گے کہ یہ الفاظ مبنیات کے قبیل میں سے ہیں لہذا شرط رابع بڑھانے کی ضرورت نہیں اور وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوں ان کا مبنی ہونا نہ صراحۃً ذکر کیا ہے نہ کنایۃً۔ اسی وجہ سے ان کو غیر منصرف کی تعریف سے نکالنے کی ضرورت ہوئی اس لئے والا سناد کہہ کر ان کو غیر منصرف سے خارج کر دیا۔

مثل: بعلبک فإنه علم لبلدة مركب من بعل هو اسم صنم وبك وهو اسم صاحب هذه البلدة جعلا اسماً واحداً من غير أن يقصد بينهما نسبةٌ إضافية أو إسنادية أو غيرهما۔

اس میں ترکیب مع علیت کی مثال ہے یعنی یہ بعلبك کا لفظ بعل سے جو کسی بت کا نام ہے اور بك سے جو اس شہر کے بادشاہ کا نام ہے مرکب ہو کر اب ایک شہر کا نام ٹھہرا۔ ان دونوں اجزا کو مرکب بنا کر ایک شہر کا نام رکھا اور ان دو اجزا کے درمیان نہ نسبت اضافی ہے اور نہ اسنادی اور نہ ان دونوں کا غیر ہے لہذا یہ ترکیب ساتھ اپنے شروط ثلثہ کے جمع ہو کر سبب منع صرف کی ہوئی اور اسم کا غیر منصرف ہونا ثابت ہوا۔

الألف والنون المعدودتان من أسباب منع الصرف تسميان مزيدتين لأنهما من حروف الزوائد وتسميان مضارعتين أيضا لمضارعتهما لألفي التانيث فى منع دخول تاء التانيث عليهما۔

اس عربی عبارت میں شارح نے اشارہ کیا ہے کہ الف لام مصنف کے متن الالف والنون میں عہدی ہے اس سے اشارہ اس الف ونون کی طرف ہے جس کو عرب منع صرف کے اسباب سے گنتے ہیں اور الف ونون کا نام مزیدتین اس لئے رکھتے ہیں کہ یہ الف ونون حروف زوائد سے ہیں اور مضارعین سے بھی مسمیٰ کرتے ہیں اس لئے کہ مضارعت کے معنی مشابہت کے ہیں اور یہ الف نون بھی دو الف تانیث یعنی الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ تائے تانیث کے عدم دخول میں مشابہت رکھتے ہیں یعنی جس طرح الف ممدودہ اور مقصورہ پر تاء تانیث کا داخل ہونا منع ہے اسی طرح الف نون پر بھی تائے تانیث داخل نہیں ہو سکتی۔

وللنحاة خلاف فى أن سببيتهما لمنع الصرف إما لكونهما مزيدتين وفرعيتهما للمزيد عليه وإما لمشابهتهما لألفي التانيث والراجح هو القول الثانى ثم إنهما۔

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الف نون کا اسباب منع صرف سے گننا درست نہیں کیونکہ ہرایک سبب منع صرف کا فرع اور وصف شیء آخر کا ہوتا ہے اور الف نون ذوات ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ الف نون کی سببیت میں نحاۃ کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ الف نون کی سببیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ مزید تین فرع مزید علیہ کے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ان کی سببیت اس لحاظ سے ہے کہ یہ الفی تانیث یعنی الف ممدودہ ومقصورہ سے عدم دخول تائے تانیث میں مشابہ ہیں پس اس تقدیر پر الف نون کی سببیت باعتبار زیادت اور مشابہت کے ہے جو وصف ہے اب ان کا اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست ہوا باعتبار زیادت یا مشابہت کے اور راجح قول ثانی ہے یعنی ان کی سببیت باعتبار مشابہت کے ہے پھر یہ الف ونون اگر اسم میں پائے جائیں تو اس اسم کے غیر منصرف ہونے کے لئے علمیت شرط ہے۔

إن كانتا في اسمٍ يعني به ما يقابل الصفة فإن الاسم المقابل للفعل والحرف إما أن لا يدل على ذات ما لوحظ معها صفة من الصفات كرجل وفرس أو يدل كأحمر وضارب ومضروب فالأول يسمى اسماً والثاني صفة فالمراد بالاسم المذكور ههنا هو هذا المعنى لا الاسم الشامل للاسم والصفة۔

اس عبارت سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسم نحویین کی اصطلاح میں وہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور یہی معنی صفت کے بھی ہیں پس صفت کا اسم کے بعد ذکر کرنا مستدرک اور بے کار ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم کے دو معنی ہیں ایک معنی عام، دوسرے معنی خاص، عام وہ ہے جو فعل اور حرف کا مقابل ہو، یعنی فعل وحرف نہ ہو۔ خاص یہ کہ صفت کا مقابل ہو یعنی صفت نہ ہو اور یہاں مراد وہ ہے جو مقابل صفت کا ہو کیونکہ وہ اسم جو مقابل فعل وحرف کا ہو وہ ذات مع الوصف پر دلالت نہیں کرے گا جیسے رجل، فرس یا کرے گا جیسے أحمر، ضارب، مضروب پس اول قسم کا نام اسم ہے اور ثانی کا نام صفت ہے اور یہاں مراد اسم سے جو متن میں مذکور ہے بقرینہ مقابلۂ صفت کے یہی معنیٰ مراد ہیں نہ وہ اسم جو اسم اور صفت کو شامل ہو، لہٰذا اس تقدیر پر اسم کے بعد صفت کا ذکر کرنا بے کار نہیں ہوا بلکہ مناسب ہے۔

فشرطه أي شرط الألف والنون في منعهما من الصرف۔

اس میں صرف شارح نے یہ ظاہر کیا ہے"شرطه"کی ضمیر مجرور الف ونون کی طرف لوٹتی ہے۔

وافراد الضمير باعتبار أنهما سبب واحد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شرطه کی ضمیر مجرور الف ونون کی طرف لوٹتی ہے اور وہ تثنیہ ہے اور ضمیر مفرد، پس درمیان ضمیر اور مرجع کے مطابقت نہیں ہوئی اور یہ ضروری ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس ضمیر کا افراد باعتبار اس کے ہے کہ الف ونون ایک سبب ہے لہذا مطابقت درمیان ضمیر اور مرجع کے حاصل ہوگئی۔

أو شرط ذلك الاسم في امتناعه من الصرف۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے یا شرط کی ضمیر مجرور اس اسم کی طرف راجع ہے جو الف ونون پر مشتمل ہو اور اسم مفرد ہے لہذا اس تقدیر پر درمیان ضمیر اور مرجع کے مطابقت حاصل ہوگئی۔ لیکن یہ جواب مسامحہ سے خالی نہیں اس لئے کہ شروط سابقہ سب اسباب منع صرف کی طرف مضاف ہیں اسم کی طرف مضاف نہیں اور یہاں یہ شرط اس دوسرے جواب کی بنا پر اسم کی طرف مضاف ہوتی ہے اس لئے جواب اول اس جواب ثانی سے زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

العلمية تحقيقا للزوم زيادتهما أو ليمتنع دخول التاء فيتحقق شبههما بألفي التانيث.

یعنی الف نون کے ساتھ علمیت اس لئے شرط ہے کہ اس کا مزید تین ہونا متحقق ہو، مزید تین ہونے کی صورت میں تاکہ تائے تانیث کا داخل ہونا ممتنع ہو اور مضارعین ہونے کی صورت میں الفی تانیث سے ان کی مشابہت ثابت ہوجائے کیونکہ اعلام حتی الامکان تغیر وتبدل سے محفوظ ہوتے ہیں۔

كعمران۔

یہ الف ونون مزید تین مع علمیت کی مثال ہے۔

أو كانتا۔

اس لفظ کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ اسم پر عطف ہے۔

في صفة فانتفاء فعلانة أي إن كان الألف والنون في صفة۔

یعنی اگر الف ونون صفت میں پائے جائیں تو اس وقت ان کی سببیت کے لئے فعلانة کی انتفاء شرط ہے یعنی

مونث اس کا اس وزن پر نہ آئے۔

فشرطه انتفاء فعلانة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فانتفاء فعلانة کا قول ترکیب میں شرط کی جزا ہے اور شرط کی جزا ہمیشہ جملہ ہوا کرتی ہے اور جزا جملہ نہیں بلکہ مضاف مضاف الیہ مرکب ناقص ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فانتفاء فعلانة کا قول مبتدا محذوف کی خبر ہے مبتدا محذوف فشرطه کا لفظ ہے اب مبتدا اور خبر دونوں مل کر جملہ جزائیہ واقع ہوئے۔

يعني امتناع دخول تاء التانيث عليه ليبقى مشابهتما لألفي التانيث على حالها ولذا انصرف عُريانٌ معه أنه صفة لأن مؤنثه عريانة۔

اس عبارت میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فعلانة کا لفظ تین حالتوں سے خالی نہیں یا یہ لفظ مفتوح الفاء ہوگا یا مضموم الفاء اگر مضموم الفاء ہے تو چاہئے کہ عُریانٌ کا لفظ غیر منصرف ہو کیونکہ اس میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ یہ مضموم الفاء ہے حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہے اور اگر یہ لفظ مفتوح الفاء ہو تو مناسب ہے کہ ندمان کا لفظ غیر منصرف ہو کیونکہ یہ مفتوح الفاء ہے اس میں یہ شرط پائی جاتی ہے حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ انتفاء فعلانة سے مراد امتناع دخول تاء التانیث ہے تاکہ مشابہت الف نون کی الفی التانیث سے علی حالہا باقی رہے خواہ وہ لفظ مفتوح الفاء ہو جیسے ندمان یا مضموم الفاء ہو جیسے عثمان یا مکسور الفاء ہو جیسے عمران اور چونکہ انتفاء فعلانة سے مراد امتناع دخول تائے تانیث ہے اس لئے عریان کا لفظ منصرف ہے باجودیکہ یہ صفت ہے اس کے منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مؤنث عریانة آتا ہے اور غیر منصرف ہونے کے لئے اس کی انتفاء شرط تھی۔

وقيل: شرطه۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ اوپر والے شرطه کے لفظ پر عطف ہے۔

وجود فعلى لأن متى كان مؤنثه فعلى لا يكون فعلانة فيبقى مشابهتهما لألفي التانيث على حالها۔

یعنی بعض کے نزدیک اگر الف ونون صفت میں پائے جائیں تو ان کی سببیت کے لئے شرط یہ ہے کہ جس لفظ میں یہ الف ونون آئے ہوں اس لفظ کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہو کیونکہ جب اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہوگا تو اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہیں ہوگا پس اس صورت میں الف ونون کی مشابہت الفی تانیث یعنی الف ممدودہ اور مقصورہ سے علی حالہا باقی رہے گی اور اس مشابہت کی بنا پر ان کی سببیت ثابت ہو جائے گی۔

ومن ثم أی ومن أجل المخالفة فی الشرط۔

یعنی جس اسم صفتی میں الف ونون آئے ہوں تو اس کے غیر منصرف ہونے میں بنا بر شرط اختلاف ہے کہ کوئی انتفاء فعلانۃ کو شرط ٹھہراتا ہے اور کوئی وجود فعلی کو شرط مانتا ہے اس لئے رحمن کے لفظ کے غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔

اختلف فی رحمٰن فی أنه منصرف أو غیر منصرف فإنه لیس له مؤنث لا رحمیٰ ولا رحمانة لأنه صفة خاصة لله تعالیٰ لا یطلق علیٰ غیره تعالیٰ لا علیٰ مذکر ولا علیٰ مؤنث، فعلی مذهب من شرط انتفاء فعلانة فهو غیر منصرف وعلی مذهب من شرط وجود فعلی فهو منصرف۔

اس میں شروع والی عبارت فی أنه منصرف أو غیر منصرف میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رحمن کے لفظ کی ظرفیت اختلاف کے لئے درست نہیں بوجہ فاسد ہونے معنی کے کیونکہ رحمن کی رحمانیت میں اختلاف نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اختلاف کے لئے اس لفظ کا منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا ظرف ہے یعنی بوجہ اختلاف فی الشرط کے اس لفظ کے منصرف ہونے اور غیر منصرف ہونے میں نحاۃ کا اختلاف ہے کیونکہ لفظ کا مؤنث نہ رحمی آتا ہے نہ رحمانۃ کیونکہ یہ صفت خاص اللہ تعالیٰ کی ہے اس لفظ کا اطلاق خدا کے سوا نہ مؤنث پر ہوتا ہے اور نہ ہی مذکر پر ہوتا ہے۔ پس ان لوگوں کے نزدیک جو انتفاء فعلانۃ کو شرط ٹھہراتے ہیں یہ رحمن کا لفظ غیر منصرف ہوا کیونکہ اس کا مؤنث رحمانۃ کے وزن پر نہیں آتا لہذا ان لوگوں کی شرط پائی گئی اور ان لوگوں کے مذہب پر جو وجود فعلی کو شرط کہتے ہیں یہ لفظ منصرف ٹھہرا کیونکہ اس کا مؤنث رحمیٰ کے وزن پر نہیں آتا لہذا ان لوگوں کی شرط نہیں پائی گئی، شرط نہ پائے جانے کی بنا پر یہ لوگ اس لفظ کو منصرف کہتے ہیں۔

دون سکران فإنہ لا خلاف فی منع صرفه لوجود الشرط علی المذهبین فإن مؤنثه سکری لا سکرانة۔

یعنی رحمن کے غیر منصرف ہونے اور منصرف ہونے میں اختلاف ہے سوائے سکران کے کہ اس کے غیر منصرف ہونے میں اختلاف نہیں بلکہ یہ علی الاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دونوں مذاہب کی شرطیں پائی جاتی ہیں اس لئے کہ اس کا مؤنث سکری آتا ہے سکرانۃ نہیں آتا ہے۔

ودون ندمان فإنہ لا خلاف فی صرفه لانتفاء الشرط علی المذهبین لأن مؤنثه ندمانةٌ لا ندمی هذا إذا کان ندمان بمعنی الندیم وأما إذا کان بمعنی النادم فهو غیر منصرف بالاتفاق لأن مؤنثه ندمی لا ندمانة۔

اس عبارت میں شارح نے دون کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ یہ دون کا لفظ سکران پر عطف ہے یعنی سکران علی الاتفاق غیر منصرف ہے سوائے ندمان کے کہ اس کے منصرف ہونے میں اختلاف نہیں بلکہ علی الاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں دونوں مذاہب کی شرطیں نہیں پائی جاتیں ہیں اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمانۃ آتا ہے ندمی نہیں آتا اور یہ لفظ علی الاتفاق منصرف جب ہوگا کہ جب ندمان بمعنی ندیم کے ہو جس کے معنی مصاحب کے ہیں اور اگر یہ لفظ بمعنی نادم کے ہو جس کے معنی پشیمان ہونے کے ہیں تو اس صورت میں یہ لفظ علی الاتفاق غیر منصرف ہوگا کیونکہ اس کا مؤنث ندمی آتا ہے ندمانۃ نہیں آتا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے قطعہ

ندمان منصرف کہ بود از منادمہ تا نیث او بود معنیش ندیم
در از ندم بود با لف داں مؤنثش قائل بانصراف شدن نیست مستقیم

وزن الفعل وهو کون الاسم علی وزن یعد من أوزان الفعل وهذا القدر لا یکفی فی سببیة منع الصرف بل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وزن فعل، فعل کی ایک کیفیت لازمہ کا نام ہے پس یہ اسم کو غیر منصرف بنانے کے لئے سبب مؤثر کیونکر ہو سکتا ہے؟۔

شارح نے جواب دیا کہ وزن فعل سے مراد اسم کا اس وزن پر ہونا ہے جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہو، اب اس تقدیر پر وزن فعل اسم کی صفت ہوگی لہذا غیر منصرف بنانے کے لئے اس کی سببیت صحیح ہوگئی لیکن اس کی سببیت کے

لئے صرف یہ کافی نہیں بلکہ۔

شرطه فيها أحد الأمرين إما أن يختص۔

اس کی سببیت کے لئے دوامروں میں سے ایک امر شرط ہے ایک یہ کہ یہ وزنِ فعل، فعل کے ساتھ مختص ہو یا اس کے اول میں حروف أتین میں سے ایک حرف زیادہ ہو۔

في اللغة العربية۔

اس کے بڑھانے کا فائدہ آگے چل کر شارح خود بیان کریں گے۔

به أي بالفعل بمعنى أنه لا يوجد في الاسم العربي إلا منقولا من الفعل۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وزن فعل دو حالتوں سے خالی نہیں، یہ اسم میں موجود ہوگا یا نہیں، اگر موجود ہے تو فعل کے ساتھ اس کی خصوصیت نہیں رہی کیونکہ شی ء کا خاصہ وہ ہے جو شی ء میں پایا جائے اور اس کے سوا میں نہ پایا جائے اور اگر یہ وزن فعل اسم میں موجود نہ ہو تو اسم کے منع صرف کے لئے سبب نہیں بن سکتا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ وزن فعل اسم میں موجود ہو اور فعل کے ساتھ خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ اسم عربی میں ابتداءً نہ پایا جائے بلکہ بسبیل نقل اسم میں پایا جائے یعنی اصل میں یہ وزن فعل، فعل کی صفت ہو لیکن فعل سے منقول ہو کر اسم میں پایا جائے تو اسی صورت میں منع صرف کا سبب بنے گا۔

كشمّر على صيغة الماضي المعلوم من التشمير فإنه نقل من هذه الصيغة وجعل علماً للفرس وكذلك بذّر للماء وعثر لموضع وخضم لرجل أفعالٌ نقلت إلى الاسمية۔

اس میں اس وزن کی مثال ہے جو فعل سے مختص ہو، یہ شمر کا لفظ ماضی معلوم تشمیر سے بنا ہوا ہے اور باب تفعیل سے فعل ہے اب یہ لفظ فعلیت کے صیغہ سے منتقل ہو کر گھوڑے کا نام رکھا گیا اور اسی طرح بذر فعل ہے تبذیر سے جس کے معنی اسراف کے ہیں اب یہ پانی کا نام ہوا اور اسی طرح عشر فعل ہے لیکن اب یہ کسی جگہ کا نام ہوا اور اسی طرح خضم فعل ہے لیکن اب یہ اس آدمی کا نام ہے جو سارے منہ سے کھاتا ہو یہ سب الفاظ افعال ہیں، فعلیت کے معنی سے منتقل ہو کر اب یہ اسماء ٹھہرے اور یہ سب غیر منصرف ہیں اور اسباب منع صرف میں سے ان میں دو سبب وزن فعل اور علمیت ہیں۔

وأما نحو بقم اسماً لصبغ معروف وهو البقام وشلم علما لموضع بالشام فهو من الأسماء العجمية المنقولة إلى العربية فلا يقدح فی ذلك الاختصاصُ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں کہ وزن فعل اسماء میں ابتداءً نہیں پایا جاتا کیونکہ بقم اور شلم میں ابتداءً وزن فعل آیا ہے اور یہ اسمائے عجمی ہیں یعنی بقم کا لفظ جو ایک مشہور گندم گوں رنگ کا نام ہے اور شلّم جو ملک شام میں کسی جگہ کا نام ہے یہ اسمائے عجمی ہیں لیکن عرب نے عربی کی طرف نقل کر کے عربی میں اسماء ٹھہرائے ہیں پس یہ اس اختصاص کے لئے مضر نہیں۔ گویا یہ اوپر شارح نے اختصاص کے ساتھ جو لغت عربی کی قید بڑھائی تھی اس کا یہ فائدہ ہے جس کا ہم نے حوالہ دیا تھا۔

ومثل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ یہ شمّر پر عطف ہے۔

ضُرِب علی البناء للمفعول إذا جعل علما لشخص فإنه أيضاً غير منصرفٍ للعلمية ووزن الفعل۔

یہ وزن کی دوسری مثال ہے یعنی ضُرِبَ مبنی للمفعول یعنی بصیغہ ماضی مجہول اگر کسی شخص کا نام رکھا جائے تو یہ بھی غیر منصرف ہوگا اور اسباب منع صرف میں سے اس میں دو سبب علمیت اور وزن فعل مانے جائیں گے اور اس دوسری مثال دینے سے مصنف کا مقصد صرف یہ ہے کہ اوپر کی مثال باب تفعیل اور یہ دوسری مثال مجرد کی ہے۔

وإنما قيدنا بالبناء للمفعول فإنه على البناء للفاعل غير مختص بالفعل ولم يذهب إلى منع صرفه إلا بعض النحاة۔

اوپر شارح نے ضرب کے ساتھ مبنی للمفعول ہونے کی قید بڑھائی تھی اب یہاں اس کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے مبنی للمفعول کی قید اس لئے بڑھائی ہے کہ یہ ضرب کا لفظ مبنی للفاعل یعنی اگر بصیغہ معلوم پڑھا جائے تو یہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اسماء میں بھی پایا جاتا ہے اور بصیغہ ماضی معلوم ہونے کی صورت میں اس کا غیر منصرف ہونا سوائے بعضے نحاۃ کے یعنی سوائے یونس اور عیسیٰ بن عمر نحوی کے اور کسی کے نزدیک نہیں ہے اس لئے مبنی للمفعول ہونے کی قید ضروری سمجھ کر بڑھائی گئی کہ اس صورت میں یہ لفظ باتفاق نحاۃ غیر منصرف ہے۔

أو يكون غير مختص ولكن يكون فی أوله۔

اور اگر وہ وزن فعل، فعل سے مختص نہ ہو تو اس وقت اس کی سببیت کے لئے شرط یہ ہے کہ وزن فعل کے اول میں حروف أتین میں سے کوئی حرف آیا ہو۔

أی في أول وزن الفعل أو أول ما كان على وزن الفعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اولہ کی ضمیر مجرور ھو وزن فعل کی طرف راجع ہے اور وہ ایک مصدری معنی ہے پس یہ زیادت کے لئے ظرف کیونکر بن سکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن اس سے مراد مصدری معنی نہیں بلکہ مراد اس سے وہ اسم ہے جس میں وزن فعل آیا ہو۔

زيادة أی زيادة حرف أو حرف زائد من حروف أتين۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ زیادۃ کا لفظ مضاف ہے، مضاف الیہ اس کا محذوف حرف کا لفظ ہے یا موصوف محذوف ہے اور یہ اس کی صفت ہے اور اس عبارت میں لف ونشر مرتب ہے اول صورت بہ نسبت وزن فعل کے ہے اور دوسری صورت بہ نسبت اس اسم کے ہے جس میں وزن فعل آیا ہو اور لف ونشر مرتب یہ ہے۔

لف ونشر مرتب آں باشد کہ دو لفظ آورند ودو معنی
لفظ اول بمعنی اول لفظ ثانی بمعنی ثانی

اور لف ونشر غیر مرتب اس کے برعکس ہوگا۔

كزيادته أی مثل زيادة حرفٍ أو حرف زائد في أول الفعل۔

اس میں صرف شارح نے یہ اشارہ کیا کہ زیادتہ کی ضمیر مجرور حرف کی طرف راجع ہے یعنی جس طرح حرف کی زیادت یا فعل کے اول میں أتین میں سے کوئی حرف زائد آتا ہے اسی طرح اس اسم میں بھی جس میں وزن فعل آیا ہو اتین کے حروف میں سے ایک حرف کا زیادہ ہونا ضروری ہے۔

غير قابل أی حال كون وزن الفعل أو ما كان على وزنه غير قابل۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غیر قابل کا لفظ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے اور ذوالحال اس کا وزن فعل ہے یا وہ اسم ہے جس میں وزن فعل آیا ہو یعنی وزن فعل کی سببیت کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر وہ فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو اس اسم کے اول میں حروف أتین میں سے کوئی حرف زیادہ ہو اور وہ اسم قابل التاء بھی نہ ہو۔

للتاء لأنه يخرج الوزن بهذه التاء لاختصاصها بالاسم عن أوزان الفعل۔

اوپر مصنف کافیہ نے یہ کہا تھا کہ وہ اسم جس میں وزن فعل آیا ہو وہ قابل تاء نہ ہو اب یہاں شارح اس عبارت عربی میں اس کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ قابل تاء اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ یہ تاء متحرکہ اسم سے مختص ہے لہذا اگر وہ اسم قابل تاء ہو تو یہ وزن فعل کے اوزان سے خارج ہو جائے گا پس منع صرف کا سبب نہ بن سکے گا۔

ولو قال غير قابل للتاء قياسا وبالاعتبار الذى امتنع من الصرف لأجله لم يرد عليه أربع إذا سمى به فإن لحوق التاء به للتذكير فلا يكون قياسا۔

یہ ایک سوال ہے جس پر شارح اس طرح تنبیہ کرتے ہیں کہ أربـــع کا لفظ جب کسی مرد کا نام رکھا جائے تو یہ قابل تاء ہے، اس لئے چاہئے کہ یہ منصرف ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ غیر منصرف ہے اور اسباب منع صرف میں سے اس میں دو سبب علمیت اور وزن فعل ہیں لہذا اگر مصنف غير قابل التاء قياساً لکھتے تو یہ سوال رفع ہو جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تاء سے مراد تاء قیاسی ہے اور اس میں جو تاء ہوگی وہ قیاسی نہیں ہوگی کیونکہ تاء مذکر کے لئے قیاساً نہیں آتی بلکہ مؤنث کے لئے آتی ہے۔

ولا أسود فإن مجيئ التاء فى أسودة للحية الأنثى ليس باعتبار الوصف الأصلى الذي لأجله يمتنع من الصرف بل باعتبار غلبة الاسمية العارضية۔

اس عبارت میں بھی شارح نے ایک سوال پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اسود کا لفظ قابل تاء قیاسی ہے کیونکہ مادۂ سانپ کے لئے اسودة تاء کے ساتھ استعمال کرتے ہیں پس چاہئے کہ یہ لفظ منصرف ہو حالانکہ یہ بوجہ پائے جانے وصف اصلی اور وزن فعل کے غیر منصرف ہے اگر مصنف غيـر قـابـل التـاء قيـاسـاً کے ساتھ میں وبالاعتبار الذي امتنع من الصرف کی عبارت اور بڑھاتے تو یہ سوال مذکورہ بالا وارد نہ ہوتا کیونکہ اس میں جو تاء ہے وہ مادہ سانپ کے لئے باعتبار وصف اصلی کے جس سے اسم غیر منصرف ہوتا ہے نہیں ہے بلکہ باعتبار غلبۂ اسمیت عارضہ کے ہے۔

ومن ثم أى ومن أجل اشتراط عدم قبول التاء۔

چونکہ جس اسم میں وزن فعل آیا ہو اس میں یہ شرط ہے کہ قابل تاء نہ ہو اس لئے أحمر غیر منصرف ہوا۔

امتنع أحمر عن الصرف لوجود الزيادة المذكورة مع عدم قبول التاء۔

اس عبارت میں عن الصرف کا لفظ شارح بڑھا کر یہ اشارہ کرتے ہیں کہ أحمر کے وجود کا امتناع مقصود نہیں بلکہ اس کے منصرف ہونے کا امتناع مقصود ہے یعنی یہ لفظ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں زیادۃ مذکورہ مع عدم قبول التاء پائی جاتی ہے۔

وانصرف يعمل لقبول التاء لمجيء يعملة للناقة القوية على العمل والسير۔

اور یعمل کا لفظ جس کے شروع میں اتین میں سے ایک حرف آیا ہے منصرف ہے اس لئے کہ یہ قابل التاء ہے کیونکہ اس میں یعملۃ اس اونٹنی کے لئے جو کام کرنے اور چلنے پر قوۃ رکھتی ہو استعمال کرتے ہیں اس لئے یہ لفظ منصرف ہوا۔

وما فيه علمية مؤثرة أى كل اسم غير منصرف تكون فيه علمية موثرة فى منع الصرف بالسببية المحضة أو مع الشرطية بسبب اخر واحترز بذلك عمّا تجامع ألفى التانيث أو صيغة منتهى الجموع فإن كل واحدٍ منهما كافٍ فى منع الصرف لا تاثير فيه للعلمية۔

اس عبارت میں شارح نے ما سے مراد اسم لیا ہے اور اس کے ساتھ کل کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ ما فيه علمية موثرة کا قول نحاۃ کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور قواعد اکثر قضیہ کلیہ ہوتے ہیں لہذا کل کا لفظ بڑھا کر شارح نے یہ تنبیہ کی کہ یہ قول مصنف کا بھی ایک قضیہ کلیہ ہے یعنی ہر وہ اسم غیر منصرف جس میں منع صرف کے لئے علمیت مؤثرہ پائی جائے خواہ وہ سبب محضہ ہو جیسے عدل اور وزن فعل میں۔خواہ دوسرے سبب کے مشروطیت کے ساتھ میں ہو یعنی علمیت سبب ہو لیکن دوسرے سبب کے لئے شرط ہو جیسے عجمہ وغیرہ میں اور مؤثرۃ کے قول سے اس علمیت سے احتراز ہوا جو الفی تانیث یعنی الف ممدودہ اور مقصورہ یا صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ جمع ہوئی ہو کیونکہ الف ممدودہ اور مقصورہ اور صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ علمیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ الف ممدودہ اور مقصورہ اور صیغہ منتہی الجموع میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ منع صرف کا مستقل سبب مؤثر ہے اور ما فيه علميةٌ إلخ سے لیکر صرف تک کی عبارت ترکیب میں مبتدا ہے او صرف اس کی خبر ہے یعنی جس اسم میں علمیت موثرہ ہو اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہوگا۔

إذا نكر بان يأول العلم بواحد من الجماعة المسماة به نحو هذا زيد ورأيت زيداً آخر فإنّه أريد به المسمى بزيد أو يجعل عبارة عن الوصف المشتهر صاحبه به نحو قولهم: "لكل فرعون موسى" أى لكل مبطل محق۔

اس عبارت میں شارح علم کے نکرہ بنانے کی دوصورتیں بتاتے ہیں ایک یہ کہ جمع کے افراد میں سے ایک فرد کے ساتھ علم کی تاویل کی جائے یعنی جمع کے افراد میں سے ایک فرد سے مطلق مسمیٰ مرادلیا جائے جیسے ھذا زید ورأیت زیداً آخر میں ہے کہ ان مثالوں میں زید سے مراد مسمیٰ زید ہے یعنی بہت سارے زیدوں کے افراد میں سے ایک فرد زید ہے جب زید سے مراد مسمیٰ بزید ہوا چونکہ دنیا میں زید نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں اس لئے اب یہ زید جو ایک خاص شخص کا نام تھا نکرہ ہوا یہ پہلی صورت علم کی نکرہ بنانے کی ہوئی ۔ دوسری صورت نکرہ بنانے کی یہ ہے کہ علم موصوف کے وصف مشہور سے تعبیر کر دیا جائے جیسے ''لکل فرعونٍ موسی'' میں ہے کہ فرعون کا وصف مشہور مبطل ہوتا ہے اور موسیٰ کا وصف مشہور محق ہوتا ہے لیکن فرعون سے یہاں مراد مبطل اور موسیٰ سے مراد محق ہے اب یہاں یہ اسماء اگر چہ علم تھے لیکن جب ان سے مراد اوصاف مشہورہ لئے گئے تو اب یہ علم نہیں رہے بلکہ نکرہ ہوئے یعنی فرعون سے وہ شخص معین مراد نہیں بلکہ اس سے ہر سرکش مراد ہے اور اسی طرح موسیٰ سے بھی وہ پیغمبر معین مراد نہیں بلکہ اس سے ہر ہادی، حق پر چلنے والے مراد ہیں۔

صرف لما تبيّن أي ظهر حين بين أسباب منع الصرف وشرائطها في ما سبق من انها أي العلمية **لا تجامع مؤثرة إلا ما** أي السبب الذي هي أي العلمية **شرط فيه**۔

یعنی مصنف کافیہ نے ماسبق میں جہاں اسباب منع صرف اور ان کے شرائط بیان کئے ہیں وہاں سے یہ بطریقہ التزام ظاہر ہوا کہ علمیت درآنحالیکہ سبب موثرہ ہو سوائے اس سبب کے جس میں یہ علمیت شرط ہو کسی دوسرے سبب کے ساتھ جمع نہیں ہوگی اور متن میں من انها کے بعد جو شارح نے علمية کا لفظ نکالا ہے اس سے یہ اشارہ کیا کہ یہ ضمیر مؤنثہ غائبہ کی علمیت کی طرف راجع ہے اسی طرح ھی میں بھی علمية کی طرف ہے اور ما کے بعد میں جو سبب کا لفظ نکالا ہے اس سے یہ تنبیہ کی کہ یہاں ما سے مراد سبب ہے۔

وذلك في التانيث بالتاء لفظاً أومعنى والعجمة والتركيب والألف والنون المزيدتين فإن كل واحد من هذه الأسباب الأربعة مشروطٌ بالعلمية۔

اس عبارت میں شارح نے وہ اسباب بتائے ہیں جن میں علمیت شرط ہوتی ہے اول تانیث لفظی ومعنوی، دوم عجمہ، سوم ترکیب، چہارم الف نون مزیدتین ۔ ان اسباب اربعہ میں سے ہر ایک سبب مشروط بالعلمية ہے یعنی ہر ایک میں علمیت شرط ہے اگر ان کے ساتھ میں علمیت نہ ہو تو ان کی سببیت بحکم إذا فات الشرط فات المشروط کے ثابت نہ ہوگی۔

إلا العدل ووزن الفعل استثناء مما بقي من الاستثناء الأول أي لاتجامع غير ما هي شرط فيه إلا العدل ووزن الفعل فإن العلمية تجامعهما مؤثرة كما في عمر وأحمد وليست شرطا فيهما كما في ثلث وأحمر.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت میں مستثنیٰ متعدد ہے اور مستثنیٰ منہ واحد ہے اور مستثنیٰ کا تعدد بغیر عاطف کے درست نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مستثنیٰ منہ واحد نہیں بلکہ متعدد ہے کیونکہ استثناء اول مجموعہ اسباب سے ہے اور استثناء ثانی اس سے ہے جو استثناء اولیٰ سے باقی رہ گیا ہو۔ عبارت کے تقدیری معنیٰ یہ ہوں گے کہ علمیت درآنحالیکہ مؤثر ہو مجموعہ اسباب منع صرف کے ساتھ جمع نہ ہوگی سوائے اس سببیت کے جس میں علمیت شرط ہو اور نہ جمع ہوگی سوائے اس سبب کے ساتھ جس میں علمیت شرط ہو سوائے عدل اور وزن فعل کے لہذا اس تقدیر پر مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں متعدد ہوگئے اور متعدد مستثنیٰ منہ سے متعدد مستثنیٰ کا آنا درست ہے کیونکہ علمیت درآنحالیکہ مؤثر ہو عدل اور وزن فعل کے ساتھ جمع ہوتی ہے جیسے عمر اور أحمد میں ہے اور وہ وزن فعل اور عدل میں علمیت شرط نہیں ہے جیسے ثلث وأحمر میں۔

اس قاعدہ کلیہ پر جس کو مصنف نے اوپر بیان کیا ایک سوال مقدر یہاں وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جائز ہے کہ اسم بوجہ پائے جانے علمیت، عدل اور وزن فعل کے غیر منصرف ہو اور علمیت اگرچہ تنکیر سے زائل ہو جائے لیکن عدل اور وزن فعل باقی رہیں گے اور غیر منصرف ہونے کے لئے دو ہی اسباب کافی ہوتے ہیں آگے چل کر وھما کی عبارت سے مصنف کافیہ خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

وهما أي العدل ووزن الفعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ ھما کی ضمیر عدل اور وزن فعل کی طرف راجع ہے۔

متضادان لأن الاسماء المعدولة بالاستقراء على أوزان مخصوصة ليس شيء فيها من أوزان الفعل المعتبرة في منع الصرف۔

یعنی عدل اور وزن فعل آپس میں متضاد ہیں پس علمیت کے ساتھ ان میں سے ایک ہی سبب جمع ہوگا اور عدل و وزن فعل میں تضاد اس لئے ہے کہ وہ اسماء جن میں عدل آیا ہے وہ استقراء سے اوزان مختصہ پر ہیں ان میں سے کوئی وزن فعل کے اوزان معتبرہ میں سے نہیں ہے کیونکہ اوزان فعل کے قیاسی ہیں اور عدل کے اوزان غیر قیاسی ہیں اور عدل

کے اوزان چھ ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے نظم میں جمع کیا ہے

اوزان عدل را بتامی تو شش شُمر مفعل فعل مثالهما مثلث وعمر
فعل است مثل امس فعال است چوں ثلاث مثل فعال دان تو قطام وفعل سحر

اور اوزان فعل یہ ہیں۔

وزن فعل مجهول است معلوم رد ثلاثی رباعی گر بود مجرد
ایں ہر دو زد دیگر اے ارجمند گر بود مزید اے ہوشمند

فلا يكون معها أي لا يوجد شيء من الأمر الدائر بين مجموع هذين السببين وبين أحدهما فقط۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لا یکون کے قول میں نفی مطلق سبب کی ہے یا أحد الأمرين یعنی عدل اور وزن فعل کی ہے اگر مطلق سبب کی نفی ہو تو اس سے خلاف واقع لازم آئے گا کیونکہ واقع میں مطلق سبب کی نفی مقصود نہیں ہے اور اگر عدل اور وزن فعل کی نفی مقصود ہے تو **إلا احدهما** میں استثناء شیء عن نفسہ لازم آئے گی اور یہ درست نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لا یکون میں نفی نہ سبب مطلق کی ہے نہ أحد الأمرين کی بلکہ ایک امر دائر کی نفی ہے جو کہ درمیان مجموعہ وزن فعل اور عدل اور ان میں سے ایک کے درمیان دائر نہ ہو بسبب عام کی نفی مقصود ہے جس سے خلاف واقع لازم آئے اور نہ خاص کی جس سے استثناء لنفسہ لازم آئے یعنی جب عدل اور وزن فعل آپس میں متضاد ہیں تو علمیت کے ساتھ کوئی چیز امر دائر جو کہ درمیان مجموعہ ان دو سببوں یعنی عدل و وزن فعل اور ان میں سے ایک کے درمیان دائر ہو، نہیں پائی جائے گی۔

إلا احدهما لا مجموعهما۔

یعنی اس تضاد کی وجہ سے علمیت کے ساتھ فقط وزن فعل ہی پایا جائے گا یا عدل، نہ مجموعہ تا کہ اجتماع ضدین نہ ہو۔

فإذا نكر غير المنصرف الذي أحد أسبابه العلمية۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ نکر کا فاعل وہ غیر منصرف ہے جس کے اسباب منع صرف میں سے ایک سبب علمیت ہو یعنی وہ غیر منصرف اسم جس کے اسباب میں سے ایک سبب علمیت ہو جب اس کو نکرہ کر دیا جائے یعنی

علمیت اس سے دور کردی جائے تو اس وقت وہ بلا سبب رہے گا۔

بقي بلا سبب أي لم يبق فيه سببٌ من حيث هو سبب في ما هي شرط فيه من الأسباب الأربعة المذكورة۔

یعنی تنکیر کے وقت اس غیر منصرف میں کوئی سبب جو من حيث هو سبب ہو اس مقام میں جہاں یہ علمیت شرط ہو، نہیں پایا جائے گا اور وہ مقام جہاں پر علمیت شرط ہو وہی اسباب اربعہ مذکورہ ہیں جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔

لأنه قد انتفى أحد السببين الذي هو العلمية بذواتها والسبب الاخر المشروط بالعلمية من حيث وصف سببيته فلا يبقى فيه سبب من حيث هو سبب۔

اس میں شارح لم يبق فيه الخ کی عبارت کی دلیل بتا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ علمیت تانیث میں شرط ہے اور باوجود اس کے تانیث علمیت کے زوال سے زائل نہیں ہوتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ زوال سے مراد سبب کی وصفیت کا زوال ہے نہ سبب کی ذات کا زوال اور یہ معلوم ہے کہ علمیت کے زائل ہونے سے سبب کا وصف زائل ہو جاتا ہے جب علمیت زائل ہوگئی تو غیر منصرف اسم بلا سبب رہے گا، کیونکہ غیر منصرف کے دو سببوں میں سے ایک سبب علمیت تھی وہ بذاتہا منتفی ہوگئی اور دوسرا سبب سببیت کے وصف کی حیثیت سے مشروط بالعلمیۃ تھا وہ بھی بحکم إذا فات الشرط فات المشروط کے منتفی ہوگیا لہذا اس میں کوئی سبب من حيث هو سبب باقی نہیں رہا اس وجہ سے وہ بلا سبب رہا۔

أو على سبب واحدٍ فيما هي ليست بشرط فيه من العدل ووزن الفعل۔

یا وہ غیر منصرف اسم ایک سبب پر باقی رہے گا یہ وہاں جہاں کہ علمیت شرط نہ ہو اور جہاں علمیت شرط نہیں ہوتی وہ عدل اور وزن فعل ہے کہ ان دو سببوں کے ساتھ علمیت شرط نہیں ہوتی ہے۔

هذا۔

یہ اصل میں اسم اشارہ ہے لیکن یہاں اس کے معنی خذ هذا یا امض هذا یا علّم هذا کے ہیں یعنی اس مقام کو خوب یاد کرلو۔

وقد قيل على قوله وهما متضادان أن إِصمِت بكسرتين علماً للمفازة من أوزان الفعل مع وجود العدل فيه فإنه أمرٌ من صمت يصمت وقياسُه أن يجيء بضمتين فلما جاء بكسرتين

عُلِم أنه معدول عنه۔

یہ ھما متضادان کے قول پر ایک اعتراض ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں اصمت کا لفظ کسرتین کے ساتھ جو کسی جنگل کا نام ہے اوزان فعل میں سے ہے اور باوجود اس کے اندر عدل پایا جاتا ہے کیونکہ یہ صمت یصمت سے امر ہے اور قیاس اس میں یہ ہے کہ یہ اصمت ضمتین سے آئے جب یہ کسرتین سے آیا تو معلوم ہوا کہ یہ صمت یصمت سے معدول ہے لہذا اجتماع ضدین ثابت ہوا اور علمیت عدل اور وزن فعل دونوں کے ساتھ پائی گئی۔

فائدہ: اصمت اس جنگل کا نام ہے جو نہایت پر خطر اور خوفناک ہو جہاں آدمی خوف کے مارے ایک دوسرے سے اُسکت پکارے اور شدت خوف سے مضطر ہو کر زبان سے غلط، بے ہودہ باتیں بکنے لگیں۔

والجواب أن هذا أمر غير محقق لجواز ورود إِصمت بكسرتين وإن لم يشتهر فالأوزان الـذي تحقق فيها العدل تحقيقاً كان أو تقديرا لم تجامع وزن الفعل وأيضاً قد عرفت في ما تقدم أن مجرد وجود أصل محقق لا يكفي في اعتبار العدل التحقيقي بدون اقتضاء منع الصرف إياه واعتبار خروج الصيغة عن ذلك الأصل وههنا لا يقتضيه لوجود السببين في إصمت وراء العدل وهي العلمية والتانيث۔

اس میں اوپر والے سوال مذکورہ کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ اصمت کا صمت یصمت سے معدول ہونا ایک امر غیر محقق ہے کیونکہ جائز ہے کہ اصمت کسرتین سے اصل ہی میں وارد ہوا اگرچہ مشہور نہ ہو لہذا اجتماع ضدین ثابت نہیں ہوا اور علمیت کے ساتھ اس میں صرف وزن فعل ہی پایا گیا پس وہ اوزان جن میں عدل تحقیقی یا تقدیری متحقق ہوتا ہے وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہونگے اور ماتقدم یعنی بحث عدل میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ صرف اصل محقق کا پایا جانا عدل تحقیقی کے اعتبار میں بدون اقتضائے منع صرف کے اور بغیر اعتبار خروج صیغہ کے اپنی اصل سے کافی نہیں ہے اور یہاں یعنی اصمت میں منع [illegible] ر عدل تحقیقی کو نہیں چاہتا ہے اس لئے کہ عدل کے سوائے اصمت میں دو سبب اور بھی موجود ہیں اور وہ علمیت [illegible] تانیث ہیں لہذا اصمت بکسرتین کا خروج صمت یصمت ضمتین سے متحقق نہیں ہوا گویا یہ سوال مذکور بالا [illegible] سرا جواب ہوا جس کی تشریح شارح نے وأيضا قد عرفت في ما تقدم إلخ کی عبارت میں بیان کی ہے۔

ثـم إنـه أشـار إلـى استثـنـاء مثل: أحمر علماً إذا نكر عن هذه القاعدة على قول سيبويه بقوله:

اس میں شارح نے وخـالف سيبوه الأخفش کی عبارت کی تمہید باندھ کر یہ اشارہ کیا کہ أحمر جب کہ علم ہو نکرہ کردیا جائے تو تنکیر کی صورت میں یہ سیبویہ کے قول کے موافق قاعدہ مذکورہ سے مستثنیٰ ہے۔

وخالف سيبويه الأخفش المشهور هو أبو الحسن تلميذ سيبويه۔

اس میں شارح نے یہ بتایا کہ اخفش ایک مشہور نحوی کا نام ہے جن کی کنیت ابوالحسن اور وہ سیبویہ کے شاگرد رشید ہیں۔

ولـمّـا كـان قـول التـلـميـذ أظهـر مع موافقته لما ذكره من القاعدة جعله أصلا وأسند المخالفة إلى الاستاذ وإن كان غير مستحسن تنبيهاً على ذلك۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سیبویہ اخفش کے استاد ہیں پس مخالفت کی نسبت اس کی طرف مستحسن نہیں بلکہ یہ بے ادبی میں شامل ہے لہذا مناسب ہے کہ یہ نسبت شاگرد کی طرف ہو؟

شارح نے جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن جب کہ شاگرد کا قول استاذ کے قول سے زیادہ ظاہر ہے علاوہ ازیں شاگرد کا قول قاعدہ مذکورہ کے ساتھ موافق ہے جس کو کہ مصنف نے خود ذکر کیا ہے اس لئے شاگرد کے قول کو اصل ٹھہرا کر استاد کی طرف مخالفت کی نسبت کی ہے، یہ اگرچہ مستحسن نہیں ہے لیکن یہ نسبت صرف اس غرض سے کی ہے کہ اس سے یہ تنبیہ ہو کہ شاگرد کا قول استاد کے قول سے زیادہ معتبر اور اصلی ہے۔

في انصراف۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ أحـمـر کا لفظ خـالف کے لئے ظرف نہیں ٹھہر سکتا ہے کیونکہ احمر کے وجودی معنی میں کوئی اختلاف نہیں؟

شارح نے انصراف کا لفظ بڑھا کر جواب دیا کہ خالف کا ظرف انصراف ہے جس کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ سیبویہ نے أحمر کے منصرف ہونے میں درآنحالیکہ علم ہو جب نکرہ کردیا جائے اپنے شاگرد اخفش سے مخالفت کی ہے۔

مثـل: أحمر علما إذا نكر والـمـراد بـمثـل أحمر ما كان معنى الوصفية فيه قبل العلمية ظاهرا غير خفي فيدخل فيه سكران وأمثاله ويخرج أفعل التاكيد نحو أجمع فإنه منصرف عند التنكير بـالاتـفاق لضعف معنى الوصفية فيه قبل العلمية لكونه بمعنى كل وكذلك أفعل التفضيل المجرد عن

من التفضيلية فإنه بعد التنكير منصرف بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه حتى صار أفعل اسما وإن كان معه من فلا ينصرف بلا خلاف لظهور معنى الوصفية فيه بسبب من التفضيلية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ درمیان سیبویہ اور اخفش کے سکران کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں بھی اختلاف ہے پس أحمر کو اس اختلاف کے لئے کیونکر خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ أحمر سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس میں قبل علمیت معنی وصفی ظاہر غیر خفی ہو خواہ وہ أفعل کے وزن پر ہو یا فعلان کے وزن پر۔ پس اس تقدیر پر اس اختلاف میں سکران اور اس کے امثال بھی داخل ہو گئے اور اس سے أفعل کا وزن جو تاکید کے لئے آتا ہے جیسے أجمع ہے نکل گیا کیونکہ یہ بعد تنکیر بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں بوجہ تاکید کے معنی وصفی قبل علمیت ضعیف ہیں اس لئے کہ یہ بمعنی کل ہے اسی طرح سے اس اختلاف سے افعل اسم تفضیل جو من التفضیلیہ سے مجرد ہو خارج ہوا کیونکہ یہ بھی بعد تنکیر بوجہ ضعیف ہونے معنی وصفی کے بالاتفاق منصرف ہے، یہاں تک کہ یہ افعل اسم تفضیل اسم ہو گیا ہے اور اگر اس افعل اسم تفضیل کے ساتھ من تفضیلیہ ہو تو یہ علی الاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ بسبب من تفضیلیہ کے وصفی معنی اس میں ظاہر ہیں۔

اعتباراً للصفة الأصلية أی إنما خالف سيبويه الأخفش لأجل اعتباره الوصفية الأصلية۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جائز ہے کہ اخفش کا لفظ مرفوع بنا بر فاعلیت ہو اور سیبویہ کا لفظ منصوب بنا بر مفعولیت ہو اور مفعول کو فاعل پر استاد کی تعظیم کے لئے مقدم کیا ہو اس صورت میں استاد کی طرف مخالفت کی نسبت لازم نہیں آئے گی اور اوپر بے ادبی والا سوال بھی رفع ہو جائے گا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اعتبارا کا لفظ منصوب بنا بر مفعول لہ خالف کے ہے اور مفعول لہ کے نصب کے لئے لام کا مقدر ماننا شرط ہے اور لام کا مقدر ہونا تین شرطوں سے مشروط ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہو چونکہ اعتبار کا فاعل سیبویہ ہیں لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہونگے یعنی سیبویہ نے أحمر میں اخفش سے مخالفت اس لئے کی ہے کہ سیبویہ بعد تنکیر کے وصف اصلی کو معتبر قرار دیتے ہیں بخلاف اخفش کے کہ وہ نہیں دیتے اور اعتبارا کے لفظ کے مفعول لہ ہونے کی طرف شارح نے لاجل اعتباره کی عبارت میں اشارہ کر دیا ہے۔

بعد التنكير فإنه لما زالت العلمية بالتنكير لم يبق فيه مانع من اعتبار الوصفية فاعتبرها وجعله غير منصرف للصفة الأصلية وسبب اخر كوزن الفعل والألف والنون المزيدتين۔

اس میں شارح سیبویہ کے صفت اصلی کے اعتبار کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ احمر کی علمیت جب تنکیر سے زائل ہوگئی تو اب اس میں وصف اصلی کے اعتبار کا کوئی مانع نہیں رہا اس لئے سیبویہ نے وصف اصلی کو بعد تنکیر کے بھی معتبر کہا اور اس کو غیر منصرف ٹھہرایا بسبب پائے جانے وصف اصلی کے اور ایک دوسرے سبب کے، جیسے أحمر میں وصف اصلی اور وزن فعل ہے اور سکران میں وصف اصلی اور الف ونون مزیدتین ہیں تنکیر کے بعد بھی بسبب پائے جانے ان دو اسباب منع صرف کے سیبویہ أحمر اور سکران کو غیر منصرف مانتے ہیں۔

فإن قلت: كما أنه لا مانع من اعتبار الوصفية الأصلية لا باعث على اعتبارها أيضاً، فلم اعتبرها وذهب إلى ما هو خلاف الأصل أعني منع الصرف؟

یہ ایک اعتراض ہے جو "لم يبق فيه مانع من اعتبار الوصفية" کی عبارت پر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح وصف اصلی کے اعتبار کا مانع نہیں ہے اسی طرح اس کے اعتبار پر باعث بھی نہیں ہے پس کیونکر اس کو معتبر کیا اور خلاف اصل یعنی منع صرف کی طرف چلے بلکہ وصف اصلی کو تنکیر کے بعد معتبر نہیں کرنا چاہئے اور اسم کو اپنے اصل پر چھوڑ کر منصرف ٹھہرانا چاہئے؟

قيل: الباعث على اعتبارها امتناع أسود وأرقم مع زوال الوصفية عنهما حينئذٍ۔

یہ اوپر والے سوال مذکور کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ احمر میں وصف اصلی کے اعتبار کا باعث أسود وأرقم کا غیر منصرف ہونا ہے باوجود اس کے کہ أرقم اور أسود کا وصف اصلی تنکیر کے بعد زائل ہوتا ہے اور پھر بھی یہ الفاظ غیر منصرف رہتے ہیں اسی طرح أحمر میں بھی تنکیر کے بعد وصف اصلی معتبر ہوگا اور یہ غیر منصرف مانا جائے گا یعنی أحمر کے وصف اصلی کے اعتبار کو أسود وأرقم کے اوپر قیاس کر کے سیبویہ نے أحمر کو غیر منصرف مانا ہے۔

وفيه بحث لان الوصفية لم تزل عنهما بالكلية بل بقي فيهما شائبة من الوصفية لان اسود اسم للحية السوداء والارقم اسم للحية التي فيها سواد وبياض وفيهما شمة من الوصفية فلا

یلزم من اعتبار الوصفیة فیهما اعتبارها فی احمر بعد التنکیر لانها قد زالت بالکلیة۔

اس میں اوپر والے سوال کے جواب پر اعتراض ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ احمر کے وصف اصلی کے اعتبار کا قیاس اسود پر اور ارقم پر قیاس مع الفارق ہے یعنی درست نہیں ہے کیونکہ اسود اور ارقم کا وصف اصلی بعد تنکیر کے بالکل زائل نہیں ہوتا بلکہ بعد تنکیر بھی ان الفاظ کے معانی میں وصف اصلی کا شائبہ باقی رہتا ہے کیونکہ اسود کالے سانپ کا نام ہے اور أرقم اس سانپ کا نام ہے جس میں سیاہی، سفیدی پائی جائے یعنی ابلق سانپ کو کہتے ہیں اور ان الفاظ میں وصف اصلی کی بو پائی جاتی ہے بخلاف احمر کے کہ اس میں تنکیر کے بعد وصف اصلی کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا ہے پس أسود اور أرقم کے وصف اصلی کے اعتبار سے تنکیر کے بعد أحمر کے وصف اصلی کا اعتبار لازم نہیں آتا کیونکہ أحمر کا وصف اصلی تنکیر کے بعد بالکل زائل ہو جاتا ہے گویا شارح نے اس میں اوپر کے جواب کا ضعف ثابت کیا ہے یہاں تک سیبویہ کی دلیل تھی اب آگے چل کر اخفش کی دلیل بیان کریں گے۔

وأما الأخفش فذهب إلى أنه منصرف فإن الوصفية قد زالت بالعلمية والعلمية بالتنكير والزائل لا يعتبر من غير ضرورة فلم يبق فيه إلا سبب واحد هو وزن الفعل والألف والنون، وهذا القول أظهر۔

اس میں شارح اخفش کی دلیل بتاتے ہیں کہ اخفش أحمر کو بعد تنکیر کے منصرف مانتے ہیں کیونکہ وصف اصلی علمیت سے زائل ہو گیا اور علمیت تنکیر سے زائل ہو گئی اور زائل کا اعتبار بغیر ضرورت کے نہیں ہوا کرتا۔ پس اس وقت أحمر میں سوائے ایک سبب کے جو کہ وزن فعل ہے یا الف ونون مزیدتین ہیں کوئی دوسرا سبب نہیں پایا جاتا اور منع صرف کے لئے ایک سبب کافی نہیں ہے اس لئے أحمر کا لفظ تنکیر کے بعد منصرف رہے گا اور یہ انصراف کا قول بہ نسبت منع صرف کے قول کے زیادہ موزوں اور ظاہر ہے کیونکہ جو چیز من کل الوجوہ معدوم ہو جاتی ہے پھر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا لہذا جب أحمر کا وصف اصلی علمیت سے زائل ہو گیا ہے اور علمیت تنکیر سے بالکل زائل ہو گئی ہے تو اب اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا اس لئے یہ منصرف ٹھہرے گا۔ گویا اس میں شارح نے اخفش کے قول کو ترجیح دے کر اپنی رائے ظاہر کی۔

ولما اعتبر سيبويه الوصف الأصلي بعد التنكير وإن كان زائلا لزمه أن يعتبره في حال العلمية أيضاً فيمتنع نحو حاتم من الصرف للوصف الأصلي والعلمية۔

یہ ایک سوال ہے جو سیبویہ کے اوپر أحمر کے وصف اصلی اعتبار کرنے سے وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ جب احمر میں سیبویہ نے تنکیر کے بعد وصف اصلی کو باوجود اس کے زائل ہونے کے معتبر کیا ہے تو ان پر لازم ہے کہ حالت علمیت میں بھی وصف زائل کو معتبر کرے اور حاتم کے لفظ کو غیر منصرف مانے کیونکہ حاتم میں ایک وصف اصلی ہے دوسری علمیت ہے لہذا ان دو اسباب کے وجود کی بنا پر سیبویہ کو لازم ہے کہ حاتم کو بھی غیر منصرف کہیں حالانکہ وہ اس کو غیر منصرف نہیں کہتے بلکہ منصرف مانتے ہیں۔

فأجاب عنه المصنف بقوله:

یہ عبارت اوپر والے سوال کا جواب ہے یعنی اوپر والے سوال کا جواب مصنف کافیہ نے سیبویہ کی طرف سے ولا یلزمه باب حاتم کے قول سے دیا۔

ولا يلزمه أى سيبويه من اعتباره الوصفية الأصلية بعد التنكير فى مثل أحمر علما۔

اس عبارت میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ لا یلزمه کی ضمیر منصوب سیبویہ کی طرف راجع ہے یعنی سیبویہ نے چونکہ وصف اصلی کو احمر میں درآنحالیکہ علم ہو تنکیر کے بعد معتبر مان کر أحمر کو غیر منصرف کہا ہے اس لئے اس پر اعتراض مذکورہ بالا حاتم والا لازم نہیں آتا۔

باب حاتم أى كل علم كان فى الأصل وصفا مع بقاء العلمية بأن اعتبر فيه أيضا الوصفية الأصلية وحكم بمنع صرفه للعلمية والوصفية الأصلية۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حاتم سے مراد ہر وہ علم ہے جو اصل میں وصف ہو اور علمیت بھی اس میں باقی ہو اس طرح کہ اس میں بھی وصف اصلی کو معتبر مانا جائے اور بوجہ پائے جانے وصف اصلی اور علمیت کے اس کو غیر منصرف کے حکم میں لایا جائے۔ حاتم سے مخصوص لفظ مراد نہیں ہے۔

لما يلزم فى باب حاتم على تقدير منعه من الصرف۔

یعنی حاتم میں علمیت کے ساتھ وصف اصلی کو سیبویہ معتبر نہیں مان سکتے ہیں کیونکہ اگر حاتم میں وصف اصلی علمیت کے ساتھ معتبر مان کر حاتم کو غیر منصرف ٹھہراتے ہیں تو اس سے اعتبار متضادین ایک لفظ کے حکم میں لازم آجاتا ہے اور یہ لازم باطل ہے لہذا ملزوم یعنی حاتم میں علمیت کے ساتھ وصف اصلی کا اعتبار بھی باطل ہوگا۔

من اعتبار متضادين يعنى الوصفية والعلمية فإن العلم للخصوص والوصف

للعموم۔

اس میں شارح متضادین بتاتے ہیں کہ وہ وصفیت اور علمیت ہیں اور یہ آپس میں متضاد ہیں کیونکہ علمیت خصوصیت پر دلالت کرتی ہے اور وصف عموم پر دال ہوتا ہے اور عموم اور خصوص کے درمیان میں جو تضاد ہے وہ ظاہراً محتاج تشریح کا نہیں ہے۔

فی حکم واحدٍ وهو منع صرف لفظ واحد بخلاف ما إذا اعتبرت الوصفية الأصلية مع سبب اخر كما في أسود وأرقم۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وصفیت اور علمیت دونوں کا اعتبار حکم واحد میں جائز ہے جیسے عمر اور احمر میں ہے۔

شارح نے لفظ واحد کی قید بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ اعتبار، متضادین کا ایک حکم میں اور ایک لفظ میں منع ہے...... دو لفظوں میں منع نہیں ہے جیسے عمر اور أحمر میں ہے کہ یہ دو الفاظ ہیں اس لئے ان میں علمیت اور وصفیت دونوں متضادین کا اعتبار کیا گیا ہے بخلاف اس اسم کے جس میں وصف اصلی کسی دوسرے سبب کے ساتھ معتبر مانا جائے جیسے أسود وأرقم میں ہے۔

فإن قلت: التضاد إنما هو بين الوصفية المحققة والعلمية لا بين الوصفية الأصلية الزائلة والعلمية فلو اعتبرت الوصفية الأصلية والعلمية في منع الصرف مثل حاتم لا يلزم اجتماع المتضادين۔

اوپر مصنف نے یہ کہا تھا کہ سیبویہ حاتم میں وصف اصلی کو علمیت کے ساتھ معتبر اس لئے نہیں کرتے کہ اس سے اجتماع متضادین لازم آتا ہے اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ تضاد صرف درمیان وصف اصلی محقق اور علمیت کے ہوتا ہے۔ درمیان وصف اصلی زائل شدہ اور علمیت کے تضاد نہیں ہے پس اگر وصف اصلی اور علمیت حاتم کے غیر منصرف کردینے کے لئے معتبر مانا جائے تو اس سے اجتماع متضادین لازم نہیں آتا۔

قلنا: تقدير أحد الضدين بعد زواله مع ضدٍ اخر في حكم واحد وإن لم يكن من قبيل اجتماع المتضادين لكنه شبيه به فاعتبارهما معاً غير مستحسن۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مذکور کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ایک ضد کا بعد

زائل ہونے کے دوسرے ضد کے ساتھ ایک حکم میں فرض کرنا اور اعتبار دینا اگر چہ اجتماع متضادین حقیقۃ نہیں ہے لیکن یہ اجتماع متضادین حقیقی کے شبیہ اور حکم میں ہے اس لئے وصف اصلی اور علمیت کا اعتبار یہاں حاتم کے لفظ میں غیر مستحسن ہے۔

وجميع الباب أي باب غير المنصرف۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ الباب کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اور مضاف الیہ اس کا غیر المنصرف کا لفظ محذوف ہے اور اس محذوف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

باللام أي بدخول لام التعريف عليه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ باللام کا با سببیہ ہے اور لام ذات ہے پس ینجر بالکسر کے لئے اس کی سببیت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ باء کا مدخول محذوف ہے اور وہ دخول کا لفظ ہے۔

اور لام التعريف کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ المال لأحمد کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں أحمد کا لفظ لام کا مدخول ہے اور باوجود اس کے مجرور نہیں بلکہ مفتوح ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں لام سے مراد الف لام تعریفی ہے اور مثال مذکورہ میں لام جارّہ ہے لہذا قاعدہ مذکورہ درست ثابت ہوا۔

أو الإضافة أي إضافته إلى غيره۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے .... کہ یہ قاعدہ مذکورہ غلام أحمد کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں احمد مضاف الیہ ہے اور باوجود اس کے مجرور نہیں بلکہ مفتوح ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اضافت سے مراد غیر منصرف کی اضافت دوسرے کی طرف ہے، نہ غیر کی اضافت اس کی طرف اور مثال مذکور میں غیر کی اضافت اس کی طرف ہوگئی ہے اس لئے یہ مجرور نہیں۔

ينجر أي يصير مجرورا بالكسر۔

یعنی غیر منصرف کے اسباب باب الف لام تعریفی کے داخل ہونے سے یا ان کے مضاف ہونے سے مجرور ہو جاتے ہیں۔

أی بصورة الکسر۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الکسرة تاء کے ساتھ درمیان القاب، بناء اور اعراب کے مشترک ہے۔ یعنی یہ لفظ دونوں کے لئے مستعمل کیا جا سکتا ہے اور الکسر بدون تاء کے بناء کے القاب کے لئے خاص ہے اور ہمارا کلام حرکات اعرابیہ میں ہے پس مصنف کو بالکسرة لکھنا چاہئے تھا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں کسرہ سے مراد صورت کسرہ کی ہے نہ حقیقت کسرہ کی۔

لفظاً أو تقدیراً۔

اسکے بڑھانے سے بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا دفعیہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مررت بالحبلی یا بالحبلکم کی مثالوں میں حبلی کا لفظ مدخول لام اور اضافت ہے اور باوجود اس کے یہ مجرور بالکسر نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کسرہ عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری مثال مذکور میں اگر چہ لفظی نہیں لیکن تقدیری موجود ہے۔

وإنما لم یکتف بقوله ینجر لأن الانجرار قد یکون بالفتح۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بالکسر کی قید کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ مصنف کو ینجر کے لفظ پر اکتفا کرنا چاہئے تھا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف نے ینجر پر اکتفا اس لئے نہیں کیا ہے کہ انجرار کبھی فتحہ سے بھی ہوتا ہے یعنی کبھی حالت جری میں بھی فتحہ ہوتا ہے جیسے مررت بأحمد میں ہے۔

ولا بأن یقول ینکسر لان الکسر یطلق علی الحرکات البنائیة ایضاً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ ینکسر کے قول پر اکتفا کرتے کیونکہ یہاں جر کسرہ سے متعین ہے؟

شارح نے اس کو جواب دیا کہ ینکسر کے قول پر اکتفا اس لئے نہیں کیا کہ کسرہ کا اطلاق جس طرح حرکات اعرابیہ پر ہوتا ہے اسی طرح حرکات بنائیہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

وللنحاة خلاف فی أن هذا الاسم فی هذه الحالة منصرف أو غیر منصرف فمنهم من

ذهب إلى أنه منصرف مطلقاً لأن عدم انصرافه إنما كان لمشابهته الفعل فلما ضعفت هذه المشابهة بدخول ما هو من خواص الاسم أعنى اللام أو الإضافة قويت جهة الاسمية فرجع إلى أصله الذى هو الصرف فدخله الكسر دون التنوين لأنه لا يجتمع مع اللام والإضافة ومنهم من ذهب إلى أنه غير منصرف مطلقاً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کو رفع کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کو ینصرف کے قول پر اکتفا کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہاں غیر منصرف کو منصرف بنا کر بتانا مقصود ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ینصرف پر اکتفا اس لئے نہیں کیا کہ اس اسم کے منصرف ہونے میں بنابر حالت مذکورہ کے نحاۃ کا اختلاف ہے۔ بعضے نحوی اس طرف گئے ہیں کہ یہ اسم اس حالت مذکورہ میں مطلقاً منصرف ہے یعنی الف لام اور اضافت کے ساتھ میں اس کے اسباب منع صرف باقی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ اس کا غیر منصرف ہونا باعتبار مشابہت فعل کے تھا پس جب یہ مشابہت بہ سبب داخل ہونے خواص اسم یعنی الف لام اور اضافت کے ضعیف ہوگئی تو اسمیت کی جہت قوی ہوگئی پس وہ اپنے اصلی انصراف کی طرف لوٹ آیا اس لئے اس پر کسرہ بغیر تنوین کے داخل ہوا کیونکہ تنوین لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی ہے اور بعضے نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ یہ اسم اس حالت مذکورہ میں مطلقاً غیر منصرف ہے۔

والممنوع من غير المنصرف بالإصالة هو التنوين، وسقوط الكسر إنما هوتبعية التنوين وحيث ضعف مشابهته للفعل لم تؤثر إلا فى سقوط التنوين دون تابعه الذى هو الكسر فعاد الكسر إلى حاله وسقط التنوين لامتناعه من الصرف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ جس کی تشریح یہ ہے کہ جب صورت مذکورہ میں یہ اسم بعض النحاۃ کے نزدیک غیر منصرف ٹھہرا تو چاہئے کہ جس طرح اس پر تنوین کا آنا منع ہے اسی طرح اس پر کسرہ کا آنا بھی منع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ غیر منصرف پر اصل میں بالذات تنوین ہی منع ہے اور کسرہ کا ساقط ہونا صرف باعتبار طبیعت تنوین کے ہے۔ جب اس حالت مذکورہ میں اس اسم کی مشابہت فعل سے ضعیف ہوگی تو اس صورت میں اس کا اثر صرف تنوین کے ساقط ہونے میں ہوگا اس کے تابع کے ساقط ہونے میں جو کسرہ ہے اس کا اثر نہیں ہوگا پس

کسرہ اپنی حالت اصلی کی طرف لوٹ آیا اور تنوین بوجہ اسم کے غیر منصرف ہونے کے ساقط ہوگئی۔

ومنهم من ذهب إلى أن العلتين إن كانتا باقيتين مع اللام أو الإضافة كان الاسم غير منصرف وإن زالتا معا أو زالت إحداهما كان منصرفاً وبيان ذلك أن العلمية تزول باللام والإضافة فإن كانت العلمية شرطاً للسبب الآخر زالتا معاً كما فى إبراهيم وإن لم تكن شرطا كما فى أحمد زالت إحداهما إن لم تكن هناك علمية كما فى أحمر، بقيت العلتان على حالهما وهذا القول أنسب بما عرفه به المصنف غير المنصرف۔

اور بعض نحویوں کے نزدیک حالت مذکورہ میں اس اسم میں اگر الف لام اور اضافت کے ساتھ اسباب منع صرف باقی ہوں تو اس صورت میں یہ اسم غیر منصرف ہوگا اور اگر حالت مذکورہ میں اسباب منع صرف معاً زائل ہوئے ہوں یا اسباب منع صرف میں سے صرف ایک ہی سبب زائل ہوا ہو تو اس تقدیر پر یہ اسم منصرف مانا جائے گا اور اس کی تحقیق کا بیان یہ ہے کہ علمیت الف لام تعریفی اور اضافت سے زائل ہو جاتی ہے پس اگر علمیت دوسرے سبب کے لئے شرط ہو تو اس صورت میں علمیت کے زائل ہونے سے دونوں اسباب منع صرف کے بحکم إذا فات الشرط فات المشروط کے زائل مانے جائیں گے جیسے ابراہیم میں ہے اور اگر علمیت دوسرے سبب کے لئے شرط ہو جیسے احمد میں ہے تو اس صورت میں دو اسباب سے ایک ہی سبب زائل مانا جائے گا اور ایک سبب منع صرف کے لئے کافی نہیں ہے لہذا ان دونوں صورتوں میں یہ اسم منصرف رہے گا اور اگر اسم میں حالت مذکورہ کی بنا پر علمیت نہ ہو جیسے أحمر میں ہے تو اس صورت میں دونوں اسباب منع صرف کے اپنی حالتوں پر باقی رہیں گے اور یہ اسم حالت مذکورہ میں غیر منصرف رہے گا اور یہ قول مصنف کے غیر منصرف کی تعریف سے زیادہ چسپاں اور مناسب معلوم ہوتا ہے یعنی مصنف نے غیر منصرف کی تعریف یہ کی ہے کہ جس میں دو اسباب منع صرف کے یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جائے وہ غیر منصرف ہے خواہ اس پر الف لام تعریفی یا اضافت داخل ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک اس حالت مذکورہ میں اس اسم مذکور کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کے متعلق تین اقوال ہوئے۔ شارح نے اس ثالث قول کے انسب ہونے کی تنبیہ کر کے یہ ظاہر کیا کہ یہ قول ثالث بہ نسبت اول دو قولوں کی بنا بر تعریف غیر منصرف کے زیادہ معقول اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اب مصنف کافیہ کے مقدمہ کو ختم کر کے مقاصد بیان فرمائیں گے اور مقاصد تین ہیں اول مرفوعات، دوم منصوبات، سوم مجرورات اور مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر اس لئے مقدم ذکر کریں گے کہ مرفوعات کلام عربی میں

عمدہ ہوتے ہیں اور منصوبات اور مجرورات فضلہ مانے جاتے ہیں اور عمدہ اصل ہوتا ہے اور فضلہ فرع - اصل فرع پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

تمت المقدمة فلنشرع الأن فی المقاصد إن شاء اللّٰہ تعالی۔

المقاصد

المرفوعات

یہ لفظ مرفوع بنابر خبریت مبتدا محذوف کے ہے جس کی تقدیر ھذا بحث المرفوعات ہوگی یا مرفوع بنابر ابتدائیت خبر محذوف کے ہے اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر المرفوعات ھذہ ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مرفوع بنابر ابتدا ہو اور اس کی خبر ھو ما اشتمل کا جملہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ ساکن پڑھا جائے کیونکہ یہ فصل کے محل میں واقع ہوا ہے اور فصل میں اعراب کا محل نہیں ہوتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو منصوب بتقدیر ابحث یا اشرع پڑھا جائے اس تقدیر پر یہ فعل مقدر کا مفعول ٹھہرے گا۔

اور اسماء مرفوعہ استقراء سے آٹھ ہیں کیونکہ اسم مرفوع کا فاعل دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا یا معنوی ہوگا یا لفظی۔ اگر معنوی ہے تو معمول اس کا دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا مسند الیہ ہوگا یا مسند۔ پس اول قسم مبتدا ہے اور مسند بہ ہو تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں یا اس میں شرط یہ ہوگی کہ یہ اسم ظاہر کا رافع ہوگا یا نہیں۔ اگر رافع ہے تو یہ مبتدا کی دوسری قسم ہوگی جس کا ذکر آئے گا اور اگر رافع اسم ظاہر نہیں تو یہ خبر ہوئی اور وہ عامل لفظی ہے پس مبتداء دو حالتوں سے خالی نہیں فعل ہوگا یا شبہ فعل یا حرف، اگر فعل ہے تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں۔ اسم پر قائم ہے یا اسم پر واقع ہے قسم اول فاعل ہوا اور قسم ثانی مفعول مالم یسم فاعلہ اور اگر معرفہ ہے تو اس کا معمول دو حالتوں سے خالی نہیں مسند الیہ ہوگا یا مسند۔ اگر مسند الیہ ہے تو کلام موجب میں واقع ہے یا غیر موجب میں۔ اول اسم افعال ناقصہ کا ہوگا سوائے لیس کے اور ثانی اسم لیس واسم ماولا مشبہتین کے ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں کلام موجب میں واقع ہوگا یا غیر موجب میں۔ اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہوئی اور ثانی لائے نفی جنس کی خبر ہوگئی۔ یہ آٹھ اسماء مرفوع ہوئے۔

جمع المرفوع لا المرفوعة لأن موصوفه الاسم وهو مذكر لا يعقل ويجمع هذا الجمع مطرداً صفة المذكر الذى لا يعقل كالصافنات للذكور من الخيل وجمال سجلات أى ضخمات وكالأيام الخاليات۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرفوعات کا لفظ دو حالتوں سے

خالی نہیں مرفوع کی جمع ہوگی یا مرفوعۃ کی اور یہ دونوں درست نہیں اول اس لئے کہ جمع مؤنث سالم کا مفرد مؤنث ہی ہوتا ہے اور مرفوع مذکر ہے اور ثانی اس لئے کہ مرفوع، منصوب اور مجرور یہ سب اسم کی صفات ہیں اور اسم مذکر ہے اور مرفوعۃ مؤنث ہے لہذا درمیان موصوف صفت کے مطابقت نہیں ہوئی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مرفوع کی جمع ہے مرفوعۃ کی نہیں کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے اور مذکر لا یعقل ہے اور مذکر لا یعقل میں جمع کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ قیاسا اس قسم کے وزن کے جمع ہو کر آتا ہے جیسے صافنات جو مذکر گھوڑوں کا نام ہے اور سجلات جس کے معنی فربہ ہونے کے ہیں یا جیسے خالیات جس کے معنی گزرنے کے ہیں یہ سب الفاظ مذکر لا یعقل ہیں اس لئے یہ ان اوزان مذکورہ پر جمع ہوئے ہیں یعنی مذکر لا یعقل میں یہ قاعدہ ہے کہ اس کی جمع، جمع مؤنث سالم کے وزن پر ہوگی۔

هو أی المرفوع الدال علیه المرفوعات لأن التعریف إنما یکون للماهیة لا للأفراد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ھو کی ضمیر مرفوع دو حالتوں سے خالی نہیں مرفوعات کی طرف لوٹے گی یا مرفوع کی طرف اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ اول اس لئے کہ مرفوعات مؤنث ہے اور ھو مذکر۔ پس درمیان راجع اور مرجع کے مطابقت حاصل نہ ہوگی اور ثانی اس لئے کہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور یہ درست نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ھو کی ضمیر مرفوع کی طرف راجع ہے اور اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا کیونکہ مذکور عام ہے خواہ مطابقتاً ہو خواہ ضمناً اور یہاں اگر چہ مطابقتاً مذکور نہیں لیکن تضمناً مذکور ہے کیونکہ مرفوع پر مرفوعات کا لفظ دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع کے...... ضمن میں مفرد پایا جاتا ہے گویا اس میں دلالت جمع کی جنس پر ہے افراد پر نہیں کیونکہ تعریف صرف شیء کی ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں۔

ما اشتمل أی اسم اشتمل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرفوع کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں وہ حرف داخل ہوا جو اعراب کا محل ہو کیونکہ وہ بھی لفظ ہے یا شیء ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ما کلمہ عبارت اسم سے ہے لفظ اور شیء سے نہیں کیونکہ بحث اسم کی ہے۔

علی علم الفاعلیة أی علامة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حروف اور حرکات پر علم کا اطلاق درست نہیں کیونکہ علم اس اسم کے اقسام میں سے ہے اور اسم کلمہ کے اقسام میں سے اور کلمہ کے مفہوم میں وضع معتبر ہے اور حرکات اور حروف میں وضع نہیں ہوتی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ علم سے یہاں مراد علامت ہے لہذا اس اعتبار سے حروف اور حرکات پر علامت کا اطلاق ثابت ہوا۔

کون الاسم فاعلا وهي: الضمة والواو والألف۔

اس میں بھی شارح نے کون الاسم فاعلاً کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ رفع کا علامت فاعل ہونا مسلم نہیں کیونکہ علامت شیء وہ ہوتی ہے جو شیء سے منفک نہیں ہوتی اور رفع فاعل سے منفک ہوتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ رفع سے مراد وہ ہے جو اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہو، نہ اس کی ذات کی علامت اور اس میں شک نہیں ہے کہ رفع اسم کے فاعل ہونے سے منفک نہیں ہوگا اور اسم کے فاعل ہونے کی علامات تین ہیں، مفردات میں ضمہ، جمع میں واو اور تثنیہ میں الف۔

فالمراد باشتمال الاسم عليها أن يكون موصوفاً بها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متبادر اشتمال سے اشتمال کل کا جز پر ہے پس اس تقدیر پر مرفوع کی تعریف اس مرفوع پر صادق آتی ہے جو مرفوع بالحرف ہو، نہ مرفوع بالحرکت پر کیونکہ وہ کلمہ کا جز نہیں ہوتا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں اشتمال سے مراد اشتمال موصوف کا صفت پر ہے اشتمال کل کا جز پر مراد نہیں اور یہ معلوم ہے کہ اسم فاعلیت کے لئے موصوف ہوتا ہے اور فاعلیت اس کی صفت ہوتی ہے۔

لفظاً أو تقديراً أو محلا ولا شك أن الاسم موصوف بالرفع المحلي إذ معنى الرفع المحلي أنه في محل لو كان ثمه معرب لكان مرفوعاً لفظاً أو تقديراً فكيف يختص الرفع بما عدا الرفع المحلي وهو يبحث عن أحوال الفاعل إذا كان مضمراً متصلا كما سيجي۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرفوع کی تعریف جامع نہیں ہے

کیونکہ اس سے جاء نی موسی اور جاء نی ھؤلاء کا مرفوع خارج ہوا کیونکہ ان امثال میں مرفوع فاعلیت کی علامت پر مشتمل نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل کی علامت عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے جاء نی زید میں ہے خواہ تقدیری ہو جیسے جاء نی موسی میں ہے خواہ محلی ہو جیسے جاء نی ھولاء میں ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ اسم رفع محلی سے بھی موصوف ہوتا ہے کیونکہ رفع محلی کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسم ایسے محل میں واقع ہو کہ اگر وہاں معرب ہوتو وہ لفظاً یا تقدیراً مرفوع ہو جائے پس رفع کیونکہ رفع محلی کی ماعدا سے مختص ہوسکتا ہے حالانکہ نحوی مثلاً اس فاعل کے احوال سے بحث کرتے ہیں جو ضمیر متصل ہو جیسا کہ آگے آئے گا۔

فمنه أى من المرفوع أو مما اشتمل على علم الفاعلية۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ منه کی ضمیر المرفوع کی طرف یا مما اشتمل کی طرف راجع ہے۔

الفاعل وإنما قدمه لأنه أصل المرفوعات عند الجمهور لأنه جزء الجملة الفعلية التى هى أصل الجمل ولأن عامله أقوى من عامل المبتدأ وقيل أصل المرفوعات المبتدأ لأنه باق على ما هو الأصل فى المسند إليه وهو التقدم بخلاف الفاعل ولأنه يحكم عليه بكل حكم جامدٍ أو مشتق فكان أقوى بخلاف الفاعل فإنه لا يحكم عليه إلا بالمشتق۔

یعنی مرفوع میں سے ایک فاعل ہے اور مرفوع کے اصل میں دو مذہب ہیں:- ایک مذہب جمہور کا، دوسرا مذہب علامہ زمخشری کا ہے۔ جمہور کے مذہب میں اصل مرفوعات فاعل ہے اور زمخشری کے نزدیک اصل مرفوعات مبتدا ہے چونکہ جمہور کا مذہب مصنف کافیہ کے نزدیک قوی تھا اس لئے فاعل کو مقدم ذکر کر کے یہ کہہ دیا کہ جمہور کے نزدیک اصل مرفوعات فاعل ہے کیونکہ فاعل جملہ فعلیہ کا جز ہوتا ہے اور فعل باعتبار عمل کے اصل ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ عامل فاعل کا لفظی ہوتا ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ عامل لفظی عامل معنوی سے قوی ہوتا ہے۔ یہ فاعل کے اصل مرفوعات ہونے کی دلیلیں ہوئیں اور زمخشری کا مذہب یہ ہے کہ اصل مرفوعات میں مبتدا ہے کیونکہ مبتدا مسند الیہ کے اصل پر باقی رہتا ہے اور اصل مسند الیہ میں تقدم ہے اس لئے سب سے مقدم اصل مبتدا ہے بخلاف فاعل کے کہ اس کا رتبہ تاخر ہے دوسرے یہ کہ مبتدا کی خبر جامد اور مشتق دونوں ہوسکتی ہیں بخلاف فاعل کے کہ اس کا مسند صرف مشتق ہی ہوتا ہے اس لئے مبتدا باعتبار مسند کے فاعل سے زیادہ قوی ثابت ہوا یہ علامہ زمخشری کی دلیل ہوئی۔

وهو أي الفاعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ ھو ضمیر مرفوع فاعل کی طرف راجع ہے۔

ما أي اسم حقيقة أو حكما ليدخل فيه مثل قولهم: أعجبني أن ضربت زيداً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے أعجبني أن ضربت زيداً کی ترکیب کا فاعل خارج ہوا کیونکہ وہ اسم نہیں بلکہ فعل ہے؟

شارح نے حقيقة أو حكماً کی قید بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ اسم عام ہے خواہ صریحی ہو یا تاویلی اور فاعل اس مثال مذکور میں اگرچہ صریحی حقیقی نہیں لیکن تاویلی اور تقدیری ہے اس لئے فاعل کی تعریف جامع ہوئی اور مثال مذکور کا فاعل اس میں داخل ہوا۔

أسند إليه الفعل بالإصالة لا بالتبعية ليخرج عن الحد توابع الفاعل وكذا المراد في جميع حدود المرفوعات والمنصوبات والمجرورات غير التابع۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں جاء ني زيدٌ وعمروٌ کی ترکیب کا عمر داخل ہوا کیونکہ وہ بھی مما أسند إليه الفعل ہے..... حالانکہ یہ فاعل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مراد اسناد سے اسناد بالاصالہ ہے اور ترکیب مذکور میں اگرچہ اسناد فعل کا عمرو کی طرف بھی ہے لیکن وہ بالاصل نہیں بلکہ بالطبع ہے لہذا فاعل کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

شارح نے لا بالتبعية کی قید اس لئے بڑھائی ہے کہ فاعل کی تعریف سے فاعل کے توابع خارج ہو جائیں اور اسی طرح مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کی تعریف میں مراد مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات سے بالاصل ہیں نہ کہ توابع۔

بقرينة ذكر التوابع بعدها۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ کہ مصنف کی تعریف میں اسناد مطلق ہے اور یہاں اسناد بالاصالہ مقید مراد لیا گیا اور یہ تعریف میں مجاز کا لینا ہے اور تعریفات میں مجاز کا لینا درست نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن تعریفات میں مجاز مراد لینا بغیر قرینہ کے درست نہیں ہوتا اور

یہاں قرینہ موجود ہے اور وہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے بعد توابع کا ذکر کرنا ہے لہذا یہ اخذ مجاز تعریف میں درست ہے۔

أو شبهه أی ما یشبهه فی العمل وإنما قال ذلك لیتناول فاعل اسم الفاعل والصفة المشبهة والمصدر واسم الفعل وأفعل التفضیل والظرف۔

یہ اوپر ما أسند إلیه الفعل پر عطف ہے یعنی فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت ہو اور شبہ وہ فعل ہے جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو وہ عام ہے خواہ اسم فاعل ہو، خواہ صفت مشبہ، خواہ مصدر، خواہ اسم تفضیل، خواہ ظرف ہو۔ کیونکہ یہ سب عمل میں فعل کے مشابہ ہیں جو عمل فعل کرے گا وہی عمل یہ کریں گے۔ عمل کی قید بڑھانے سے شبہ فعل ان سب کو شامل ہوا۔

وقدّم أی الفعل أو شبهه۔

اس میں شارح نے صرف یہ اشارہ کیا ہے کہ قُدم کا فاعل فعل ہے یا شبہ فعل۔

علیه أی علی ذلك الاسم۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ علیه کی ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے۔

واحترز به عن نحو زید فی زید ضرب لأنه مما أسند إلیه الفعل لأن الإسناد إلی ضمیر شیء إسناد إلیه فی الحقیقة لکنه مؤخر عنه۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قدم علیه کا قول احترازی ہے اس سے زید ضرب کی ترکیب میں زید کے لفظ سے احتراز کیا کیونکہ یہ زید بھی وہ اسم ہے جس کی طرف فعل کی نسبت ہوئی ہے کیونکہ ضرب کے فعل میں جو ضمیر ھو ہے وہ زید کی طرف لوٹتی ہے ظاہر میں اس ضرب کی نسبت اگرچہ ضمیر کی طرف ہے لیکن شیء کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں اس شیء کی طرف مانی جاتی ہے پس اس قدم کی قید سے زید فاعلیت کی تعریف سے خارج ہوا کیونکہ فعل فاعل سے مقدم ہوتا ہے اور یہاں موخر ہے اس لئے یہاں زید ترکیب میں مبتدا اور ضرب کا جملہ اس کی خبر واقع ہوئی ہے۔

والمراد تقدیمه علیه وجوبا لیخرج عنه المبتدأ المقدم علیه خبره نحو: کریم من یکرمك۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع

نہیں کیونکہ اس میں کریم من یکرمك کی مثال کا مبتدا داخل ہوا کیونکہ وہ بھی مما أسند إليه الفعل إلخ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں فعل اور شبہ فعل کی تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے اور خبر کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے واجب نہیں لہٰذا فاعل کی تعریف سے مثال مذکور کا مبتدا خارج ہوا اور تعریف مانع ثابت ہوئی۔

فإن قلت: قد يجب تقديمه إذا كان المبتدأ نكرة والخبر ظرفاً نحو: في الدار رجل۔

یہ اوپر والے سوال کے جواب پر ایک اعتراض ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مبتدا جب نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو جیسے في الدار رجل میں ہے تو اس صورت میں مبتدا کے خبر کی تقدیم واجب ہوتی ہے۔

قلت: المراد وجوب تقديم نوعه وليس نوع الخبر مما يجب تقديمه بخلاف نوع ما أسند إلى الفاعل۔

یہ اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مراد تقدیم وجوبی سے تقدیم وجوبی نوعی ہے اور مثال مذکور میں تقدیم وجوبی فردی ہے اس لئے خبر کی نوع تقدیم وجوبی کے افراد میں سے نہیں بخلاف نوع فعل یا شبہ فعل کے، جس کا اسناد فاعل کی طرف ہوتا ہے کہ اس کی تقدیم فاعل پر واجب ہے۔

على جهة قيامه أي إسناداً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ على جهة قيامه کا قول ترکیب میں جار مجرور واقع ہوا ہے اور جار مجرور میں قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ کسی عبارت میں واقع ہو تو اس میں اعراب محلی کی ضرورت ہوتی ہے پس یہاں اس کا اعراب محلی کونسا ہوگا؟

شارح نے جواب دیا کہ یہاں اس کا اعراب محلی بنا بر مصدریت نصب ہے۔

واقعا على طريقة قيام الفعل أو شبهه۔

اس میں بھی شارح نے واقعاً کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصدر میں شرط یہ ہے کہ فعل کے معنی اس پر مشتمل ہوں جیسا اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے اور أسند کے معنی اسناد پر مشتمل ہیں على جهة قيامه پر مشتمل نہیں لہٰذا اس کی مصدریت صحیح نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کی مصدریت مجازاً باعتبار موصوف محذوف إسناداً کے ہے اور واقعاً کے بڑھانے سے اس سوال کا بھی جواب دیا جو کہ اس طرح وارد ہوتا تھا کہ جار مجرور کی ظرفیت، مصدریت اور حالیت باعتبار

متعلق کے ہوتی ہے اور علی جهة قيامه کا متعلق أسند مذکور ہوگا یا یہ إسناداً محذوف کا لفظ ہوگا بنا بر اول تقدیم صفت موصوف پر لازم آتی ہے اور بنا بر ثانی اتصاف شیء بنفسہ لازم آتا ہے اور یہ دونوں باطل ہیں؟

شارح نے یہ واقعاً کا لفظ بڑھا کر اس سوال مذکور کا جواب اس طرح دیا کہ علی جهة قيامه کا متعلق نہ أسند مذکور ہے نہ اسناد مذکور ہے نہ اسناد محذوف بلکہ اس کا متعلق واقعاً ہے یعنی فاعل وہ اسم ہے جس پر بطریق قیام فعل اور شبہ فعل مقدم ہو۔

به أي بالفاعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ بہ کی ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے۔

فطريق قيامه به أن يكون على صيغة المعلوم أو على ما في حكمها كاسم الفاعل والصفة المشبهة۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے بات زيدٌ اور طال زيد کی ترکیبوں کا فاعل خارج ہوا اس لئے کہ قیام سے متبادر یہ ہے کہ اس کے حدوث کے معنی ہوں اور موت وطول تراکیب مذکورہ میں فاعل سے حادث اور صادر نہیں ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل اور شبہ فعل کے قیام کا طریقہ یہ ہے کہ بصیغہ معلوم یا اس کے حکم میں ہو جیسے اسم فاعل اور صفت مشبہہ میں ہے اور یہ اس تقدیر پر عام ہے خواہ فاعل سے حادث اور صادر ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو۔ مثال مذکور میں اگر چہ فاعل سے صادر نہیں لیکن اس کے ساتھ قائم ہے لہذا اب فاعل کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

واحترز بهذا القيد عن مفعول ما لم يسم فاعله كزيد في ضُرب زيدٌ على صيغة المجهول۔

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ مصنف کافیہ کا قول علی جهة قيامه احترازی ہے، اس قید سے ضرب زید کی ترکیب کے زید مفعول ما لم یسم فاعلہ سے احتراز کیا کیونکہ یہ بصیغۂ مجہول ہے بصیغۂ معلوم نہیں۔

والاحتياج إلى هذا القيد إنما هو على مذهب من لم يجعله داخلاً في الفاعل كالمصنف واما على مذهب من جعله داخلا فيه كصاحب المفصل فلا حاجة إلى هذا القيد بل يجب أن لا يقيد به۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نحاۃ کے سرکردہ اور رئیس صاحب مفصل ہیں اور انہوں نے علی جهة قيامه کے قول کو اپنے مفصل میں ذکر نہیں کیا ہے پس مصنف کافیہ نے ان کی مخالفت کیونکر کی حالانکہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس قید مذکور کے بڑھانے کی حاجت اور ضرورت بنابر مذہب اس کے ہے جو مفعول مالم يسم فاعله کو فاعل کی تعریف میں داخل نہیں مانتے ہیں جیسے مصنف کافیہ اس کے قائل ہیں اور بنابر مذہب اس کے جو اس مفعول ما لم يسم فاعله کو فاعل کی تعریف میں داخل مانتے ہیں جیسے صاحب مفصل اس کے قائل ہیں بنا بر اس مذہب قید مذکور کے بڑھانے کی حاجت اور ضرورت نہیں بلکہ اس قید کا چھوڑ دینا واجب اور ضروری ہے۔

مثل زيد في قام زيد فهذا مثال لما أسند إليه الفعل۔

یہ اس فاعل کی مثال ہے جس کی طرف فعل کا اسناد ہو جیسے زيد قام۔

ومثل أبو في زيد قائم أبوه فهذا مثال لما أسند إليه شبه الفعل۔

اس میں اس فاعل کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کا اسناد ہو جیسے زيد قائم أبوه کی مثال میں أبوه فاعل اور قائم شبہ فعل اس کی طرف مسند ہے اور شارح نے یہاں مثل کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ یہ مثال اوپر کی مثال پر عطف ہے۔

والأصل في الفاعل أي ما ينبغي أن يكون الفاعل عليه۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اصل کے معنی قاعدہ کے ہیں اور قاعدہ فاعل میں یہ ہے کہ فعل کے قریب ہو پس اس تقدیر پر ضربك زيد کی ترکیب جائز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہاں درمیان فعل اور فاعل کے ك ضمیر مفعول کے ساتھ فعل واقع ہوئی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اصل کے تین معنیٰ ہیں اول قاعدہ۔ دوم ما يبتنى عليه الشيء۔ سوم راجح۔ یہاں اصل کے یہی معنی مراد ہیں قاعدہ کے معنی مراد نہیں یعنی فاعل کا قاعدہ راجحہ جس پر فاعل کا ہونا ضروری ہو یہ ہے کہ وہ فعل کے قریب ہو۔

إن لم يمنع مانع۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ راجحہ

مذکورہ فاعل میں مسلم نہیں بلکہ ممنوع ہے جیسے ما ضرب زیداً إلا عمرٌ میں ہے کہ یہاں فاعل فعل کے قریب نہیں بلکہ مفعول فعل کے قریب واقع ہوا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل میں یہ قاعدہ راجحہ مذکورہ بالا تب ہے جب کہ اس کا کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مثال مذکور میں مانع موجود ہے اور وہ فاعل کا إلا کے بعد واقع ہونا ہے اس مانع کی وجہ سے اس قاعدہ راجحہ کی مخالفت ہوئی ہے۔

أن یلی الفعل المسند إلیه أی یکون بعده من غیر أن یتقدم علیه شیء اخر من معمولاته لأنه کالجزء من الفعل لشدة احتیاج الفعل إلیه ویدل علی ذلك إسکان اللام فی ضربت لأنه لدفع توالی أربع حرکات فیما هو بمنزلة کلمة واحدة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب فاعل میں قاعدہ راجحہ یہ ہے کہ فعل کے قریب ہو تو اس تقدیر پر چاہیے کہ جاء الرجل کی ترکیب ضعیف مانی جائے کیونکہ اس میں درمیان فعل اور فاعل کے الف لام کے ساتھ فصل واقع ہوئی ہے جو مضر قرب کے ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں قرب کے معنی یہ ہیں کہ درمیان فعل اور فاعل کے فعل کے معمولات میں سے کوئی معمول واقع نہ ہوا ہو بلکہ فاعل فعل کے بعد میں اس طرح واقع ہو کہ فعل کے معمولات میں سے کوئی معمول اس پر مقدم نہ آئے کیونکہ فاعل بمنزلہ فعل کے جز کے ہے کیونکہ فعل کی فاعل کی طرف اشد ضرورت اور احتیاج ہوتی ہے اور فاعل کے جز ہونے پر ضربت کے لام کلمہ کا سکون دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لام کلمہ اس لئے ساکن کر دیا گیا ہے کہ ایک کلمہ میں پے در پے لگاتار چار حرکات نہ آئیں اور مثال مذکور میں الف لام فعل کا معمول نہیں ہے۔

فلذلك الأصل الذی یقتضی تقدم الفاعل علی سائر معمولات الفعل۔

یہ اوپر کے قول پر تفریع ہے اور اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ذلك کا مشار الیہ الأصل ہے یعنی بسبب اس اصل کے جو فاعل کا تقدم فعل کے تمام معمولات پر چاہتی ہے ضرب غلامه زید کی ترکیب جائز ہے۔

جاز ضرب غلامه زید لتقدم مرجع الضمیر وهو زید رتبة فلا یلزم الإضمار قبل الذکر مطلقا بل لفظا فقط وذلك جائز۔

یہ ترکیب مذکور اس لئے جائز ہے کہ اس میں غلامه کی ضمیر کا مرجع جو زید ہے رتبہ میں مقدم ہے اگرچہ باعتبار

لفظ کے مؤخر ہے کیونکہ فعل کے بعد رتبہ فاعل ہی کا ہوتا ہے پس اس تقدیر پر اضمار قبل الذکر مطلقا لازم نہیں آیا بلکہ صرف لفظ میں اضمار قبل الذکر معلوم ہوتا ہے اور یہ جائز ہے۔

وامتنع ضرب غلامه زيداً لتأخر مرجع الضمير وهو زيدٌ لفظا ورتبة فيلزم الإضمار قبل الذكر لفظا ورتبة وذلك غير جائز خلافاً للأخفش وابن جني ومستندهما في ذلك قول الشاعر:

جزى ربُّه عنّي عديّ بن حاتم جزاء الكلاب العاديات وقد فعل

یہ ترکیب مذکور ممنوع ہے اس لئے کہ اس میں غلامہ کے لفظ کو ضرب کا فاعل اور زید کو اس کا مفعول ٹھہرایا ہے اور مفعول کا درجہ فاعل کے بعد ہوتا ہے لہذا یہ زید لفظا اور رتبہ دونوں میں مؤخر ہوا اور یہی غلامہ کی ضمیر کا مرجع ہے لہذا اس تقدیر پر اس ترکیب میں اضمار قبل الذکر لفظا اور معنی دونوں لازم آیا اور یہ ناجائز ہے اس لئے یہ ترکیب ممنوع ٹھہرائی گئی ہے۔

لیکن اس میں اخفش اور ابن جنی اختلاف کرتے ہیں یعنی یہ لوگ اضمار قبل الذکر لفظاً و معناً کو بھی جائز ٹھہراتے ہیں اور ان کا استدلال اس شاعر کے قول سے ہے جو اوپر عبارت میں مذکور ہو چکا ہے جس کے معنی ہیں کہ عدی بن حاتم کو اس کا رب کتوں کی سی سزا دی۔

اس شعر میں ربہ کی ضمیر عدی بن حاتم کی طرف راجع ہے اور یہ ترکیب میں جزی کا مفعول ہے اور مفعول کا رتبہ مؤخر ہوتا ہے چونکہ یہ باعتبار لفظ اور رتبہ کے مؤخر ہوا، لہذا ربہ کی ضمیر میں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم آیا، اگر یہ ناجائز ہوتا تو شاعر اپنے قول میں کیونکر ذکر کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے یہ ابن جنی اور اخفش کا استدلال ہے۔

وأجيب عنه بأن هذا لضرورة الشعر، و المراد عدم جوازه في سعة الكلام۔

اس میں شارح نے اخفش اور ابن جنی کے استدلال کا جواب بتایا ہے کہ اس شعر میں یہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور معنی بوجہ ضرورت شعری کے واقع ہوا ہے اور مقصود عدم جواز سے سعۃ کلام یعنی نثر میں ہے۔

وبأنه لا نسلم أن الضمير يرجع إلى العدي بل إلى المصدر الذي يدل عليه الفعل أي جزى رب الجزاء۔

یہ اخفش اور ابن جنی کے استدلال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں ہے جس کی تشریح شارح اس طرح

کرتے ہیں کہ ربہ کی ضمیر کا عدی ابن حاتم کی طرف راجع کردینا مسلم نہیں ہے بلکہ یہ ضمیر اس فعل کے مصدر کی طرف راجع ہے جس پر وہ فعل دلالت کرے جس کی تقدیر جزی رب الجزاء ہے یعنی یہ ضمیر جزی فعل میں جو مصدر ہے اس کی طرف راجع ہے لہذا اب اس تقدیر پر اضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا۔

وإذا انتفى الإعراب الدال على فاعلية الفاعل ومفعولية المفعول بالوضع۔

اس میں شارحؒ نے اعراب کے معنی بتائے ہیں کہ اعراب اس حرف حرکت کو کہتے ہیں جو فاعل کے فاعل ہونے پر اور مفعول کے مفعول ہونے پر بالوضع دلالت کرے۔

لفظا فيهما أي في الفاعل المتقدم ذكره صريحا وفي ضمن الأمثلة والمفعول المتقدم ذكره في ضمن الأمثلة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فیہما کی ضمیر مجرور فاعل اور مفعول کی طرف راجع ہے اور فاعل مذکور ہے اور مفعول غیر مذکور ہے لہذا یہاں اضمار قبل الذکر لازم آیا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل اوپر صریحاً اور مثالوں کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے اور مفعول اگرچہ کلام میں صریحاً مذکور نہیں ہے لیکن مثالوں کے ضمن میں مذکور ہے لہذا اب اضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا۔ یعنی جب اعراب فاعل اور مفعول کے لفظوں میں منتفی ہو اور اس پر قرینہ بھی نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا فاعل کا مفعول بعد إلا کے یا اس کے معنی کے واقع ہو تو ان سب صورتوں میں فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

والقرينة أي الأمر الدال عليهما لا بالوضع إذ لا يعهد أن يطلق على ما وضع بإزاء شيء أنه قرينة عليه فلا يرد عليه أن ذكر الإعراب مستغنى عنه إذ القرينة شاملة له وهي إما لفظية نحو: ضربت موسى حبلى أومعموية نحو: أكل الكمثرى يحيى۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قرینہ کے ساتھ میں اعراب کا ذکر کرنا مستدرک اور بیکار ہے کیونکہ قرینہ امر دال علی تعین شیء کو کہتے ہیں اور یہی معنی اعراب کے بھی ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قرینہ اور اعراب کے درمیان میں فرق ہے، وہ یہ کہ اعراب اس کو کہتے ہیں جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر بالوضع دلالت کرے بخلاف قرینہ کے یہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرتا ہے لیکن بالوضع نہیں۔ پس اس سے یہ لازم نہیں ہوگا کہ عموماً ہر جگہ یہ قاعدہ ہو جو چیز کسی شیء کے

مقابلہ میں موضوع ہو وہ قرینہ ہی ہوگا کیونکہ قرینہ میں وضع نہیں ہوتی ہے۔ جب شارح نے امر دال کے ساتھ وضع کی قید بڑھائی تو اس تقدیر پر اوپر والا سوال اعراب کے ذکر کے بیکاری کا دفع ہوا کیونکہ اعراب کا ذکر قرینہ کو شامل نہیں ہوتا۔

اور قرینہ کی دو قسمیں ہیں لفظی جیسے ضربت موسی حبلی میں تائے تانیث حبلی کے فاعل ہونے کا قرینہ لفظی ہے اور دوسرے معنوی جیسے اکل الکمثری یحیی میں یحییٰ کے فاعل ہونے کا قرینہ معنوی ہے کیونکہ اکل کثمری سے صادر نہیں ہوسکتا ہے اور کمثری کے معنی امرود یا ناشپاتی کے ہیں۔

أو كان الفاعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ کان کا اسم یہ فاعل کا لفظ ہے۔

مضمراً متصلاً بالفعل بارزاً كضربت زيدا أو مستكنا كزيد ضرب غلامه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ متصلاً کا لفظ فعل سے متعلق ہے یعنی فاعل ضمیر بارز فعل سے متصل ہوگا جیسے ضربت زیدا میں ہے یا مستتر ہوگا جیسے زیدضرب غلامہ میں ہے۔

بشرط أن يكون المفعول متأخراً عن الفعل لئلا ينتقض بمثل زيداً ضربت۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ زیدا ضربت سے منقوض ہے کیونکہ اس میں فاعل ضمیر متصل بالفعل ہے اور باوجود اس کے یہاں فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس تقدیم فاعل میں یہ شرط ہے کہ مفعول بہ فعل سے مؤخر ہو اور مثال مذکور میں مفعول فعل سے مقدم ہوگیا ہے اس لئے قاعدہ مذکورہ بالا اس سے منقوض نہیں اور وہ درست اور صحیح ٹھہرا۔

أو وقع مفعوله أي مفعول الفاعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مفعولہ کی ضمیر مجرور فاعل کی طرف راجع ہے اور مفعول کے معنی یہاں لغوی لئے جائیں گے تا کہ اس کی اضافت فاعل کی طرف صحیح ہوسکے۔

بعد إلا بشرط توسطها بينهما في صورتي التقديم والتأخير نحو ما ضرب زيدٌ إلا عمراً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ بالا ما ضرب

إلا عمراً زید سے منقوض ہے کیونکہ یہاں مفعول بعد إلا کے واقع ہوا ہے اور باوجود اس کے فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس حکم میں یہ شرط ہے کہ إلا کا لفظ درمیان فاعل اور مفعول کے تقدیم اور تاخیر کی دونوں صورتوں میں واقع ہو جیسے ما ضرب زیدٌ إلا عمراً میں ہے اور مثال مذکور میں إلا کا توسط درمیان فاعل اور مفعول کے نہیں ہے اس لئے قاعدہ مذکورہ بالا کا نقص دفع ہوا۔

أو بعد **معناها** نحو إنما ضرب زیدٌ عمراً۔

یہ إلا کے معنیٰ کی مثال ہے۔

وجب تقديمه أي تقديم الفاعل على المفعول في جميع هذه الصور أما في صورة انتفاء الإعراب فيهما والقرينة فللتحرز عن الالتباس وأما في صورة كون الفاعل ضميراً منصلا فلمنافاة الاتصال الانفصال وأما في صورة وقوع المفعول بعد إلا لكن بشرط توسطها بينهما في صورتي التقديم والتأخير فلئلا ينقلب الحصر المطلوب فإن المفهوم من قوله ما ضرب زيد إلا عمراً انحصار ضاربية زيد في عمرو مع جواز أن يكون عمرو مضروبا لشخص اخر والمفهوم من قوله ما ضرب عمرا إلا زيدٌ انحصار مضروبية عمرو في زيد مع جواز أن يكون زيد ضاربا لشخص اخر فلو انقلب أحدهما بالاخر لانقلب الحصر المطلوب۔

یعنی فاعل کا مفعول پر مقدم ہونا ان تمام صورتوں میں واجب ہے، چنانچہ اعراب اور قرینہ کے انتفا کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس لئے واجب ہے کہ درمیان فاعل اور مفعول کے التباس سے احتراز ہو جائے کیونکہ اگر یہاں تقدیم واجب نہ مانی جائے تو یہ نہ معلوم ہوگا کہ فاعل اول لفظ ہے یا ثانی اور فاعل کے ضمیر متصل ہونے کی صورت میں تقدیم اس لئے واجب ہے کہ درمیان اتصال وانفصال کے منافات ہے اگر فاعل مفعول سے موخر کیا جائے تو اس صورت میں فعل سے فصل لازم آجائے گا حالانکہ فصل نہیں بلکہ اتصال ہے اور مفعول کے بعد إلا کے واقع ہونے کی صورت میں بشرط توسط الا کے درمیان فاعل اور مفعول کی تقدیم اور تاخیر کی دونوں صورتوں میں تقدیم فاعل اس لئے واجب ہے کہ حصر مطلوب منقلب نہ ہو کیونکہ ما ضرب زیدٌ إلا عمراً کے قول کا مفہوم زید کی ضاربیت کا انحصار ہے جس کی تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ زید ہی نے عمر کو مارا۔ باوجود اس کے جائز ہے کہ عمر مضروب شخص آخر کا بھی ہو اور ما ضرب عمراً إلا زید

کے قول کا مفہوم عمر کی مضروبیت کا انحصار ہے یعنی زید نے عمر ہی کو مارا باوجود اس کے جائز ہے کہ زید شخص آخر کا بھی ضارب ہو پس اگر ان دو ترکیبوں میں سے ایک ترکیب دوسرے کے ساتھ پلٹے تو حصر مطلوب مذکور بھی پلٹ جائے گا اور خلاف مقصود متکلم ہو جائے گا اس لئے یہاں تقدیم فاعل کی مفعول پر واجب ٹھہری۔

وإنما قلنا بشرط توسطها بينهما في صورتي التقديم والتأخير لأنه لو قدم المفعول على الفاعل مع "إلا" فيقال ما ضرب إلا عمراً زيدٌ، فالظاهر أن معناه انحصار ضاربية زيد في عمرو، إذ الحصر إنما في ما يلي إلا فلا ينقلب الحصر المطلوب فلا يجب تقديم الفاعل لكن لم يستحسنه بعضهم لأنه من قبيل قصر الصفة قبل تمامها۔

اوپر شارح نے بشرط توسطها بينهما کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا تھا جس کی تشریح ہو چکی ہے اب یہاں اس قید کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے تقدیم اور تاخیر کی دونوں صورتوں میں بشرط توسطها بينهما کی قید اس لئے بڑھائی ہے اگر مفعول کو إلا کے ساتھ فاعل پر مقدم کیا جائے اور ما ضرب إلا عمراً زيدٌ پڑھا جائے تو اس تقدیر پر ظاہر یہ ہے کہ اس کے معنی زید کی ضاربیت کے انحصار کے ہوں گے کیونکہ حصر اس میں ہوتا ہے جو کلمہ إلا کے قریب ہو پس یہاں چونکہ حصر مطلوب کا انقلاب نہیں ہوتا اس لئے فاعل کی تقدیم واجب نہیں لیکن بعض نے اس کو بھی مستحسن نہیں سمجھا ہے کیونکہ اس میں صفت کے تمام ہونے سے پیشتر صفت کا قصر لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

وإنما قلنا الظاهر أن معناه كذا لاحتمال أن يكون معناه ما ضرب أحداً أحدٌ إلا عمراً زيدٌ فيفيد انحصار صفة كل واحد منهما في الآخر وهو أيضاً خلاف المقصود۔

اوپر شارح نے فالظاهر أن معناه انحصار ضاربية زيد في عمر کی قید بڑھائی تھی اب یہاں اس کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اوپر فالظاهر أن معناه كذا اس لئے بڑھا کر کہا ہے کہ احتمال ہے کہ اس کے معنی ما ضرب أحداً أحدٌ إلا عمرا زيد کے ہوں پس اس تقدیر پر فاعل اور مفعول ہر ایک کے انحصار کا فائدہ مقصود ہوگا اور یہ بھی خلاف مقصود ہے اس لئے فالظاهر أن معناه الخ کی قید کے بڑھانے کی ضرورت واقع ہوئی۔

وأما وجوب تقديمه عليه في صورة وقوع المفعول بعد معنى إلا لأن الحصر ههنا في الجزء الاخير فلو أخّر الفاعل لانقلب المعنى قطعاً۔

یعنی مفعول کے بعد معنی إلا کے واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم مفعول پر اس لئے واجب ہے کہ حصر یہاں جز آخر میں ہے پس اگر فاعل کو مفعول سے مؤخر کیا جائے تو اس صورت میں یقیناً معنی کلام کے منقلب ہو جاویں گے اور خلاف مقصود لازم آئے گا اس لئے فاعل کی تقدیم اس صورت میں بھی ضروری اور لازمی ہے۔

وإذا اتصل به أی بالفاعل **ضمير مفعول** نحو ضرب زيداً غلامه **أو وقع** أی الفاعل **بعد إلا** المتوسطة بينهما فی صورتی التقديم والتاخير نحو ما ضرب عمراً إلا زيد وفائدة هذا القيد مثل ماعرفت آنفا **أو** وقع الفاعل بعد **معناها** أی معنی إلا نحو إنما ضرب عمراً زيدٌ **أو اتصل مفعوله به** بأن يكون المفعول ضميراً متصلاً بالفعل۔

یعنی جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو جیسے ضرب زيداً غلامه میں ہے یا فاعل بعد اس إلا کے واقع ہو جو تقدیم اور تاخیر کی دونوں صورتوں میں درمیان فاعل اور مفعول کے متوسط آیا ہو جیسے ما ضرب عمراً إلا زيد کی مثال میں ہے اور اس توسط کی قید کا فائدہ اوپر معلوم ہو چکا، ملاحظہ ہو یا فاعل الا کے معنی کے بعد واقع ہو جیسے ضرب عمراً زيد کی مثال میں ہے یا فاعل کا مفعول فعل سے متصل ہو اس طرح کہ مفعول ضمیر متصل بالفعل ہو۔

وهو أی الفاعل **غير** ضمير **متصل** به نحو ضربك زيد **وجب تاخيره** أی تاخير الفاعل عن المفعول فی جميع هذه الصور اما فی صورة اتصال ضمير المفعول به لئلا يلزم الإضمار قبل الذكر لفظاً ورتبةً، وأما فی صورة وقوعه بعد إلا أو معناها لئلا ينقلب الحصر المطلوب، وأما فی صورة كون المفعول ضميراً متصلاً والفاعل غير متصل لمنافاة الاتصال الانفصال بتوسط الفاعل الغير المتصل بينه وبين الفعل بخلاف ما إذا كان الفاعل أيضاً ضميراً متصلاً فإنه حينئذ يجب تقديم الفاعل نحو ضربتك۔

اور فاعل غیر ضمیر متصل بالفعل ہو جیسے ضربك زيد میں ہے تو ان تمام صورتوں میں فاعل کی تاخیر مفعول سے واجب ہے مفعول کی ضمیر متصل ہونے کی صورت میں اس لئے تاخیر فاعل واجب ہے کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم نہ ہو اور إلا یا اس کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں اس لئے تاخیر فاعل واجب ہے کہ حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہ ہو اور مفعول کے ضمیر متصل اور فاعل کے غیر متصل ہونے کی صورت میں تاخیر فاعل اس لئے ضروری ہے کہ اگر فاعل غیر متصل درمیان مفعول اور فعل کے متوسط واقع ہو تو اس صورت میں درمیان اتصال اور انفصال کے منافات ہوگی

بخلاف اس کے کہ فاعل بھی ضمیر متصل ہو اس صورت میں فاعل کی تقدیم واجب ہے جیسے ضربتك میں ہے۔

وقد يحذف الفعل الرافع للفاعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح فعل محذوف ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل بھی محذوف ہوتا ہے پس مصنف نے فعل کے حذف کا خاص کر کے کیوں ذکر کیا؟

شارح نے اسکا جواب دیا کہ فعل سے یہاں مراد رافع فاعل ہے اور وہ عام ہے خواہ فعل ہو خواہ شبہ فعل۔

لقيام قرينة دالة على تعيين المحذوف جوازاً أى حذفاً جائزاً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جوازاً کا قول یحذف کے قول کا مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق میں شرط یہ ہے کہ فعل مذکور کے معنی اس پر ایسے مشتمل ہوں کہ جیسا اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے اور یہاں فعل مذکور کے معنی حذف پر مشتمل ہیں نہ کہ جوازاً پر۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جوازاً مفعول مطلق ہے باعتبار موصوف محذوف حذفاً کے۔

اب اس پر ایک سوال مقدر اور وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ صفت اپنے موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے اور یہاں حمل درست نہیں کیونکہ یہ حمل مصدر علی المصدر ہے اور یہ باطل ہے۔

شارح نے جائزاً کا لفظ بڑھا کر جواب دیا کہ جوازاً مصدر مبنی للفاعل بمعنی جائزاً کے ہے لہذا اب حمل درست ثابت ہوا۔

فى مثل زيد أى فيما كان جواباً لسوال محققٍ لمن قال: من قام؟ سائلاً عمن يقوم به القيام فيجوز ان تقول زيد بحذف قام أى قام زيد ويجوز أن تقول قام زيد بذكره۔

یعنی عامل رافع فاعل کا حذف وہاں جائز ہے جہاں فاعل سوال محقق کا جواب واقع ہو جیسے زید کہیں اس شخص کے سوال کے جواب میں جو اس شخص کے متعلق سوال کرے جس سے قیام صادر ہو پس قام عامل رافع کو حذف کر کے صرف زید کہہ سکتے ہیں اور قام کو ذکر کر کے قام زید کہنا بھی جائز ہے۔

وإنما قدر الفعل دون الخبر لأن تقدير الخبر يوجب حذف الجملة، وتقدير الفعل حذف أحد جزئيها، والتقليل فى الحذف أولى۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے اس ترکیب کو فعل

کے حذف کے باب سے مانا ہے خبر کے حذف کے باب سے نہیں ٹھہرایا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟
شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس ترکیب مذکور میں فعل اس لئے مقدر مانا ہے کہ خبر کی تقدیر سے جملہ کا حذف ہونا لازم ہوتا ہے اور فعل کی تقدیر سے صرف جملہ کے ایک ہی جز کا حذف ہونا لازم آتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ حذف میں تقلیل اولی ہے خبر کی تقدیر کو چھوڑ کر فعل کی تقدیر کی خصوصیت کی یہی وجہ ہے۔

وكذا يحذف الفعل جوازاً فيما كان جواباً لسوال مقدر نحو قول الشاعر في مرثية يزيد بن نهشل: **ليبك** على البناء للمفعول **يزيد** مرفوع على أنه مفعول ما لم يسم فاعله **ضارعٌ** أي عاجز ذليل وهو فاعل الفعل المحذوف أي يبكيه ضارع بقرينة السوال المقدر وهو من يبكيه؟ وأما على رواية ليبك يزيد على البناء للفاعل ونصب يزيد فليس مما نحن فيه۔

یعنی جس طرح فاعل کے سوال محقق کے جواب واقع ہونے کی صورت میں عامل کا حذف جائز ہے اسی طرح وہاں بھی یہ حذف درست ہے جہاں فاعل سوال مقدر کا جواب واقع ہو جیسے شاعر کے قول میں ہے جس کو یزید بن نہشل کے مرثیہ میں لکھا ہے اور وہ قول یہ ہے کہ لیبك بصیغہ مجہول ہے اور یزید بنا بر مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کے مرفوع ہے اور ضارع کے معنی عاجز اور ذلیل کے ہیں اور یہی فعل محذوف یعنی یبکیہ کا فاعل ہے اور حذف کا قرینہ سوال مقدر ہے یعنی من یبکیه ؟ اور بنا بر روایت مبنی للفاعل کے یعنی بصیغہ لیبك یزیدا اور یزید کے نصب کی بنا پر یہ مما نحن فيه سے نہیں یعنی یہاں عامل محذوف نہیں بلکہ یہی ضارع لیبك کا فاعل ہوگا۔

لخصومة متعلق بضارع أي يبكيه من يذل ويعجز عن مقاومة الخصماء لأنه كان ظهيراً للعجزة والأذلاء وآخر البيت: **ومختبط مما تطيح الطوائح**، والمختبط السائل من غير وسيلة والإطاحة الإهلاك والطوائح جمع مطيحة على غير القياس كلواقح جمع ملقحة ومما يتعلق بمختبط وما مصدرية يعني ويبكيه أيضاً من يسئل بغير وسيلة من أجل إهلاك المهلكات ماله وما يتوسل به الى تحصيل المال لأنه كان معطى السائلين بغير وسيلة۔

اس میں شارح نے متعلق بضارع کا قول بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لخصومة کا لام جارہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ یبکیه مقدر سے متعلق ہوگا یا ضارع مذکور سے اگر یبکیه مقدر سے متعلق مانیں تو اس تقدیر پر لخصومة کا لام اجلیہ مانا جائے گا اور لام اجلیہ وہ ہے جو اپنے مدخول کو ماقبل کے

لئے علت ٹھہرائے اور خصومت یہاں ماقبل کی علت نہیں بلکہ بکاء کی علت یزید کا فوت ہونا ہے اور اگر ضارع سے متعلق ٹھہرائیں تو اس تقدیر پر اسم کا عمل بلا اعتماد لازم ہوگا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ ضارع سے متعلق ہے اور یہ ضارع کا لفظ اصل میں موصوف محذوف شخص کی صفت ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ یزید کے فوت ہونے پر وہ شخص روئے جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں عاجز اور ذلیل ہو چکا ہو کیونکہ یزید عاجزوں اور ذلیلوں کا مددگار اور معاون تھا اور شعر کا آخری مصرعہ ومختبط مما تطیح الطوائح ہے اور مختبط کے معنی سائل بلا وسیلہ کے ہیں اور إطاحت کے معنی إهلاك کے ہیں اور طوائح خلاف قیاس جمع مطیحة کی ہے جیسے لواقح خلاف قیاس جمع ملقحة کی ہے اور مما میں جار اور مجرور مختبط سے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے جس کی تقدیر پر معنی مصرعہ کے یہ ہوں گے کہ یزید کے مرنے پر وہ شخص بھی روئے جس کے مال اور مال کے تحصیل کے ذرائع کو زمانہ کے حوادث اور مہلکات نے تباہ اور برباد کیا ہو اور وہ سوال بلا وسیلہ کرتا ہو کیونکہ یزید سائلین بلا وسیلہ کو مال دیا کرتا تھا۔

وقد يحذف الفعل الرافع للفاعل قرينة دالةٍ على تعينه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ جملہ اوپر کے جملہ وقد يحذف الفعل پر عطف ہے یعنی کبھی بنا بر موجودگی قرینہ دالہ علی تعین المحذوف عامل رافع فاعل کا وجوباً بھی محذوف ہوتا ہے۔

وجوباً أي حذفا واجباً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود وہی سوال وجواب ہیں جن کی تشریح اوپر جوازاً کی شرح میں بیان ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

في مثل قوله تعالى: ﴿وإن أحد مّن المشركين استجارك﴾ أي في كل موضع حذف الفعل ثم فسّر لرفع الإبهام الناشي من الحذف، فإنه لو ذكر المفسر لم يبق المفسّر مفسراً بل صار حشواً۔

یعنی قرینہ کی موجودگی میں عامل رافع فاعل کا حذف وجوباً واجب ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں ہے اور اس سے مراد ہر وہ موضع ہے جہاں فعل محذوف ہوا ہو پھر حذف میں جو ابہام پیدا ہوا ہو، اس کی رفع کے لئے تفسیر کی گئی ہو، اس سے قول اللہ تعالیٰ مذکور کی خصوصیت مراد نہیں ہے اور ایسے مواضع میں عامل کا حذف اس لئے واجب اور ضروری

ہے کہ اگر مفسر کو ذکر کرتے ہیں تو اس صورت میں مفسر مفسر نہیں رہتا بلکہ حشو اور بے کار ثابت ہوتا ہے۔

بخلاف المفسر الذی فیہ إبهام بدون حذفه فإنه يجوز الجمع بينه وبين مفسره كقولك: جاء نی رجل أی زید فتقدیر الآية: وإن استجارك أحد من المشركين استجارك، فأحد فيها فاعل فعل محذوف وجوباً وهو استجارك الأول المفسر باستجارك الثانی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جمع درمیان مفسر اور مفسر کے جائز ہے جیسے جاء نی رجل أی زید کی مثال میں موجود ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جمع درمیان مفسر اور مفسر کے اس وقت ممنوع ہے جس وقت مفسر کی تفسیر کی علت وہ ابہام ہو جو حذف عامل سے پیدا ہوا ہو اور یہاں ابہام حذف سے ناشی نہیں ہے بلکہ رجل کی نکارت سے ناشی ہوا ہے اس لئے یہاں جمع درمیان مفسر اور مفسّر کے درست اور جائز ہے ممنوع نہیں ہے پس آیت کریمہ مذکورہ کی تقدیر وإن استجارك أحدٌ من المشركين استجارك ہے۔ اس میں أحد کا لفظ فعل محذوف کا فاعل ہے جو وجوباً محذوف ہوا ہے اور وہ استجارك اول ہے جس کی تفسیر استجارك ثانی سے ہوئی ہے اب یہاں اگر دونوں کو جمع کرتے ہیں تو اس سے جمع درمیان مفسِر اور مفسر کے لازم آتی ہے اور یہ درست نہیں ہے اس لئے اول استجارك کا حذف واجب ہوا۔

وإنما وجب حذفه لأن مفسره قائم مقامه مغن عنه۔

اس میں شارح حذف مذکور کی دلیل اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں حذف عامل اس لئے واجب ہے کہ اس کا مفسر اس کے قائم مقام ہے اور وہ اس کے ذکر سے مستغنی ہے۔

ولا يجوز أن يكون أحدٌ مرفوعاً بالابتداء لامتناع دخول حرف الشرط على الاسم بل لا بد له من الفعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آیت کریمہ میں أحد کا لفظ مرفوع بنا بر ابتدا ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ أحدٌ کا بنا بر ابتدا مرفوع ہونا اس لئے جائز نہیں کہ حرف شرط کا دخول اسم پر ممتنع ہے اس کا مدخول ہمیشہ فعل ہوا کرتا ہے یہ قرینہ ہے عامل کے محذوف ہونے کا۔

وقد يحذفان أی الفعل والفاعل۔

اس کے بڑھانے سے صرف شارح کا مقصد یہ ہے یحذفان کا فاعل فعل اور فاعل ہیں۔

معاً دون الفاعل وحده **في مثل نعم** جواباً **لمن قال:أقام زيد** ؟ أی نعم قام زيد فحذفت الجملة الفعلية وذكر نعم فی مقامها۔

یعنی کبھی فعل اور فاعل دونوں محذوف ہوتے ہیں تنہا فاعل محذوف نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص أقام زيد؟ کہے اور تم اس کے جواب میں نعم کہو۔ فعل اور فاعل دونوں کو محذوف کر کے اس کی جگہ نعم رکھ دو کہ یہ اصل میں نعم قام زيد ہوگا جملہ فعلیہ کو محذوف کر کے اس کی جگہ نعم رکھ دیا۔

وهذا الحذف جائز بقرينة السوال لا واجب لعدم قيام ما يؤدی مؤداه فی مقامه كالمفسر فيلزم فی الكلام استدراك۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ چاہئے کہ یہ حذف واجب ہو کیونکہ فعل اور فاعل محذوف کر کے اس کے قائم مقام نعم کو رکھا گیا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ حذف بقرینہ سوال جائز ہے واجب نہیں کیونکہ نعم حرف غیر مستقل ہے اور فعل اور فاعل دونوں مل کر جملہ ہے اور جملہ مستقل ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ غیر مستقل مستقل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا مثل مفسر کے جس کے ذکر کرنے سے کلام میں استدراک لازم آتا ہو۔

وإنما قدرت الجملة الفعلية لا الاسمية بأن يقال: أی نعم زيد قام ليكون الجواب مطابقا للسوال فی كونه جملة فعليةً۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کہ تشریح یہ ہے کہ اس ترکیب مذکور میں جملہ فعلیہ کیوں محذوف مانا ہے جملہ اسمیہ کیونکر محذوف نہیں مانا جاتا ہے جس کی تقدیر أی نعم زيد قام ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جملہ فعلیہ اس لئے مقدر مانا ہے کہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں اپنے سوال کے مطابق ہوجائے بخلاف جملہ اسمیہ کے کہ اس میں جواب اپنے سوال کے مطابق نہیں ہوگا۔

وإذا تنازع الفعلان بل العاملان إذ التنازع يجری فی غير الفعل أيضا، نحو زيد معطٍ ومكرم عمراً، وبكر كريم وشريف أبوه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تنازع جس

طرح درمیان دوفعلوں کے جاری ہوتا ہے اسی طرح غیر فعل میں بھی ہوتا ہے جیسے زید معطٍ ومکرم عمرا وبکر کریم وشریف ابوہ میں موجود ہے پس افعال کو خاص کر کے کیونکر ذکر کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں فعلان سے مراد عاملان ہیں پس یہ عام ہے خواہ فعل ہو خواہ شبہ فعل اور یہ عموم اس لئے ضروری لازمی ہے کہ تنازع غیر فعل میں بھی جاری ہوسکتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے۔

واقتصر على الفعل لإصالته فى العمل۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مراد فعلان سے عاملان ہیں تو فعلان پر اختصار کر کے عاملان کیوں چھوڑا، عاملان کیوں نہیں کہا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل پر اختصار اس لئے کیا کہ فعل عمل میں اصل ہوتا ہے اصل کا لحاظ کر کے خاص کر کے ذکر کیا۔

وإنما قال الفعلان مع أن التنازع قد يقع فى أكثر من فعلين اقتصاراً على أقل مراتب التنازع وهو الاثنان۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تنازع جس طرح دوفعلوں میں جاری ہوتا ہے اسی طرح دوفعلوں کے اکثر میں بھی جاری ہوسکتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے قول مبارک میں کہ أصليت وسلمت الخ پس دوفعلوں پر اختصار کیوں کر کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دوفعلوں کا ذکر حد کے لئے نہیں ہے بلکہ اقل مراتب تنازع کے لئے ہے کم ازکم تنازع دوفعلوں میں ہوتا ہے اس سے اکثر کے تنازع کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ تنازع کبھی دوفعلوں کے اکثر میں بھی ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ کے قول مذکور میں واقع ہے۔

ظاهراً أى اسما ظاهرا واقعاً۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ظاہراً کا لفظ موصوف محذوف اسم کی صفت ہے۔

بعدهما أى بعد الفعلين إذ المتقدم عليهما أو المتوسط بينهما معمول للفعل الأول إذ هو يستحقه قبل الثانى فلا يكون فيه مجال التنازع۔

یعنی جب درمیان دوفعلوں یا اکثر کے تنازع اس اسم ظاہر میں واقع ہوجائے جو ان دوفعلوں کے بعد میں واقع

ہو کیونکہ دوفعلوں پر اگر متقدم ہو یا دوفعلوں کے درمیان واقع ہو تو اس صورت میں وہ اسم ظاہر صرف فعل اول کا معمول ہوگا کیونکہ یہ نسبت ثانی کے وہ زیادہ مستحق ہے پس اس میں تنازع متصور نہیں ہوگا۔

ومعنى تنازعهما فيه أنهما بحسب المعنى يتوجهان إليه ويصح أن يكون هو مع وقوعه في ذلك الموضع معمولا لكل واحد منهما على البدل فحينئذ لا يتصور تنازعهما في الضمير المتصل لان المتصل الواقع بعدهما يكون متصلا بالفعل الثاني وهو مع كونه متصلا بالفعل الثاني لا يجوز أن يكون معمولا للفعل الأول كما لايخفى۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تنازع ذی الروح میں متصور ہوتا ہے افعال ذی الروح نہیں پس ان میں تنازع کی کیا صورت ہوگی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اصطلاح میں تنازع کے معنی توجہ عوامل کے ہیں ایک اسم کی طرف یعنی اسم ظاہر میں دوفعلوں کے تنازع کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں فعل بحسب المعنی اس اسم کی طرف عمل میں متوجہ ہوں اور باوجود اس کے کہ جن مواضع میں وہ اسم واقع ہو وہاں وہ بنا بر بدل ہر ایک فعل کا معمول بن سکے پس اس تقدیر پر دونوں فعلوں کا تنازع ضمیر متصل میں متصور نہیں ہوگا کیونکہ ضمیر متصل جو ان دونوں فعلوں کے بعد واقع ہوگی وہ فعل ثانی سے متصل مانی جائے گی اور باوجود اس کے کہ فعل ثانی سے متصل ہو فعل اول کا معمول نہیں ہوگا جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

وأما الضمير المنفصل الواقع بعدهما نحو ما ضرب وأكرم إلا أنا ففيه تنازع لكن لا يمكن قطعه بما هو طريق القطع عندهم وهو إضمار الفاعل في الأول عند البصريين وفي الثاني عند الكوفيين لأنه لا يمكن إضماره مع إلا، لأنه حرف لا يصح إضماره ولا بدونه لفساد المعنى لأنه يفيد نفي الفعل عن الفاعل والمقصود إثباته له ومراد المصنف بالتنازع ههنا ما يكون طريق قطعه إضمار الفاعل، فلهذا خصه بالاسم الظاهر، وأما التنازع الواقع في الضمير المنفصل فعلى مذهب الكسائي يقطع بالحذف، وأما على مذهب الفراء فيعملان معا، وأما على مذهب غيرهما فلا يمكن قطعه لأن طريق القطع عندهم الإضمار وهو ممتنع كما عرفت۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تنازع جس طرح اسم ظاہر میں واقع ہوتا ہے اسی طرح ضمیر منفصل میں بھی جاری ہو سکتی ہے جیسے مثال مذکور میں پس اسم ظاہر کو کیونکر خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ضمیر منفصل جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب وأکرم إلا أنا میں ہے۔ اس میں اگر چہ تنازع موجود ہے لیکن یہاں اس تنازع کا قطع اس طریقہ سے ممکن نہیں جس کو نحاۃ نے تنازع کے قطع کے لئے تجویز کیا ہے اور وہ بصریین کے نزدیک فعل اول میں اضمار فاعل اور کوفیین کے نزدیک فعل ثانی میں اضمار فاعل ہے جیسا کہ خود آگے تحقیق آئے گی اور یہاں إلا کے ساتھ اضمار فاعل ممکن نہیں کیونکہ إلا حرف ہے اس کا اضمار صحیح نہیں ہے اور بغیر إلا کے اضمار کے بھی یہاں فاعل کا اضمار درست نہیں کیونکہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جائیں گے کیونکہ یہ اضمار بدون إلا فاعل سے فعل کی نفی کے مفید ہے اور مقصود اس کا فاعل کے لئے اثبات ہے، نہ کہ نفی اور مصنف کا مقصد تنازع سے یہاں وہ ہے جس کا طریق قطع اضمار فاعل ہو اور اسی وجہ سے اس تنازع میں اسم ظاہر کو خاص کیا ہے اور وہ تنازع جو ضمیر منفصل میں واقع ہو اس میں تین مذاہب ہیں ایک مذہب کسائی، دوم مذہب فراء، سوم مذہب غیر کسائی وفراء۔ بنا بر مذہب کسائی اس کا طریق قطع حذف ہے اور بنا بر مذہب فراء دونوں فعلوں کا عمل کرنا ہے اور بنا بر مذہب غیر ہما یہاں طریق قطع ممکن نہیں ہے کیونکہ طریق قطع ان کے نزدیک اضمار ہے اور وہ یہاں ممتنع ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

فقد يكون أي تنازع الفعلين۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یکون کا فاعل تنازع الفعلين ہے۔

في الفاعلية بأن يقتضي كل منهما أن يكون الاسم الظاهر فاعلاً له فيكونان متفقين في اقتضاء الفاعلية مثل: ضربني وأكرمني زيد۔

یعنی یہ تنازع فعلین کبھی اس اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں ہوتی ہے اس طرح کہ ہر ایک فعل یہ چاہے کہ وہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہو پس اس صورت میں وہ دونوں افعال اس اسم ظاہر کے فاعل ہونے کے اقتضا میں متفق ہوں گے جیسے ضربني واكرمني زيد میں زید کے فاعل ہونے میں ضربني اور اكرمني دونوں افعال متفق ہیں۔

وقد يكون تنازعهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ یہ اوپر کے جملہ پر عطف ہے۔

في المفعولية بأن يقتضي كل منهما أن يكون الاسم الظاهر مفعولا له فيكونان متفقين في اقتضاء المفعولية مثل ضربت وأكرمت زيداً وقد يكون تنازعهما في

الفاعلية والمفعولية۔

یعنی کبھی تنازع الفعلین اس اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں ہوتی ہے۔اس طرح کہ ہرایک فعل اس اسم ظاہر کے مفعول ہونے کو چاہے۔پس اس صورت میں وہ دونوں افعال اس اسم ظاہر کے مفعول ہونے کے اقتضا میں متفق ہوں گے جیسے ضربت وأكرمت زيداً میں ضربت اور أكرمت دونوں افعال زید کے مفعول ہونے کے مقتضی ہیں اور کبھی تنازع اس اسم کے فاعل ہونے اور مفعول ہونے میں ہوتی ہے یعنی دونوں افعال اس اسم ظاہر کے فاعل ہونے اور مفعول ہونے کی چاہت رکھتے ہیں۔

وذلك يكون على وجهين: أحدهما أن يقتضي كل منهما فاعلية اسم ظاهر ومفعولية اسم ظاهر اخر فيكونان متفقين فى ذلك الاقتضاء مثل ضرب وأهان زيد عمراً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب تنازع بین الفعلین اسم ظاہر کے فاعل اور مفعول ہونے میں بنابراختلاف فعلین ہے تو اس صورت میں مختلفین کے قول کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تنازع فعلین فاعلیت اور مفعولیت میں دوطرح کے ہیں۔اول یہ کہ ان دونوں فعلوں میں سے ہرایک فعل اس اسم ظاہر کا فاعل ہونا چاہے اس کے ساتھ دوسرے اسم ظاہر کا مفعول ہونا بھی چاہے۔پس اس صورت میں وہ اس اقتضا میں متفق ہوں گے جیسے ضرب وأهان زيد عمراً میں ہے۔

وليس هذا قسماً ثالثا من التنازع بل هو اجتماع القسمين الأولين۔

اوپر والے سوال کے جواب پر ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب تنازع بین الفعلین کی دوقسمیں ہوئیں تو اس تقدیر پر تنازع کا حصر اقسام ثلثہ میں باطل ہوا کیونکہ یہ ثالث قسم ملاکر چار قسمیں ہوتی ہیں۔

شارح نے یہاں اس کا جواب دیا کہ یہ تنازع کی قسم ثالث نہیں بلکہ یہ اول دوقسموں کا اجتماع ہے۔

وثانيهما أن يقتضي أحد الفعلين فاعلية اسم ظاهر والأخر مفعولية ذلك الاسم الظاهر بعينه ولا شك فى اختلاف اقتضاء الفعلين فى هذه الصورة وهذا هو القسم الثالث المقابل للأولين فقوله

اوروہ دوسری قسم تنازع کی یہ ہے کہ ان دوفعلوں میں سے ایک فعل اس اسم ظاہر کا فاعل ہونا چاہے اور دوسرا

فعل بعینہ اس اسم ظاہر کی مفعولیت کی خواہش رکھے اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں دونوں فعل اقتضا میں مختلف ہیں اور یہی قسم ثالث مقابل اول دو قسموں کا ہے پس اس تقدیر پر مختلفین کا قول اسی وجہ ثانی کی صورت کی تخصیص کے لئے ہے۔ بیکار اور تحصیل حاصل نہیں ہے۔

مختلفین لتخصیص هذه الصورة بالإرادة يعنى قد يكون تنازع الفعلين واقعا فى الفاعلية والمفعولية حال كون الفعلين مختلفين فى الاقتضاء، وذلك لا يتصور إلا اذا كان الاسم الظاهر المتنازع فيه واحداً۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ مختلفین کا قول فعلین سے ترکیب میں حال واقع ہوا ہے یعنی تنازع فعلین کبھی اس اسم کے فاعل اور مفعول ہونے میں واقع ہوتی ہے درآنحالیکہ فعلین کا اقتضا مختلف ہو اور یہ صرف اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جس میں وہ اسم ظاہر متنازع فیہ واحد ہو۔

وإنما لم يورد مثالا للقسم الثالث لأنه إذا أخذ فعل من المثال الأول وفعل من المثال الثانى حصل مثال للقسم الثالث، وذلك يتصور على وجوه كثيرة، مثل: ضربنى وضربت زيداً، وأكرمنى وأكرمت زيداً، وضربنى وأكرمت زيداً، وأكرمنى وضربت زيداً وغير ذلك مما يكون الاسم الظاهر مرفوعاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے اول دو قسموں کی امثال ذکر کیں اور قسم ثالث کی مثال ذکر نہیں کی حالانکہ اہم بالمثال قسم ثالث ہی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس قسم ثالث کے لئے کوئی علیحدہ مثال اس لئے ذکر نہیں کی کہ جب ایک فعل مثال اول سے اور ایک فعل مثال ثانی سے لے کر جمع کریں گے تو قسم ثالث کی مثال حاصل ہو جائے گی اس لئے علیحدہ مثال کی ضرورت نہیں اور یہ قسم ثالث کی مثال کا اخذ بہت سے وجوہ سے متصور ہو سکتا ہے اور وہ وجوہ کثیرہ شرح میں مذکور ہیں غور کر کے سمجھ لیں اور ان وجوہ مذکورہ کے علاوہ اور بھی وجوہ ممکن ہیں جہاں وہ اسم ظاہر مرفوع ہو سکے وہاں وجوہ کثیرہ کا اخراج ممکن ہوگا۔

فيختار النحاة **البصريون إعمال الثانى** لقربه مع تجويز إعمال الأول، ويختار النحاة **الكوفيون الأول** أى إعمال الفعل الأول مع تجويز إعمال الثانى لسبقه

ولـلاحتراز عن الإضمار قبل الذكر فإن أعملت الفعل الثانی كما هو مذهب البصريين، وبدأ به لأنه المذهب المختار الأكثر استعمالاً۔

یعنی صور مذکورہ میں نحاۃ بصرہ فعل ثانی کے اعمال کو بوجہ قرب مع تجویز اعمال فعل اول کے مختار کرتے ہیں اور نحاۃ کوفہ اعمال فعل اول مع تجویز اعمال فعل ثانی مختار مانتے ہیں اوران کی دلیل یہ ہے کہ فعل اول سابق ہے اس لئے وہی مستحق ہے اعمال کا۔دوسرے یہ کہ اس میں اضمار قبل الذکر سے احتراز حاصل ہوتا ہے پس تم اگر مطابق مذہب بصریین کے فعل ثانی کو اعمال دینا چاہو تو فعل اول میں فاعل کی ضمیر لاؤ اور مصنف کافیہ نے بصریین کے مذہب کو مقدم اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہی مذہب مختار کثیر الاستعمال ہے۔

أضمرت الفاعل فی الفعل الأول إذا اقتضى الفاعل۔

یعنی فعل ثانی کے اعمال کی صورت میں فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اگر فعل اول فاعل کا مقتضی ہو۔

لجواز الإضمار قبل الذكر فی العمدة بشرط التفسير ولزوم التكرار بالذكر وامتناع الحذف على وفق الاسم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب تنازع بین الفعلین متحقق ہوتی ہے تو اس کے قطع کے تین طریقے ہیں ا۔حذف،۲۔اضمار،۳۔ذکر پس اگر اضمار کرتے ہیں تو اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور وہ درست نہیں اور اگر ذکر کرتے ہیں تو اس صورت میں تکرار کا لزوم عائد ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اضمار عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اس لئے یہاں اضمار قبل الذکر ضروری ہوا کہ ذکر کرنے سے تکرار اور حذف سے امتناع لازم ہوتا ہے لہذا بدرجہ ضرورت اس اسم ظاہر کے موافق اضمار فاعل ضروری اور لازمی ٹھہرایا جائے گا۔

الظاهر الواقع بعد الفعلين أی على موافقته إفراداً وتثنية وجمعا وتذكيراً وتانيثاً لأنه مرجع الضمير والضمير يجب أن يكون موافقاً للمرجع فی هذه الأمور۔

یعنی یہ اضمار فاعل اس اسم ظاہر کے موافق ہوگا جو بعد فعلین واقع ہو یعنی افراد،تثنیہ،جمع،تذکیر و تانیث میں یہ ضمیر فاعل اس اسم ظاہر کے موافق ہوگی کیونکہ یہی اسم ظاہر اس ضمیر کا مرجع ہے اور ضمیر کی اپنی مرجع کے ساتھ موافقت امور مذکورہ میں ضروری اور لازمی ہے۔

دون الحذف لأنه لا يجوز حذف الفاعل إلا إذا سد شيء مسده۔

یعنی اضمار فاعل ضروری ہے اور حذف درست نہیں کیونکہ فاعل کا حذف بدون سد مسد کے جائز نہیں ہے۔

خلافا للكسائي فإنه لا يضمر الفاعل بل يحذفه تحرزا عن الإضمار قبل الذكر، ويظهر أثر الخلاف في نحو ضرباني وأكرمني الزيدان عند البصريين، وضربني وأكرمني الزيدان عند الكسائي۔

صورت مذکورہ میں کسائی اختلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ اضمار فاعل کے قائل نہیں بلکہ وہ اضمار قبل الذکر سے احتراز کر کے حذف کے قائل ہیں اور اس اختلاف کا ثمرہ امثال مذکورہ میں ظاہر ہے کہ بصریین کے نزدیک ضرباني وأكرمني الزيدان اور کسائی کے نزدیک ضربني وأكرمني الزيدان ہے۔

و جاز أي إعمال الفعل الثاني مع اقتضاء الفعل الأول الفاعل۔

یعنی اعمال فعل ثانی جائز ہے باوجود اس کے کہ فعل اول فاعل کے مقتضی ہو۔

خلافا للفراء فإنه لا يجوز إعمال الفعل الثاني عند اقتضاء الأول الفاعل لأنه يلزم على تقدير إعماله أما الإضمار قبل الذكر كما هو مذهب الجمهور أو حذف الفاعل كما هو مذهب الكسائي بل يجب عنده إعمال الفعل الأول فان اقتضى الثاني الفاعل أضمرته، وإن اقتضى المفعول حذفته أو أضمرته تقول: ضربني وأكرماني الزيدان ولا يلزم حينئذ محذور۔

اوپر کے حکم میں فراء اختلاف کرتے ہیں کہ اعمال فعل ثانی اول کے اقتضائے فاعل کے وقت جائز نہیں مانتے کیونکہ یہ اس صورت میں اگر اعمال فعل ثانی فرض کرتے ہیں تو اس سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں اضمار قبل الذکر جیسے مذہب جمہور میں ہے یا حذف فاعل جیسے مذہب کسائی میں ہے لہذا ایسی صورت میں فراء کے نزدیک اعمال فعل اول واجب اور ضروری ہے پس اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو تو اس صورت میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اور مفعول کا مقتضی ہو تو اس صورت میں حذف کرنے اور ضمیر لانے کا اختیار ہے ضربني و أكرماني الزيدان پڑھیں گے اور اس تقدیر پر محذور مذکور بالا لازم نہیں آئے گا۔

وقيل: روي عنه تشريك الرافعين أو إضماره بعد الظاهر كما في صورة تاخير الناصب تقول ضربني وأكرمني زيد هو، وضربني وأكرمت زيدا هو، ورواية المتن غير مشهورة عنه۔

اورفراء سے تشریک رافعین اور بعد اسم ظاہر کے اضمار فاعل بھی مروی ہے جیسے ناصب کی تاخیر کی صورت میں ہے پس اس تقدیر پر ضربنی وأکرمنی زیدٌ هو وضربني وأكرمت زيداً هو پڑھیں گے اور متن کی روایت فراء سے مشہور نہیں ہے۔

وحذفت المفعول تحرزاً عن التكرار لو ذكر وعن الإضمار قبل الذكر فى الفضلة ولو أضمر **إن استغنى عنه وإلا** أى وإن لم يستغن عنه **أظهرت** أى المفعول نحو: حسبنى منطلقا وحسبت زيداً منطلقا لأنه لا يجوز حذف أحد مفعولى باب حسبت، ولا يجوز إضماره لئلا يلزم الإضمار قبل الذكر فى الفضلة۔

یعنی اگر دوفعلوں کا اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں تنازع ہوتو اس کو حذف کریں گے کیوں کہ اگر ذکر کرتے ہیں تو اس سے تکرار کا لزوم ہوتا ہے اور اگر اضمار کرتے ہیں تو اس صورت میں فضلہ کا اضمار قبل الذکر لازم ہوجاتا ہے اور یہ درست نہیں اس لئے حذف کریں گے تاکہ تکرار سے تحرز اور فضلہ کے اضمار قبل الذکر سے محفوظ رہیں۔لیکن یہ حذف جب ہے جب اس کے ذکر سے استغنا ہو اور اگر اس کے ذکر سے استغنا حاصل نہ ہوتو اس صورت میں مفعول کا اظہار ضروری اور لازمی ہے جیسے مثال مذکور فی الشرح میں ہے کیونکہ افعال قلوب میں نہ مفعول کا حذف جائز ہے نہ اس کا اضمار کیونکہ اس سے فضلہ کا اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے لہذا مفعول کا ذکر کرنا ضروری اور لازمی ہوگا۔

وإن اعملت الفعل **الأول** كما هو مختار الكوفيين **أضمرت الفاعل فى الفعل الثانى** لو اقتضاه نحو ضربنى وأكرمنى زيد إذا جعلت زيداً فاعل ضربنى وأضمرت فى أكرمنى ضميراً راجعاً إلى زيد لتقدمه رتبةً فلا محذور فيه حينئذٍ لا حذف الفاعل ولا الإضمار قبل الذكر لفظاً ورتبةً بل لفظاً فقط وهو جائز، **وأضمرت المفعول** فى الفعل الثانى لو اقتضاه **على المذهب المختار** ولم تحذفه وإن جاز حذفه لئلا يتوهم أن المفعول الفعل الثانى مغائر للمذكور ويكون الضمير حينئذٍ راجعاً إلى لفظ متقدم رتبة كما تقول ضربنى زيد وأكرمته زيد۔

یعنی اگر کوفیین کے مذہب کے مطابق فعل اول کو عمل دیں یعنی فعل ثانی اگر فاعل کا مقتضی ہوتو اس میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی جیسے ضربنی وأکرمنی زید میں زید کو ضربنی کا فاعل ٹھہرایا گیا ہے اور أکرمنی میں فاعل کی ضمیر زید کی طرف راجع مانی گئی ہے اور یہاں چونکہ زید رتبۃً مقدم ہے اس لئے محذور مذکور وارد نہیں ہوتا جو کہ حذف فاعل

اور اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃ ہے بلکہ یہاں صرف اضمار قبل الذکر لفظاً ہے اور یہ جائز ہے اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو تو بنا بر مذہب مختار اس میں مفعول کی ضمیر لائی جائے گی اور اس کو محذوف نہیں کریں گے اگر چہ اس کا حذف جائز بھی ہے کیونکہ کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ مفعول فعل ثانی مذکور کے مغائر ہے اور اس وقت یہ ضمیر مفعول کی لفظ زید کی طرف راجع ہوگی جو رتبۃ مقدم ہے جیسے ضربنی و أکرمته کی مثال میں أکرمته میں مفعول کی ضمیر لائی گئی ہے جو زید مقدم رتبۃ کی طرف راجع ہے۔

إلا أن يمنع مانع من الإضمار كما هو القول المختار ومن الحذف كما هو القول الغير المختار فتظهر المفعول فإنه إذا امتنع الإضمار والحذف لا سبيل إلا إلى الإظهار نحو: حسبني وحسبتهما منطلقين الزيدان منطلقاً حيث أعمل حسبني فجعل الزيدان فاعلا له ومنطلقاً مفعولاً، ولو أضمر المفعول الأول في حسبتهما وأظهر المفعول الثاني وهو منطلقين لمانع وهو أنه لو أضمر مفرداً خالف المفعول الأول ولو أضمر مثنىً خالف المرجع وهو قوله منطلقاً۔

یعنی اگر اضمار فاعل کا مانع موجود ہو جیسے قول مختار میں ہے یا حذف کا مانع ہو جیسے قول غیر مختار میں ہے تو اس صورت میں مفعول کو ظاہر کیا جائے گا اضمار اور حذف درست نہیں ہوگا کیونکہ جب اضمار اور حذف دونوں ممتنع ہو گئے تو اب سوائے اظہار کے اور کوئی سبیل اور چارہ نہیں رہا جیسے مثال مذکور میں حسبني کو عمل دے کر الزیدان کو اس کا فاعل ٹھہرایا اور منطلقا اس کا مفعول مانا گیا ہے اور حسبتهما میں مفعول اول کی ضمیر لائی گئی اور ثانی مفعول کو ظاہر کر کے لایا گیا ہے اور وہ منطلقين ہے یہ بوجہ ایک مانع کے اور وہ مانع یہ ہے کہ یہاں اگر مفرد کی ضمیر لائی جاتی ہے تو اس میں مفعول اول کی مخالفت ہوتی ہے اور اگر مثنی کی ضمیر مانی جاتی ہے تو اس صورت میں مرجع کے خلاف ہوتا ہے اور مرجع منطلقاً کا قول ہے اور بدرجہ ضرورت مفعول کو اسم ظاہر کر کے لایا جائے گا جیسے مثال مذکور فی الشرح میں ہے۔

ولا يخفى أنه لا يتصور التنازع في هذه الصورة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ فرمائی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صفات مذکورہ میں تنازع نہیں کیونکہ تنازع میں یہ شرط ہے کہ فعلين کا اقتضاء احد ہو اور اس صورت میں فعلين کا اقتضا واحد نہیں کیونکہ فعل اول مفعول مفرد چاہتا ہے اور فعل ثانی مفعول مثنی کا مقتضی ہے۔

إلا إذا لاحظت المفعول الثاني اسما دالا على اتصاف ذات ما بالانطلاق من غير

ملاحظ تثنيته وإفراده، وإلا فالظاهر أنه لا تنازع بين الفعلين في المفعول الثاني لأن الأول يقتضي مفعولاً مفرداً والثاني مفعولاً مثنى، فلا يتوجهان إلى أمرٍ واحدٍ فلا تنازع۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ فعلین کا اقتضا یہاں اس صورت میں واحد ہے کہ جب مفعول ثانی کو ایسا اسم لحاظ کریں جو صرف ذات موصوف بالانطلاق پر دلالت کرے بغیر اس کے تثنیہ اور افراد کے ملاحظہ کے کیونکہ اگر ایسا لحاظ نہ کریں گے تو اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ مفعول ثانی میں فعلین کا تنازع نہیں کیونکہ اول فعل مفعول مفرد کو چاہتا ہے اور ثانی فعل مفعول مثنی کا مقتضی ہے پس اس صورت میں فعلین امر واحد کی طرف متوجہ نہیں ہوئے جو تنازع کی ایک شرط ضروری ہے لہذا تنازع نہیں ہوگا۔

ولما استدل الكوفيون على أولوية إعمال الفعل الأول بقول امرى القيس شعر:

ولو إنما أسعى لادنى معيشةٍ . كفاني ولم أطلب قليل من المال

حيث قالوا قد توجه الفعلان أعني كفاني ولم أطلب إلى اسم واحد وهو قليل من المال فاقتضى الأول رفعه بالفاعلية، والثاني نصبه بالمفعولية، وامرىء القيس الذي هو أفصح شعراء العرب أعمل الأول، فلو لم يكن إعمال الأول أولى لما اختاره، إذ لا قائل بتساوي الإعمالين فأجاب المصنف رحمه الله عن طرف البصريين وقال:

یہ ایک سوال مقدر کی تمہید ہے جو بصریین پر کوفیین کی طرف سے وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ جب کوفیوں نے فعل اول کے اعمال کی اولویت پر امرء القیس کے شعر ولو إنما أسعى إلخ سے دلیل اور استنباط کرتے ہوئے کہا کہ اس شعر میں دو فعل یعنی کفاني اور لم أطلب قليل من المال ایک ہی اسم یعنی قليل من المال کی طرف متوجہ ہوئے ہیں فعل اول یعنی کفاني بنا بر فاعلیت اس کے رفع کا مقتضی ہے اور فعل ثانی یعنی لم أطلب بنا بر مفعولیت اس کے نصب کا خواہاں ہے اور امرء القیس نے جو شعرائے عرب میں افصح مانا گیا ہے فعل اول یعنی کفاني کو عمل دے کر قليل کو مرفوع پڑھا ہے پس اگر فعل اول کا اعمال اولی نہ ہوتا تو یہ شاعر فصیح اس کو اختیار نہ کرتے کیونکہ اعمالین کے تساوی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اعمال فعل اول اولی ہے اور مذہب کوفی، بصری مذہب سے زیادہ عمدہ ہے۔ آگے چل کر مصنف کافیہ بصریین کی طرف سے کوفیین کو اس کا جواب دیتے ہیں۔

وقول امرئ القيس: كفاني ولم أطلب قليل من المال ليس منه أي من

باب التنازع لفساد المعنى على تقدير توجه كل من كفانى ولم أطلب إلى قليل من المال لاستلزامه عدم السعى لأدنى معيشة وانتفاء كفاية قليل من المال وثبوت طلبه المنافى لكل منهما وذلك لأن "لو" تجعل مدخولها المثبت شرطاً كان أو جزاءً أو معطوفاً على أحدهما منفياً والمنفى من ذلك مثبتاً فعلى هذا ينبغى أن يكون مفعول لم أطلب محذوفاً أى لم أطلب العز والمجد كما يدل عليه البيت المتأخر أعنى قوله شعر:

ولكنما أسعى لمجد مؤثل ، وقد يدرك المجد المؤثل أمثال

وحينئذٍ يستقيم المعنى يعنى أنا لا أسعى لأدنى معيشة ولا يكفنى قليل من المال ولكن أطلب المجد الأثيل الثابت وسعى له۔

یہ کوفیین کے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ امرءالقیس کا قول كفانى ولم أطلب قليل من المال باب التنازع سے نہیں کیونکہ ہم اگر كفانى اور لم أطلب دونوں فعل قليل من المال کی طرف متوجہ فرض کرتے ہیں تو اس صورت میں شعر کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس سے معمولی معاش کے لئے عدم سعی اور قلیل مال کی کفایت کے انتفا کا لزوم ثابت ہوتا ہے اور ہر ایک کے منافی کے طلب کا ثبوت لازم آ جاتا ہے اور یہ معنی فاسد ہیں اور یہ استلزام اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ''لـــو'' کا کلمہ اپنی مدخول مثبت کو خواہ شرط ہو خواہ جزاء، خواہ شرط یا جزاء پر معطوف ہو منفی کر دیتا ہے اور منفی کو مثبت۔ پس بنا بر تنازع مناسب ہے کہ لم أطلب کا مفعول محذوف ہو یعنی اس کا مفعول العز والمجد محذوف ٹھہرایا جائے چنانچہ اس پر بیت آخیر ولكنما أسعى لمجد مؤثل الخ بھی دلالت کرتا ہے اور اس وقت شعر کے معنی مستقیم ثابت ہوں گے اور اس تقدیر پر دونوں اشعار کے خلاصہ معنی یہ ہوں گے کہ میں معمولی معاش کا طالب نہیں ہوں اور قلیل مال مجھے کفایت نہیں کرتا لیکن میں بزرگی دائمی ثابت کا طالب ہوں و راس کی کوشش بھی کرتا رہتا ہوں کیونکہ میرے ساتھیوں نے کوشش کر کے بزرگی دائمی حاصل کی ہے پس میری بھی یہی خواہش ہے۔

مفعول ما لم يسم فاعله أى مفعول فعلٍ أو شبه فعل لم يذكر فاعله۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کی عبارت میں تناقض ہے کیونکہ لم يسم فاعله کے قول سے فاعل کا عدم وجود معلوم ہوتا ہے اور حذف فاعله کے قول سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں لم یسم فاعله کے قول میں لم یسم کے معنی لم یذکر کے ہیں۔ لہذا اب اس تقدیر پر تناقض دفع ہوا یعنی مرفوعات میں سے وہ مفعول فعل یا شبہ فعل کا ہے جس کا فاعل مذکور نہ ہو۔

وإنما لم يفصله عن الفاعل ولم يقل ومنه كما فصل المبتدأ حيث قال ومنها المبتدأ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول ما لم یسم فاعله مرفوعات کے اقسام میں سے ایک علیحدہ قسم ہے پس مصنف نے اس کو الفاعل سے ومنه کہہ کر علیحدہ کیوں نہیں کیا جیسا کہ مبتدا کو ومنها المبتدأ کہہ کر ایک علیحدہ قسم ٹھہرایا تھا۔

لشدة اتصاله بالفاعل حتى سماه بعض النحاة فاعلاً۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفول مالم یسم فاعله کو فاعل سے علیحدہ اس لئے ذکر نہیں کیا کہ مفعول مالم یسم فاعله فاعل کے ساتھ شدت اتصال رکھتا ہے یہاں تک کہ بعضے نحاۃ نے اس کو فاعل ہی قرار دیا ہے لہذا علیحدہ لانا اس کا ضروری نہیں ہے بخلاف مبتدا کے کہ اس کا علیحدہ ذکر کرنا ضروری ہے۔

كل مفعول حذف فاعله أى فاعل ذلك المفعول۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فاعله کی ضمیر مجرور مفعول کی طرف راجع ہے کہ مفعول ما لم یسم فاعله ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل محذوف کیا گیا ہو اور اس کی جگہ یہ مفعول قائم مقام کیا گیا ہو۔

وإنما أضيف إلى المفعول لملابسة كونه فاعلاً لفعل متعلق به۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف درست نہیں کیونکہ فاعل فعل کا فاعل ہوا کرتا ہے مفعول کا نہیں ہوتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف بوجہ ایک ادنیٰ مناسبت کے ہے اور وہ مناسبت اس کا فعل متعلق بہ کے لئے فاعل ہونا ہے یعنی چونکہ فعل کا مفعول سے وقوع کا تعلق ہوتا ہے اور فاعل کا اس سے صدور کا تعلق ہوتا ہے اسی تعلق کی مناسبت کی بنا پر فاعل کی مفعول کی طرف اضافت کی ہے۔

وأقيم هو أى المفعول۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ھو کی ضمیر مفعول کی طرف راجع ہے اور اس سے ضمیر مستتر کی

تاکیداس لئے کی ہے کہ یہ جملہ اوپر کے جملہ پر معطوف ہے اور ھو معطوف علیہ میں مفعول کی ضمیر ہے اگر یہاں ھو کی ضمیر سے اس کی تاکید نہ کریں تو معطوف کا ضمیر مفعول سے خالی ہونا لازم آئے گا جو خلاف محاورہ ہے۔

مقامه أی مقام الفاعل فی إسناد الفعل أو شبهه إلیه۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول کا فاعل کے قائم مقام ہونا درست نہیں کیونکہ فعل فاعل سے صادر ہوتا ہے اور مفعول پر واقع ہوتا ہے اور دونوں میں تناقض ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول کا فاعل کے قائم مقام ہونا فعل یا شبہ فعل کے اسناد میں مقصود ہے، صدور اور وقوع میں مراد نہیں ہے۔

وشرطه أی شرط مفعول ما لم یسم فاعله فی حذف فاعله وإقامته مقام الفاعل إذا کان عامله فعلاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ شرط مطلقاً صحیح نہیں کیونکہ فعل کا تغیر فُعِلَ یا یُفعَلُ کی طرف شبہ فعل میں مستقیم نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ شرط اس صورت میں ہے جس میں عامل مفعول کا فعل ہو یعنی مفعول ما لم یسم فاعله کی شرط فاعل کے حذف ہونے اور اس کے فاعل کے قائم مقام ہونے میں جب ہے جب اس کا عامل فعل ہو اور اگر اس کا عامل شبہ فعل ہو تو اس صورت میں اس کی شرط اس کا تغیر مفعول کی طرف ہونا ہے۔

أن تغیر صیغة الفعل إلی فُعِلَ أی إلی الماضی المجهول۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف افتعل اور استفعل اور یفتعل اور یستفعل وغیرہا افعال مزید فیہ پر صادق نہیں آتی حالانکہ صادق آنا چاہئے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فُعِلَ سے مراد فعل ماضی مجہول اور یُفعَلُ سے مراد فعل مضارع مجہول ہے بحکم ذکر علم اور ارادہ وصف مشہور کے اور یہ عام ہے خواہ فعل ماضی مجرد ہو خواہ مزید فیہ اسی طرح مضارع عام ہے خواہ مجرد ہو خواہ مزید فیہ۔ لہٰذا اب یہ تعریف سب پر صادق ہوئی۔

أو یُفعَلُ أی إلی المضارع المجهول فیتناول مثل أُفتعل وأُستفعل ویُفتعل ویُستفعل وغیرها من الأفعال المجهولة المزید فیها۔

یعنی یفعل سے مراد مضارع مجہول ہے وہ عام ہے خواہ مجرد ہو خواہ مزید فیہ پس جب فعل سے مراد ماضی مجہول اور یُفعَلُ سے مراد مضارع مجہول عام مراد ہوا تو اب یہ تعریف مذکورہ بالا افتعل واستفعل ویفتعل ویستفعل وغیرہ تمام افعال مجہولہ مزید فیہا کو شامل ثابت ہوئی اور اعتراض مذکورہ بالا دفع ہوا۔

ولا يقع موقع الفاعل المفعول الثاني من مفعولي باب علمت لأنه مسند إلى المفعول الأول إسناداً تاماً فلو أسند الفعل إليه ولا يكون إسناده إلا تاماً لزم كونه مسنداً أو مسنداً إليه معا، مع كون كل من الإسنادين تاماً۔

یعنی باب علمت کا مفعول ثانی فاعل کی جگہ واقع نہیں ہوگا کیونکہ وہ مفعول اول کی طرف مسند ہے اور یہ اسناد تامہ ہے پس اگر اس کی طرف فعل مسند ہو جائے اور یہ اسناد تام ہی ہوا کرتا ہے تو اس صورت میں اس کا مسند اور مسند الیہ ہونا معاً لازم ہو جائے گا۔ باوجود اس کے یہ دونوں اسناد تام ہوں گے اور یہ معلوم ہے کہ ایک شی کا مسند اور مسند الیہ ہونا معاً باطل ہے لہذا باب علمت کے مفعول ثانی کا فاعل کے مقام واقع ہو کر نائب فاعل ٹھہرنا باطل ثابت ہوا۔

بخلاف أعجبني ضرب زيد عمراً لأن أحد الإسنادين هو إسناد المصدر غير تام۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شیء کا مسند اور مسند الیہ معاً واقع ہونا جائز ہے جیسے أعجبني ضرب زيد عمراً میں واقع ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مقصود ایک شیء کے مسند اور مسند الیہ واقع ہونے سے یہ ہے کہ دونوں اسناد تام ہوں اور مثال مذکور میں ایسا نہیں کیونکہ اس میں ایک اسناد یعنی مصدر کا اسناد تام نہیں ہے۔

ولا المفعول الثالث من مفاعيل باب أعلمت إذ حكمه حكم المفعول الثاني من باب علمت في كونه مسنداً۔

یعنی باب أعلمت کا مفعول ثالث بھی فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہوتا کیونکہ وہ مسند ہونے میں باب علمت کے مفعول ثانی کا حکم رکھتا ہے اور عدم وقوع کی دلیل اوپر بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔

والمفعول له بلا لام لأن النصب فيه مشعر بالعلية فلو أسند إليه لفات النصب والإشعار بخلاف ما إذا كان مع اللام نحو ضرب للتأديب۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ضرب للتأديب

کے قول سے منقوض ہے کیونکہ اس میں مفعول لہ فاعل کے قائم مقام ہوا ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ مفعول لہ سے یہاں مراد وہ مفعول لہ ہے جو بلا لام ہو اور مثال مذکور میں مع لام ہے یعنی مفعول لہ بلا لام فاعل کے مقام واقع ہو کر نائب فاعل نہیں ہوگا کیونکہ مفعول لہ کا نصب مشعر بالعلیت ہوتا ہے پس اگر فعل اس کی طرف مسند ہو جائے تو اس صورت میں اس کا نصب اور اشعار فوت ہو جائے گا بخلاف اس مفعول لہ کے جو مع لام ہو جیسے ضرب للتأدیب میں ہے کہ یہاں بوجہ وجود لام کے علیت پر دال و مشعر موجود ہے۔

والمفعول معه كذلك أي كل من المفعول له والمفعول معه كذلك أي كالمفعول الثاني والثالث من باب علمت وأعلمت في أنهما لا يقعان موقع الفاعل، أما المفعول له فلما عرفت، وأما المفعول معه فلأنه لا يجوز إقامته مقام الفاعل مع الواو التي أصلها العطف، وهي دليل الانفصال والفاعل كالجزء من الفعل ولا بدون الواو فإنه لم يعرف حينئذ كونه مفعولاً معه۔

یعنی جس طرح باب علمت کا مفعول ثانی اور باب أعلمت کا مفعول ثالث فاعل کی جگہ واقع نہیں ہوتے اسی طرح مفعول لہ اور مفعول معہ بھی فاعل کے مقام واقع نہیں ہوں گے۔ مفعول لہ کے نہ واقع ہونے کی دلیل اور وجہ اوپر معلوم ہو چکی ہے اور مفعول معہ فاعل کے مقام اس لئے واقع نہیں ہوگا کہ اس کا فاعل کے مقام واقع ہونا واو کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ واو اصل میں عاطفہ ہے اور عطف انفصال اور تغیر کی دلیل ہے اور فاعل فعل سے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے اور بدون واو کے بھی مفعول معہ فاعل کے مقام واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مفعول معہ ہونا بذریعہ واو ہے، اگر اس کے ساتھ واو نہ ہو تو اس صورت میں اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا لہذا مفعول معہ کا فاعل کے مقام کسی صورت میں قائم ہونا درست نہیں ہے۔

وإذا وجد المفعول به في الكلام مع غيره من المفاعيل التي يجوز وقوعها موقع الفاعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جب کلام میں صرف مفعول بہ پایا جائے تو اس کا فاعل کے مقام واقع ہونا متعین ہوتا ہے پس اس تقدیر پر تعین له کے قول کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رہی۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مفعول بہ سے صرف مفعول بہ مقصود نہیں بلکہ وہ مفعول بہ مراد ہے جو کلام میں ان

مفاعیل کے ساتھ واقع ہو جن کا فاعل کے مقام واقع ہونا جائز ہو۔

تعيّن أي المفعول به له أي لوقوعه موقع الفاعل لشدة شبهه بالفاعل في توقف تعقل الفعل عليهما فإن الضرب مثلاً كما أنه لا يمكن تعقله بلا ضارب كذلك لا يمكن تعقله بلا مضروب بخلاف سائر المفاعيل فإنها ليست بهذه الصفة۔

یعنی جب کلام میں مفعول بہ موجود ہو تو وہی فاعل کے مقام واقع ہوگا کیونکہ وہ فاعل کے ساتھ تعقل فعل میں سخت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ ضرب کا مثلاً جس طرح بغیر ضارب کے تعقل ممکن نہیں اسی طرح اس کا تعقل بغیر مضروب کے بھی ممکن نہیں بخلاف دیگر مفاعیل کے کہ وہ اس صفت پر موصوف نہیں ہیں۔

تقول: ضُرب زيد بإقامة المفعول به مقام الفاعل يوم الجمعة ظرف زمان أمام الأمير ظرف مكان ضرباً شديداً مفعول مطلق للنوع باعتبار الصفة۔

یعنی مثال مذکور میں فاعل کے مقام زید مفعول بہ کے قائم کر کے پڑھیں گے، یوم الجمعة ظرف زمان کی مثال أمام الأمير ظرف مکان کی تمثیل ہے ضرباً شديداً باعتبار صفت شدت کے مفعول مطلق ہے یہاں نوع کے لئے مستعمل ہوا ہے۔

وفائدة وصف الضرب بالشدة التنبيه على أن المصدر يقوم مقام الفاعل بلا قيد مختص إذ لا فائدة فيه لدلالة الفعل عليه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی مثال ضرباً پر تمام ہوئی ہے۔ پس شدت کی صفت کے بڑھانے میں کیا فائدہ ہے؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس کے بڑھانے میں فائدہ یہ ہے کہ مصدر جب تک کسی قید مخصص سے مقید نہ ہو فاعل کے قائم مقام نہیں ہوگا کیونکہ اس میں بوجہ دلالت فعل کے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

في داره جار ومجرور شبيه بالمفاعيل اقيم مقام الفاعل مثلها فتعين زيد۔

یہ جار اور مجرور مشابہ بالمفاعیل کی مثال ہے یہ جار و مجرور بھی مثل دیگر مفاعیل کے فاعل کے قائم مقام ہو کر نائب فاعل ہوتے ہیں۔

وإن لم يكن أي وإن لم يوجد في الكلام المفعول به فالجميع أي جميع ما سوى

المفعول به سواء فی جواز وقوعها موقع الفاعل۔

یعنی اگر کلام میں مفعول بہ نہ پایا جائے تو اس صورت میں سوائے مفعول بہ ۔۔م مفاعیل فاعل کے مقام واقع ہونے کے جواز میں برابر ہوں گے اور شارح نے لم یکن کی تفسیر لم یوجد سے کی ہے، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں کان تامہ ہے ناقصہ نہیں۔

والمفعول **الأول من باب أعطيت** أی الفعل المتعدی إلی مفعولین ثانیهما غیر الأول **أولی** بأن یقام مقام الفاعل من المفعول **الثانی** لأن فیه معنی الفاعلیة بالنسبة إلی الثانی لأنه عاطٍ أی آخذ نحو أُعطِی زید درهما مع جواز أُعطی درهم زیداً۔

یعنی باب أعطیت کا مفعول اول یعنی فعل متعدی الی مفعولین کا مفعول اول فاعل کے مقام قائم کرنے میں ثانی مفعول سے زیادہ اولی ہے کیونکہ اس کے مفعول اول میں بہ نسبت ثانی کے فاعلیت کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے کہ مفعول اول حقیقت میں آخذ ہے جیسے أعطی زید درهماً میں زید درہم کا آخذ ہے باوجود اس کے أعطی درهم زیداً بھی جائز ہے۔

وذلك عند الأمن من اللبس، وأما عند عدمه فیجب إقامة المفعول الأول نحو أعطی زید عمراً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ أعطی زید عمراً سے منقوض ہے کیونکہ یہاں فاعل کے مقام مفعول اول کا قائم کرنا متعین ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ قاعدہ وہاں ہے جہاں التباس سے امن ہو اور جہاں التباس سے امن حاصل نہ ہو وہاں فاعل کے مقام مفعول اول کا قائم کرنا واجب اور ضروری ہے جیسے أعطی زید عمراً میں ہے۔

ومنها المبتدأ والخبر وفی بعض النسخ ومنه یعنی من جملة المرفوعات أو من جملة المرفوع المبتدأ والخبر۔

یعنی بعض نسخوں میں ومنه ہے بجائے منها کے۔ بنابر تقدیر منها معنی یہ ہیں کہ بعضے مرفوعات میں سے مبتدا و خبر ہیں اور بنابر نسخہ ومنه کے معنی یہ ہوں گے کہ جنس مرفوع کے جملہ میں سے مبتدا و خبر ہیں۔

جمعهما فی فصلٍ واحدٍ للتلازم الواقع بینهما علی ما هو الأصل فیهما واشتراکهما فی

العامل المعنوی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا اور خبر میں سے ہر ایک مرفوعات کے اقسام میں سے علیحدہ قسم ہے پس مصنف کافیہ نے مبتدا اور خبر کو ایک ہی فصل میں کیونکر جمع کر دیا؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ ان کو ایک فصل میں دو وجہوں سے جمع کیا ہے ایک یہ کہ ان کے درمیان میں تلازم اتصالی واقع ہے یعنی ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا ذکر لازم آ جاتا ہے کیونکہ مبتدا بغیر خبر اور خبر بغیر مبتدا کے نہیں ہوتی ہے دوسرے یہ کہ مبتدا و خبر عامل معنوی میں شریک ہیں اس شرکتی اور تلازمی تعلق کی بنا پر مبتدا و خبر کو ایک فصل میں جمع کر دیا ہے۔

فالمبتدأ هو الاسم لفظاً أو تقديراً ليتناول نحو: ﴿أن تصوموا خير لكم﴾۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ﴿أن تصوموا خير لكم﴾ کے قول کا مبتدا خارج ہوا کیونکہ وہ اسم نہیں ہے بلکہ فعل ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اسم عام ہے خواہ اسم صریحی ہو خواہ تاویلی قول مذکور میں مبتدا اگرچہ اسم صریحی نہیں لیکن اسم تاویلی ہے یعنی ان مصدریہ کے داخل ہونے سے بتاویل صیام ہو گیا ہے جب اسم عام مانا تو اب اس تقدیر پر مبتدا کی تعریف ﴿أن تصوموا خير لكم﴾ کے مبتدا کی تعریف کو بھی شامل ہوئی لہذا اب مبتدا کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

المجرد عن العوامل اللفظية أى الذى لم يوجد فيه عامل لفظى أصلاً۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تجرید سبق وجود کو چاہتی ہے اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ مبتدا میں عوامل لفظیہ ہوتے ہیں لیکن مبتدا ان سے مجرد کیا جاتا ہے حالانکہ مبتدا میں عوامل لفظی بالکل ہی نہیں ہوتے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تجرید کے معنی یہاں عدم وجدان کے ہیں یعنی مبتدا وہ اسم ہے جس میں عوامل لفظیہ بالکل ہی نہیں پائے جاتے ہوں۔

واحترز به عن الاسم الذى فيه عامل لفظى كاسمى إنّ وكان۔

یعنی المجرد عن العوامل اللفظية کا قول احترازی ہے اس میں اس اسم سے احتراز کیا جس میں عامل

لفظی ہو جیسے اسم إنّ و کان ہے۔

وکأنه أراد بالعامل اللفظی ما یکون مؤثراً فی المعنی لئلا یخرج عنه مثل: بحسبك درهم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے بحسبك درهم کے قول کا مبتدا خارج ہوا کیونکہ وہ عوامل لفظی سے مجرد نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عوامل لفظی سے وہ عوامل لفظی مراد ہیں جو معنی میں مؤثر ہوں اور مثال مذکور میں کلمہ با زائدہ ہے اس کا معنی میں کوئی اثر نہیں ہے اور عامل لفظی کا معنی میں مؤثر ہونا اس لئے ضروری ہے کہ مبتدا کی تعریف سے مثال مذکور کا مبتدا خارج نہ ہو۔

مسنداً إليه واحترز به عن الخبر وثانی قسمی المبتدأ الخارج عن هذا القسم فإنهما لا یکونان إلا مسندین۔

یعنی مسنداً الیه کا لفظ بھی قید احترازی ہے اس میں خبر اور مبتدا کی ثانی قسم سے احتراز کیا کیونکہ وہ دونوں اس قسم کے مبتدا سے خارج ہیں کیونکہ وہ صرف مسند ہی ہوتے ہیں مبتدأ نہیں ہوتے۔

أو الصفة سواء کانت مشتقة کضاربٍ ومضروبٍ وحسن أو جاریةً مجراها کقریشی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس قسم ثانی مبتدا کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے أقریشی زید؟ کا مبتدا خارج ہوا اس لئے کہ یہ صفت نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ صفت عام ہے خواہ حقیقی مشتق ہو جیسے ضارب اور مضروب وحسن میں ہے خواہ حکمی قائم مقام حقیقی ہو جیسے قریشی ہے کہ یہ اگرچہ صفت مشتق حقیقی نہیں لیکن حکمی ہے کیونکہ اس کے آخر میں یائے نسبتی ہے اور منسوب حکماً مشتق ہوتا ہے۔

الواقعة بعد حرف النفی کما ولا **أو ألف الاستفهام** ونحوه کهل وما ومن، وعن سیبویه جواز الابتداء بها من غیر استفهام ونفیٍ مع قبح والأخفش یری ذلك حسناً وعلیه قول الشاعر:

فخير نحن عند الناس منكم

فخير مبتدأ ونحن فاعله۔

یعنی دوسری قسم مبتدا کی وہ صفت ہے جو حرف نفی اور الف استفہام کے بعد واقع ہو حرف نفی جیسے مـا اور لا ہے اور الف استفہام اور اس کے مثل جیسے هـل وما ومن کے حروف ہیں۔ان جملہ حروف کے بعد جو صفت واقع ہوگی وہ اگر چہ مسند الیہ نہ ہو لیکن مبتدأ مانی جائے گی اور سیبویہ سے جواز ابتدائیت صفت مذکورہ بغیر استفہام ونفی کے یہی مع قبح منقول ہے اور اخفش اس کو قبیح نہیں مانتے بلکہ حسن تصور کرتے ہیں اور اسی کے مطابق شاعر کا قول مذکور فی الشرح ہے کہ اس میں خیر کا لفظ ترکیب میں مبتدأ واقع ہوا ہے اور نـحـن اس کا فاعل ہے اور باوجود اس کے یہ صفت بعد حرف نفی اور الف استفہام کے واقع نہیں ہے۔

ولـو جـعـل خيـرٌ خبراً عن نحن لفُصِل بين اسم التفضيل ومعموله الذى هو من بأجنبى وهو غير جائز بضعف عمله بخلاف ما لو كان فاعلا لكونه كالجزء۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جائز ہے کہ نـحـن کا کلمہ ترکیب میں مبتدا اور مسند الیہ ہو اور خیر اس کی خبر مقدم ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ نـحـن کا مبتدأ ٹھہرانا اور خیر کو اس کی خبر مقدم ماننا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے درمیان اسم تفضیل اور اس کے معمول یعنی منـکـم کے اجنبی یعنی نـحـن سے فصل لازم آئے گی اور یہ اسم تفضیل کے عمل کے ضعیف ہونے کی وجہ سے درست نہیں بخلاف اس کے جو فاعل ہو کہ وہ فعل سے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خیر ترکیب میں مبتدأ مسند ہے اور نحن اس کا فاعل ہے۔

رافعة لظاهر أو مـا يـجرى مجراه وهو الضمير المنفصل لئلا يخرج عنه قوله تعالى:

﴿أراغبٌ أنت عن آلهتى يآإبراهيم؟﴾

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس ثانی قسم مبتدا کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ﴿أراغـب انـت عـن الـهتى يـاابراهيم﴾ کے قول اللہ تعالیٰ کا مبتدا خارج ہوا کیونکہ یہ اگرچہ صفت ہے لیکن رافع اسم ظاہر نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم ظاہر عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور وہ ضمیر منفصل ہے اور ضمیر منفصل

اگر چہ اسم ظاہر حقیقی نہیں لیکن حکمی ہے لہذا اب اس تقدیر پر تعریف جامع ثابت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے قول مذکور کا مبتدأ اس سے خارج نہیں بلکہ داخل ہے۔

واحترز به عن نحو أقائمان الزيدان لأن أقائمان رافع لضمير عائد إلى الزيدان ولو كان رافعاً لهذا الظاهر لم يجز تثنيته۔

یعنی رافعۃً لظاهر کا قول قید احترازی ہے اس میں أقائمان الزيدان سے احتراز کیا کیونکہ أقائمان اس ضمیر کا رافع ہے جو الزيدان کی طرف راجع ہے اگر وہ اس ظاہر کا رافع ہوتا تو اس کا تثنیہ ہونا جائز نہ ہوتا کیونکہ صفت مثل فعل کے ہوتی ہے اور فعل میں یہ قاعدہ ہے کہ إذا أسند إلى الظاهر وحد أبداً۔

مثل: زيد قائم مثال القسم الأول من المبتدأ۔

یعنی اول قسم مبتدأ کی مثال زید قائم ہے۔

وما قائم الزيدان مثال للصفة الواقعة بعد حرف النفي۔

یہ اس صفت کی مثال ہے جو بعد حرف نفی کے واقع ہو۔

وأقائم الزيدان مثال للصفة الواقعة بعد حرف الاستفهام۔

یہ اس صفت کی مثال ہے جو بعد حرف استفہام کے واقع ہو۔

فإن طابقت الصفة الواقعة بعد حرف النفي والاستفهام۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ طابقت کی ضمیر مرفوع دو حالتوں سے خالی نہیں۔ مطلق صفت کی طرف راجع ہوگی یا صفت مذکورہ کی طرف۔ بنابر اول أقائم زيد میں جواز امران ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ یہاں زید کا مبتدا ہونا متعین ہے اور قائم اس کی خبر مقدم ہے اور بنابر ثانی چاہئے کہ أقائم زيد میں جواز امران ہو کیونکہ اس میں صفت بعد صرف استفہام کے واقع اور رافع اسم ظاہر ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں بلکہ صفت کا مبتدا ہونا متعین ہے اور زید اس کا فاعل قائم مقام خبر کے ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ طابقت کی ضمیر مرفوع نہ مطلق صفت کی طرف راجع ہے اور نہ صفت مذکورہ کی طرف بلکہ اس صفت کی طرف راجع ہے جو بعد حرف نفی یا حرف استفہام کے واقع ہو۔

اسماً مفرداً مذكوراً بعدها نحو ما قائم زيد وأقائم زيد واحترز به عما إذا طابقت مثنىً

نحو أقائمان الزيدان أو مجموعا نحو أقائمون الزيدون فإنها حينئذٍ خبر ليس إلا۔

یعنی صفت مذکورہ اگر اس اسم مفرد کے مطابق ہو جو اس کے بعد مذکور ہو جیسے ما قائم زید اور أقائم زید کی امثال میں ہے تو اس صورت میں اس صفت کا مبتدأ اور خبر دونوں ٹھہرانا جائز ہوگا اور مفرداً کی قید میں اس صفت سے احتراز کیا جو اسم مثنیٰ کے مطابق ہو جیسے أقائمان الزیدان میں ہے اور اس صفت سے بھی احتراز کیا جو جمع کے مطابق ہو جیسے اقائمون الزیدون میں ہے کیونکہ یہ صفت اس وقت صرف خبر ہے مبتدأ نہیں یعنی امثال مذکورہ میں صفت خبر مقدم الزیدان اور الزیدون مبتدامؤخر ہے۔

جاز الأمران كون الصفة مبتدأ وما بعدها فاعلها يسد مسد الخبر وكون ما بعدها مبتدأ والصفة خبراً مقدما عليه،فههنا ثلاث صور: أحدها أقائمان الزيدان ويتعيين حينئذٍ أن يكون الزيدان مبتدأ وأقائمان مقدماً عليه، وثانيتها أقائم الزيدان ويتعيين حينئذ أن يكون الزيدان فاعلاً للصفة قائماً مقام الخبر وثالثتها أقائم زيد ويجوز فيه الأمران كما عرفت۔

یعنی اگر صفت مذکورہ اسم مفرد کے مطابق ہو تو اس میں دونوں امر جائز ہیں یعنی صفت کا مبتدأ ہونا اور اس کے مابعد کا فاعل قائم مقام خبر اور مابعد صفت کا مبتدأ ہونا اور صفت کا خبر مقدم ہونا یہ دونوں امر جائز ہیں پس یہاں تین صورتیں متصور ہو سکتی ہیں اول اقائمان الزیدان اور اس صورت میں الزیدان مبتدأ ہونا اور أقائمان کا خبر مقدم ہونا متعین ہوگا۔ دوم أقائمان الزیدان اور اس صورت میں الزیدان کا فاعل ہونا اور أقائم صفت کا قائم مقام خبر ہونا متعین ہوگا۔ سوم أقائم زید اور اس صورت میں دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

والخبر هوالمجرد أي هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية لأن الكلام في مرفوعات الاسم فلا يصدق على يضرب في يضرب زيد أنه المجرد المسند المغائر للصفة المذكورة لأنه ليس باسم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خبر کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں یضرب زید کی ترکیب کا فعل مضارع داخل ہوا کیونکہ وہ بھی عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور مسند بہ صفت مذکورہ کے مغائر ہے حالانکہ وہ داخل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد مجرد سے اسم مجرد ہے کیونکہ کلام مرفوعات اسم میں ہے اور فعل مضارع

مرفوعات فعل سے ہے لہذا اب اس تقدیر پر خبر کی تعریف یضرب زید کے فعل مضارع پر صادق نہیں ہوگی کیونکہ اگر چہ وہ مجرد مسند بہ مغائر صفت مذکورہ کے ہے لیکن اسم نہیں ہے اور ہمارا کلام اسم میں ہے۔

المسند به أی ما یوقع به الإسناد واحترز به عن القسم الأول من المبتدأ لأنه مسند إليه لا مسند به۔

یعنی المسند به کا قول احترازی ہے اس میں اول قسم مبتدأ سے احتراز کیا کیونکہ وہ مسند الیہ ہے مسند نہیں اور مسند بہ وہ اسم ہے جن پر اسناد واقع ہوتا ہے۔

اور شارح نے المسند به کے بعد ما یوقع به کا قول بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ المسند، الإسناد سے ماخوذ ہے اور وہ متعدی بنفسہ ہے پس اس کو باء سے متعدی کرنے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کا باء سے متعدی کرنا بنا بر تضمین ہے یعنی اس میں وقوع کے معنی پائے جاتے ہیں اس کا لحاظ کر کے متعدی بباء کر دیا ہے۔

المغائر للصفة المذكورة فی تعریف المبتدأ واحترز به عن القسم الثانی من المبتدأ ولك أن تقول المراد المسند به إلی المبتدأ او تجعل الباء فی به بمعنی إلی والضمیر المجرور راجعاً إلی المبتدأ وعلی التقدیرین یخرج به القسم الثانی من المبتدأ ویكون قوله المغائر للصفة المذكورة تاكیداً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب المغائر للصفة المذكورة کی قید سے مبتدأ کی ثانی قسم خارج ہوئی تو اب اس کا ذکر کرنا بلا فائدہ ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد مسند بہ سے مسند به الی المبتدأ ہے یا به کا باء بمعنی الی ہے اور ضمیر مجرور مبتدأ کی طرف راجع ہے اور ان دونوں تقدیروں کی بنا پر قید مذکور سے قسم ثانی مبتدأ کی خارج ہوئی اور المغائر للصفة المذكورة کا قول احترازی تاکید کے لئے ہے بیکار نہیں ہے۔

اعلم أن العامل فی المبتدأ والخبر هو الابتداء أی تجرید الاسم عن العوامل اللفظية ليسند إلی شیء أو یسند إليه شیء فمعنی الابتداء عامل فی المبتدأ والخبر رافع لهما

عـنـدالبصريين وأما عند غيرهم فقال بعضهم: الابتداء عامل فى المبتدأ والمبتدأ فى الخبر، وقال الآخرون: إن كـل واحـد من المبتدأ والخبر عامل فى الاخر وعلى هذا لا يكونان مجردين عن العوامل اللفظية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا خبر میں عامل اور خبر مبتدا میں عامل ہے پس المبتدأ والخبر مجردان عن العوامل اللفظية کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس مقام میں تین مذاہب ہیں: اول یہ کہ عامل مبتدا و خبر میں ابتدا ہے یعنی اسم کی تجرید عوامل لفظیہ سے تا کہ کسی شی ء کی طرف اس کا اسناد ہو یا اس کی طرف کسی دوسری شی ء کا اسناد ہو جیسے کہ مبتدا و خبر میں ہوتا ہے پس مبتدا و خبر میں عامل معنوی ابتدا ہے اور یہی مبتدا و خبر کا رافع ہے اور یہ بصریین کے غیر کا مذہب ہے۔

دوم مذہب بصریین کا ہے پس بعضوں نے کہا ہے کہ عامل مبتدا میں ابتدا ہے اور خبر میں عامل مبتدا ہے۔

سوم مذہب دوسروں کا ہے وہ یہ کہ ہر ایک مبتدأ خبر میں سے ایک دوسرے میں عامل ہے اور بنا بریں مذہب مبتدا و خبر مجرد عوامل لفظیہ سے نہیں بلکہ دونوں میں عامل لفظی ہوا اور چونکہ مصنف کافیہ کے نزدیک مذہب بصری مختار تھا اس لئے اس کو اختیار کیا۔

وأصل المبتدأ أي ما ينبغي أن يكون المبتدأ عليه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متبادر اصل سے قاعدہ ہے پس اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ مبتدأ میں قاعدہ تقدیم ہے پس چاہئے کہ في داره زيد کی ترکیب جائز نہ ہو کیونکہ اس میں مبتدأ خبر سے مؤخر ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اصل کے معنی یہاں راجح کے ہیں یعنی جس پر مبتدأ کا ہونا ضروری ہے۔

إذا لم يمنع مانع۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدأ میں تقدیم کا راجح ہونا مسلم نہیں بلکہ ممتنع ہے جیسے في الدار رجل میں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مبتدأ میں تقدیم کا راجح ہونا اس وقت ہے جب تقدیم کا مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ مبتدأ کی نکارت ہے۔

التقديم على الخبر لفظاً لأن المبتدأ ذات والخبر حال من أحوالها والذات مقدمة على أحوالها۔

اس میں شارح مبتدأ کی تقدیم کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ مبتدأ خبر پر لفظ میں اس لئے مقدم ہوتا ہے کہ مبتدأ ذات کے درجہ میں ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور یہ معلوم ہے کہ ذات احوال پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ومن ثم أی ومن أجل أن الأصل فی المبتدأ التقديم لفظاً۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کلمہ من ثم اجلیہ مفید علت کے ہے یعنی اس وجہ سے کہ اصل مبتدأ میں تقدیم لفظی ہے فی دارہ زید کی ترکیب جائز ہے۔

جاز قولهم فی دارہ زید مع كون الضمير عائداً إلى زيد المتاخر لفظاً لتقدمه رتبةً لإصالة التقديم ۔

فی دارہ زید کی ترکیب میں اگرچہ ضمیر زید متاخر کی طرف راجع ہے لیکن چونکہ اصل میں زید کا رتبہ تقدیم ہے اس لئے یہ ترکیب جائز ہے کیونکہ اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظی پایا جاتا ہے اور یہ جائز ہے۔

وامتنع قولهم صاحبها فی الدار لعود الضمير إلى الدار وهو فی حيز الخبر الذی أصله التاخير فيلزم عود الضمير إلى المتاخر لفظاً ورتبةً وهو غير جائز۔

اور صاحبها فی الدار کی ترکیب ممنوع ہے کیونکہ اس میں ضمیر دار کی طرف راجع ہے اور وہ مقام خبر میں ہے اور خبر میں اصل تاخیر ہے پس اس سے متاخر لفظی اور حقیقی کی طرف عائد ہونا ضمیر کا لازم آتا ہے اور وہ جائز نہیں کیونکہ اس سے اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ لہٰذا ترکیب مذکور ممنوع ٹھہری۔

وقد يكون المبتدأ نكرة وإن كان الأصل فيه أن يكون معرفة لأن للمعرفة معنىً معيناً والمطلوب المهم الكثير الوقوع فی الكلام إنما هو الحكم على الأمور المعينة ولكنه لا يقع نكرة على الإطلاق بل۔

یعنی کبھی مبتدا نکرہ بھی واقع ہوتا ہے اگرچہ مبتدأ میں اصل اس کا معرفہ ہونا ہے کیونکہ معرفہ کے معنی معین ہوتے ہیں اور مطلوب کثیر الوقوع کلام عرب میں امور معلومہ اور معینہ پر حکم لگانا ہے لیکن مبتدا نکرہ مطلق واقع نہیں ہوگا بلکہ نکرہ

مخصصہ مبتدا واقع ہوگا۔

إذا تخصصت تلك النكرة بوجه ما من وجوه التخصيص إذ بالتخصيص يقل اشتراكها فتقرب من المعرفة مثل قوله تعالى: ﴿ولعبد مومن خير من مشرك﴾ فإن العبد متناول للمؤمن والكافر، وحيث وصف بالمؤمن تخصص بالصفة، فجعل مبتداً وخير خبره۔

یعنی جب نکرہ کی تخصیص کی وجوہ سے کسی وجہ سے تخصیص کی جاتی ہے تو وہ نکرہ مبتدا واقع ہوسکتا ہے کیونکہ تخصیص سے نکرہ کے اشتراک اور عموم میں تقلیل ہوجاتی ہے پس وہ معرفہ کے قریب ہوجاتا ہے نکرہ محض نہیں رہتا جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں عبد، مؤمن اور کافر دونوں کو شامل تھا جب مومن سے موصوف ہوا تو ایمان کی صفت کی وجہ سے اس کی کافر سے تخصیص ہوگئی پس اس تخصیص صفتی کی بنا پر اس کو مبتدا ٹھہرایا اور خیر اس کی خبر ٹھہرائی گئی۔

ومثل قولك: أرجل في الدار أم امرأة؟ فإن المتكلم بهذا الكلام يعلم أن أحدهما في الدار فيسأل المخاطب عن تعينه۔

اس میں نکرہ مخصصہ بعلم متکلم کی مثال ہے کیونکہ اس کلام کا متکلم یہ جانتا ہے کہ رجل اور امرأة میں سے ایک ضرور گھر میں ہے لیکن اس کا تعین معلوم نہیں ہے اس لئے مخاطب سے اس کے تعین کا سوال کررہا ہے۔

فكأنه قال: أي من الأمرين المعلوم كون أحدهما في الدار كائن فيها؟ فكل واحد منهما تخصص بهذه الصفة فجعل رجل مبتدأ وفي الدار خبره۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا ایک امر لفظی ہے اور علم متکلم امر ذہنی ہے پس تخصیص لفظی کی امر ذہنی سے کس طرح درست ہوسکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ متکلم کا علم اگرچہ امر ذہنی ہے لیکن یہ یہاں مؤول بلفظی ہے پس گویا یہ کہہ دیا کہ امرین معلومین میں سے کونسا امر معلوم دار میں کائن ہے؟ پس بنا بر اس صفت علم متکلم کے رجل اور امرأة میں سے ہر ایک کی تخصیص ہوگئی لہذا رجل وامرأة کو مبتدأ ٹھہرایا گیا اور في الدار اس کی خبر ہوگئی۔

ومثل قولك: ما أحد خير منك فإن النكرة فيها وقعت في حيز النفي فأفادت عموم الأفراد وشمولها فتعينت وتخصصت فإنه لا تعدد في جميع الأفراد بل هو أمر واحد۔

اس میں اس نکرہ کی مثال ہے جس کی تخصیص عموم اور شمول افراد کی وجہ سے ہوئی ہے جیسے ما أحد خير منك میں ہے۔ نکرہ نفی کے حیز میں واقع ہو کر مفید اور شامل افراد کے لئے ہو گیا ہے پس اس عموم کی بنا پر وہ نکرہ مخصص اور متعین ہو گیا کیونکہ جمیع افراد میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک امر واحد مانا جاتا ہے جیسے دس کا عدد ہے کہ یہ مجموعہ امر واحد مانا جاتا ہے افراد کے تعدد کا لحاظ اس میں نہیں ہوتا۔

وكذا كل نكرة في الإثبات قصد بها العموم نحو تمرة خير من جرادة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ حضرت خلیفۃ المومنین عمرؓ کے قول تمرة خير من جرادة سے منقوض ہے کیونکہ اس میں نکرہ کلام مثبت میں واقع ہوا ہے اور باوجود اس کے وہ نکرہ یہاں ترکیب میں مبتدا واقع ہوا ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ نکرہ سے مراد مطلق نکرہ نہیں بلکہ وہ نکرہ مراد ہے جس سے مقصود عموم اور شمول افراد ہو خواہ کلام منفی میں ہو خواہ کلام مثبت میں لہذا مثال مذکور سے قاعدہ مذکور کا انتقاض ثابت نہیں ہوا۔

ومثل قولهم: شر أهر ذا ناب لتخصصه بما يتخصص به الفاعل لشبهه به إذ يستعمل في موضع ما أهر ذا ناب إلا شر وما يتخصص به الفاعل قبل ذكره هو صحة كونه محكوما عليه بما أسند إليه فإنك إذا قلت قام علم منه أن ما يذكر بعده أمر يصح أن يحكم عليه بالقيام فإذا قلت رجل هو في قوة رجل موصوف بصحة الحكم عليه بالقيام۔

یہ اس نکرہ کی مثال ہے جس کی تخصیص شبہ فاعل ہونے سے ہوئی ہو اور عربی عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شر أهر ذا ناب کی ترکیب مفید تخصیص نہیں کیونکہ اس میں حرف حصر نہیں ہے جس سے خصوصیت نکرہ حاصل ہو سکے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حروف حصر اگرچہ لفظ میں نہیں لیکن معنی میں موجود ہیں کیونکہ یہ اصل میں ما أهر ذا ناب إلا شر سے پس مثال مذکور کا نکرہ اس چیز سے خاص ہوا جس سے فاعل خاص ہوتا ہے کیونکہ یہ شر کا لفظ مذکور فی المثال فاعل کے مشابہ ہے کیونکہ حصر کے مقام میں ما أهر ذا ناب إلا شر استعمال کرتے ہیں اور وہ چیز جس سے فاعل کی خصوصیت فاعل کے ذکر کرنے سے پیشتر حاصل ہوتی ہے وہ فاعل کا محکوم علیہ ہوتا ہے پس جب قام کہیں گے تو اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس قام کے بعد جو امر مذکور ہو گا اس کا قیام کے لئے محکوم علیہ ہونا صحیح ہو گا پس جب

رجل کہیں گےتو یہ رجل موصوف بصحة الحكم عليه بالقيام کے حکم اورقوت میں ہوگا یعنی وہ رجل جو کھڑا ہوا ہے قیام کا محکوم علیہ ہے لہذا ترکیب مذکور میں چونکہ شــــر کا لفظ فاعل حکمی ہے اور فاعل خاص ہوتا ہے اس لئے مبتداً واقع ہوا ہے اور اس کے مابعد خبر ہے۔

واعلم أن المهر للكلب بالنباح المعتاد قد يكون خيراً كما إذا كان مجيء حبيب مثلاً وقد يكون شراً كما إذا كان مجيء عدوّ والمهر لهم بنباح غير معتاد يتشاأم به فيكون شرا لا خيراً، فعلى الأول يصح القصر بالنسبة إلى الخير، ومعناه: شر لا خير أهر ذا ناب، وعلى الثاني لا يصح۔

اس میں شارحؒ نے اعلم سے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلب کا مہر کبھی نباح معتاد ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ اچھا ہوگا جیسے مثلاً دوست کا آنا ہے۔ اور کبھی غیر معتاد سے ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ شر ہوگا جیسے دشمن کا آنا ہے اور مهر لهم بنباح غير معتاد سے بدفالی لیتے ہیں پس وہ شر ہی ہوگا نہ خیر لہذا بنا بر اول بہ نسبت خیر کے حصر درست ہے جس کی تقدیر پر یہ معنی ہوں گے شر ہی ہے خیر نہیں جس نے ذانــاب کو بھونکایا اور بنا بر ثانی حصر درست نہیں ہے۔

فيقدر وصف حتى يصح القصر فيكون المعنى شر عظيم لا حقير أهر ذا ناب وهذا مثل يضربُ لرجل قوي أدركه العجز في حادثة۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مہر کلب کا جب نباح غیر معتاد سے ہو تو اس صورت میں نکرہ کی تخصیص وصف مقدر سے کی جائے گی جس کی تقدیر شر عظيم أهر ذا ناب ہے لہذا وصف مقدر سے شر کی خصوصیت حاصل ہوگی اس لئے وہ مبتدأ واقع ہوسکتا ہے اور یہ مثال اس شخص کے متعلق بیان کی جاتی ہے جو نہایت قوی با اقتدار آدمی ہو لیکن کسی حادثہ میں گرفتار ہوکر عاجز اور کمزور ہو جائے۔

ومثل قولك: في الدار رجل لتخصصه بتقديم الخبر لأنه إذا قيل في الدار علم أن ما يذكر بعده موصوف بصحة استقراره في الدار فهو في قوة التخصيص بالصفة۔

یہ اس نکرہ کی مثال ہے جس کی تخصیص تقدیم خبر سے ہوئی ہو رجل في الدار کے مقدم کرنے سے خاص ہوا ہے کیونکہ جب في الدار کہیں گے تو اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعد جو مذکور ہوگا وہ دار میں استقرار کی صفت

پر موصوف ہوگا پس یہ صفت کی تخصیص کے حکم اور قوت میں ہوالہٰذ ا اس کا مبتدأ واقع ہونا درست ہوگا۔

ومثل قولك: سلام عليك لتخصصه بالنسبة إلى المتكلم إذ أصله سلمت سلاما عليك فحذف الفعل وعدل إلى الرفع لقصد الدوام والاستمرار فكأنه قال: سلامي أي سلام من قبلي عليك هذا هو المشهور فيما بين النحاة۔

اس میں اس نکرہ کی مثال ہے جس کی تخصیص نسبت متکلم سے ہوئی ہے یعنی مثال مذکور میں سلام کالفظ باعتبار نسبت متکلم کے خاص ہوگیا ہے کیونکہ یہ اصل میں سلمت سلاماً عليك تھا پس سلمت کا فعل محذوف کیا گیا اور جملہ اسمیہ یعنی سلامی کی طرف عدول کیا گیا۔ جس سے مقصد دوام واستمرار ہوتا ہے پس گویا سلام من قبلی کہہ دیا۔ یہ وجوہات خصوصیت جو اوپر بیان ہوئیں نحاۃ کے درمیان مشہور اور مروج ہیں۔

وقال بعض المحققين منهم: مدار صحة الإخبار عن النكرة على الفائدة لا على ما ذكروه من التخصيصات التي يحتاج في توجيهاتها إلى هذه التكلفات الركيكة الواهية، فعلى هذا يجوز أن يقال كوكب انقض الساعة لحصول الفائدة ولا يجوز أن يقال رجل قائم لعدمه وهذا القول أقرب إلى الصواب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بسا اوقات نکرہ غیر مخصوصہ بھی مبتدأ واقع ہوتا ہے جیسے کوكب انقض الساعة میں کوکب نکرہ غیر مخصوصہ مبتدا واقع ہوا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس کے جواب میں بعض محققین یعنی ابن الدیان نے کہا ہے کہ نکرہ کے مبتدأ واقع ہونے کا دار ومدار مبنی بر فائدہ ہے مذکورہ تخصیصات پر مبنی نہیں جن کی توجیہات میں ان واہی اور ضعیف تکلفات کی حاجت اور ضرورت پڑتی ہے چونکہ کوكب انقض الساعة کی مثال میں ایک جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کا بغیر تخصیص کے مبتدا واقع ہونا درست اور جائز ہے اور رجل قائم میں چونکہ مخاطب کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے یہاں رجل کا مبتدأ واقع ہونا درست نہیں ہے اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے کیونکہ اسی پر استعمال قرآن ہے جیسے ﴿ ووجوه يومئذ ناضرة ﴾، ﴿وهل من مزيد؟﴾ وغیرہ میں ہے۔

ولما كان الخبر المعرف فيما سبق مختصا بالمفرد لكونه قسما من الاسم فلم يكن الجملة داخلة فيه أراد أن يشير إلى أن خبر المبتدأ قد يقع جملة أيضاً فقال:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کی ۔ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خبر جس کی ماسبق میں تعریف ہوچکی ہے وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے مجرد ہو اور یہ مفرد سے مخصوص ہے کیونکہ یہ اسم کی اقسام میں سے ایک قسم ہے پس اس کی تعریف میں جملہ داخل نہیں ہوا کیونکہ وہ مرکب ہے حالانکہ جملہ بھی خبر واقع ہوتا ہے آگے چل کر مصنف کافیہ نے خود ہی اس کے جواب کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ کبھی مبتدأ کی خبر جملہ بھی واقع ہوتا ہے۔

والخبر قد يكون جملة اسميةً **مثل: زيد أبوه قائم** وفعلية مثل **زيد قام أبوه.**

یعنی مبتدا کی خبر کبھی جملہ بھی واقع ہوتا ہے خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے زید ابوہ قائم میں ہے، خواہ فعلیہ ہو جیسے زید قام ابوہ میں ہے۔

ولم يذكر الظرفية لأنها راجعة إلى الفعلية۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جملہ ظرفیہ بھی خبر واقع ہوتا ہے اس کو مصنف کافیہ نے کیوں ذکر نہیں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جملہ ظرفیہ چونکہ مقدر بفعل ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ راجع فعلیہ کی طرف ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

وإذا كان الخبر جملة والجملة مستقلة بنفسها لا تقتضى الارتباط بغيرها۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلا بد من عائد کا قول اس شرط مقدر کی جزا ہے یعنی مبتدا کی خبر جب جملہ ہو اور جملہ مستقلہ بنفسها ہوتا ہے، غیر کے ساتھ ارتباط اور تعلق کا محتاج نہیں ہوتا، اس لئے اس میں عائد کی ضرورت ہے جس سے اس کا مبتدا سے تعلق حاصل ہوسکے۔

فلا بد في الجملة الواقعة خبراً عن المبتدأ **من عائد** يربطها به وذلك العائد إما ضمير كما في المثالين المذكورين أو غيره كاللام في نعم الرجل زيد أو وضع المظهر موضع المضمر في نحو: ﴿الحاقة ما الحاقة﴾ وكون الخبر تفسيرا للمبتدأ نحو: ﴿قل هو الله أحد﴾۔

یعنی اصل جملہ میں جو مبتدا کی خبر واقع ہو عائد کی سخت ضرورت ہے جس سے اس کا مبتدأ سے ارتباط اور تعلق حاصل ہو اور وہ عائد عام ہے خواہ ضمیر ہو جیسے امثال مذکورہ میں ہے خواہ غیر ضمیر ہو جیسے الف ولام نعم الرجل زید کے یا وضع مظہر موضع مضمر ہو جیسے الحاقة میں ہے یا خبر کا مبتدأ کے لئے تفسیر ہونا جیسے قل ھو اللہ احد میں ہے یہ سب عائد

کے حکم میں ہے۔

اب اس میں اس قاعدہ کلیہ پر ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ البر والکر بستین درھماً والسمن منوان بدرھم کی امثال سے منقوض ہے کیونکہ یہاں خبر جملہ ہے اور باوجود اس کے یہاں عائد نہیں ہے آگے چل کر مصنف کافیہ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ کبھی یہ عائد محذوف بھی ہوتا ہے۔

وقد یحذف العائد إذا کان ضمیراً لقیام قرینة نحو البر والکر بستین درھما والسمن منوان بدرھم أی الکر منه ومنوان منه بقرینة أن بائع البر والسمن لا یسعر غیرھما۔

یہ اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر وہ عائد ضمیر ہو تو وہ قرینہ کے موجودگی میں محذوف ہوگا جیسے البر والکر بستین درھما اور والسمن منوان بدرھم میں ضمیر منه محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ بر اور سمن کا خریدار سوائے بر اور سمن کے کسی دوسری چیز کا نرخ نہیں کرتا یہی نرخ کرنا اس کا قرینہ ہے کہ یہاں منه محذوف ہے۔

وما وقع ظرفاً أی الخبر الذی وقع ظرف زمان أو مکان أو جاراً أو مجروراً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ ما موصولہ سے خبر کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ خبر جو ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار و مجرور واقع ہو وہ مقدر بجملہ ہوگی۔

فالأکثر من النحاة وھم البصریون **علی**۔

اس کے بڑھانے سے مقصد یہ ہے کہ یہاں اکثر سے مراد بصریین ہیں۔

أنه أی الخبر الواقع ظرفاً۔

اس کے بڑھانے سے اشارہ کیا کہ انه کی ضمیر اس خبر کی طرف راجع ہے جو ترکیب میں ظرف واقع ہو۔

مقدرٌ أی مؤول۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ باء کا صلہ تقدیر ٹھہرانا صحیح نہیں کیونکہ تقدیر کا صلہ فی کلمہ آتا ہے باء نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تقدیر کے معنی یہاں تاویل کے ہیں اور معلوم ہے کہ تاویل کا صلہ کلمہ باء مستعمل ہوتا ہے۔

بجملة بتقدير الفعل فيه لأنه إذا قدر فيه الفعل يصير جملةً بخلاف ما إذا قدر فيه اسم الفاعل كما هو مذهب الاقل وهم الكوفيون فإنه يصير حينئذ مفرداً ووجه الاكثر أنّ الظرف لا بد له من متعلق عامل فيه والأصل في العمل هو الفعل فإذا وجب التقدير فالأصل أولىٰ ووجه الأقل أنه خبر والأصل في الخبر الافراد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مقدر صرف فعل ہی ہوتا ہے جملہ مقدر نہیں ہوتا پس مقدر بجملہ کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں جملہ سے مجازاً مراد فعل ہے بحکم ذکر کل مراد جز۔ یعنی جب ظرف خبر واقع ہو تو اس میں فعل کا مقدر ہونا ضروری ہے کیونکہ جب اس میں فعل مقدر کیا جائے گا تو اس صورت میں وہ جملہ بن جائے گا بخلاف اس کے کہ جب اس میں اسم فاعل مقدر کیا جائے جیسے یہ مذہب اقل یعنی کوفیین کا ہے کہ اس صورت میں وہ مفرد مانا جائے گا اور دلیل اکثر یعنی بصریین کی دلیل یہ ہے کہ ظرف میں متعلق عامل کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور عمل میں اصل فعل ہے پس جب تقدیر ضروری ٹھہری تو اصل کی تقدیر اولی ہوگی اور دلیل اقل یعنی کوفیین کی دلیل یہ ہے کہ ظرف خبر ہے اور خبر میں اصل افراد ہے اور مفرد صرف اسم ہی ہوتا ہے لہذا ظرف میں اسم فاعل مقدر مانا جائے گا۔

ثم إن الأصل في المبتدأ التقديم وجاز تاخيره لكن قد يجب لعارض كما أشار إليه بقوله:

پھر اصل مبتدا میں تقدیم ہے خبر پر اور اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن کبھی عارض کی وجہ سے اس کی تقدیم واجب بھی ہوجاتی ہے جیسے مصنف نے وإذا كان المبتدأ الخ کے قول میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وإذا كان المبتدأ مشتملا على ما له صدر الكلام أي على معنى وجب له صدر الكلام كالاستفهام فإنه يجب حينئذ تقديمه حفظاً لصدارته **مثل من ابوك؟** فان مَن مبتدأ مشتمل على ما له صدر الكلام وهو الاستفهام۔

یعنی جب مبتدا اس معنی پر مشتمل ہو جس کے لئے صدارت کلام واجب ہو جیسے استفہام ہے تو اس صورت میں بغرض حفظ صدارت اس کی تقدیم خبر پر واجب ہے جیسے من ابوك؟ میں من کا کلمہ مبتدا ہے کیونکہ یہ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے جو صدرت کلام کو چاہتا ہے اور اگر مؤخر کرتے ہیں تو صدارت فوت ہوتی ہے اس لئے اس کا مقدم کرنا

واجب ہوا۔

فإن معناه: أهذا أبوك أم ذاك؟ وأبوك خبره وهذا مذهب سيبويه وذهب بعض النحاة إلى أن أبوك مبتدأ لكونه معرفة ومن خبره الواجب تقديمه على المبتدأ لتضمنه معنى الاستفهام۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ من ابوك؟ کی ترکیب میں کلمہ من نکرہ ہے پس اس کا مبتدأ ہونا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ من کاکلمہ ظاہری صورت میں اگر چہ نکرہ ہے لیکن معنی میں معرفہ ہے کیونکہ اس کے معنی هذا ابوك ام ذاك؟ کے ہیں پس اشارہ کرنے سے معرفہ ہوا اور ابوك من کی خبر ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور بعض نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ ابوك مبتدا ہے کیونکہ وہ معرفہ بالاضافت ہے اور من اس کی خبر ہے بوجہ شامل ہونے معنی استفہام کے مبتدأ پر وجوباً مقدم ہوگئی ہے چونکہ مصنف کے نزدیک سیبویہ کا مذہب مختار تھا اس لئے اس کو ذکر کیا اور دوسرے مذہب کا ذکر چھوڑ دیا۔

أو كانا أى المبتدأ والخبر متساوين في التعريف۔ أوغير متساويين۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مبتدأ اور خبر کا معرفہ ہونا عام ہے خواہ تعریف میں متساوی ہوں خواہ غیر متساوی۔

ولا قرينة على كون أحدهما مبتدأ والآخر خبرا نحو زيد المنطلق۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ ابو حنیفہ، ابو یوسف کی مثال سے منقوض ہے کیوں کہ مبتدا اور خبر دونوں یہاں معرفے ہیں باوجود اس کے یہاں تقدیم مبتدا خبر پر واجب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ حکم وہاں ہے جہاں ایک کے مبتدا ہونے، اور دوسرے کے خبر ہونے کا قرینہ نہ ہو اور یہاں أبو يوسف کے مبتدا ہونے اور أبو حنيفه کے خبر ہونے کا قرینہ موجود ہے اور وہ تشبیہ ہے اور مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں، اس کی مثال زيد المنطلق ہے۔

أو كانا متساويين في أصل التخصيص لا في قدره حتى لو قيل: غلام رجل صالح خير منك لوجب تقديمه أيضا مثل:

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ غلام رجل صالح خیر منك کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ یہاں درمیان مبتدا اور خبر کے تعریف میں مساوات نہیں اور باوجود اس کے یہاں مبتدا کی تقدیم خبر پر واجب ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد مساوات سے مساوات اصل تخصیص میں ہے۔ قدر میں مساوات مقصود نہیں ہے اسی وجہ سے مثال مذکور میں بھی تقدیم مبتدا خبر پر واجب ہے۔

أفضل مني أفضل منك رفعاً للاشتباه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ فعل مقدر یجب کا مفعول لہ ہے جس کی تقدیر یجب تقديم المبتدأ في الصورتين رفعاً للاشتباه ہوگی۔

أوكان الخبر فعلا له أي للمبتدأ احتراز عما لا يكون فعلاً له كما في قولك زيد قام أبوه فإنه لا يجب فيه تقديم المبتدأ لجواز قام أبوه زيد لعدم الالتباس۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ لہ کی ضمیر مجرور مبتدأ کی طرف راجع ہے اور یہ قول احترازی ہے اس میں اس خبر سے احتراز کیا جو مبتدأ کا فعل نہ ہو جیسے زیدٌ قائم ابوہ کے قول میں قیام، زید کا فعل نہیں ہے یہاں مبتدا کی تقدیم خبر پر واجب نہیں کیونکہ یہاں قام أبوه زيد بھی جائز ہے اس لئے یہاں التباس کا اندیشہ نہیں ہے۔

مثل: زيد قام وجب تقديمه أي تقديم المبتدأ على الخبر في هذه الصور أما في الصور الأول فلما ذكرنا وأما في الصورة الأخيرة فلئلا يلتبس المبتدأ بالفاعل إذا كان الفعل مفرداً مثل زيد قام فإنه إذا قيل قام زيد التبس المبتدأ بالفاعل۔

اس خبر کی مثال جو مبتدا کا فعل ہو زید قام ہے یعنی جب مبتدا اس معنی پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کے مقتضی ہوں یا مبتدا اور خبر دونوں معرفے ہوں یا مبتدا اور خبر دونوں اصل تخصیص میں مساوی ہوں یا خبر مبتدا کا فعل ہو تو ان جملہ صورتوں میں مبتدا کی تقدیم خبر پر واجب اور ضروری ہے صور ثلاثہ اول میں تقدیم کی دلیل اور وجہ بیان ہو چکی ہے اور صورت آخر میں مبتدا کی تقدیم اس لئے ضروری ہے کہ مبتدا کا فاعل سے التباس نہ ہو اس صورت میں جس میں فعل مفرد ہوتا ہے جیسے زید قام میں ہے کہ اس میں اگر زید قام کہیں گے تو اس صورت میں مبتدأ کا فاعل سے التباس ہو جائے گا یہ معلوم ہوگا کہ زید فاعل ہے۔

أو بـالبـدل عـن الـفـاعـل إذا كـان مثنـىً أو مجموعاً فإنه إذا قيل في مثل الزيدان قاما والـزيـدون قاموا، قاما الزيدان وقاموا الزيدون يحتمل أن يكون الزيدان والزيدون بدلا عن الفاعل فالتبس المبتدأ به۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کے فاعل سے ملتبس ہونے کی صورت وہاں درست ہے جہاں فعل مفرد ہو جیسے زید قام میں ہے لیکن جہاں فعل مثنی یا جمع ہو وہاں یہ صورت درست نہیں ہے جیسے الزیدان قاما اور الزیدون قاموا کی امثال میں ہے کیونکہ یہاں مبتدا کا فاعل سے التباس نہیں ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہاں اگر چہ مبتدا کا فاعل سے التباس نہیں لیکن فاعل کے بدل سے التباس ضرور ہے کیونکہ اگر بجائے الـزیـدان قـامـا والزیدون قاموا کے قـامـا الـزیدان وقاموا الزیدون پڑھیں گے تو اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ الـزیدان اور الـزیدون فاعل سے بدل واقع ہوں پس اس صورت میں مبتدا فاعل کے بدل سے ملتبس ہو جائے گا اس لئے تقدیم مبتدا ضروری ٹھہری۔

أو بـالفاعل على هذا التقدير أيضاً على قول من يجوز كون الألف والواو حرفاً دالاً على تثنية الفاعل وجمعه كالتاء في ضربت هند۔

اس میں شارح نے اوپر والے اعتراض کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یا مبتدا عین فاعل سے ملتبس ہوگا اس تقدیر پر بھی اس شخص کے قول کی بنا پر جو الف اور واؤ کے فاعل کے تثنیہ اور جمع پر حروف دالہ کے جواز کا قائل ہے جیسے ضـربـت هند میں کلمہ تاء ہے یعنی جس شخص کے نزدیک الف اور واؤ علامت تثنیہ اور جمع فاعل ہے اس کے نزدیک یہاں مبتدا کا عین فاعل سے التباس لازم آئے گا اس کے نزدیک ہر حال میں تقدیم ابتدا ضروری اور لازمی ثابت ہوئی۔

وإذا تضمن الخبر المفرد أي الذي ليس بجملة صورة سواء كان بحسب الحقيقة جملة أو غير جملة۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ الـخـبـر کا الف ولام عہدی ہے اور اس سے اس خبر کی طرف اشارہ ہے جو صورت میں جملہ نہ ہو خواہ بحسب حقیقت جملہ ہو یا غیر جملہ۔

ما له صدر الكلام أي معنى وجب له صدر الكلام كالاستفهام مثل أين زيد؟ فزيد

مبتدأ وأين اسم متضمن للاستفهام خبره وهو ظرف فإن قدر بفعل كان الخبر جملة حقيقة مفرداً صورة وإن قدر باسم الفاعل كان الخبر مفرداً صورة وحقيقة وعلى التقديرين ليس بجملة صورة واحترز به عن نحو زيد أين أبوه؟ إذ لا تبطل بتاخيره صدارة ما له صدر الكلام لتصدره في جملته۔

یعنی جب خبر معنی استفہام کے متضمن ہو جیسے این زید؟ میں زید مبتدا ہے اور این اسم یعنی استفہام کے متضمن ہے اور یہ ظرف ہے پس اگر اس میں فعل مقدر مانا جائے تو اس صورت میں یہ خبر حقیقت میں جملہ ہوگا اور صورت میں مفرد اور اگر اس میں اسم فاعل مقدر کیا جائے تو اس صورت میں خبر حقیقۃ اور صورۃ مفرد مانا جائے گا اور دونوں تقدیروں کی بنا پر صورت میں یہ خبر جملہ نہیں ہے اور اس میں زید این ابوہ؟ کی مثال سے احتراز کیا کیونکہ اس میں خبر کی تاخیر سے مالہ صدر الکلام کی صدارت باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ جملہ کے صدر میں واقع ہے۔

أو كان الخبر بتقديمه **مصححا له** أي للمبتدأ من حيث أنه مبتدأ فتقديمه يصحح وقوعه مبتدأ **مثل: في الدار رجل** فان في الدار خبر تخصص المبتدأ بتقديمه كما عرفت فلو أخر بقي المبتدا نكرة غير مخصوصة۔

یا خبر کی تقدیم سے مبتدا کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہو جیسے فی الدار رجل میں فی الدار خبر ہے جس کی تقدیم سے مبتدا یعنی رجل کی خصوصیت ہوئی جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے پس اگر فی الدار کے لفظ کو رجل سے مؤخر کریں سے تو اس صورت میں مبتدا نکرہ غیر مخصوصہ باقی رہ جائے گا جس کی بنا پر اس کی ابتدائیت درست نہیں ہوگی۔

أو كان **لمتعلقه** بكسر اللام أي كان لمتعلق الخبر التابع له بتبعية يمتنع معها تقديمه على الخبر فلا يرد نحو على الله عبده متوكل۔

متعلق کا لفظ مکسور اللام ہے یعنی یا خبر کے متعلق کی ضمیر ہو مبتدا میں اور خبر کا متعلق خبر کا تابع ہو جس کے ساتھ تقدیم اس متعلق کی خبر پر ممتنع ہو، پس اس تقدیر کی بنا پر علی اللہ عبدہ متوکل کا اعتراض وارد نہیں ہوگا کیونکہ اس میں عبدہ کا لفظ اگر چہ مبتدا ہے اور متوکل اس کی خبر ہے اور علی اللہ خبر کا متعلق ہے اور مبتدا میں خبر کے متعلق کی ضمیر ہے اور باوجود اس کے یہاں تقدیم خبر مبتدا پر واجب نہیں، لیکن یہاں متعلق خبر ایسا تابع نہیں جس کی متابعت کی بنا پر مبتدا کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو، کیونکہ یہاں علی اللہ عبدہ متوکل بھی جائز ہے، اس لئے کہ متابعت سے یہاں

وہ متابعت مراد ہے جس کی بنا پر تقدیم مبتدا سے اضمار قبل الذکر لفظاً أو معنیً لازم آتا ہو اور وہ یہاں مثال مذکور میں مفقود ہے۔

ضمير كائن في جانب **المبتدأ** راجع إلى ذلك المتعلق إذ لو أخر لزم الإضمار قبل الذكر لفظاً ومعنا **مثل: على التمرة مثلها زبداً** فقوله: مثلها أى مثل التمرة مبتدأ وفيه ضمير لمتعلق الخبر وهو التمرة لأن الخبر هو قوله على التمرة والتمرة متعلق به مثل تعلق الجزء بالكل۔

یعنی مبتدا میں جو ضمیر ہو وہ اسی متعلق خبر کی طرف راجع ہو تو اس صورت میں بھی خبر مبتدا پر مقدم ہوگی کیونکہ اگر مؤخر کریں گے تو اضمار قبل الذکر لفظاً اَوْ معنیً لازم آئے گا اور یہ باطل ہے مثال اس خبر کی جو مبتدا پر مقدم ہو اور مبتدا میں متعلق کی ضمیر ہو علی التمرة مثلها زبداً ہے پس مثلها کا قول ترکیب میں مبتدا ہے اور اس میں متعلق خبر کی ضمیر ہے اور متعلق خبر التمرة ہے کیونکہ خبر علی التمرة کا مجموعہ ہے اور تمرة اس کا متعلق ہے اور یہ تعلق ایسا ہے جیسا کہ تعلق جز کا کل سے ہوتا ہے۔

أو كان الخبر خبراً عن أنّ المفتوحة الواقعة مع اسمها وخبرها المؤول بالمفرد مبتدأ إذ في تاخيره خوف لبس أنّ المفتوحة بالمكسورة في التلفظ لإمكان الذهول عن الفتحة لخفائها أو في الكتابة **مثل: عندى أنك قائم وجب تقديمه** أى تقديم الخبر على المبتدأ في جميع هذه الصور لما ذكرنا۔

یعنی یا خبر أنّ مفتوحہ سے خبر واقع ہو یعنی أن حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم وخبر سے مل کر بتاویل مفرد ہو کر مبتدا ہو اور خبر مذکور اس کی خبر ہو تو اس صورت میں بھی تقدیم خبر واجب ہے کیونکہ تاخیر کی صورت میں أنّ مفتوحہ کے إنّ مکسورہ سے التباس کا خوف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ فتحہ ذہن سے نکل گیا ہو یا کتابت میں رہ گیا ہو اس لئے تقدیم خبر واجب ہے اور اس خبر کی مثال جو انّ کی خبر واقع ہو عندی انك قائم ہے کہ اس میں عندی کی تقدیم انك قائم پر واجب ہے کیونکہ انك قائم بتاویل مفرد ہو کر عندی کا مبتدا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب أنّ درمیان کلام میں واقع ہو تو وہ مفتوح ہوتا ہے پس اگر یہاں عندی کو مؤخر کریں گے تو اس صورت میں أنّ مفتوحہ کا اِنّ مکسورہ سے التباس واقع ہوگا لہذا ان تمام مذکورہ صورتوں میں خبر کی تقدیم مبتدا پر واجب اور ضروری ثابت ہوئی۔

وقد يتعدد الخبر من غير تعدد المخبر عنه فيكون اثنين فصاعداً وذلك المتعدد إما بحسب اللفظ والمعنى جميعاً ويستعمل ذلك على وجهين بالعطف **مثل: زيدٌ عالم وعاقل** وبغير العطف مثل: زيد عالم عاقل وإما بحسب اللفظ فقط نحو: هذا حلو حامض فإنهما في الحقيقة خبر واحد أي مزّ وفي هذه الصورة ترك العطف أولى ونظر بعض النحاة إلى صورة التعدد وجوز العطف۔

یعنی کبھی خبریں متعدد ہوتی ہیں اور مخبر عنہ یعنی مبتدا متعدد نہیں ہوتا پس خبر دو یا اس سے زیادہ بھی ہوتی ہیں اور یہ متعدد بحسب لفظ اور معنی دونوں کے ہوگا اور اس کا استعمال دو طرح کا ہے عطف کے ساتھ جیسے زید عالم وعاقل میں ہے اور بغیر عطف کے جیسے زید عالم عاقل میں ہے اور یا یہ تعدد حرف فقط بحسب لفظ کے ہوگا جیسے هذا حلو حامض میں ہے کہ یہ دونوں الفاظ حقیقت میں خبر واحد یعنی مفرد کے معنی میں ہیں اور اس صورت میں ترک عطف اولی ہے اور بعض نحاۃ نے صوری تعدد کی طرف نظر کر کے عطف کو یہاں بھی جائز مانا ہے۔

ولا يبعد أن يقال: مراد المصنف بتعدد الخبر ما يكون بغير عاطف لأن التعدد بالعطف لا خفاء به لا في الخبر ولا في المبتدأ ولا في غيرهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اس متعدد کی بحسب لفظ اور معنی کے دو قسمیں ہوئیں ایک مع عاطف۔ ثانی بغیر عاطف، پس مصنف کافیہ نے اول قسم کی مثال ذکر نہیں کی اور ثانی کی مثال ذکر کر دی ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تعدد خبر سے مصنف کی مراد وہ تعدد ہے جو بغیر عاطف ہو کیونکہ تعدد بعاطف میں کوئی خفا نہیں ہے، نہ خبر میں اور نہ مبتدا اور نہ غیر هما میں، بخلاف تعدد کے بغیر عاطف کے کہ اس میں خفاء ہے کیونکہ وہ جانب مبتدا میں جائز نہیں ہے پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جانب خبر میں بھی جائز نہ ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے اسی وجہ سے مصنف نے تعدد خبر کی مثال لا کر جواز پر تنبیہ کی ہے۔

وأيضا المتعدد بالعطف ليس بخبر بل هو من توابعه ولهذا أورد في المثال الخبر المتعدد بغير عاطف ولو جعل التعدد أعم فالاختصار عليه لذلك۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متعدد

بالعاطف حقیقت میں خبر نہیں بلکہ وہ خبر کے تابع میں سے ایک تابع ہے اسی وجہ سے مصنف نے خبر متعدد کی مثال بغیر عاطف کے ذکر کی ہے اور اگر تعدد عام ٹھہرایا جائے خواہ باعاطف ہو خواہ بغیر عطف کے تو اس صورت میں خبر متعدد کی مثال میں ترک عطف پر اختصار کرنا اسی عدم خفا کی وجہ سے ہوگا کیونکہ خبر متعدد بالعطف میں خفا نہیں اس لئے اس کی مثال لانے کی بھی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط وهو سببية الأول للثاني۔

اس میں شارح نے شرط کے معنی بتائے ہیں کہ شرط کے معنی سببیت اول ثانی کے لئے ہیں یعنی شرط جزا کے لئے سبب ہوتا ہے۔

أو للحكم به فلا يرد عليه نحو: ﴿ما بكم من نعمة فمن الله﴾ فيشبه المبتدأ الشرط في السببية للخبر كسببية الشرط للجزاء۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شرط سبب اور جزا مسبب ہوتا ہے حالانکہ نعمت کا الصاق من اللہ ہونا سبب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ شرط کا سبب ہونا عام ہے خواہ الصاق کا سبب ہو خواہ من اللہ ہونے کے حکم کے لئے سبب ہو، یہاں یہ ثانی معنی مقصود ہیں جس کی تقدیر پر آیت شریفہ کے معنی یہ ہونگے کہ جو کچھ نعمتیں تم کو ملتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہیں یعنی جب مبتدا میں شرط کے معنی پائے جائیں تو اس صورت میں مبتدا اپنے خبر کے لئے سببیت میں شرط کے مشابہ ہوگا یعنی جس طرح شرط جزا کے لئے سبب ہوتا ہے اسی طرح مبتدا اپنے خبر کے لئے سبب ہوگا۔

فيصح دخول الفاء في الخبر ويصح عدم دخوله فيه نظراً إلى مجرد تضمن المبتدأ معنى الشرط وأما إذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب دخول الفاء فيه وأما إذا لم تقصد فلم يجب دخوله فيه بل يجب عدمه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شرط کے معنی پر دلالت کرنا متکلم کا مقصود ہے یا نہیں بنابر اول خبر میں فاء کا لانا واجب اور ضروری ہے بنابر ثانی ممنوع ہے پس یصح دخول الفاء في الخبر کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خبر میں فاء کا لانا بہ نظر مجرد تضمن مبتدا کے معنی شرط کے ہے قطع نظر از دلالت و

عدم دلالت بہر حال اگر متکلم کا مقصود معنی شرط پر لفظ میں دلالت کرنا ہے تو اس وقت خبر میں فاء کا لانا ضروری ہے اور اگر دلالت مقصود نہیں تو اس صورت میں خبر میں فاء کا لانا واجب نہیں بلکہ اس کا عدم واجب ہے۔

وذلك المبتدأ المتضمن معنى الشرط **إما الاسم الموصول بفعلٍ أو ظرفٍ** أي الذي جعلت صلته جملة فعلية أو ظرفية مؤولة بجملة فعلية ههنا بالاتفاق وإنما اشترط أن تكون صلته فعلا أو ظرفا مؤولا بالفعل ليتأكد مشابهة الشرط لأن الشرط لا يكون إلا فعلاً۔

یعنی وہ مبتدا جو متضمن معنی شرط کے ہو وہ یا تو وہ اسم موصول ہے جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو یا وہ ظرف ہے جو مؤول بجملہ فعلیہ ہو اور یہاں ظرف کا مؤول بجملہ فعلیہ ہونا بالاتفاق ہے اور صلہ کا جملہ فعلیہ ہونا یا ظرف کا مؤول بجملہ فعلیہ ہونا اس لئے شرط کر دیا ہے کہ شرط کی مشابہت کی تاکید ثابت ہو جائے کیونکہ شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہی ہوتا ہے۔

وفي حكم الاسم الموصول المذكور الاسم الموصوف به۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا ﴿إن الموت الذي تفرون منه فإنه ملاقيكم﴾ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں الموت کا لفظ ترکیب میں مبتدا متضمن معنی شرط کے ہے اور باوجود اسکے یہ نہ موصول بفعل ہے اور نہ موصول بظرف ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ کی عبارت میں معطوف مقدر ہے جس کی تقدیر وذلك الاسم الموصول بفعل أو ظرف أو الاسم الموصوف بالموصول المذكور ہے یعنی اس اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اسم موصول مذکور سے موصوف ہو لہذا اب نقض مذکورہ آیت کا دفع ہوا کیونکہ اس میں موت اسم موصول سے موصوف ہے۔

أو النكرة الموصوفة بهما أي بأحدهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أو النكرة الموصوفة به کہنا مناسب ہے کیونکہ یہ عائد معطوف اور معطوف علیہ کی طرف راجع ہے اور اس میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر عطف بکلمہ او ہو تو اس صورت میں معطوف اور معطوف علیہ دونوں مفرد کے حکم میں ہوتے ہیں۔ دیکھئے زید أو عمر قائم بولتے ہیں قائمان نہیں بولتے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں مضاف یعنی أحدهما مقدر ہے۔

وفي حكمها الاسم المضاف إليها۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ کل غلام رجل يأتيني أو في الدار فله درهم کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں غلام کا لفظ مبتدا متضمن معنی شرط کے ہے اور باوجود اس کے یہ موصول بفعل یا موصول بظرف نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں یہاں بھی معطوف مقدر ہے جس کی تقدیر أو النكرة الموصوفة بهما أو الاسم المضاف إليها ہے یعنی اس نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو نکرہ کی طرف مضاف ہو لہذا نقض مذکور مندفع ہوا۔

مثل: الذي يأتيني هذا مثال للاسم الموصول بفعل۔

یعنی یہ اسم موصول کی مثال ہے جس کا صلہ جملہ فعلیہ واقع ہوا ہو۔

أو الذي **في الدار** هذا مثال للاسم الموصول بظرف۔

یعنی یہ اس موصول کی مثال ہے جس کا صلہ ظرف مؤول بجمله فعلیہ واقع ہوا ہو۔

فله درهم وأما مثال الاسم الموصوف بالاسم الموصول المذكور فقوله تعالى: ﴿قل إن الموت الذي تفرون منه فإنه ملاقيكم﴾۔

اور اس اسم کی مثال جو اسم موصول سے موصوف ہو اللہ تعالی کا قول ﴿قل إن الموت الذي إلخ﴾ ہے۔

ومثل **كل رجل يأتيني** هذا مثال للاسم الموصوف بفعل۔

یہ اس اسم کی مثال ہے جس کی صفت جملہ فعلیہ واقع ہوا ہو۔

أو كل رجل **في الدار** هذا مثال للاسم الموصوف بظرف۔

یہ اس اسم کی مثال ہے جس کی صفت ظرف مؤول بجمله فعلیہ ہو۔

فله درهم وأما مثال الاسم المضاف إلى النكرة الموصوفة بأحدهما فقولك: كل غلام رجل يأتيني أو في الدار فله درهم۔

اور اس اسم کی مثال جو نکرہ موصوفہ بأحدهما کی طرف مضاف ہو كل غلام رجل يأتيني أو في الدار

ہے مثالوں کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص میرے پاس آئے گا یا جو شخص گھر میں ہوگا اس کو ایک درہم ملے گا۔

اب یہاں قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا پر ایک نقض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ لیت اور لعل کے مبتدا سے منقوض ہے کیونکہ یہ مبتدا متضمن معنی شرط کے ہے اور باوجود اس کے اس کی خبر میں فاء کا لانا درست نہیں ہے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

وليت ولعل من الحروف المشبهة بالفعل إذا دخلا على المبتدأ الذى يصح دخول الفاء على خبره **مانعان** عن دخوله عليه لأن صحة دخوله عليه إنما كانت لمشابهة المبتدأ والخبر للشرط والجزاء، وليت ولعل تزيلان تلك المشابهة لأنهما تخرجان الكلام من الخبرية إلى الإنشائية والشرط والجزاء من قبيل الأخبار وذلك المنع إنما هو **بالاتفاق** من النحاة فلا يقال ليت أو لعل الذى يأتينى أو فى الدار فله درهم۔

اس میں اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لیت اور لعل جو حروف مشبہ بالفعل میں سے ہیں جب اس مبتدا پر داخل ہوں جس کی خبر میں فاء کا لانا درست اور صحیح ہو تو یہ حروف خبر پر فاء کے داخل ہونے کو منع کرتے ہیں کیونکہ خبر پر فاء کا داخل ہونا اس لئے ضروری تھا کہ مبتدا شرط کے مشابہ ہو اور خبر جزا کے مشابہ اور یہ لیت ولعل اس مشابہت کو زائل کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حروف کلام کو خبریت سے خارج کر کے انشاء بنا دیتے ہیں اور شرط و جزا اخبار کے قبیل سے ہوتے ہیں اور یہ منع دخول فاء یہاں باتفاق نحاۃ ہے پس ليت أو لعل الذى يأتينى أو فى الدار فله درهم خبر پر فاء داخل کر کے نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

فإن قيل: باب كان وباب علمت أيضاً مانعان بالاتفاق فما وجه تخصيص ليت ولعل؟

یہ اوپر والے قاعدہ مذکورہ پر ایک سوال ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ کان اور علمت بھی خبر پر فاء کے داخل ہونے کو بالاتفاق منع کرتے ہیں پس لیت ولعل کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

قيل: تخصيصهما ببيان الاتفاق إنما هو من بين الحروف المشبهة لا مطلقاً ووجه ذلك التخصيص الاهتمام ببيان الاختلاف الواقع فيها۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ لیت اور لعل کی تخصیص اتفاق کے بیان میں صرف بہ نسبت حروف مشبہ بالفعل کے ہے مطلقاً نہیں اور اس تخصیص کی وجہ سے اختلاف کے بیان

کا اہتمام ہے جو حروف مشبہ بالفعل میں واقع ہے۔

وألحق بعضهم قيل: هو سيبويه۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ یہاں بعض سے مراد سیبویہ ہیں۔

إنّ المكسورة بهما أي بليت ولعل في المنع عن دخول الفاء على الخبر والأصح أنها لا تمنع عنه لأنها لا تخرج الكلام عن الخبرية إلى الإنشائية يؤيده قوله تعالى: ﴿إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل توبتهم﴾

یعنی سیبویہ نے إن مکسورہ کو بھی لیت ولعل سے ملحق کر کے خبر پر دخول فاء سے مانع قرار دیا ہے لیکن اصح یہی ہے کہ إن مکسورہ دخول فاء کا مانع نہیں کیونکہ یہ إن مکسورہ کلام کو خبریت سے خارج کر کے انشاء نہیں بناتا اور اس کی تائید اللہ تعالی کا قول ﴿إن الذين كفروا الخ﴾ کرتا ہے کہ اس میں إن مکسورہ کی خبر پر فاء کا کلمہ داخل ہوا ہے اگر منع ہوتا تو کلام خدا میں مستعمل نہ ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ منع نہیں ہے آیت شریفہ کے معنی یہ ہیں کہ ''بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور حالت کفر پر مر گئے ہیں ان کی توبہ خدا کے یہاں مقبول نہیں ہے''۔

فإن قيل: قد ألحق بعضهم أن المفتوحة ولكن بليت ولعل فما وجه تخصيص إن المكسورة بالإلحاق؟

یہ ایک سوال ہے جو اوپر وألحق بعضهم ان الخ کے قول پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ بعض نحاۃ نے أنّ مفتوحہ اور لکن کو بھی لیت ولعل سے ملحق کر کے دخول فاء کے مانع قرار دیا ہے پس الحاق مذکور میں إن مکسورہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

قيل: بعضهم الذي ألحق إن بهما هو سيبويه فاعتد بقوله وذكر ولم يعتد بقول من سواه فلم يذكره مع أن كلا القولين لا يساعدهما القرآن وكلام الفصحاء فما يدل على عدم منع إن المكسورة عن دخول الفاء على الخبر ما سبق، وما يدل على عدم منع أن المفتوحة ولكن عن دخول الفاء قوله تعالى: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن الله خمسه﴾ وقول الشاعر:

فوالله ما فارقتكم قاليا لكم ولكن ما يقضى فسوف يكون

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ بعض سے مراد

سیبویہ ہیں جنہوں نے إن مکسورہ کولیت ولعل سے ملحق کر کے مانع دخول فاء قرار دیا ہے چونکہ مصنف کے نزدیک ان کا قول معتبر تھا اس لئے اس کو ذکر کیا اور ان کے غیر کے قول کا اعتبار نہیں کیا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا باوجود اس کے کہ یہ دونوں قول قرآن شریف اور کلام فصحاء کے موافق نہیں پس وہ جو إن مکسورہ کے دخول فاء کی عدم ممانعت پر دلالت کرتا ہے وہ ما سبق میں بیان ہو چکا اور وہ جو لکن کے دخول فاء کی عدم ممانعت پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿واعلموا أنما غنمتم إلخ﴾ اور شاعر کا قول مذکور فی الشرح ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ ''بخدا! تم سے دشمنی کر کے میں جدا نہیں ہوا ہوں، لیکن جو حکم خدا میں منظور ہوتا ہے وہی سامنے آجاتا ہے یعنی یہ فرقت خدا کو منظور تھی۔''

وقد يحذف المبتدأ لقيام قرينة لفظية أو عقلية۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ عقلی۔

جوازاً أي حذفاً جائزاً لا واجباً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ جوازاً کا لفظ منصوب بنابر مفعول مطلق ہونے کے ہے لیکن اس کی مصدریت باعتبار موصوف ہے اور اس میں جو سوال و جواب کی صورت ہے اس کی تشریح بار بار بیان ہو چکی ہے اس لئے یہاں اس سلسلہ کو بغرض اختصار چھوڑ دیا گیا ہے۔

وقد يجب حذفه إذا قطع النعت بالرفع نحو: الحمد لله أهل الحمد أي هو أهل الحمد۔

اس میں شارح نے قد کے کلمہ سے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کے حذف کی دو قسمیں ہیں جائز، واجب جیسے الحمد لله أهل الحمد میں مبتدا کا حذف واجب ہے پس مصنف کافیہ نے اول کو ذکر کیا اور ثانی کو چھوڑ دیا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ثانی چونکہ قلیل ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا بخلاف اول کے کہ وہ کثیر ہے اس لئے اس کو ذکر کر دیا یعنی قرینہ لفظیہ یا عقلیہ کی موجودگی میں مبتدا کا حذف کرنا جائز ہے اور کبھی قلت کے ساتھ یہ حذف واجب ہوتا ہے جیسے الحمد لله أهل الحمد میں ہے جس کی تقدیر هو أهل الحمد ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب نعت کو منعوت سے منقطع کرتے ہیں تو اس صورت میں اس کو مرفوع پڑھتے ہیں جیسے أهل الحمد کو اللہ کے کلمہ سے منقطع کر کے بنا بر خبریت مبتدا محذوف ہونے کے مرفوع پڑھا ہے۔

وإنما وجب حذفه ليعلم أنه كان في الأصل صفة فقطع لقصد المدح أو الذم أو غير ذلك فلو ظهر المبتدأ لم يتبين ذلك۔

اس میں مبتدا کے حذف کے وجوب کی دلیل ہے یعنی الحمد لله أهل الحمد میں هو کا حذف اس لئے واجب اور ضروری ہے کہ اس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ اصل میں اللہ کا وصف تھا پس بغرض قصد مدح کے وصفیت سے قطع ہو کر مبتدا محذوف کی خبر ٹھہری ہے اور اس طرح بغرض ذم کے بھی خبر مبتدا محذوف کی ٹھہرتی ہے جیسے أعوذ بالله من الشيطان الرجيم میں رجیم کے لفظ کو بنا بر خبریت مبتدا محذوف کے مرفوع بھی پڑھتے ہیں اور اسی طرح مقام ترحم میں بھی پڑھتے ہیں جیسے بزيد المسكين میں مسکین کے لفظ کو بنا بر خبریت مبتدا محذوف کے مرفوع پڑھتے ہیں پس اگر مبتدا کو ظاہر کیا جائے تو اس صورت میں مقصود مدح یا ذم یا ترحم معلوم نہیں ہوگا لہذا مبتدا کا حذف واجب اور ضروری ثابت ہوا۔

ويجب حذفه أيضا عند من قال في نعم الرجل زيد ان تقديره هو زيد۔

اور اس طرح نعم الرجل زيد میں بھی مبتدا کا حذف اس شخص کے نزدیک واجب ہے جو مخصوص بالمدح کو خبر مبتدا محذوف کے مانتا ہے جس کی تقدیر هو زيد ہوگی اور جس شخص کے نزدیک مخصوص بالمدح مبتدا مؤخر اور نعم الرجل کا جملہ اس کی خبر مقدم ہے اس کے نزدیک یہ ترکیب مما نحن فيه کے باب سے نہیں ہے خوب سمجھو۔

كقول المستهل أي المبتدأ المحذوف جوازاً مثل مبتدأ المحذوف في مقول المستهل المبصر للهلال الرافع صوته عند إبصاره: "الهلال والله" أي هذا الهلال والله بالقرينة الحالية۔

یعنی اس مبتدا محذوف کی مثال اس مستهل کے مقولہ میں ہے جو ہلال کے دیکھنے کے وقت بلند آواز سے الهلال والله کہے جس کی تقدیر هذا الهلال والله ہے اور اس کے حذف کا قرینہ حال مستهل ہے کیونکہ اشارہ سے مقصود تعیین شے ہوتا اور اس شے معین پر حکم لگانا مدنظر ہوتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اول ہلال کو اشارہ سے معلوم کر کے بعدہ اس پر ہلالیت کا حکم لگایا ہے۔

وليس من باب حذف الخبر بتقدير الهلال هذا لأن مقصود المستهل تعيين شيء بالإشارة والحكم عليه بالهلالية ليتوجه إليه الناظرون و يروه كما يراه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال مذکور میں جائز ہے کہ ہلال کا لفظ مبتدا خبر محذوف کے ہو جس کی تقدیر الهلال هذا ہوگی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ خبر کے حذف کے باب سے نہیں ہے کیونکہ مستھل کا مقصود اشارہ سے تعیین شے اور اس پر ہلالیت سے حکم لگانا ہے تا کہ اس کی طرف ناظرین متوجہ ہو کر جس طرح وہ خود ہلال کو دیکھ رہا ہے اسی طرح وہ بھی دیکھیں لہذا اس صورت میں مبتدا کا محذوف ہونا زیادہ موزوں ہے۔

وإنما أتى بالقسم جريا على عادة المستهلين غالباً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب قسم مثال سے زائد ہے پس اس کو بلاضرورت کیونکر ذکر کیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قسم کا ذکر کرنا بنابر اس ضرورت کے ہے کہ چاند دیکھنے والوں کا قاعدہ ہے کہ وہ جب چاند کو دیکھتے ہیں تو اکثر اور اغلب یقین دلانے کے لئے قسمیں کھایا کرتے ہیں۔ مصنف کافیہ نے اس قاعدہ کا لحاظ کر کے قسم کو ذکر کیا ہے بلاضرورت نہیں ہے۔

ولئلا يتوهم نصب الهلال عندالوقف۔

یہ اوپر والے سوال کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قسم کا لانا ضروری ہے کیونکہ اگر قسم مذکور نہ ہوتو اس صورت میں یہ وہم پیدا ہوگا کہ یہ لفظ الهلال بنابر وقف منصوب ہے کیونکہ کلمہ واحدہ میں اصل وقف ہے اور جب اس میں وقف کا ارادہ مدنظر رکھیں تو اس میں یہ وہم ضرور پیدا ہوگا کہ یہ اصل میں رأيت الهلال تھا بوجہ کمی وقت فعل کو محذوف کر کے منصوب پڑھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔

وقد يحذف الخبر جوازا أي حذفاً جائزاً لقيام قرينة من غير إقامة شيء مقامه۔

یعنی کبھی خبر قرینہ کی موجودگی میں بغیر اقامت کسی شے اس کے مقام جوازاً محذوف ہوتی ہے اور حذفاً جائزاً کے منصوب ہونے کے متعلق اوپر تشریح ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔

مثل الخبر المحذوف جوازاً فی قولك خرجت فإذا السبع فان تقديره على المذهب الصحيح كما نص عليه صاحب اللباب **خرجت فإذا السباع** واقف على أن يكون إذا ظرف زمان للخبر المحذوف من غير سادٍ مسده أى ففى وقت خروجى السبع واقف۔

یعنی اس خبر کی مثال جو جوازاً محذوف کی گئی ہے خرجت فإذا السبع واقف ہے یہ بنا بریں کہ إذا خبر محذوف کا ظرف زمان ہو بغیر سد مسد کے جس کی تقدیر ففی وقت خروجی السبع واقف ہے یہاں واقف خبر محذوف ہے۔

وقد يحذف الخبر لقيام قرينة **وجوباً** أى حذفاً واجباً۔

اس کے بڑھانے کی وجہ اور دلیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

فيما التزم أى فى تركيب التزم۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے فیما میں کلمہ معبارت ترکیب سے ہے۔

فى موضعه أى موضع الخبر **غيره** أى غير الخبر وذلك فى أربعة أبواب على ما ذكره المصنف أولها المبتدأ الذى بعد لولا **مثل لولا زيد لكان كذا** أى لولا زيد موجود لأن لولا لامتناع الشىء لوجود غيره فيدل على الوجود وقد التزم فى موضع الخبر جواب لولا فيجب حذفه لقيام قرينة والتزام قائم مقامه۔

یعنی کبھی قرینہ کے موجودگی میں خبر کا حذف کرنا اس مقام میں واجب ہوتا ہے جہاں خبر کی جگہ خبر کے غیر کو قائم مقام کیا ہو اور یہ مصنف کے ذکر کے مطابق چار مقامات میں ہوگا اول مقام وہ مبتدا ہے جو لولا کے بعد واقع ہو جیسے لولا زید لكان كذا میں ہے جس کی تقدیر لولا زيد موجود ہے یہاں خبر محذوف موجود ہے کیونکہ کلمہ لولا امتناع شے کے لئے مستعمل ہوتا ہے بوجہ وجود غیر کے پس یہ کلمہ وجود پر دلالت کرتا ہے اور حالانکہ خبر کے موضع میں لولا کا جواب یعنی لکان کذا رکھا گیا ہے پس یہاں بوجہ پائے جانے قرینہ اور سد مسد کے حذف واجب ہے قرینہ دخول لولا ہے اور سد مسد اقامت جواب لولا ہے مقام خبر میں۔

هذا إذا كان الخبر عاماً وأما إذا كان خاصا فلا يجب حذفه كما فى قوله: شعر ۔

ولولا الشعر بالعلماء يزرى لكنت اليوم أشعر من لبيد ؎

هذا على مذهب البصريين، وقال الكسائى: "الاسم الواقع بعدها فاعل لفعلٍ مقدر أى لولا وجد زيد" وقال الفراء: "لو لا هى الرافعة للاسم الذى بعدها"۔

اوپر والے قاعدہ کلیہ پر ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ شاعر کے شعر مذکور فی

الشرح سے منقوض ہے کیونکہ اس میں مبتدا بعد لولا کے واقع ہے اور باوجود اس کے اس کی خبر محذوف نہیں ہے۔

شارح نے یہاں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ وجوب حذف تب ہے جب خبر افعال عامہ میں سے ہو اور اگر افعال خاصہ میں سے ہو تو وہاں خبر کا حذف واجب نہیں ہے جیسے شعر مذکور میں یزری کا فعل خاصہ ہے اور یہ وجوب حذف خبر کے افعال عامہ ہونے کی صورت میں بصریین کا مذہب ہے اور کسائی نے کہا ہے کہ لولا کے بعد جو اسم واقع ہوگا وہ فعل مقدر کا فاعل ہوگا جس کی تقدیر لو لا وجد زید ہے اور فراء نے کہا ہے کہ یہی کلمہ لولا اسم کا رافع ہے جو اس کے بعد واقع ہوتا ہے۔

فائدہ: افعال عامہ چار ہیں: کون۔ حصول۔ ثبوت۔ وجود۔ جیسا کہ کسی شاعر نے نظم کیا ہے

افعال عموم نزد ارباب عقول کون است ثبوت است وجود است وحصول

وثانيها كل مبتدأ كان مصدرا صورةً أو بتاويله منسوباً إلى الفاعل أو المفعول أو كليهما وبعده حال أو كان اسم تفضيل مضافا إلى ذلك المصدر وذلك مثل: ذهابي راجلا وضرب زيد قائماً إذا كان زيدٌ مفعولاً به ومثل: **ضربي زيداً قائماً** أو قائمين وان ضربت زيدا قائماً وأكثر شربي السويق ملتوتا وأخطب ما يكون الأمير قائماً، فذهب البصريون إلى أن تقديره ضربي زيداً حاصلٌ إذا كان قائماً فحذف حاصل كما تحذف متعلقات الظروف نحو زيد عندك فبقي إذا كان قائماً ثم حذف إذا مع شرطه العامل في الحال وأقيم الحال مقام الظرف لأن في الحال معنى الظرفية فالحال قائم مقام الظرف القائم مقام الخبر فيكون الحال قائماً مقام الخبر قال الرضي: هذا ما قيل فيه وفيه تكلفات كثيرة والذي يظهر لي أن تقديره بنحو: ضربي زيداً يلابسه قائماً إذا أردت الحال عن المفعول وضربي زيداً يلابسني قائماً إذا كانت عن الفاعل أولى ثم نقول حذف المفعول الذي هو ذو الحال فبقي ضربي زيدا يلابس قائماً ويجوز حذف ذي الحال مع قيام القرينة كما تقول الذي ضربت قائماً زيد أي ضربته ثم حذف يلابس الذي هو خبر المبتدأ والعامل في الحال وقام الحال مقامه كما تقول راشدياً مهدياً أي سر راشداً مهديا فعلى هذا يكونون مستر حين من تلك التكلفات البعيدة۔

یعنی مقام ثانی جہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے وہ مبتدا ہے جو حقیقۃً مصدر ہو یا تاویلی مصدر ہو اور فاعل

یامفعول یادونوں کی طرف منسوب ہواوراس کے بعد حال واقع ہو یاوہ مبتدااسم تفضیل ہو جواسی مصدر کی طرف مضاف ہواس کی مثال ذھابی راجلاً وضرب زید قائماً ہے یہ جب کہ زید مفعول بہ ہواول مثال اس مصدر کی ہے جو فاعل کی ضمیر کی طرف مضاف ہواور ثانی مثال اس مصدر کی ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہو یا مفعول کی طرف اور ضربی زیداً قائماً اور قائمین اس مصدر کی مثال ہے جو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہواور أن ضربت زیداً قائماً اس مصدر تاویلی کی مثال ہے اور أکثر شربی السویق اس مبتدا کی مثال ہے جو اسم تفضیل ہواور اسی مصدر کی طرف مضاف ہو کیونکہ اس میں ما مصدر یہ ہے پس اس میں بصریین کا مذہب یہ ہے کہ امثال مذکورہ کی تقدیر ضربی زیداً حاصل إذا کان قائماً ہے پس حاصل کا لفظ حذف کر دیا گیا جیسے زید عندك میں ظرف کے متعلق کو حذف کرتے ہیں پس إذا کان قائما کا جملہ باقی رہا۔ پھر إذا کو مع اپنے شرط کے حذف کیا جو کہ کان ہے اور یہی کان حال کا عامل ہے اور حال یعنی قائما کو ظرف کے مقام یعنی إذا کے قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ حال میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں پس حال قائم مقام ظرف کے ہوا اور ظرف قائم مقام خبر کے ٹھہرا۔ پس حال قائم مقام خبر ہوا۔

شارح رضی نے کہا ہے کہ یہ توجیہ بصریین کے مذہب کی بنا پر ہے لیکن اس میں بہت سے تکلفات بعیدہ ہیں اور وہ تقریر جو مجھے ظاہر ہوئی ہے وہ ضربی زیداً یلابسه قائماً ہے جب کہ مفعول سے حال ٹھہرانا منظور ہواور ضربی زیداً یلابسنی قائماً ہے جب کہ فاعل سے حال لانا منظور ہواور یہ تقدیر بہ نسبت اول تقدیر کے اولی ہے بنابریں تقدیر وہ مفعول محذوف ہوا جو ذوالحال تھا پس ضربی زیداً یلابس قائماً باقی رہا ذوالحال کا حذف کرنا قرینہ کے قیام کے وقت جائز ہے جیسے الذی ضربت قائماً میں ذوالحال کو محذوف کر کے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ اصل میں ضربته تھا پھر یلابس کو محذوف کر دیا جو مبتدا کی خبر محذوف ہے اور یہی یلابس حال میں عامل ہے اور اسی کے مقام حال کو قائم مقام کر دیا گیا ہے جیسے راشدیاً مهدیاً میں سر عامل ہے جو محذوف کیا گیا ہے پس بنابریں تقدیر مذکوران تکلفات بعیدہ سے آپ راحت پائیں گے کیونکہ بنابریں تقدیر کلام میں حذف کثیر سے امن ممکن ہے بخلاف تقدیر اول کے کہ اس میں حذف کثیر ماننا پڑتا ہے۔

وقال الکوفیون: تقدیره ضربی زیدا قائماً حاصل بجعل قائما من متعلقات المبتدأ ویلزمهم حذف الخبر من غیر سد شيء مسده، وتقیید المبتدأ المقصود عمومه بدلیل الاستعمال۔

اس میں شارح حکم مذکور میں کوفیین کا مذہب بتاتے ہیں کہ کوفیین کہتے ہیں کہ مثال مذکور کی تقدیر ضربی زیداً

قائماً حاصل ہے یہ لوگ قائماً کومبتدا کے متعلقات میں سے ٹھہراتے ہیں پس حاصل کو حذف کر کے ضربی زیداً قائماً پڑھتے ہیں لیکن کوفیین کا مذہب دووجھوں سے ضعیف ہے ایک یہ کہ اس سے خبر کا حذف کرنا بغیر سدمسد کے لازم آتا ہے ثانی یہ کہ اس سے مبتدا کی تقدیر جس کا عموم مقصود ہے لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے لہذا کوفیین کا مذہب ضعیف ثابت ہوا۔

وذهب الأخفش إلى أن الخبر الذى سدت الحال محله مصدر مضاف إلى صاحب الحال أى ضربى زيداً ضربه قائماً۔

اس میں شارح مسئلہ مذکور میں اخفش کا مذہب بتاتے ہیں کہ اخفش کہتے ہیں وہ خبر جس کے مقام حال قائم ہوا اور وہ وہی مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے جس کی تقدیر ضربی زیداً ضربه قائماً ہے۔

وذهب بعضهم إلى أن هذا المبتدأ لا خبر له لكونه بمعنى الفعل إذ المعنى ما أضرب زيداً إلا قائماً۔

اور بعضے نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ اس مبتدا کی کوئی خبر نہیں ہے کیونکہ یہ مؤول اور بمعنی فعل کے ہے کیونکہ اس کے معنی ما أضرب زيداً الا قائماً کے ہیں لیکن یہ مذہب بھی ضعیف ہے کیونکہ درمیان کلام مختصر اور مطول کے مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ یہاں کلام مطول ادات حصر پر مشتمل ہے اور کلام مختصر ادات حصر پر مشتمل نہیں ہے۔

وثالثها كل مبتدأ اشتمل خبره على معنى المقارنة وعطف عليه شيء بالواو التى بمعنى مع وذلك مثل: **كل رجل وضيعته** أى كل رجل مقرون مع ضيعته فهذا الخبر واجب حذفه لأن الواو يدل على الخبر الذى هو مقرون وأقيم المعطوف فى موضعه۔

اور ثالث مقام جہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے ہر وہ مبتدا ہے جس کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو اور اس پر کسی شے کا عطف اس واو سے کیا گیا ہو جس کے معنی مع کے ہوتے ہیں اور اس کی مثال كل رجل وضيعته ہے جس کی تقدیر كل رجل مقرون مع ضيعته ہے پس یہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ وضيعته کے کلمہ کا واو خبر محذوف پر دلالت کرتا ہے اور وہ خبر محذوف مقرون کا لفظ ہے اس کو حذف کر کے اس کی جگہ معطوف کو قائم کیا گیا ہے یہ اس کے حذف کے وجوب کا قرینہ ہے۔

ورابعها كل مبتدأ يكون مقسما به وخبره القسم وذلك مثل: **لعمرك لأفعلن كذا**

أی لعمرك وبقاء ك قسمي أی ما أقسم به فلا شك أن لعمرك يدل على القسم المحذوف وجواب القسم قائم مقامه فيجب حذفه والعمر والعمر بمعنى واحد ولا يستعمل مع اللام إلا المفتوح لأن القسم موضع التخفيف لكثرة استعماله۔

اور مقام رابع جہاں خبر کا محذوف کرنا واجب ہے ہر وہ مبتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور خبر اس کی قسم ہو اور اس کی مثال لعمرك لأفعلن كذا میں ہے جس کی تقدیر لعمرك وبقاء ك قسمي ہے یعنی عمر اور بقاء مقسم بہ مبتدا ہے اور قسمي اس کی خبر قسم ہے پس اس میں شک نہیں کہ لعمرك کا کلمہ قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور قسم کا جواب اس کے مقام قائم کیا گیا ہے پس یہاں خبر یعنی قسمي کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ یہاں قرینہ اور سد مسد دونوں موجود ہیں قرینہ مقسم بہ کا ذکر کرنا اور سد مسد اقامت جواب قسم ہے خبر کے مقام پر اور العمر کا لفظ مفتوح اور مضموم دونوں معنی واحد میں مستعمل ہوتا ہے لیکن لام کے ساتھ صرف مفتوح ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ قسم تخفیف کا مقام ہے بوجہ کثرت استعمال کے اس لئے اس میں فتحہ زیادہ مناسب ہوگا۔

خبر إنّ وأخواتها أی من المرفوعات خبر إنّ وأخواتها۔

یعنی مرفوعات میں سے ہے خبر إنّ اور اس کے اخوات۔

أی أشباهها من الحروف الخمس وهي الباقية: أنّ وكأنّ ولكنّ وليت ولعلّ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أن وكأن ولكن و ليت ولعل پر اخوات کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اخت وہ ہے جو تولدی مناسبت میں شریک ہو اور ان الفاظ میں یہ تولدی صورت جاری نہیں ہوسکتی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اخوات کے یہاں حقیقی معنی مقصود نہیں بلکہ مجازی معنی مشابہت کے مراد ہیں یعنی وہ حروف خمسہ باقیہ أن وكان ولكن وليت ولعل جو إنّ کے ساتھ عمل میں مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ سب حروف مشبہ بفعل اسم منصوب خبر مرفوع چاہتے ہیں۔

وهو مرفوع بهذه الحروف لا بالابتداء على المذهب الأصح لأنها لما شابهت الفعل المتعدي كما يجيء عملت رفعاً ونصباً مثله۔

اور یہ خبر إن حروف مشبہ بالفعل کے داخل ہونے سے بنا بر مذہب اصح مرفوع ہوتی ہے بنا بر ابتدا مرفوع نہیں

ہے کیونکہ جب یہ حروف فعل متعدی کے مشابہ ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق آوے گی پس یہ مثل فعل متعدی کے عمل کریں گے۔

هو أي خبر إنّ وأخواتها **المسند** إلى شيء اخر **بعد دخول** أحد۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا منظور ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل سب ایک دم اسم اور خبر پر داخل ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان حروف میں سے صرف ایک حرف داخل ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عبارت کافیہ میں مضاف محذوف ہے۔

هذه الحروف عليهما فقوله: المسند شامل لخبر كان وخبر المبتدأ وخبر لا التي لنفي الجنس وغيرها وبقوله: بعد دخول هذه الحروف خرج جميعها عنه۔

یعنی المسند کا لفظ جنس ہے کان کی خبر اور مبتدا کی اور لائے نفی جنس کی خبر وغیرہ یا تمام اخبار کو شامل ہے اور بعد دخول هذه الحروف کا لفظ قید احترازی ہے اس سے جمیع اخبار تعریف سے خارج ہوگئے۔

والمراد بدخول هذه الحروف عليهما ورودها عليهما لإيراث اثرٍ فيهما لفظاً أو معنى فلا ينتقض التعريف بمثل يقوم في قولنا: إن زيداً يقوم أبوه فإن يقوم ههنا من حيث إسناده إلى أبوه ليس مما يدخل عليه إن بهذا المعنى بل إنما دخل على جملة يقوم أبوه فلا يحتاج إلى أن يجاب عنه بأن المراد بالمسند المسند إلى أسماء هذه الحروف ويلزم منه استدراك قوله بعد دخول هذه الحروف ولا إلى أن يجاب بأن المراد بالمسند الاسم المسند فيحتاج إلى تاويل الجملة بالاسم حيث يكون خبرها جملة مثل: إن زيداً يقوم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کے تین جواب دیئے ہیں۔ دو جوابوں کے ضعف کی طرف اشارہ کرکے بلاتشریح چھوڑ دیئے ہیں اور تیسرے جواب قوی کی خوب تشریح بیان کی ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف إن زيداً يقوم أبوه کی ترکیب کے یقوم کے جملہ پر صادق آتی ہے اور باوجود اس کے وہ خبر نہیں بلکہ جملہ ہے۔

اس کے جواب میں لکھا ہے کہ مسند سے مراد وہ مسند ہے جو ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہو لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ اس سے بعد دخول هذه الحروف کے قول کا استدراک لازم آتا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا کہ مراد مسند سے اسم مسند ہے اور یقوم فعل مسند ہے لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ جہاں خبر جملہ فعلیہ واقع ہو تو اس کو وہاں اسم سے مؤول کرنا پڑے گا۔

لہٰذا اولی اور قوی جواب یہی ہے کہ ان حروف کے داخل ہونے سے مراد اسم وخبر پر وارد ہونا ہے جس سے اسم وخبر میں عمل کا اثر پیدا ہو اور وہ اثر عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی پس اعتراض مذکور دفع ہوا کیونکہ إن زیداً یقوم أبوه کے قول میں یقوم کا جملہ اگر چہ اس حیثیت سے کہ أبوه کی طرف مسند ہے اسی معنی کا لحاظ کر کے مما یدل علیه ان میں سے نہیں بلکہ أن یقوم أبوه کے جملہ پر داخل ہے لیکن معنی میں یہ جملہ مذکورہ بتاویل مفرد ہو کر ان کا مدخول ہے۔ جس میں کلمہ إنّ نے عمل معنوی کیا ہے لہٰذا جواب اول ودوم کی حاجت نہیں ہے کیونکہ ایک کی بنا پر بعد دخول هذه الحروف کے قول کا استدراک لازم آتا ہے اور دوسرے کی بنا پر جملہ میں تاویل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو لا حاصل ہے۔

مثل: قائم فی إن زیداً قائم فإنه المسند بعد دخول هذه الحروف۔

یعنی اس خبر کی مثال جو حروف مذکورہ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو إن زیداً قائم کی ترکیب کا قائم کا لفظ ہے کہ یہ إن کے داخل ہونے کے بعد زید کی طرف مسند واقع ہوا ہے۔

وأمره كأمر خبر المبتدأ أی حكمه كحكم خبر المبتدأ فی أقسامه من كونه مفرداً وجملة ونكرة ومعرفة، وفی أحكامه من كونه واحداً ومتعدداً ومثبتاً ومحذوفاً، وفی شرائطه من أنه إذا كان جملةً فلا بد من عائد ولا يحذف إلا إذا علم۔

یعنی إنّ اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم مثل حکم خبر مبتدا کے ہے اقسام میں جو کہ اس کا مفرد اور جملہ اور نکرہ اور معرفہ ہوتا ہے یعنی جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جملہ ونکرہ اور معرفہ ہوتا ہے اسی طرح ان کی خبر بھی ہوگی اور احکام میں جو کہ واحد اور متعدد اور مثبت اور محذوف ہوتا ہے یعنی ان کی خبر مبتدا کی خبر کے ساتھ ان احکام میں بھی شریک ہے اور شرائط میں جو کہ خبر کا جملہ ہوتا ہے اور جب خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عائد بغیر وجود قرینہ کے محذوف نہیں ہوتا۔ إنّ کی خبر مبتدا کی خبر کے ساتھ ان شرائط میں بھی شریک ہے۔

والمراد أن أمره كأمره بعد أن يصح كونه خبراً بوجود شرائطه وانتفاء موانعه ولا يلزم من ذلك أن كل ما يصح أن يكون خبراً للمبتدأ يصح أن يقع خبراً لباب إنّ حتى يرد أنه يجوز أن يقال: أين زيد؟ ومن أبوك؟ ولا يجوز أن يقال: إنّ أين زيداً؟ وإنّ من أباك؟

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا مبتدا کے لئے خبر واقع ہونا صحیح ہو اس کا باب إنّ کے لئے بھی خبر واقع ہونا درست ہوگا پس بنا بریں تقدیر چاہئے کہ إنّ أین زیداً؟ وإنّ من أباك؟ پڑھنا درست ہو جس طرح أین زید؟ ومن أبوك؟ درست ہے اور حالانکہ این زید؟ ومن أبوك؟ جائز ہے اور إنّ أین زیداً؟ وإنّ من أباك؟ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ انّ کی خبر کا حکم مثل خبر مبتدا کے ہے لیکن یہ جب ہے جب کہ شرائط موجود ہوں اور مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ یہ کہ انّ کا کلمہ تحقیق کے لئے آتا ہے اور ایـن و مـن کے الفاظ استفہام کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور درمیان تحقیق اور استفہام کے منافات ہے اس لئے أین زید؟ ومن أبوك؟ جائز اور إنّ أین زیداً؟ وإنّ من أباك؟ کی ترکیب ناجائز ٹھہری۔

إلا فی تقدیمه أی لیس أمره کأمر خبر المبتدأ فی تقدیمه فإنه لا یجوز تقدیمه علی الاسم، وقد جاز تقدیم الخبر علی المبتدأ وذلك لأن هذه الحروف فروع علی الفعل فی العمل فأرید أن یکون عملها فرعیاً أیضاً والعمل الفرعی للفعل أن یتقدم المنصوب علی المرفوع والأصلی أن یتقدم المرفوع علی المنصوب فلما أعملت العمل الفرعی لم یتصرف فی معمولیها بتقدیم ثانیهما علی الأول کما یتصرف فی معمولي الفعل لنقصانها عن درجة الفعل۔

یہ جملہ اوپر وأمره کأمر خبر المبتدأ کے جملہ سے استثناء ہے یعنی إن کی خبر کا حکم تقدیم میں مثل حکم خبر مبتدا کے نہیں ہے کیونکہ إنّ کی خبر کی تقدیم اسم پر جائز نہیں بخلاف خبر مبتدا کے کہ اس کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے کیونکہ یہ حروف مذکورہ عمل میں فعل کے فروع ہیں پس ان کا عمل بھی فرعی ہونا چاہئے اور فعل کے عمل فرعی منصوب کا مرفوع پر مقدم ہوتا ہے اور فعل کا اصلی عمل مرفوع کا منصوب پر مقدم ہونا ہے چونکہ یہ حروف عمل فعلی کرتے ہیں اس لئے ان کے معمولوں میں ثانی معمول کے اول پر مقدم کرنے کا تصرف اور تغیر جائز نہیں ہے جیسا کہ فعل کے معمولوں میں یہ تصرف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ حروف مذکورہ عمل میں فعل کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ فعل عامل قوی ہے پس یہ معمول مقدم اور مؤخر دونوں میں برابر عمل کر سکتا ہے بخلاف ان حروف کے کہ یہ معمول مقدم میں عمل نہیں کر سکتے ہیں اس لئے إن کی خبر کی تقدیم جائز نہیں ہے۔

إلا أن یکون الخبر ظرفاً أی لیس أمره کأمر خبر المبتدأ فی تقدیمه إلا إذا کان ظرفاً، فإن حکمه إذا حکمه فی جواز التقدیم إذا کان الاسم معرفة نحو قوله تعالی: ﴿إن إلینا

إيابهم﴾ وفي وجوبه إذا كان الاسم نكرة نحو إن من البيان لسحراً وإنّ من الشعر لحكمة وذلك لتوسعهم في الظروف ما لا يتوسع في غيرها۔

یہ اور پر إلا تقديمه کے جملہ سے استثناء ہے یعنی إن کی خبر کا حکم تقدیم میں مثل حکم خبر مبتدا کے نہیں ہے لیکن اگر خبر إن ظرف ہو تو اس وقت جواز تقدیم میں اس کا حکم مثل حکم خبر مبتدا کے ہوگا۔ مگر یہ جب ہے جب کہ إن کا اسم معرفہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿إن إلينا إيابهم﴾ میں اسم إن معرفہ بالاضافت ہے اس لئے پھر اس پر خبر إلينا مقدم ہوگئی ہے اور اگر اسم نکرہ ہو تو اس صورت میں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے جیسے: إن من البيان لسحراً وإن من الشعر لحكمةً اور لسحراً اور لحكمةً کے الفاظ نکرہ ہیں اس لئے یہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے اور یہ تقدیم خبر مذکورہ صورت میں اس لئے جائز یا واجب ہے کہ نحاۃ ظروف میں وہ گنجائش دیتے ہیں جو غیر ظروف میں نہیں دیتے۔

خبر لا التي الكائنة لنفي الجنس أي لنفي صفته إذ لا رجل قائم مثلاً لنفي القيام عن الرجل لا لنفي الرجل نفسه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کا قول لنفي الجنس درست نہیں کیونکہ لائے نفی جنس کی نفی کے لئے نہیں بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے موضوع ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں مضاف یعنی صفت کا لفظ مقدر ہے جس کی تقدیر لنفي صفة الجنس ہے اور مضاف کا مقدر ماننا ضروری ہے کیونکہ لا رجل قائم في الدار کی ترکیب میں نفی قیام رجل کی مقصود ہے نفس رجل کی رجولیت کی نفی مطلوب نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

هو المسند إلى شيء اخر هذا شامل لخبر المبتدأ وخبر إنّ وكان وغيرها۔

یعنی مرفوعات میں سے خبر لائے نفی جنس بھی ہے اور یہ خبر لائے نفی جنس مسند ہوا کرتی ہے دوسری شے کی طرف اور مسند جنس ہے مبتدا کی خبر اور إن کی خبر اور کان کی خبر وغیرہا جملہ اخبار کو شامل ہے۔

بعد دخولها أي بعد دخول لا فخرج به سائر الأخبار۔

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ بعد دخولها کا لفظ قید احترازی ہے اس میں باقی جملہ اخبار سے احتراز ہوا اور تعریف مانع ثابت ہوئی۔

والمراد بدخولها ما عرفت في خبر إنّ فلا يرد نحو يضرب في لا رجل يضرب أبوه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف لا رجل یضرب أبوه کی مثال میں یضرب أبوه پرصادق آتی ہے اور باوجود اس کے یہ خبر نہیں بلکہ جملہ ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دخول سے مراد ورود ہے جس کی تشریح إنّ کی خبر کی تشریح میں بخوبی معلوم ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔

نحو لا غلام رجلٍ ظريفٌ وإنما عدل عن المثال المشهور وهو قولهم: لا رجل في الدار لاحتمال حذف الخبر وجعل في الدار صفة بخلاف ما ذكره لأن غلام رجلٍ معرب منصوب لا يجوز ارتفاع صفته على ما هو الظاهر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کے جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال مشہور لائے نفی جنس کی لا رجل في الدار ہے۔ مصنف نے اس سے عدول کر کے لا غلام رجل ظريف فيها کیوں اختیار کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف نے لا رجل في الدار مثال مشہور سے اس لئے عدول کیا ہے کہ بنا بر مثال مشہور خبر کے نعت سے التباس کا تو ہم ہے کیونکہ احتمال ہے کہ خبر محذوف ہو اور في الدار جار و مجرور صفت ہو بخلاف مثال مذکور مصنف کے کہ اس میں غلام رجل معرب منصوب ہے اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں کیونکہ معرب کا تابع لفظ کا تابع ہوتا ہے محل کا نہیں جیسا کہ یہی ظاہر ہے۔

فيها أي في الدار خبر بعد خبر لا ظرف ظريف ولا حال لأن الظرافة لا يتقيد بالظرف ونحوه۔

اس میں شارح بتاتے ہیں کہ فیھا ترکیب میں خبر بعد خبر واقع ہے ظریف کا ظرف نہیں اور نہ حال ہے کیونکہ حال مقید ہوتا ہے اور ظرافت یہاں ظرف سے مقید نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ ظرافت جس کے معنی نفاست کے ہیں دار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

وإنما أتى به لئلا يلزم الكذب بنفي ظرافة كل غلام رجل وليكون مثالاً لنوعي خبرها الظرف وغيره۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور توضیح ایک ہی مثال سے بھی حاصل ہو سکتی ہے پس دو مثال لانے کی کیا ضرورت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دو امثال اس لئے لائے ہیں کہ جنس غلام رجل کی ظرافت کی نفی میں کذب لازم نہ ہو اور یہ خبر کے دونوعوں کی مثال ہو جائے یعنی لائے نفی جنس کی خبر کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ظرف،(۲) غیر ظرف۔ اول مثال غیر ظرف کی ہے اور ثانی ظرف کی ہے۔

فائدہ: الظرف وغیرہ کے الفاظ کو ترکیب میں منصوب اور مرفوع اور مجرور تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ منصوب بنابر تقدیر أعنی اور مرفوع بنابر تقدیر هما اور مجرور بنابر بدل از نوعی ہوں گے۔

ويحذف خبر لا هذه حذفا **كثيراً** إذا كان الخبر عاماً كالموجود والحاصل لدلالة النفي عليه نحو: لا إله إلا الله أی، لا إله موجود إلا الله۔

یعنی لائے نفی جنس کی خبر جب افعال عامہ میں سے ہو جیسے موجود اور حاصل ہے تو اس وقت اس کا حذف کرنا بہت کثیر ہوگا کیونکہ نفی اس پر دلالت کرتی ہے جیسے لا إله إلا الله میں موجود خبر محذوف ہے جس پر کلمہ لائے نفی دلالت کرتا ہے۔

وبنو تميم لا يثبتونه أی لا يظهرون الخبر فی اللفظ لأن الحذف عندهم واجب أو المراد أنهم لا يثبتونه أصلاً لا لفظاً ولا تقديراً فيقولون معنى قولهم لا أهل ولا مال انتفى الأهل والمال فلا يحتاج إلى تقدير خبرٍ۔

اور بنوتمیم لا کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے کیونکہ اس کا حذف ان کے نزدیک واجب ہے۔ یا لا يثبتونه سے مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ لا کی خبر کو بالکل ثابت نہیں کرتے نہ لفظ میں نہ تقدیر میں۔ پس وہ لوگ لا أهل ولا مال کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ اہل اور مال دونوں مفقود ہو گئے۔ پس اس صورت میں خبر کے مقدر ماننے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

وعلى التقديرين يحملون ما يرى خبراً فی مثل لا رجل قائم على الصفة دون الخبر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ لا رجل قائم کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں خبر لا مذکور ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لا رجل قائم میں قائم بظاہر اگر چہ خبر معلوم ہوتی ہے لیکن بنوتمیم اس کو بنابر دونوں تقدیروں کے صفت پر محمول کرتے ہیں خبر تسلیم نہیں کرتے یعنی رجل کی صفت مانتے ہیں اس کی خبر نہیں ٹھہراتے۔

اسم ما ولا المشبهتين بليس في معنى النفي والدخول على المبتدأ والخبر ولهذا تعملان عمله۔

یعنی مرفوعات میں سے ما ولا مشابہ بلیس کا اسم ہے اور یہ ماولانفی اور دخول علی المبتدا والخبر میں لیس کے مشابہ ہیں یعنی جس طرح لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہو کر نفی کے معنی پیدا کر دیتا ہے اسی طرح یہ ما ولا بھی جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر مفید معنی نفی کے ہیں اور اسی مشابہت کی وجہ سے یہ ماولالیس کا سا عمل کرتے ہیں۔

هو المسند إليه هذا شامل للمبتدأ ولكل مسند إليه۔

یعنی ما ولا کا اسم مسندالیہ ہوا کرتا ہے اور المسند الیہ جنس ہے مبتدا اور ہر مسندالیہ کو شامل ہے۔

بعد دخولهما خرج به غير اسم ما ولا۔

یعنی بعد دخولهما قید احترازی ہے اس میں غیر اسم ما ولا سے احتراز کیا۔

و بما عرفت من معنى الدخول لا يرد مثل أبوه في ما زيد أبوه قائم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف ما زید أبوہ قائم کی ترکیب کے أبوہ پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی مسندالیہ ہے حالانکہ وہ ما کا اسم نہیں بلکہ جملہ خبر ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دخول کے معنی ورود کے ہیں جس سے ایراث اثر ہو اور وہ عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی اور أبوہ قائم کا جملہ بتاویل مفرد ہو کر ما کی خبر ہے۔

مثل ما زيد قائماً ولا رجل أفضل منك وإنما اتى بالنكرة بعد "لا" لأن "لا" لا تعمل إلا في النكرة بخلاف ما فإنها تعمل في النكرة والمعرفة هذا لغة أهل الحجاز، وأما بنو تميم فلا يثبتون لهما العمل ويقولون الاسم والخبر بعد دخولهما مرفوعان بالابتداء كما كان قبل دخولهما۔

یعنی ما ولا کی امثال ما زید قائماً ولا رجل أفضل منك ہیں اور مصنف بعد لا کے نکرہ اس لئے لائے ہیں کہ لا کا کلمہ صرف نکرہ ہی میں عمل کرتا ہے بخلاف کلمہ ما کے کہ وہ نکرہ اور معرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے اور یہ ما ولا کا عامل ہونا لغت حجاز میں ہے۔ بخلاف لغت بنی تمیم کے کہ وہ لوگ اپنی لغت میں ما ولا کو غیر عاملہ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں اسم وخبر دونوں جن پر ما ولا کے الفاظ داخل ہوتے ہیں جس طرح ما ولا کے داخل ہونے سے پیشتر مرفوع

بنابرابتداوخبر تھے اسی طرح ما و لا کے داخل ہونے کے بعد بھی مرفوع بنابرابتدا ہوں گے۔

وعلى لغة أهل الحجاز ورد القرآن نحو: ﴿ما هذا بشراً﴾۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ما و لا کے عمل کے متعلق دو مذہب ہیں پس مصنف کافیہ نے بنی تمیم کے مذہب کو چھوڑ کر حجازیین کے مذہب کو کیونکر مختار کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ اہل حجاز کی لغت اور مذہب قرآن شریف کے موافق ہے کیونکہ ان کی لغت میں قرآن مجید نازل ہوا ہے جیسے ﴿ما هذا بشراً﴾ ہے کہ اس میں ما عامل ہے اس لئے قاری بشراً کے لفظ کو منصوب پڑھتے ہیں اس لئے مصنف کافیہ نے حجازیین کے مذہب کو اختیار کرلیا ہے۔

وهو أي عمل ليس في لا دون ما شاذ قليل لنقصان مشابهة لا بليس لأن ليس لنفي الحال ولا ليس كذلك فإنه للنفي مطلقاً بخلاف ما فإنه أيضاً لنفي الحال فيقتصر عمل لا على مورد السماع نحو قوله شعر:

من صدّ عن نيرانها فأنا ابن قيس لا براح

أي لا براح لي۔

یعنی لیس کا عمل لا میں شاذ ہے یعنی قلیل ہے کیونکہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ کم ہے کیونکہ کلمہ لیس نفی حال کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور کلمہ لا ایسا نہیں کیونکہ یہ نفی مطلق کے لئے مستعمل ہوتا ہے خواہ ماضی ہو خواہ حال خواہ مستقبل بخلاف کلمہ ما کے اس میں لیس کا عمل شاذ نہیں کیونکہ جس طرح کلمہ لیس نفی حال کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی طرح یہ کلمہ ما بھی نفی حال کے لئے استعمال میں آتا ہے پس لا کے عمل کا مورد سماع پر اقتصار کیا جائے گا جیسے شاعر کے شعر "لا براح" میں شاعر نے لا کو عمل لیس دے کر مرفوع پڑھا ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ "جس کا دل چاہے آتش حرب سے اعراض کرے گا مگر میں قبیلہ کا بیٹا ہوں لڑائی سے ہرگز گریز نہیں کروں گا۔"

ولا يجوز أن تكون لنفي الجنس لأنها إذا كانت لنفي الجنس لا يجوز فيما بعدها الرفع ما لم يتكرر ولا تكرار في البيت۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جائز ہے کہ شعر مذکور میں کلمہ لا نفی جنس کا ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کلمہ لا کا نفی جنس کے لئے ہونا جائز نہیں کیونکہ لائے نفی جنس کے مابعد میں جب تکرار لا و دیگر اسم نہ ہو رفع جائز نہیں ہے اور شعر مذکور میں تکرار نہیں اس سے معلوم ہوا کہ لائے نفی جنس نہیں بلکہ لائے مشابہ بلیس ہے جس کو عمل لیس دیا گیا ہے۔

اعلم أن المراد بالمسند والمسند إليه فی هذه التعريفات ما يكون مسنداً ومسنداً إليه بالإصالة لا بالتبعية بقرينة ذكر التوابع فيما بعد فلا ينتقض بالتوابع۔

اس میں شارح نے اعلم سے ایک سوال مقدر کے جواب پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح فاعل کی تعریف میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔ یعنی مسند اور مسند الیہ کی تعریفات میں مسند اور مسند الیہ بالإصالۃ مقصود ہیں مسند اور مسند الیہ بالتبع مراد نہیں کیونکہ مابعد میں توابع کا ذکر کرنا قرینہ ہے اس کا کہ مسند اور مسند الیہ بالاصل مراد ہیں پس اس تقدیر پر مسند اور مسند الیہ کی تعریفات توابع سے منتقض نہیں ہوں گی۔

ولما فرغ من المرفوعات شرع فی المنصوبات وقدمها على المجرورات لكثرتها ولخفة النصب فقال:

اس میں شارح نے منصوبات کی تمہید کی طرف اشارہ کی ہے کہ جب مصنف کافیہ مرفوعات کی بحث سے فارغ ہوئے تو اب منصوبات کی بحث کو شروع کیا اور منصوبات کو مجرورات پر مقدم اس لئے ذکر کیا کہ منصوبات بہ نسبت مجرورات کے کثیر ہیں اور چونکہ نصب جو اثر ہے منصوبات کا بہ نسبت جر کے جو مجرورات کا اثر ہے خفیف ہے اس لئے بلحاظ اثر کے منصوبات کو مجرورات پر مقدم ذکر کیا یہ گویا منصوبات کی تقدیم کی دوسری وجہ ہوئی۔

المنصوبات

فائدہ: منصوبات بحکم استقراء بارہ ہیں اور حصر کی وجہ یہ ہے کہ اسم منصوب کا عامل فعل ہوگا یا شبہ فعل یا حرف ہوگا۔ پس اگر فعل یا شبہ فعل ہو تو اس کا معمول مفاعیل میں سے ہوگا یا ملحقات مفاعیل میں سے۔ اول فعل کے مفہوم کا جز ہوگا یا نہیں اول مفعول مطلق ہے اور ثانی فعل اس پر واقع ہوگا یا اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ ہوگا اول مفعول بہ، ثانی مفعول فیہ، ثالث مفعول لہ، رابع مفعول معہ ہے اور اگر معمول ملحقات مفاعیل میں سے ہو تو مبین ہوگا یا نہیں ثانی مستثنیٰ ہے۔ اول مبین ذات ہوگا یا مبین صفت۔ اول تمیز ثانی حال ہے اور اگر اسم منصوب کا عامل حرف ہو تو اس صورت میں یہ اسم مسند الیہ ہوگا یا مسند بہ۔ اول دو حالتوں سے خالی نہیں کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں۔ اول حرف شبہ بالفعل کا اسم اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم ہے اور اگر مسند بہ نہ ہو تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں کلام موجب میں ہوگا یا غیر موجب میں۔ اول افعال ناقصہ کی خبر اور ثانی خبر لیس اور ما ولا مشابہ بلیس کی خبر ہوئی۔

هو ما اشتمل على علم المفعولية قد تبين شرحه بما ذكر في المرفوعات۔

اس کی تشریح بعینہ وہی ہے جو بحث مرفوعات میں بیان ہو چکی ہے ملاحظہ کریں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ھو کی ضمیر مرفوع اس منصوب کی طرف راجع ہے جو منصوبات کے ضمن میں پایا جاتا ہے لہذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں ہوگا۔

والمراد بعلم المفعولية علامة كون الاسم مفعولاً حقيقةً أو حكماً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے ملحقات مفاعیل خارج ہو گئے حالانکہ وہ مشتمل بر علامۃ مفعولیت ہیں اور باوجود اس کے وہ مفاعیل نہیں ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسے مفاعیل خمسہ میں خواہ حکمی ہو جیسے ملحقات مفاعیل ہیں اگر زیادہ سوال و جواب کی تشریح مطلوب ہو تو بحث مرفوعات میں جو سوال و جواب کی تشریح ہو چکی بعینہ وہی تشریح یہاں بھی سمجھنا چاہئے وہاں ملاحظہ کر کے اس کو یہاں بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔

وهي أربع: الفتحة والكسرة والألف والياء نحو: رأيت زيداً ومسلمات وإيّاك ومسلمَيْن

ومسلمِین۔

اوروہ علامتِ مفعول چار ہیں: فتحہ، کسرہ، الف اور یاء جیسے رأیت زیداً ومسلمات وإیاك مسلمَیْن ومسلمِین کے امثال میں ہے اول مثال فتحہ کی، ثانی کسرہ کی، ثالث الف کی، رابع یاء کی ہے۔

فمنه أی من المنصوب أو مما اشتمل علی علم المفعولية۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ منه کی ضمیر مجرور، منصوب یا مما اشتمل کے ما موصولہ کی طرف راجع ہے۔

المفعول المطلق سمی به لصحة إطلاق صيغة المفعول عليه من غير تقييده بالباء أو فی أو مع أو اللام بخلاف المفاعيل الأربعة الباقية فإنه لا يصح إطلاق صيغة المفعول عليها إلا بعد تقييدها بواحدة منها فيقال: المفعول به أو فيه أو معه أو له۔

اس میں شارح مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ اس کو مفعول مطلق سے اس لئے موسوم کیا کہ اس پر مفعول کے صیغہ کا اطلاق بغیر تقیید باء اور فی اور مع اور لام کے صحیح نہیں۔ پس یہاں المفعول به أو فيه أومعه أو له کو به سے یا فيه یا معه یا له سے مقید کر کے پڑھیں گے۔

وهو أی المفعول المطلق **اسم ما فعله فاعل فعل**۔

یعنی منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق وہ اسم ہے جس کو فاعل فعل مذکور کرے۔

والمراد بفعل الفاعل إياه قيامه به بحيث يصح إسناده إليه لا أن يكون مؤثراً فيه موجداً إياه فلا يرد عليه مثل مات موتاً وجسم جسامة وشرف شرفاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے مات موتا وجسم جسامة وشرف شرفاً کی امثال کا مفعول مطلق خارج ہوا کیونکہ وہ فعل مذکور کے فاعل کا فعل نہیں ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مراد فعل فاعل سے فعل کا قیام ہے فاعل کے ساتھ اس طرح کہ فاعل کی طرف اس فعل کا اسناد صحیح ہو یہ مقصود نہیں کہ فاعل اس کا مؤثر یا موجد ہو پس امثال مذکورہ کا سوال رفع ہوا کیونکہ ان میں فعل اپنے فاعل کی طرف مسند ہے لہذا اب تعریف جامع ثابت ہوئی۔

وإنما زيد لفظ الاسم لأن ما فعله الفاعل هو المعنى والمفعول المطلق من أقسام اللفظ ويدخل فيه المصادر كلها۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف میں اسم کا لفظ کیوں زیادہ کیا حالانکہ تعریف بدون اس کے بھی تمام ہوسکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم کا لفظ یہاں اس لئے زیادہ کیا ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف معنی پر صادق نہ ہو کیونکہ ما فعله فاعل فعل مذکور حقیقت میں معنی ہیں اور مفعول مطلق الفاظ کے اقسام میں سے ہے اور اس تعریف میں کل مصادر داخل ہوتے ہیں۔

مذكور صفة للفعل وهو أعم من أن يكون مذكوراً حقيقة كما إذا كان مذكوراً بعينه نحو: ضربته ضرباً أو حكماً كما إذا كان مقدراً نحو: ﴿فضرب الرقاب﴾۔

یعنی یہ مذکور کا لفظ فعل کی صفت ہے اور عبارت عربی میں حقيقة أو حكماً کے الفاظ بڑھا کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ﴿فضرب الرقاب﴾ کا مفعول مطلق خارج ہوا کیونکہ یہاں فعل مذکور نہیں ہے اور باوجود اس کے یہ مفعول مطلق ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل مذکور عام ہے خواہ مذکور لفظی حقیقی ہو جیسے ضربت ضرباً میں ہے کہ اس میں فعل ضربتُ مذکور ہے خواہ مذکور حکماً ہو جیسے ﴿فضرب الرقاب﴾ میں ہے کہ اس میں فاضربوا فعل مقدر ہے۔

أو اسما فيه معنى الفعل نحوضارب ضرباً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ضارب ضرباً کی ترکیب کا مفعول مطلق خارج ہوا کیونکہ اس میں فعل نہ حقیقۃً مذکور ہے نہ حکماً۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل مذکور عام ہے خواہ فعل حقیقی ہو خواہ شبہ فعل ہو جس میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں مذکورہ مثال میں فعل اگرچہ حقیقی نہیں لیکن شبہ فعل مذکور ہے۔

وخرج به المصادر التي لم يذكر فعلها لا حقيقة ولا حكماً نحو: الضرب واقع على زيد۔

یعنی مذکور کی قید سے مفعول مطلق کی تعریف سے وہ مصادر خارج ہو گئے جن کا فعل نہ حقیقۃً مذکور ہو اور نہ

حکماً جیسے الضرب واقع علی زید میں ہے۔

بمعناه صفة ثانية للفعل۔

یعنی یہ فعل کی ثانی صفت ہے۔

وليس المراد به أن الفعل كائن بمعنى ذلك الاسم فإن معنى الاسم جزء معناه بل المراد أن معنى الفعل مشتمل عليه اشتمال الكل على الجزء فخرج به مثل تأديباً في قولك: ضربته تأديباً فإنه وإن كان مما فعله فاعل فعل مذكور لكنه ليس مما يشتمل عليه معنى الفعل۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فعل مذکور کا بمعنی مفعول مطلق کے ہونا محال ہے کیونکہ فعل کل ہے اور مفعول مطلق اس کا جز ہے اور درمیان کل اور جز کے مغائرت ہوتی ہے پس کیونکر ایک دوسرے کے معنی میں ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل مذکور کے مفعول مطلق کے ہم معنی ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ فعل حقیقت میں اس اسم مفعول مطلق کے ہم معنی ہو کیونکہ مفعول مطلق کے معنی فعل کے معنی کے جز ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل کے معنی اس پر ایسے مشتمل ہوں جیسا کہ اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے پس بنابر اس تقدیر کے مفعول مطلق کی تعریف سے ضربتہ تأدیباً کا مفعول مطلق خارج ہوا کیونکہ یہ اگرچہ مما فعله فاعل فعل مذكور ہے لیکن اس پر فعل کے معنی مشتمل نہیں ہے لہذا مفعول مطلق کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

وكذلك خرج به مثل كراهتي في نحو كرهت كراهتي فإن للكراهة اعتبارين أحدهما كونها بحيث قامت بفاعل الفعل المذكور واشتق منها فعل أسند إليه ولا شك أن معنى الفعل مشتمل عليها حينئذ وثانيهما كونها بحيث وقع عليها فعل الكراهة فاذا ذكرت بعد الفعل بالاعتبار الأول كما في قولك كرهتُ كراهة فهو مفعول مطلق وإذا ذكرت بعده بالاعتبار الثاني كما في قولك كرهت كراهتي فهو مفعول به لا مفعول مطلق إذ ليس ذلك الفعل مشتملاً عليه بهذا الاعتبار بل هو واقع عليه وقوع الفعل على المفعول به فخرج بهذا الاعتبار عن الحد وانطبق الحد على المحدود جامعاً ومانعاً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف مانع

نہیں کیونکہ اس میں کرهت کراهتی کی ترکیب کامفعول بہ داخل ہوا کیونکہ وہ بھی مما فعله فاعل فعل مذکور ہے اور فعل مذکور کے معنی اس پر مشتمل ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بمعناہ کے قول میں اس مفعول بہ سے بھی احتراز کیا کیونکہ اس مفعول کے دو اعتبار ہیں ایک اس کا اس حیثیت سے ہونا کہ فعل مذکور کے ساتھ قائم ہواور اس سے ایک فعل مشتق مانا جائے جس کا اس فاعل کی طرف اسناد ہواور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں اس پر فعل کے معنی مشتمل ہوتے ہیں اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ اس کو ایسی حیثیت میں مانیں کہ فعل کراہت اس پر واقع ہو پس جب یہ مفعول فعل کے بعد بنابر اعتبار اول مذکور ہوگا جیسے کرهت کراهة کے قول میں ہے تو اس صورت میں یہ مفعول مطلق ہوگا اور جب کہ اس کو فعل کے بعد بنابر اعتبار ثانی مذکور مانیں گے جیسے کرهت کراهتی کے قول میں ہے تو اس تقدیر پر مفعول بہ ہوگا مفعول مطلق نہیں مانا جائے گا کیونکہ بنابر اس اعتبار کے فعل کے معنی اس پر مشتمل نہیں بلکہ اس پر واقع ہیں اس طرح جس طرح کہ مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے لہذا اس اعتبار کی بناپر مفعول مطلق کی تعریف سے کراهتی مفعول بہ خارج ہوا اور مفعول مطلق کی تعریف جامع اور مانع ثابت ہوئی۔

وقد يكون المفعول المطلق **للتأكيد** إن لم يكن في مفهومه زيادة على ما يفهم من الفعل **والنوع** إن دل على بعض أنواعه **والعدد** إن دل على عدده **مثل: جلست جلوسا** للتأكيد **وجِلسة** بكسر الجيم للنوع **وجَلسة** بفتحها للعدد **فالأول** أي الذي للتأكيد **لا يثنى ولا يجمع** لأنه دال على الماهية المعراة عن الدلالة على التعدد والتثنية والجمع يستلزمان التعدد فلا يقال جلست جلوسين أوجلوسات إلا إذا قصد به النوع أو العدد **بخلاف أخويه** الذين هما للنوع والعدد نحو جلست جلستين وجلساتٍ بكسر الجيم أوفتحها۔

یعنی مفعول مطلق کا استعمال تین معنوں کے لئے ہوتا ہے اول تاکید اگر اس کے مفہوم میں فعل کے اصلی معنی سے زیادت ماخوذ ہو۔ دوم نوع اگر اپنے بعضے انواع پر دال ہو۔ سوم عدد اگر عدد پر دلالت کرے اول کی مثال اول اور ثانی کی مثال ثانی اور سوم کی مثال ثالث ہے جو متن کافیہ میں مذکور ہے پس اول یعنی وہ مفعول مطلق جو تاکید پر دلالت کرے وہ نہ تثنیہ ہوگا اور نہ جمع کیونکہ وہ اس صورت میں صرف اس ماہیت پر دلالت کرے گا جو تعدد سے بالکل خالی اور معرّا ہو اور جمع اور تثنیہ دونوں تعدد کے مستلزم ہیں پس جلست جلوسین یا جلوسات اس صورت میں نہیں پڑھ سکتے ہیں البتہ اگر اس

سے مقصود نوع یا عدد ہو تو اس صورت میں تثنیہ یا جمع کر کے پڑھ سکیں گے بخلاف اس کے اخوات کے جو کہ نوع اور عدد ہے جیسے جلست جلستين وجلسات بکسرہ جیم یا بفتح جیم میں ہے کہ یہاں تثنیہ اور جمع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وقد يكون المفعول المطلق بغير لفظه أى مغائراً للفظ فعله إما بحسب المادة مثل: **قعدت جلوساً** وإما بحسب الباب نحو أنبته الله نباتاً وسيبويه يقدر له عاملا من بابه أى قعدت وجلست جلوسا وأنبته الله فنبت نباتا۔

یعنی مفعول مطلق کبھی اپنے فعل کے لفظ سے مغائر آتا ہے اور وہ مغائرت عام ہے خواہ باعتبار مادہ کے ہو جیسے قعدت جلوساً میں ہے خواہ باعتبار باب کے ہو جیسے أنبت الله نباتاً میں ہے کہ نباتا کا مادہ نبت ہے أنبت نہیں ہے اور سیبویہ امثال مذکورہ میں مفعول مطلق کا عامل مقدر مانتے ہیں جس کی تقدیر قعدت وجلست جلوساً وأنبت الله فنبت نباتاً ہے اس تقدیر پر مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ کے مطابق ہے مغائر نہیں۔

وقد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ شبہ فعل تا کہ اس میں شبہ فعل بھی داخل ہو جائے۔

لقيام قرينة جوازاً كقولك لمن قدم من سفره: **خير مقدمٍ** أى قدمت قدوماً خير مقدم فخير اسم تفضيل ومصدريته باعتبار الموصوف أو المضاف إليه لأن اسم التفضيل له حكم ما أضيف إليه۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خیر مقدم کا مفعول مطلق ہونا مسلم نہیں کیونکہ مفعول مطلق میں شرط یہ ہے کہ فعل مذکور کے معنی اس پر ایسے مشتمل ہوں جیسا کہ اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے قدمت کے معنی قدوماً پر مشتمل ہیں خیر پر مشتمل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے اور خیر اسم تفضیل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خیر اگر چہ اسم تفضیل ہے لیکن اس کا مصدر ہونا باعتبار موصوف محذوف قدوماً کے ہے یا باعتبار مضاف الیہ مقدم کے ہے کیونکہ اسم تفضیل کا حکم بعینہ وہی ہے جو اس کے مضاف الیہ کا ہے اور اس کا مضاف الیہ مصدر میمی ہے لہذا یہ بھی اس کے حکم میں ہوگا یعنی کبھی مفعول مطلق کا عامل جوازاً ناصب محذوف بھی ہوتا ہے

جب قرینہ حذف کا موجود ہو جیسے خیر مقدم میں قرینہ حذف کا قادم کا حال ہے اس لئے یہاں اس کا عامل ناصب قدمت مقدر ہے۔

ووجوبا أی حذفاً واجباً۔

اس کے بڑھانے کی وجوہات بار بار تشریح کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے غور کر کے خود چسپاں کر لیں۔

سماعا أی سماعیاً موقوفاً علی السماع لا قاعدة له یعرف بها۔

چونکہ سماعاً وجوباً کی صفت ہے اور صفت اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے اس لئے جس طرح اس کو مؤول بواجباً کر کے سوال مقدر کا جواب دیا تھا اس طرح اس کو بھی مؤول بسماعیاً کیا تا کہ حمل درست ہو اور صفت اپنے موصوف کے مطابق ہو جائے یعنی کبھی مفعول مطلق کا عامل ناصب واجباً بھی محذوف ہوتا ہے جس کا حذف سماعی ہوگا یعنی موقوف علی السمع ہوگا اس کے لئے سوائے سمع کے اور کوئی قاعدہ نہیں ہوگا جس سے وہ حذف معلوم ہو۔

نحو: سقیاً أی سقاك الله سقیاً **ورعیاً** أی رعاك الله رعیاً **وخیبةً** أی خاب خیبةً من خاب الرجل خیبة إذا لم ینل ما طلب **وجدعاً** أی جدع جدعاً،والجدع قطع الأنف والأذن والشفة والید **وحمداً** أی حمدت حمداً **وشکراً** أی شکرت شکراً **وعجباً** أی عجبت عجبا فإنه لم یوجد فی کلامهم استعمال الأفعال العاملة فی هذه المصادر وهذا معنی وجوب الحذف سماعاً۔

یہ اس مفعول مطلق کی امثال ہیں جس کا عامل ناصب واجباً محذوف ہو سقیاً کا عامل ناصب سقاك الله مقدر ہے اور رعیاً کا عامل ناصب رعاك الله محذوف ہے اور خیبةً کا عامل ناصب خاب مقدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جس وقت آدمی اپنے مطلوب کے حاصل کرنے سے ناامید ہو کر رہ جاتا ہے اور جدعاً کا عامل ناصب جدع مقدر ہے اور جدع کے معنی ناک اور کان اور ہاتھ اور ہونٹ قطع کرنے کے ہیں اور حمداً کا عامل ناصب حمدت مقدر ہے اور شکراً کا عامل ناصب فشکرت مقدر ہے اور عجباً کا عامل ناصب عجبت مقدر ہے اور یہاں عامل ناصب کا حذف اس لئے واجب ہے کہ کلام عرب میں ان افعال عاملہ کا مصادر مذکورہ کے ساتھ استعمال نہیں پایا جاتا اور حذف سماعی کے وجوب کے یہی معنی ہیں اور یہی حذف کا قرینہ بھی ہے۔

قيل عليه: قد قالوا: حمدت الله حمداً وشكرته شكراً وعجبت عجباً۔

یہ ایک سوال ہے جو لم یوجد فی کلامھم استعمال إلخ کے قول پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ افعال عاملہ کا اپنے مصادر کے ساتھ نہ پائے جانے کا دعویٰ مسلم نہیں کیونکہ وہ اپنے بعضے مصادر کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں جیسے حمدت الله حمداً وشکرته شکراً اور عجبت عجباً ہے۔

فأجاب بعضهم بأن ذلك ليس من كلام الفصحاء۔

اس میں شارح نے سوال مذکورہ بالا کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مراد عدم وجود سے عدم وجود کلام فصحاء میں ہے اور یہ لغت غیر فصیحہ ہے، کلام فصحاء میں سے نہیں ہے۔

وبعضهم بأن وجوب الحذف إنما هو في ما استعمل باللام نحو حمداً له وشكراً له وعجبا له۔

یہ اوپر والے سوال کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مراد عدم وجود سے عدم وجود مع اللام ہے اور یہ مصادر مذکورہ بدوں لام کے ہیں یعنی بعض نے اس طرح جواب دیا ہے کہ وجوب حذف اس میں ہے جو مستعمل باللام ہو جیسے حمدا له وشكرا له وعجبا له اور یہ مصادر بدون لام مستعمل ہیں لہذا عام استعمال کا دعویٰ ثابت ہوا۔

وقد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفا واجبا قياساً أي حذفا قياسيا يعلم له ضابط كلي يحذف معه الفعل لزوما۔

یہ اوپر یحذف کے جملہ پر عطف ہے یعنی کبھی مفعول مطلق کا عامل ناصب وجوباً محذوف ہوتا ہے لیکن اس کا حذف قیاسی ہوتا ہے اس کے حذف کا کوئی قاعدہ کلی ہوگا جس کے ساتھ عامل کا حذف کرنا لازمی ہوگا اور قیاساً سے قیاسیا مراد لے کر وہی سوال وجواب کی تلمیح ہے جس کی تشریح بار بار ہو چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

في مواضع متعددة۔

اس لفظ کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مواضع سے متبادر مواضع ہیں جو متن میں مذکور ہوں حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ جس طرح ان مواضع مذکورہ فی المتن میں عامل ناصب کا حذف قیاسی ہے اسی طرح ان مواضع کے علاوہ مواضع میں بھی حذف قیاسی ہے جیسے أنت قياما والناس قعودا میں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد مواضع سے مواضع متعددہ ہیں محصورہ نہیں لیکن ان مواضع مذکورہ فی المتن کی خصوصیت کثرت مباحث کی وجہ سے ہے۔

منها أی من هذه المواضع موضع ما وقع ای مفعول مطلق و قع مثبتاً أريد إثباته لا نفيه فإنه لو أريد نفيه نحو ما زيد يسير سيرا لا يجب حذفه۔

شارح نے ما وقع کے جملہ سے مقدم موضع کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مـا کلمہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ مواضع سے عبارت ہوگی یا مفعول مطلق سے اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ اول اس لئے کہ مثبتاً کے قول کا حمل کلمہ مـا پر صحیح نہیں کیونکہ مثبت اور محذوف مفعول مطلق ہوتا ہے نہ مواضع اور ثانی اس لئے کہ اس صورت میں کلمۂ ما کا حمل منها پر لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کلمۂ مـــــا عبارت مفعول مطلق سے ہے اور عبارت میں مضاف یعنی موضع محذوف ہے جس کی تقدیر پر معنی کلام کے یہ ہوں گے ان مواضع میں سے جہاں عامل کا حذف قیاساً واجب ہوتا ہے وہ موضع مفعول مطلق کا ہے جہاں مفعول مطلق بعد نفی کے مثبت واقع ہو یعنی جہاں اس کا اثبات مقصود ہو۔ نہ کہ نفی کیونکہ اگر نفی مراد ہو جیسے ما زيد يسير سيرا کی مثال میں ہے تو اس صورت میں عامل کا حذف واجب نہیں ہوگا۔

بعد نفي داخل علی اسم لا يكون المفعول المطلق خبراً عنه أو بعد معنى نفي داخل علی اسم لا يكون المفعول المطلق خبراً عنه أی عن ذلك الاسم۔

یعنی عامل کا حذف قیاساً وہاں واجب ہے جہاں مفعول مطلق بعد نفی معنی نفی کے مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو جس سے یہ مفعول مطلق خبر نہ ہو سکے یعنی وہ اسم مبتدا اور یہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکے۔

وإنما قال: علی اسم لانه لو دخل علی فعل نحو ما سرت إلا سيراً وإنما سرت سيراً لا يكون منه۔

اوپر مصنف نے یہ کہا تھا کہ وہ نفی اسم پر داخل نہ ہو یہاں شارح اس کی دلیل اور جو بتاتے ہیں کہ علی اسم کہا اور علی فعل نہیں کہا یہ اس لئے کہ اگر وہ نفی فعل پر داخل ہو جیسے ما سرت إلا سيراً اور إنما سرت سيراً میں ہے تو اس صورت میں یہ مما وجب حذف عامله قياسا کے باب سے نہیں ہوگا۔

وإنما وصف الاسم بأن لا يكون المفعول المطلق خبراً عنه لأنه لو كان خبراً عنه نحو

ما سیری إلا سیر شدید لکان مرفوعاً علی الخبریة۔

یعنی اس اسم کی صفت اس طرح کی ہو کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکے یہ اس لئے ہے کہ اگر مفعول مطلق اس کی خبر بن سکے جیسے ما سیری إلا سیر شدید میں ہے تو اس صورت میں وہ مرفوع بنا بر خبریت ہوگا منصوب نہیں مانا جائے گا۔

أو وقع المفعول المطلق مکرراً أی فی موضع الخبر عن اسم لا یصح وقوعه خبراً عنه فلا یرد نحو: ﴿دکت الأرض دکاً دکاً﴾۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ﴿دکت الأرض دکاً دکاً﴾ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں مفعول مطلق مکرر واقع ہے اور باوجود اس کے عامل ناصب محذوف نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر کی جگہ مکرر واقع ہو اور مفعول مطلق کا خبر واقع ہونا درست نہ ہو پس اس تقدیر پر آیت مذکورہ کے مفعول مطلق کا اعتراض دفع ہوا کیونکہ یہاں مفعول مطلق اگرچہ مکرر ہے لیکن موضع خبر میں نہیں ہے۔

وإنما جمع بین الظابطتین لاشتراکهما فی الوقوع بعد اسم لا یکون خبرا عنه۔

یعنی مصنف نے اوپر کے دو قاعدے ایک منها میں اس لئے جمع کئے ہیں کہ یہ دونوں قاعدے ایسے اسم کے بعد واقع ہونے میں مشترک ہیں اور دونوں قاعدوں میں مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہیں بن سکتا اس مناسبت سے دونوں کا ایک منها میں جمع کرنا زیادہ موزوں معلوم ہوا۔

نحو ما أنت إلا سیراً أی تسیر سیراً۔

یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جس کا عامل محذوف کیا جائے اور نفی اس اسم پر داخل ہو جس کی خبر مفعول مطلق نہیں بن سکتا ہو کہ یہاں سیراً، أنت کی خبر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے صرف وصف کا حمل ذات پر لازم ہوگا اور یہاں عامل محذوف تسیر ہے جو سیرا کا عامل ناصب ہے۔

وما أنت إلا سیر البرید أی تسیر سیر البرید هذان مثالان لما وقع مثبتاً بعد نفی۔

یعنی یہ دونوں مثالیں اس مفعول مطلق کی ہیں جو بعد نفی کے کلام میں مثبت واقع ہو اور اسم مذکور کی خبر نہ بن سکے۔

وإنما أورد مثالین تنبیهاً علی أن الاسم الواقع موقع الخبر ینقسم إلی النکرة والمعرفة أو

إلى ما هو فعل للمبتدأ وإلى ما يشبهه به فعله أو إلى مفرد ومضافٍ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور توضیح ایک مثال سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، پس دو امثال لانے کی کیا حاجت اور ضرورت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دو امثال لانے سے مقصود اس بات کی تنبیہ ہے کہ وہ اسم جو موضع خبر میں واقع ہو اس کی دو قسمیں ہیں نکرہ، معرفہ۔ اول مثال نکرہ کی ہے، ثانی معرفہ کی مثال ہے، یا ایک اس کی مثال ہے جو فعل ہو مبتدا کا اور ثانی اس کی مثال ہے جو مبتدا کے فعل کے مشابہ ہو کیونکہ برید کا فعل مرسل کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے یا اول مفرد کی مثال ہے اور ثانی مضاف کی۔ چونکہ ممثلات متعدد ہوئے اس لئے امثال بھی متعدد لائے گئے ہیں۔

وإنما أنت سيراً أي تسير سيرا مثال لما وقع بعد معنى النفي۔

یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو بعد معنی نفی کے واقع ہو، جس کا عامل ناصب **تسیر** مقدر ہے۔

وزيد سيراً سيراً أي يسير سيرا مثال لما وقع مكررا۔

یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو کلام میں مکرر واقع ہو جس کا عامل ناصب **یسیر** محذوف ہے اور یہاں حذف واجب ہے کیونکہ سد مسد اور قرینہ موجود ہے قرینہ نصب معمول اور سد مسد اقامت معمول مقام عامل کے ہے۔

ومنها أي من المواضع التي يجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فيها۔

یعنی ان مواضع میں سے جہاں فعل ناصب مفعول مطلق کا حذف کرنا واجب ہے ایک وہ موضع ہے جہاں مفعول مطلق جملہ متقدمہ کے مضمون کے اثر کی تفصیل واقع ہو۔

ما وقع أي موضع مفعول مطلق وقع۔

اس کے بڑھانے کی وجہ سوال و جواب کی صورت میں تشریح کے ساتھ بیان ہوچکی ہے ملاحظہ ہو۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

تفصيلا لأثر مضمون جملة متقدمة والمراد بمضمون الجملة مصدرها المضاف إلى الفاعل أو المفعول وبأثره غرضه المطلوب منه وبتفصيل الأثر بيان أنواعه المحتملة۔

اس میں شارح مضمون جملہ اور تفصیل کے معنی بتاتے ہیں کہ جملہ کے مضمون سے مراد وہ مصدر ہے جو فاعل یا

مفعول کی طرف مضاف ہواور اثر سے مراد وہ غرض ہے جو متکلم کا مطلوب ہو اور اثر کی تفصیل سے مقصود انواع محتملہ ہیں۔

مثل قوله تعالى: ﴿فشدوا الوثاق فإما منا بعد﴾ أى بعد شد الوثاق ﴿**وإما فداء**﴾ فقوله: ﴿فشدوا الوثاق﴾ جملة مضمونها شد الوثاق والغرض المطلوب من شد الوثاق إما المن أو الفداء ففصل الله سبحانه هذا الغرض المطلوب بقوله: ﴿فإما منا بعد وإما فداء﴾ أى إما تمنون منا بعد الشد وإما تفدون فداء.

یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے کہ جو جملہ متقدمہ کے مضمون کے اثر کی تفصیل واقع ہو کہ اس میں ﴿فشدوا الوثاق﴾ کا قول ایک جملہ ہے جس کا مضمون شد الوثاق ہے اور غرض مطلوب شد الوثاق سے احسان کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا ہے، پس اللہ تعالی سبحانہ نے اس غرض مطلوب کی تفصیل ﴿فإما منا بعد وإما فداء﴾ کے قول میں فرمائی ہے جس کی تقدیر تمنون منا بعد شد وإما تفدون فداء ہے یعنی شد الوثاق کے بعد قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو۔ ان دو باتوں کا اختیار ہے۔

ومنها أى من تلك المواضع **ما وقع** أى موضع مفعول مطلق وقع.

اس کے بڑھانے کی وجہ بھی اوپر سوال و جواب کی صورت میں تشریح کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

للتشبيه أى لأن يشبه به أمر آخر.

یعنی ان مواضع میں سے جہاں عامل کا حذف قیاساً واجب ہے ایک وہ موضع ہے جہاں مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع ہو یعنی اس کے ساتھ کسی دوسرے امر کی تشبیہ دی جائے۔

واحترز به عن نحو لزيد صوت صوت حسن لأنه لم يقع للتشبيه.

یعنی للتشبیه کے قول سے لزید صوت صوت حسن کی مثال سے احتراز کیا کیونکہ یہاں مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع نہیں ہے۔

علاجاً أى حال كونه دالا على فعل من أفعال الجوارح.

علاجاً کا لفظ ترکیب میں مفعول مطلق سے حال واقع ہوا ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع ہو درآنحالیکہ جوارح کے افعال میں سے کسی فعل پر دال بھی ہو۔

واحترز به عن نحو لزيد زهد زهد الصلحاء لأن الزهد ليس من أعمال الجوارح۔

یعنی علاجاً کا لفظ بھی قید احترازی ہے اس میں لـزيد زهد زهد الصلحاء سے احتراز کیا کیونکہ زہد افعال جوارح میں سے نہیں بلکہ فعل قلب ہے۔

بعد جملة واحترز به عن نحو صوت زيد صوت حمار۔

یعنی بعد جملة کے قول میں صوت زيد صوت حمار کی مثال سے احتراز کیا کیونکہ یہ جملہ کے بعد واقع نہیں ہے۔

مشتملة تلك الجملة **على اسم** كائن **بمعناه** أي بمعنى المفعول المطلق۔

یعنی وہ جملہ اس اسم پر مشتمل ہو جو بمعنی مفعول مطلق کے ہو۔

واحترز به عن نحو مررت بزيد فإذا له ضرب صوت حمار۔

یعنی بـمعناه کا قول بھی احترازی ہے اس میں مـررت بـزيـد فإذا له ضرب صوت حمار کی مثال سے احتراز کیا کیونکہ یہاں وہ اسم جس پر جملہ مشتمل ہے بمعنی مفعول مطلق کے نہیں ہے۔

وعلى **صاحبه** أي صاحب ذلك الاسم الذي قام به معناه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ صـاحبـه کی ضمیر اس کے اسم کی طرف راجع ہے یعنی وہ جملہ اس اسم کے صاحب پر مشتمل ہو جس کے ساتھ مفعول مطلق کے معنی قائم ہو۔

واحترز به عن نحو مررت بالبلد فإذا به صوت صوت حمار۔

یعنی وصاحبه کے قول میں مررت بالبلد کے قول سے احتراز کیا۔

نحو مررت به فإذا له صوت صوتَ حمار أي يصوت صوت حمار من صات الشيء صوتاً بمعنى صوت تصويتاً فصوت حمارٍ مصدر و اقع للتشبيه علاجاً بعد جملة هي قوله لـه صـوت وهـي مشتـمـلة عـلى اسم بمعنى المفعول المطلق وهو صوت ومشتملة على صاحب ذلك الاسم وهو الضمير المجرور في قوله: له۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صوت حمار کا مفعول مطلق ہونا مسلم نہیں کیونکہ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے اور صوت مصدر نہیں کیونکہ مصدر وہ ہے جس کے معنی میں فارسی کے اخیر میں

دال ونون ہوں جیسے ضرب کے معنی میں زدن ہے یا تاء ونون ہوں جیسے قتل کے معنی کشتن ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مجرد بمعنی مزید کے ہے یعنی صوت بمعنی تصویت کے ہے پس صوت حمار مصدر ہے جو تشبیہ کے لئے علاجاً بعد جملة کے واقع ہوا ہے اور وہ جملہ له صوت کا قول ہے اور یہ جملہ اس اسم پر مشتمل ہے اور وہ صاحب له کے قول میں ضمیر مجرور ہے جو زید کی طرف راجع ہے۔

ونحو مررت به فإذا له **صراخٌ صراخَ الثكلى** أی یصرخ صراخ الثکلی وهی امرأة مات ولدها۔

یہ دونوں مثالیں اس مفعول مطلق کی ہیں جس کا عامل قیاساً وجوباً محذوف ہو۔ مثال اول میں صوت حمار کا عامل محذوف یصوت اور ثانی مثال میں یصرخ ہے اور یہاں یہ حذف واجب ہے بوجہ وجود قرینہ اور سد مسد کے۔ قرینہ نصب معمول اور سد مسد اقامت جملہ متقدمہ مقام عامل کے ہے اور مثال اول نکرہ کی اور ثانی مثال معرفہ بالاضافت کی ہے اور ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ فوت ہو جائے۔

ومنها أی من تلك المواضع **ما وقع** أی موضع مفعول مطلق وقع۔

اس کے بڑھانے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

مضمون جملة لا محتمل لها أی لهذه الجملة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لها کی ضمیر مجرور جملہ کی طرف راجع ہے۔

غیره أی غیر المفعول المطلق۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ غیرہ کی ضمیر مجرور مفعول مطلق کی طرف راجع ہے۔

نحو: عليّ الف درهم اعترافاً أی اعترفت اعترافاً، فاعترافاً مصدر وقع مضمون جملة وهی له عليّ ألف درهم لأن مضمونه الاعتراف ولا محتمل له سواه۔

یعنی ان مواضع میں سے جہاں عامل مفعول مطلق کا حذف قیاساً واجب ہو وہ موضع ہے جہاں مفعول مطلق جملہ کا مضمون واقع ہو اور اس جملہ میں سوائے مفعول مطلق کے کسی دوسرے مضمون کا احتمال نہ ہو جیسے له علی ألف درهم اعترافاً کے جملہ کا مضمون واقع ہوا ہے کیونکہ اس کا مضمون اعتراف ہے سوائے اعتراف کے اور احتمال اس میں نہیں ہے اور یہاں عامل ناصب اعترفت مقدر ہے۔

ويسمى هذا النوع من المفعول المطلق تأكيدا لنفسه أى لنفس المفعول المطلق لأنه إنمايؤكد نفسه وذاته لا أمراً يغايره ولو بالاعتبار۔

یعنی اس قسم کا مفعول مطلق تاکیدلنفسہ سے موسوم ہے کیونکہ یہ اپنے نفس اور ذات کی تاکید کرتا ہے۔کسی دوسرے امر مغائر کی تاکیداس میں مقصود نہیں ہوتی اگر چہ مغائرت بالاعتبار ہو یعنی درمیان له على ألف درهم کے قول اوراعتـرافـاکےقول کےتغایراعتباری بھی نہیں کیونکہ جملہ کا مضمون اس اعتبار سے کہ وہ منصوص علیہ ہےلفظ مصدر سے عین منصوص علیہ بہ لفظ جملہ ہے پس یہاں تغایراعتباری بھی نہیں ہے۔

ومنها ما وقع مضمون جملة لها أى لهذه الجملة محتمل غيره أى غير المفعول المطلق نحو: زيد قائم حقاً أى أحق حقا من حق يحق إذا ثبت ووجب فحقاً مصدر وقع مضمون جملة وهى قوله: زيد قائم ولها محتمل غيره لأنها تحتمل الصدق والكذب والحق والباطل۔

یعنی ان مواضع میں سے جہاں عامل مصدر کا محذوف کرنا قیاساواجب ہوایک وہ مقام ہے جہاں مفعول مطلق جملہ متقدمہ کا مضمون واقع ہواوراس جملہ میں سوائے مفعول مطلق کے غیر کا بھی احتمال ہوجیسے زيد قائم حقاً میں أحق عامل مقدر ہےاور أحق اس وقت استعمال کرتے ہیں جس وقت کسی شے کا ثبوت اور وجوب مقصود ہوتا ہے پس حقاً کا لفظ مصدر ہے جو زيد قائم کے جملہ کا مضمون واقع ہوا ہے جس میں سوائے مفعول مطلق کے غیر کا بھی احتمال ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ میں صدق اور کذب اور حق اور باطل سب کا احتمال ہوتا ہے۔

ويسمى هذا النوع من المفعول المطلق تأكيدا لغيره۔

یعنی اس قسم کا مفعول مطلق تاکیدلغیرہ سے موسوم ہے۔

لأنه من حيث هو منصوص عليه بلفظ المصدر يؤكد نفسه من حيث هو محتمل الجملة فالمؤكد اسم مفعول من حيث اعتبار وصف الاحتمال فيه يغاير المؤكد اسم فاعل من حيث أنه منصوص عليه بالمصدر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تاکیدلغیرہ محال ہے کیونکہ تاکید کے معنی تلفظ بلفظ واحد مرتین ہے اور یہ معنی مغایرت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مغایرت سے مراد مغایرت اعتباری ہے نہ واقعی کیونکہ حقا کا لفظ اس اعتبار سے کہ منصوص علیہ بلفظ مصدر ہے حق کا مؤکد ہے جس کا جملہ بھی محتمل ہوتا ہے پس گویا یہ اپنے نفس کا مؤکد ہوا کیونکہ اس صورت میں یہ مصدر جملہ کا بھی محتمل ہے۔ پس مؤکد بصیغہ اسم مفعول باعتبار وصف احتمال کے مؤکد بصیغہ اسم فاعل سے مغائر ہے کیونکہ وہ منصوص علیہ بالمصدر ہے لہذا تاکید لغیرہ کی محالیت باطل ہوگئی۔

ويحتمل أن يكون المراد أنه تاكيد لأجل غيره ليندفع وعلى هذا ينبغي أن يكون المراد بالتأكيد لنفسه أنه تأكيد لأجل نفسه ليتكرر ويتقرر حتى يحسن التقابل۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ تاکید لغیرہ میں احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ مفعول مطلق تاکید اپنے نفس ہی کی کرے لیکن یہ اس غرض سے کہ اس سے غیر کو دفع کرے اور بنا بریں تقدیر مناسب ہے کہ مراد تاکید لنفسہ سے تاکید لاجل غیرہ ہو، تاکہ وہ مفعول مطلق مکرر اور مقرر ہو سکے اور عبارت میں تقابل کا حسن بھی ثابت ہو جائے اور مغایرت اس تقدیر پر بھی ثابت ہوگی کیونکہ مفعول مطلق قاعدہ اول میں صرف مؤکد لنفسہ تھا اور اس قاعدہ میں مؤکد لنفسہ مع دفع غیرہ ہے۔

ومنها ما وقع مثنى أي على صيغة التثنية وإن لم يكن للتثنية بل للتكرير والتكثير۔

یعنی ان مواضع میں سے جہاں عامل مصدر کا حذف کرنا واجب ہے وہ موضع ہے جہاں مفعول مطلق مثنیٰ واقع ہو یعنی تثنیہ کے صیغہ اور صورت پر واقع ہو اگرچہ حقیقت میں تثنیہ کے لئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے ہو۔

ولا بد في تتميم هذه القاعدة من قيد الإضافة أي مثنى مضافا إلى الفاعل أو المفعول لئلا يرد متن قوله تعالى: ﴿ثم ارجع البصر كرتين﴾ أي رجعا مكررا كثيرا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ثم ارجع البصر كرتين﴾ سے منقوض ہے کیونکہ کرتین مفعول مطلق تثنیہ کی صورت پر واقع ہے اور باوجود اس کے اس کا فعل ناصب مذکور ہے مقدر نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں اس قاعدہ کلیہ کی تتمیم کے لئے قید اضافت کی ضرورت ہے یعنی مثنیٰ سے مراد وہ مثنیٰ ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور یہ مثنیٰ جو آیت شریفہ میں مذکور ہے غیر مضاف ہے اور یہاں یہ قید اضافت اس لئے ضروری ہے کہ آیت مذکورہ کا نقض وارد نہ ہو اور کرتین کا لفظ یہاں تکریر اور تکثیر کے معنی میں ہے جس

کی تقدیر ارجع مکرراً کثیراً ہے۔

وفی جعل المثال من تتمة التعريف لإفادة هذه القيد تكلف۔

یہ ایک سوال مقدر ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مثال بعد تمام ہونے ممثل کے توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور یہاں اس قید اضافت کے افادہ کی بنا پر مثال کو تعریف کے تتمے سے ٹھہرا کر ممثل کو اس سے تمام کیا ہے اور یہ محض تکلف ہے۔

شارح نے اس سوال کو ظاہر کر کے جواب نہیں دیا اس کا جواب یہ فقیر حقیر دیتا ہے اس طرح کہ مثال کا تتمہ تعریف سے ٹھہرانے میں کوئی تکلف نہیں ہے بلکہ اس میں ایک قسم کا تفطن ہے اور اشارہ ہے مثال کی مقصودیت کی طرف کیونکہ اس کو ممثل کا جز ٹھہرایا ہے۔

مثل: لبيك أصله الَبُّ لك البابين أى أقيم لخدمتك وامتثال أمرك ولا أبرح عن مكانى إقامةً كثيرة متتالية، فحذف الفعل وأقيم المصدر مقامه ورد إلى الثلاثى بحذف زوائده ثم حذف حرف الجر من المفعول وأضيف المصدر إليه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لبيك اور سعديك کے الفاظ دو حالتوں سے خالی نہیں، مجرد کے مصادر ہوں گے یا مزید کے اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ اول مسلم ہے لیکن اس سے تکریر اور تکثیر معلوم نہیں ہوتی اور مقصود یہاں تکریر اور تکثیر ہے اور ثانی صورت ممنوع ہے کیونکہ اس میں کذب لازم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ زوائد سے مجرد ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مزید کے مصادر ہیں کیونکہ لبيك کی اصل ألب لك البابين ہے جس کے معنی أقيم لخدمتك إلخ ہیں یعنی تیری خدمت اور امتثال حکم کے لئے میں ہر وقت مقیم اور حاضر ہوں اور اپنے مکان خدمت میں متواتر بہت دیر تک قائم رہوں گا خدمت کے مقام کو ہر گز نہ چھوڑوں گا پس فعل ألب کو محذوف کیا اور اس کے مقام میں مصدر کو رکھا گیا اور مزید سے زوائد کو محذوف کر کے ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا پھر لك کا حرف جر مفعول سے محذوف کیا اور اس مفعول کی طرف مصدر کی اضافت کی وجہ سے نون کا کلمہ ساقط ہو کر لبيك باقی رہا۔

ويجوز أن يكون من لب بالمكان بمعنى ألب فلا يكون محذوف الزوائد۔

یہ اوپر والے سوال کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ مصادر مجرد کے مصادر

ہیں لیکن مزید کے معنی میں ہیں یعنی جائز ہے کہ لبیك لب بالمكان سے ماخوذ ہو جس کے معنی ألب کے ہیں پس اس صورت میں یہ لبیك کا لفظ محذوف الزوائد نہیں ہوگا۔

وعلى هذا القياس **سعديک** أى أسعدك إسعاداً بعد إسعادٍ بمعنى أعينك إلا أن أسعد يتعدى بنفسه بخلاف ألبّ فإنه يتعدى باللام۔

یعنی اس لبیك کی تحقیق پر سعديك کو بھی قیاس کر لینا چاہئے کہ سعديك اصل میں أسعدك إسعادين إسعاداً بعد إسعاد تھا جس کے معنی أعينك کے ہیں زوائد کو حذف کر کے سعديك کر دیا گیا ہے البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ أسعد متعدی بنفسہ ہے۔ بخلاف ألب کے وہ متعدی باللام الجارہ ہے۔

المفعول به هو ما وقع أى هو اسم ما وقع **عليه فعل الفاعل۔**

یعنی مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔

ولم يذكر الاسم اكتفاء بما سبق فى المفعول المطلق۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کے ساتھ اسم کا لفظ کیوں نہیں بڑھایا جیسا کہ مفعول مطلق میں بڑھایا تھا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول مطلق پر اکتفا کر کے بخوف طوالت یہاں لفظ اسم کو ذکر نہیں کیا ہے۔

والمراد بوقوع فعل الفاعل عليه تعلقه به بلا واسطة حرف الجر فإنهم يقولون فى ضربت زيدا: إن الضرب واقع على زيد ولا يقولون فى مررت بزيد: إن المرور واقع عليه بل متلبس به، فخرج به المفاعيل الثلاثة الباقية فإنه لا يقال فى واحد منها: إن الفعل واقع عليه بل فيه أو له أو معه والمفعول المطلق بما يفهم من مغائرته لفعل الفاعل فإن المفعول المطلق عين فعله۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف جامع و مانع نہیں کیونکہ اس سے ﴿إياك نعبد﴾ کا مفعول بہ خارج ہوا کیونکہ اس پر فاعل کا فعل واقع نہیں ہے اور مررت بزيد کی ترکیب کا زید داخل ہوا کیونکہ اس سے بھی فاعل کے فعل کا تعلق ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد تعلق سے تعلق ذاتی ہے اور فاعل کے فعل کے مفعول بہ پر واقع ہونے سے

مراد اس کا تعلق بلا واسطہ حرف جر ہے اور مررت بزید میں تعلق بواسطہ حرف جر ہے بلا واسطہ حرف جر نہیں کیونکہ ضربت زیداً کے متعلق نحات کہتے ہیں کہ یہاں ضرب زید پر واقع ہے اور مررت بزید کی مثال میں یہ نہیں کہتے کہ مرور زید پر واقع ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ یہاں مرور کا زید سے تلبس ہے پس وقوع کی قید کی بنا پر مفاعیل ثلاثہ باقیہ یعنی مفعول فیہ، مفعول لہ اور مفعول معہ، مفعول بہ کی تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ یہاں یہ نہیں کہتے کہ فعل فاعل کا واقع ہے بلکہ کہتے ہیں کہ فعل فاعل کا اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ ہے لہذا تعریف جامع مانع ثابت ہوگئی باقی رہ گیا مفعول مطلق وہ مغایرت کی قید سے خارج ہوا کیونکہ مفعول بہ فاعل کے فعل کے مغایر ہوتا ہے اور مفعول مطلق عین فعل فاعل کا ہوتا ہے۔

والمراد بفعل الفاعل فعل اعتبر إسناده إلى ماهو فاعل حقيقةً أو حكماً فخرج به مثل: زيد في ضُرب زيد على صيغة المجهول فإنه لم يعتبر إسناده إلى فاعله۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں ضرب زید کا مفعول مالم یسم فاعلہ داخل ہوا کیونکہ اس سے فاعل کے فعل کا تعلق بالذات ہے حالانکہ وہ مفعول بہ نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل فاعل سے مراد وہ فعل ہے جس کا اسناد فاعل حقیقی یا حکمی کی طرف معتبر ہو اور یہاں یہ اسناد معتبر نہیں ہے پس ضرب زید صیغہ مجہول کا مفعول مالم یسم فاعلہ زید مفعول بہ کی تعریف سے خارج ہوا کیوں کہ یہاں فاعل کی طرف اسناد معتبر نہیں ہے لہذا تعریف مانع ثابت ہوئی۔

ولا يشكل بمثل أعطي زيد درهماً فإنه يصدق على درهماً أنه وقع عليه فعل الفاعل الحكمي المعتبر إسناد الفعل إليه فإن مفعول ما لم يسم فاعله في حكم الفاعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے أعطي زید درهما کی مثال کا مفعول بہ خارج ہوا کیونکہ اس میں فاعل کی طرف فعل کا اسناد معتبر نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی یہاں اگرچہ فاعل حقیقی کی طرف فعل کا اسناد معتبر نہیں لیکن فاعل حکمی کی طرف معتبر ہے کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل حکمی ہوتا ہے، لہذا أعطی زید درهما کی

مثال کا اعتراض اور اشکال مندفع ہوا کیونکہ یہاں درهماً پر فاعل حکمی کا فعل واقع ہوا ہے جس کا اسناد معتبر ہے لہذا تعریف جامع ہوئی۔

وبما ذکرنا ظهر فائدة ذکر الفاعل فلا یرد أنه لو قال: ما واقع علیه الفعل لکان أخصر۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف اگر ما وقع علیه الفعل کہتے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیوں کہ اس میں اختصار ہے فاعل کے بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ ما ذکرنا سے فاعل کے ذکر کا فائدہ ظاہر ہے، لہذا اعتراض مذکورہ بالا وارد نہیں ہوگا۔

نحو: **ضربت زیداً** فإن زیداً قد وقع علیه بلا واسطة حرف الجر فعل اعتبر إسناده إلی الفاعل الذی هو ضمیر المتکلم۔

یہ اس مفعول بہ کی مثال ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے کہ اس میں زید پر بلا واسطہ حرف جر فعل فاعل کا واقع ہوا ہے جو کہ ضمیر متکلم ہے اور اس ضمیر متکلم کی طرف فعل کا اسناد معتبر بھی ہے۔

وقد یتقدم المفعول **علی الفعل** العامل فیه لقوة الفعل فی العمل فیعمل فیه متقدماً ومتأخراً إما جوازاً مثل: الله أعبد، ووجه الحبیب أتمنی وإما وجوباً فیما تضمن معنی الاستفهام أو الشرط نحو: من رأیت ومن تکرم یکرمك۔

یعنی کبھی مفعول بہ اپنے فعل عامل پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ فعل عامل قوی العمل ہے پس اپنے معمول متقدم اور متاخر میں عمل کر سکتا ہے اور یہ تقدیم جائز ہوگی جیسے الله أعبد میں یا وجه الحبیب أتمنی میں ہے یا واجب ہوگی اور یہ وہاں جہاں مفعول بہ متضمن معنی استفہام یا متضمن معنی شرط کے ہوگا جیسے من رأیت ومن تکرم یکرمك کی امثال میں ہے اول مثال استفہام اور ثانی مثال شرط کی ہے۔

هذا إذا لم یکن مانع من التقدیم کوقوعه فی حیز أن نحو من البر أن تکف لسانك۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا من البر أن تکف لسانك کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ یہاں مفعول بہ یعنی لسانك کی تقدیم فعل تکف پر جائز نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول بہ کی تقدیم کا جواز اس وقت ہے جس وقت مانع تقدیم نہ ہو اور یہاں

مانع موجود ہے وروہ مفعول بہ کا ان کے حیز میں واقع ہونا ہے یعنی ان موصول حرفی ہے اور تـکـف اس کا صلہ ہے اور تقدیم صلہ علی الموصول ممنوع ہے پس اسی طرح معمول کی تقدیم علی الموصول بھی جائز نہیں کیونکہ ان مصدری ہے اور یہ جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس کو بتاویل مصدر کے کر دیتا ہے پس فعل کی فعلیت ضعیف ہو جاتی ہے لہذا متقدم معمول میں عمل نہیں کر سکے گا۔

وقد یحذف الفعل العامل فی المفعول بہ۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فعل سے مراد عامل مفعول بہ ہے، وہ عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ شبہ فعل۔

لقیام قرینة مقالیة أو حالیة۔

اس کے بڑھانے سے مقصود شارح کا قرینہ کا عموم بتلانا ہے کہ خواہ وہ مقالیہ ہو خواہ حالیہ۔

جوازاً نحو زیداً لمن قال: من أضرب؟ أی اضرب زیداً، فحذف الفعل للقرینة المقالیة التی هی السوال أو نحو مکة للمتوجه إلیها أی أترید مکة؟ فحذف الفعل للقرینة الحالیة۔

یعنی کبھی مفعول بہ کا فعل عامل جوازاً محذوف بھی ہوتا ہے جیسے زیداً کہیں اس شخص کے جواب میں جو کہے کہ میں کس کو ماروں، جس کی تقدیر اِضرب زیداً ہے پس فعل اضرب بہ سبب پائے جانے قرینہ مقالیہ کے جو کہ سوال سائل ہے محذوف ہوا یا جیسے مکة کہیں اس شخص سے جو مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہو جس کی تقدیر أترید مکة؟ ہے پس بوجہ پائے جانے قرینہ حالیہ کے یہاں فعل عامل ترید محذوف کیا گیا جو مکة کا عامل ناصب ہے یہاں قرینہ حالیہ مخاطب کا ارادہ اور قصد ہے۔

ووجوبا فی أربعة مواضع تخصیصها بالذکر لیس للحصر لوجوب الحذف فی باب الإغراء والمنصوب علی المدح أو الذم أو الترحم بل لکثرة مباحثها بالنسبة إلی هذه الأبواب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حذف وجوبی کا حصر مواضع اربعہ میں درست نہیں کیونکہ جس طرح ان مواضع اربعہ مذکورہ میں حذف فعل واجب ہے اسی طرح اغراء اور منصوب علی المدح

یا منصوب علی الذم یا منصوب علی الترحم میں بھی حذف فعل واجب ہے۔ اغراء کی مثال أخاك أخاك ہے جس کی تقدیر خذ أخاك ہے اور منصوب علی المدح کی مثال الحمد لله الحمید ہے جس کی تقدیر أعني الحمید ہے اور منصوب علی الذم کی مثال أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے جس کی تقدیر أعني الرجیم ہے اور منصوب علی الترحم کی مثال مررت بزید المسکین ہے جس کی تقدیر أعني المسکین ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان مواضع اربعہ مذکورہ کی تخصیص بالذکر حصر کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت مباحث کے لئے ہے بہ نسبت ان ابواب کے۔ یعنی مواضع اربعہ کو خاص کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان کے مباحث بہ نسبت ابواب اغراء وغیرہ کے کثیر ہیں۔ حصر مقصود نہیں ہے۔

الأول من تلك المواضع الأربعة **سماعيٌّ** مقصور على السماع لا يتجاوز عن أمثلة محدودة مسموعة بأن يقاس عليها أمثلة أخرى۔

یعنی ان مواضع اربعہ میں سے جہاں حذف فعل واجب ہوتا ہے، اول موضع سماعی ہے یعنی مقصور علی السماع ہے امثلہ محدودہ مسموعہ سے خارج نہیں ہے اس طرح کہ ان امثلہ محدودہ پر دوسری امثلہ کو قیاس کیا جاسکے۔ یہ سماعی ہونے کے معنی ہیں۔

نحو امرأ ونفسه أي اترك امرأ ونفسه **وانتهوا خيراً لكم** أي انتهوا عن التثليث واقصدوا خيراً لكم وهو التوحيد وأهلاً وسهلاً أي أتيت أهلاً۔

یہ اس مفعول بہ کی امثال ہیں کہ جس کا عامل ناصب سماعاً محذوف ہوا ہو اول مثال میں اترك اور ثانی میں واقصدوا ثالث میں أتيت عامل ناصب محذوف ہے اور خیرا کا عامل واقصدوا مقدر ہے نہ وانتهوا کیونکہ اگر وانتهوا کو عامل مانیں گے تو اس صورت میں آیت کے معنی فاسد ہو جاویں گے کیونکہ اس وقت تقدیر یہ ہو جائے گی وانتهوا عن الخير حالانکہ یہ مقصود نہیں بلکہ مقصود نفی تثلیث ہے اس سے معلوم ہوا کہ فعل ناصب مفعول بہ کا واقصدوا مقدر ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ تثلیث کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

أي مكاناً ماهولاً معموراً لا خراباً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اہل کے دو معنی ہیں اول اقارب دوم عمارت مخصوص۔ اگر بمعنی اقارب ہو تو اس صورت میں اس کا مفعول ہونا درست ہوگا اور اگر بمعنی عمارت ہو تو اس

تقدیر پر اس کی مفعولیت درست نہیں ہوگی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر اہل بمعنی عمارت ہو تو اس صورت میں اس کا مفعول بہ ہونا باعتبار موصوف محذوف مکان کے ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ صفت موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے اور یہاں حمل درست نہیں کیونکہ اس سے حمل صرف وصف علی الذات لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔

شارح نے مـــاهـولاً کالفظ بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ اگر اہل بمعنی عمارت ہو تو اس صورت میں اہل مصدر بمعنی ماہول ہوگا جس کے معنی أتيت مكاناً ماهولاً لا خراباً ہوں گے۔

أو أهلاً لا أجانب ووطيت سهلاً من البلاد لا حزناً۔

یہ اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اہل بمعنی اقارب کے ہے اس صورت میں اس کا مفعول بہ ہونا بلا شک درست ہے اس صورت میں عبارت کی تقدیر یہ ہوگی أتيت أهلا لا أجانب أتيت سهلا من البلاد و لا حزنا اور سہل کے معنی زمین نرم کے ہیں اور حزن کے معنی سخت زمین کے ہیں۔

والمواضع الثاني من تلك المواضع الأربعة المنادى وهو المطلوب إقباله۔

یعنی ان مواضع اربعہ میں سے جہاں عامل کا حذف سماعاً واجب ہو ایک موضع منادی ہے اور منادی اس اسم کو کہتے ہیں جس کا اقبال اور متوجہ کردینا مقصود ہو۔

أي توجهه إليك بوجهه أو بقلبه كما إذا ناديت مقبلا عليك بوجهه حقيقة مثل: يا زيد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادی کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے وہ منادی خارج ہوا جس کے سامنے حائل ہو کیونکہ اس وقت اقبال ممکن نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ طلب توجہ اور اقبال عام ہے خواہ بوجہہ ہو جیسے بلا حائل کی صورت میں ہے خواہ بقلبہ ہو جیسے حائل کی صورت میں ہوتا ہے اور حقیقی توجہ کی صورت یہ ہے کہ زید مقبل اور متوجہ ہو اور اس کو متکلم یا زید سے ندا کر کے بلائے۔

أو حكما مثل يا سماء ويا جبال ويا أرض فإنها نزلت أولاً منزلة من له صلاحية النداء ثم أدخل عليها حرف النداء وقصد نداؤها فهي في حكم من يطلب إقباله۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادی کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے یا سماء ویا جبال ویا أرض کی مثل کا منادی خارج ہوا کیونکہ یہ الفاظ نہ ذات وجہ ہیں اور نہ ذات قلب لہذا یہاں نہ توجہ بوجہہ متصور ہے اور نہ اقبال بقلبہ۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ طلب توجہ بوجہہ اور بقلبہ عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور یہاں اگر چہ حقیقی نہیں لیکن حکمی موجود ہے۔ اس طرح کہ الفاظ مذکورہ کو اول بمنزلہ اس شخص کے ٹھہرایا جائے جس کو صلاحیت ندا ہوتی ہے، اس کے بعد ان پر حرف ندا داخل کر کے منادی مانے۔ پس یہ الفاظ حکمی منادی میں داخل ہوئے جس کا اقبال مطلوب ہوتا ہے۔

بخلاف المندوب لأنه المتفجع عليه أدخل عليه حرف النداء لمجرد التفجع لتنزيله منزلة المنادى وقصد ندائه فخرج بهذا القيد عن تعريف المنادى ولهذا أفرد المصنف رحمه الله أحكامه بالذكر فيما بعد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ پس بنا بر تقدیر مذکورہ بالا چاہئے کہ مندوب منادی میں داخل ہو، اس طرح کہ اس کو اول بمنزلہ اس شخص کے ٹھہرایا جائے جس کو صلاحیت ندا ہو، اس کے بعد اس پر حرف ندا داخل کر کے منادی مانا جائے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یا سماء اور یا جبال ویا أرض کے الفاظ حکمی منادی ہیں بخلاف مندوب کہ وہ متفجع علیہ ہے اس پر حرف ندا کا دخول مجرد تفجع کے لئے ہے اس کے لئے نہیں کہ اس کو بمنزلہ منادی ٹھہرا کر حکمی منادی مانیں پس المطلوب إقباله کی قید بڑھا کر مصنف نے مندوب کو منادی کی تعریف سے خارج کر دیا ہے اور اسی وجہ سے مابعد میں اس کے احکام منادی سے علیحدہ ذکر کئے ہیں۔

وفيه تحكم فإن المندوب أيضا كما قال بعضهم منادى مطلوب إقباله حكما على وجه التفجع فإذا قلت: يا محمداه، فكأنك تناديه وتقول له: تعال فأنا مشتاق إليك فالأولى إدخاله تحت المنادى كما فعله صاحب المفصل وقيل: الظاهر من كلام سيبويه أيضا أنه داخل في المنادى۔

اس میں گویا شارح نے مصنف کافیہ کے قول کا ضعف ثابت کیا ہے، وہ اس طرح کہ مندوب کو منادی کی

تعریف سے خارج کر دینے میں تحکم یعنی دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ جس طرح الفاظ مذکورہ بالا حکمی منادی میں داخل ہیں، اسی طرح مندوب بھی حکمی منادی میں داخل ہے، جیسا کہ بعض نحات نے کہا ہے کیونکہ اس کا بھی اقبال حکما بنا بر تفجع مطلوب ہے پس جب یا محمداہ کہتے ہو تو گویا تم نے اس کو آواز دی اور اس سے کہا کہ ادھر آؤ، میں تمہارے دیدار کا مشتاق ہوں۔ پس مندوب کا منادی میں داخل کر دینا اولیٰ ہے جیسا کہ صاحب مفصل نے کیا ہے اور سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مندوب منادی میں داخل ہے۔

اس کا مصنف کافیہ کی طرف سے یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ تحکم نہیں بلکہ درمیان منادی اور مندوب کے فرق کا اثبات ہے اس طرح کہ چونکہ مندوب زبان پر کثیر الدوران ہے اس لئے اس کا منادی کے ملحقات میں سے ٹھہرانا بعید نہیں ہے۔

بحرف نائب مناب أدعو من الحروف الخمسة وهي يا وأيا وهيا وأي والهمزة، واحترز به عن نحو ليقبل زيد۔

یعنی منادی کا اقبال اس حرف ندا کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو قائم مقام أدعو کے ہو اور ایسے حروف پانچ ہیں یا اور أيا و هيا و أي اور ہمزہ مفتوحہ اور بحرف نائب مناب أدعو کے قول میں ليقبل زيد سے احتراز کیا کیونکہ یہ منادی نہیں اگر چہ اس کا اقبال حرف ندا قائم مقام أدعو کے ذریعہ سے نہیں بلکہ يقبل امر کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے۔

لفظاً أو تقديراً تفصيل للطلب أي ضبا لفظياً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظاً اور تقديراً کے الفاظ کا نصب دو حالتوں سے خالی نہیں اس بنا پر ہوگا کہ یہ الفاظ مطلوب یا نائب مصادر کے ہیں یا إقباله کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوئے ہیں اس لئے منصوب ہیں اور یہ دونوں حالتیں درست نہیں۔ اول وثانی اس لئے کہ مصدر میں یہ شرط ہے کہ فعل مذکور کے معنی اس پر ایسے مشتمل ہوں جیسے اشتمال کل کا جزء پر ہوتا ہے اور مطلوب کے معنی طلب پر مشتمل ہیں اور نائب کے معنی نیابة پر مشتمل ہیں نہ لفظاً اور تقديراً پر اور ثالث صورت اس لئے درست نہیں کہ حال اپنے ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے صرف وصف کا حمل ذات پر لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ مذکورہ بنا بر مصدریت مطلوب کے منصوب ہیں لیکن ان کی مصدریت مجازا باعتبار موصوف محذوف طلبا کے ہے۔

بأن تكون ألة الطلب لفظية نحو: يا زيد أو تقديرياً بأن تكون ألته مقدرة نحو: يوسف أعرض عن هذا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ توصیف طلب لفظی اور تقدیری سے درست نہیں کیونکہ طلب درمیان طالب اور مطلوب کے ایک نسبت کا نام ہے اور نسبت ایک امر معنوی ہے، لفظی اور تقدیری سے اتصاف کے قابل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ طلب کی توصیف لفظی اور تقدیری سے توصیف بحالہ نہیں بلکہ یہ توصیف بحال متعلقہ ہے جو کہ آلہ طلب ہے یعنی آلہ طلب عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے یا زید میں ہے خواہ تقدیری ہو جیسے یوسف أعرض میں آلہ طلب یا مقدر ہے۔

أو للنيابة أي نيابة لفظية بأن يكون النائب ملفوظاً أو تقديرية بأن يكون النائب مقدراً كما في المثالين المذكورين۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب دوسرے پیرایے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ لفظاً اور تقديرا کے الفاظ منصوب بنا بر مصدریت نائب کے ہیں لیکن ان کی مصدریت موصوف محذوف نيابة کے ہے جس کی تقدیر نيابة لفظية ہے جب نائب ملفوظ ہو۔ یا اس کی تقدیر نيابة تقديرية ہوئی جب نائب مقدر ہو جیسے امثال مذکورہ بالا میں ہے۔

أو للمنادى والمنادى الملفوظ مثل يا زيد والمقدر مثل ألا يا اسجدوا أي ألا يا قوم اسجدوا۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا تیسرا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یا یہ لفظاً اور تقديراً کے الفاظ منصوب بنا بر حال از منادی ہیں لیکن یہ الفاظ مؤول بملفوظ و مقدر کئے جائیں گے تا کہ حمل درست ہو سکے اور منادی ملفوظ کی مثال يا زيد ہے اور منادی مقدر کی مثال ألا يا اسجدوا میں ہے کہ اس میں منادی مقدر قوم ہے۔ اس قرینہ سے کہ یا کا کلمہ اسم پر داخل ہوتا ہے اور یہاں فعل پر داخل ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا منادی مقدر ہے۔

وانتصاب المنادى عند سيبويه على أنه مفعول به وناصبه الفعل المقدر وأصل يا زيد

زيداً فحذف الفعل حذفا لازماً لكثرة استعماله ولدلالة حرف النداء عليه وإفادته فائدته، وعند المبرد بحرف النداء لسده مسد الفعل وقال أبو علي في بعض كلامه: إن يا وأخواتها أسماء الأفعال، فعلى هذين المذهبين لا يكون من هذا الباب أي مما انتصب المفعول به بعامل واجب الحذف، وعلى المذاهب كلها مثل يا زيد جملة وليس المنادى أحد جزئي الجملة فعند سيبويه جزء الجملة أي الفعل والفاعل مقدران، وعند المبرد حرف النداء قائم مقام أحد جزئي الجملة أي الفعل والفاعل مقدر، وعند أبي علي أحد جزئيها اسم الفعل والاخر ضمير مستتر فيه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادیٰ اس حرف ندا سے منصوب ہے جو فعل أدعو کے قائم مقام ہے جیسا کہ یہ مبرد کا مذہب ہے یا اس حرف ندا سے منصوب ہوگا جو اسم فعل ہو جیسا کہ یہ مذہب ابوعلی کا ہے اور بنابریں مذہب منادیٰ کا منصوب ہونا بنابر مفعول بہ ہونے فعل محذوف کے درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس مقام میں تین مذاہب ہیں۔ مذہب سیبویہ، مذہب مبرد و مذہب ابوعلی۔ پس سیبویہ کے مذہب میں منادیٰ فعل مقدر أدعو سے منصوب ہے بنابر مفعول بہ ہونے کے اور یا زید کی اصل أدعو زیداً ہے۔ پس أدعو کا فعل محذوف کیا اور اس کا حذف یہاں بوجہ کثرت استعمال اور بوجہ دلالت کرنے حرف ندا کے اس پر اور بوجہ فائدہ دینے أدعو کے لازم ہے اور مبرد کے مذہب میں منادیٰ اس حرف ندا سے منصوب ہے جو قائم مقام فعل أدعو کے ہے اور ابوعلی کے مذہب میں منادیٰ اس حرف ندا سے منصوب ہے جو اسم فعل ہو چونکہ مصنف کے نزدیک مذہب سیبویہ مختار ہے، اس لئے منادیٰ کو منصوب بنابر مفعول بہ ہونے کے مانا ہے اور کل مذاہب میں یا زید جملہ ہے اور منادیٰ جملہ کے دو جزوں میں سے ایک جز نہیں بلکہ یہ فضلہ ہے۔ پس سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دونوں جز یعنی فعل اور فاعل دونوں مقدر ہیں، اور مبرد کے نزدیک حرف ندا جملہ کے ایک جز یعنی فعل کے قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے اور ابو علی کے نزدیک جملہ کا ایک جز اسم فعل ہے اور دوسرا جز اس میں ضمیر فاعل مستتر ہے اور ان دو آخری مذاہب کی بنا پر منادیٰ بنابر مفعول بہ ہونے عامل مقدر کے جس کا حذف واجب ہو منصوب نہیں ہے بلکہ صرف سیبویہ کے مذہب میں بنابر عامل مقدر منصوب مانا گیا ہے۔

ويبنى أي المنادى قدم بيان البناء والخفض والفتح على النصب لقلتها بالنسبة إلى

النصب ولطلب الاختصار في بيان النصب بقوله: وينصب ما سواهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یبنی میں ضمیر مرفوع منادی کی طرف راجع ہے اور اسی طرح یرفع میں بھی منادی کی طرف لوٹتی ہے اور اس تقدیر پر ایک اسم کا معرب اور مبنی ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یبنی میں ضمیر مرفوع منادی کی طرف راجع ہے اور یرفع میں اسم کی طرف راجع ہے، پس ایک اسم کا معرب ومبنی ہونا لازم نہیں آیا اور مصنف کافیہ نے بنا اور خفض اور فتح کا بیان نصب پر مقدم اس لئے ذکر کیا کہ بنا و خفض و فتحہ بہ نسبت نصب کے قلیل ہیں پس یہ بمنزلہ جز کے ہوئے اور نصب بمنزلہ کل کے اور یہ معلوم ہے کہ جز کل پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وینصب ما سواهما کے قول میں نصب کے بیان کا اختصار مطلوب ہے۔

علی ما یرفع به أي على الضمة أو الألف أو الواو التي يرفع بها المنادى في غير صورة النداء۔

اوپر والے سوال مقدر کا جواب چونکہ ضعیف تھا کیونکہ وہ سیاق کلام کے مخالف تھا اس لئے کہ کلام منادی کے احکام کے بیان میں ہے نہ مطلق اسم کے بیان میں۔ اس لئے یہاں شارح نے اس سوال مذکورہ بالا کا دوسرا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ یبنی میں ضمیر مرفوع منادی کی طرف راجع ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا قبل دخول حرف ندا ہوگا اور مبنی ہونا بعد دخول حرف ندا مانا جائے گا۔ لہذا اس تقدیر پر ایک اسم کا معرب اور مبنی ہونا لازم نہیں ہوگا یعنی منادی غیر صورت ندا میں مبنی بر علامت رفع ہوگا اور علامت رفع تین ہیں: مفردات میں ضمہ، تثنیہ میں الف اور جمع میں واو جیسے یا زید اور یا زیدان اور یا زیدون میں ہے۔

أو الفعل مسند إلى الجار والمجرور أعني به ولا ضمير فيه و إرجاع الضمير إلى الاسم غير ملائم لسوق الكلام۔

اوپر شارح نے یرفع میں ضمیر مرفوع اسم کی طرف مان کر سوال کا جواب دیا تھا لیکن چونکہ وہ جواب ضعیف تھا کیونکہ ارجاع ضمیر اسم کی طرف غیر ملائم ہے اس لئے کہ یہ سیاق کلام کے مخالف ہے کیونکہ کلام منادی کے احکام کے بیان میں ہے اس لئے یہاں شارح نے اس سوال کا تیسرا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے کہ یبنی میں ضمیر مرفوع منادی کی

طرف راجع ہے اور یہ رفع فعل جار ومجرور یعنی بہ کی طرف مسند ہے اور اس میں کوئی ضمیر نہیں ہے لہذا اس صورت میں بھی ایک اسم کا معرب ومبنی ہونا لازم نہیں آیا۔

إن كان أي المنادى۔

اس کے بڑھانے سے مقصود یہ ہے کہ کان کا اسم منادیٰ ہے۔

مفرداً أي لا يكون مضافا ولا شبه مضافٍ وهو كل اسم لا يتم معناه إلا بانضمام أمر اخر إليه **معرفة** قبل النداء أو بعده۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مفرد سے یہاں مراد وہ ہے جو مضاف کے مقابل ہو یعنی اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو یعنی مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو وہ اس صورت میں مبنی بر علامت رفع ہوگا اور اس کا معرفہ ہونا عام ہے خواہ قبل النداء ہو، خواہ بعد النداء اور شبہ مضاف ہر وہ اسم ہے جس کے معنی بغیر انضمام امر آخر کے تمام نہ ہوں جیسے یا طالعاً جبلاً میں طالعاً کے معنی بغیر انضمام جبلاً کے تمام نہیں ہوتے ہیں۔

وإنما بنى المفرد المعرفة لوقوعه موقع الكاف الاسمية المشابهة لفظاً ومعنى لكاف الخطاب الحرفية وكونه مثلها إفراداً وتعريفاً وذلك لأن يا زيد بمنزلة أدعوك وهذه الكاف ككاف ذلك لفظاً ومعنىً وإنما قلنا ذلك لأن الاسم لا يبنى إلا لمشابهة الحرف أو الفعل ولا يبنى لمشابهة الاسم المبني۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس قسم کے منادیٰ کو مبنی کیوں ٹھہرایا حالانکہ اصل اسماء میں اعراب ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ منادیٰ مفرد معرفہ کو مبنی اس لئے مانا گیا ہے کہ یہ کاف اسمی کے مقام پر واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی لفظ اور معنی میں کاف حرفی خطاب کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ منادیٰ مفرد معرفہ افراد اور تعریف میں مثل اس کاف اسمی کے ہے کیونکہ یا زید بمنزلہ أدعوك کے ہے اور یہ کاف مثل ذلك کے کاف کے ہے باعتبار لفظ کے بھی اور باعتبار معنی کے بھی۔ باعتبار لفظ کے اس لئے کہ جس طرح ذلك کا کاف مفرد خطاب کے لیے ہے اسی طرح أدعوك کا کاف بھی مفرد ضمیر خطاب ہے اور باعتبار معنی کے اس لئے کہ جس طرح ذلك کا کاف مفید تعریف ہے اسی طرح أدعوك کا کاف بھی تعریف کا فائدہ دیتا ہے اور کاف اسمی ضمیر مبنی ہے اسی طرح یہ منادیٰ مفرد معرفہ بھی مبنی مانا جائے گا کیونکہ شے

کے مشابہ کا مشابہ مشابہ ہوتا ہے اور ہم نے أدعوك کے کاف کو ذلك کے کاف کے لفظاً اور معنیً مشابہ اس لئے مانا ہے کہ اسم صرف حرف کی مشابہت یا فعل کی مشابہت کی بنا پر مبنی ہوا کرتا ہے، اسم مبنی کی مشابہت سے مبنی نہیں مانا جاتا لہذا منادیٰ مشابہت حرفی کی بنا پر مبنی مانا جائے گا۔

مثل: یا زید ویا رجل مثالان لما هو مبني علی الضمة أولهما معرفة قبل النداء وثانيهما معرفة بعد النداء۔

یعنی یہ اس منادیٰ کی امثال ہیں جو مبنی برضمہ ہو، اول منادیٰ معرفہ قبل النداء کی مثال ہے اور ثانی معرفہ بعد النداء کی مثال ہے۔

ویا زیدان مثال المبنی علی الألف۔

یہ اس منادیٰ کی مثال ہے جو مبنی برالف ہوتا ہے۔

ویا زیدون مثال للمبنی علی الواو۔

یہ اس منادیٰ کی مثال ہے جو مبنی برواو ہوتا ہے۔

ویخفض أی ینجر المنادی۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خفض خافض کی صفت ہے پس اس کی نسبت منادیٰ کی طرف درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یخفض یہاں بمعنی ینجر کے ہے اور انجرار منادیٰ کی صفت ہے اس لحاظ سے خفض کی نسبت منادیٰ کی طرف ہے اور یہ درست ہے۔

بلام الاستغاثة أی بلام تدخله وقت الاستغاثة وهی لام التخصیص أدخلت علی المستغاث دلالة علی أنه مخصوص من بین أمثاله بالدعاء۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے باقی حروف استغاثہ سے لام کو کیونکر خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لام کو اس لئے خاص کیا کہ لام استغاثہ حقیقت میں لام جارہ ہے اور لام جارہ اختصاص کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور استغاثہ کے وقت جب یہ لام مستغاث پر داخل ہوگا تو اس کی خصوصیت پر دلالت

کرے گا اس طرح کہ وہ اپنے امثال سے دعا کے لئے مخصوص ہوگا۔ پس درمیان لام استغاثہ اور لام جارہ کے مناسبت ثابت ہوئی اس مناسبت کی وجہ سے اس لام کو خاص کیا ہے۔

مثل یا لزید وإنما فتحت لئلا یلتبس بالمستغاث له إذا حذف المستغاث نحو یا للمظلوم أی یا لقوم ف نه لو لم تفتح لام المستغاث لم یعلم أن المظلوم فی هذا المثال مستغاث أو مستغاث له۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لام استغاثہ حقیقت میں لام جارہ ہے اور لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مکسور کر دیتا ہے۔ پس یہاں مستغاث کے ساتھ لام مفتوح کیونکر آیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں لام مستغاث اس لئے مفتوح کیا گیا ہے کہ مستغاث مستغاث لہ سے ملتبس نہ ہو اس صورت میں جس میں مستغاث محذوف کیا جائے اور اس کے مقام پر مستغاث لہ کو رکھا جائے جیسے یا لمظلوم میں ہے کہ یہاں مستغاث یعنی قوم کو محذوف کر کے اس کے مقام مستغاث لہ یعنی مظلوم رکھا گیا ہے پس اگر یہاں لام مستغاث مفتوح نہ پڑھا جائے تو اس صورت میں یہ معلوم نہ ہوگا کہ مظلوم اس مثال میں مستغاث ہے یا مستغاث لہ۔

ولم یعکس الأمر لأن المنادی المستغاث واقع موقع کاف الضمیر التی تفتح لام الجر معها نحو لك بخلاف المستغاث له لعدم وقوعه موقع الضمیر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ التباس عکس سے بھی رفع ہو سکتا ہے پس عکس کیوں نہیں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عکس اس لئے نہیں کیا کہ منادی مستغاث کاف اسمی ضمیر کے مقام واقع پر ہے اور لام جارہ کاف اسمی کے ساتھ مفتوح ہوتا ہے جیسے لك میں ہے بخلاف مستغاث لہ کے کہ یہ ضمیر کے مقام پر واقع نہیں ہوتا لہذا عکس امر مناسب نہیں ہے۔

فإن عطفت علی المستغاث بغیر یا، نحو یا لزید ولعمرو کسرت لام المعطوف لأن الفرق بینه وبین المستغاث له حاصل بعطفه علی المستغاث وإن عطفت مع یا فلا بد من فتح

لام المعطوف أيضاً نحويا لزيد ويا لعمرو۔

یہ بنا بر تقدیر کسرہ لام درمیان مستغاث اور مستغاث لہ کے عدم فرق کی تفریع ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ اگر مستغاث پر بغیر یا کے عطف کریں جیسے یا لزید ولعمرو میں ہے تو اس صورت میں معطوف کا لام مکسور پڑھیں گے کیونکہ یہاں فرق درمیان مستغاث اور مستغاث لہ کے عطف سے حاصل ہے۔ التباس کی صورت متصور نہیں۔

و إنما أعرب المنادى بعد دخول لام الاستغاثة لأن علة بنائه كانت مشابهته للحرف واللام الجارة من خواص الاسم فبدخولها ضعفت مشابهته للحرف فأعرب على ما هواه الأصل فيه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے اس قسم کے منادیٰ کو معرب ٹھہرایا باوجود اس کے کہ یہاں علت بنا موجود ہے اور وہ کاف اسمی کے مقام واقع ہونا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ منادیٰ کو بعد داخل ہونے لام استغاثہ کے اس لئے معرب ٹھہرایا کہ اس کے مبنی ہونے کی علت حرف کے ساتھ مشابہت تھی اور لام جارہ خواص اسم میں سے ہے پس اس کے داخل ہونے سے حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی اور جہت اسمیت قوی ہوئی پس معرب ٹھہرایا کیونکہ اصل اسماء میں اعراب ہے اور مجرور اس لئے مانا ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے اور لام جارہ کا عمل، جر مدخول ہے۔

قيل: قد يخفض المنادى بلامي التعجب والتهديد أيضاً فلام التعجب نحو يا للماء ويا للدواهي ولام التهديد نحو لزيد لأقتلنك، فلم أهمل المصنفؒ ذكرهما وكيف يصدق قوله فيما بعد: وينصب ما سواهما كلياً؟

یہ ایک سوال ہے جو یخفض بلام الاستغاثة کی کلیت پر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادیٰ جس طرح لام استغاثہ سے مجرور ہوتا ہے اسی طرح لام تعجب اور لام تہدید سے بھی مجرور ہوتا ہے لام تعجب کی مثال یا للماء ویا للدواهي ہے اور دواهي جمع داهية کی ہے اور داهية کے معنی بلاء کے ہیں اور لام تہدید کی مثال لزيد لاقتلنك ہے پس مصنف نے ان دو لاموں کا ذکر کیوں چھوڑا اور وينصب ما سواهما کا قول مابعد میں کلیا کیونکر صادق ہوگا؟

أجيب بأن كلا من هاتين اللامين لام الاستغاثة كأن المهدد اسم فاعل يستغيث

بالمهدد اسم مفعول ليحضر فينتقم منه ويستريح من ألم خصومته وكأن المتعجب يستغيث بالمتعجب منه ليحضر فيقضي منه العجب ويتخلص منه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ لام تعجب اور لام تہدید دونوں حقیقت میں لام استغاثہ ہیں کیونکہ مہدد بصیغہ اسم فاعل مہدد بصیغہ اسم مفعول سے حاضر ہونے کے لئے اور الم خصومت سے خلاصی اور چھٹکارے کی طلب واستغاثہ کرتا ہے اور انتقام اور راحت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح متعجب بصیغہ اسم فاعل متعجب منہ سے حیرانی اور تعجب سے خلاصی کی طلب واستغاثہ کرتا ہے۔

وأجيب عن لام التعجب بوجه اخر ذكره المصنف في الإيضاح وهو المنادى في قولهم: يا للماء و يا للدواهي ليس الماء ولا الدواهي وإنما المراد يا قوم أو يا هولاء اعجبوا للماء وللدواهي۔

لام تعجب کے سوال کا جواب مصنف کافیہ نے خود ایضاح شرح مفصل میں دوسرے پیرایے میں دیا ہے یہاں شارح اس کی تشریح کرتے ہیں کہ لام تعجب کے سوال کا جواب وجہ آخر سے بھی دیا گیا ہے جس کو مصنف نے ایضاح شرح مفصل میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ منادی یا للماء و یا للدواهی کے قول میں ماء اور دواھی نہیں بلکہ منادی یہاں محذوف ہے اور وہ قوم یاھولاء کا لفظ ہے جس کے تقدیر پر معنی کلام کے یہ ہوں گے کہ اے قوم ماء اور دواھی کا تعجب کرو پس قوم یاھولاء منادی کو محذوف کر کے اس کے مقام پر مستغاث لہ کو قائم کیا گیا ہے۔

ولا يخفى عليك أن القول بحذف المنادى على تقدير كسر اللام ظاهر وأما على تقدير فتحها فمشكل لانتفاء ما يقتضي فتحها حينئذ كما هو الظاهر مما سبق۔

اس میں شارح نے مصنف کے ایضاح والے جواب کے ضعف پر تنبیہ کر کے ایک سوال قائم کیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ قول بحذف المنادی بنا بر تقدیر کسرہ لام ظاہر ہے لیکن بنا بر تقدیر فتحہ لام مشکل ہے کیونکہ فتحہ علامت مستغاث ہے اور اس وقت مقتضی فتحہ لام منتفی ہے جیسا کہ ماسبق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

شارح نے سوال پر تنبیہ کر کے جواب چھوڑ دیا ہے اس کا جواب یہ فقیر دیتا ہے کہ چونکہ منادی محذوف نسیا منسیا تھا اور مستغاث لہ کو اس کے مقام پر رکھا گیا ہے اس لئے اس کو منادی کا حکم دیا گیا ہے۔

و يفتح أي يبنى المنادى على الفتح۔

اس کے بڑھانے سے مقصود یہ ہے کہ یفتح کی ضمیر فاعل منادی کی طرف راجع ہے یعنی الف استغاثہ کے الحاق کی وجہ سے منادیٰ مبنی برفتحہ ہوجاتا ہے۔

لإلحاق ألفها أي ألف الاستغاثة باخره لاقتضاء الألف فتح ما قبلها.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس قسم کے منادیٰ کو مبنی کیوں مانا حالانکہ اصل اسماء میں اعراب ہوتا ہے اور فتح پر کیوں مبنی ٹھہرایا مبنی برضمہ وکسرہ کیوں نہیں مانا؟

شارح نے جواب دیا کہ مبنی اس لئے مانا ہے کہ یہ کاف اسمی کے مقام واقع ہے اور مبنی اس لئے ٹھہرایا ہے کہ اس کے آخر میں الف ہے اور الف ماقبل کے فتحہ کا مقتضی ہے۔

ولا لام فيه حينئذ لأن اللام يقتضي الجر، والألف الفتح فبين أثريهما تنافٍ فلا يحسن الجمع بينهما.

یعنی الف استغاثہ کے ساتھ لام استغاثہ جمع نہیں ہوگا کیونکہ لام استغاثہ جر کا مقتضی ہے اور الف استغاثہ فتحہ کو چاہتا ہے چونکہ دونوں کے اثر کے درمیان منافات ہے اس لئے دونوں کا ایک مقام میں جمع ہونا اچھا نہیں ہے لہذا جس جگہ الف استغاثہ ہوگا وہاں لام استغاثہ نہیں لایا جائے گا۔

مثل: يا زيداه بإلحاق الهاء به للوقف.

یہ اس منادی کی مثال ہے جس کے آخر میں الف استغاثہ ملحق ہوکر مبنی بر فتح ہوا ہو، اس کے آخر میں یہ کلمہ باء وقف کے لئے ملحق کردیا گیا ہے۔

وينصب ما سواهما أي وينصب بالمفعولية ما سوى المنادى المفرد المعرفة والمنادى المستغاث مع اللام أو الألف.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مذکور ماسبق میں تین اقسام ہیں اور سواھما میں ھما ضمیر تثنیہ ہے پس درمیان راجع اور مرجع کے طابقت حاصل نہیں ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ھما کی ضمیر منادی مفرد معرفہ اور مطلق مستغاث کی طرف راجع ہے خواہ مستغاث باللام ہو خواہ مستغاث بالالف۔

لفظا أو تقديرا.

ان الفاظ کے بڑھانے سے شارح کا مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ یا فتی القوم سے منقوض ہے کیونکہ یہ قسمین مذکورین کے ماسوا ہے اور باوجود اس کے منصوب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ نصب عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری، یہاں اگر چہ لفظی نہیں، لیکن تقدیری موجود ہے۔

إن كان معربا قبل دخول حرف النداء لأن علة النصب وهى المفعولية متحققة فيه وما غيره مغير عن حاله وما سوى المفرد المعرفة واما ما لا يكون مفرداً بأن يكون مضافاً أو شبه مضافٍ واما ما يكون مفرداً لكن لا يكون معرفة واما ما لا يكون مفرداً ولا معرفة فالقسم الأول وهو ما لا يكون مفرداً لكونه مضافاًمثل يا عبد الله۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ یا خمسة عشرة سے منقوض ہے کیونکہ یہ قسمین مذکورین کے ماسوا ہے اور باوجود اس کے یہ نہ لفظاً منصوب ہے اور نہ تقدیراً۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ حکم اس منادیٰ میں ہے جو قبل دخول حرف ندا معرب ہو اور یا خمسة عشرة منادیٰ قبل دخول حرف ندا مبنی ہے اور ماسوائے قسمین مذکورین اس لئے منصوب ہوں گے کہ یہاں علت نصب مفعولیت ہے اور وہ اس میں متحقق ہے اس کو کسی مغیر نے اپنی اصلی حالت سے تبدیل نہیں کیا ہے اور ماسوائے منادیٰ مفرد معرفہ کی چار قسمیں ہیں اول یہ کہ مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو۔ دوم یہ کہ مفرد ہو، لیکن معرفہ نہ ہو، بلکہ نکرہ ہو۔ سوم یہ کہ مفرد ہو، لیکن معرفہ نہ ہو۔ چہارم نہ مفرد ہو نہ معرفہ۔ پس قسم اول یعنی اس منادی کی مثال جو مفرد نہ ہو بلکہ مضاف ہو: یا عبد الله ہے۔

والقسم الثانى وهو ما لا يكون مفرداً لكونه شبه مضافٍ مثل يا طالعاً جبلاً۔

یعنی قسم ثانی کی مثال اور وہ یہ ہے جو مفرد نہ ہو بلکہ شبہ مضاف ہو یا طالعاً جبلاً ہے۔

والقسم الثالث وهو ما يكون مفرداً ولكن لا يكون معرفة مثل۔

اور قسم ثالث کی مثال یا رجلاً ہے اور قسم ثالث، وہ ہے جو مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو۔

يا رجلاً مقولاً۔

اس کے بڑھانے سے مقصود شارح کا یہ ہے کہ رجلاً کا لفظ ترکیب میں ذوالحال ہے اور مقولاً اس کا حال ہے

اور جار ومجرور اسی کے متعلق ہے۔

لغیر معین أی لرجل غیر معین۔

اس کے بڑھانے سے مقصود یہ ہے کہ غیر معین لرجل کی صفت ہے۔

وهذا توقیت لنصب رجلاً لا تقیید له لأنه منصوبا لا یحتمل المعین۔

اس میں شارح غیر معین کےقول کی معنوی تحقیق کرتے ہیں کہ غیر معین کاقول رجلاً کےنصب کے توقیت کے لئے ہے اس کی تقیید کے لئے نہیں ہے کیونکہ رجلاً منصوب ہے تعین کا احتمال نہیں رکھتا یعنی رجلاً کا نصب موقت بمدت مقولیت غیر معین ہے یعنی اس کے منصوب ہونے کی مدت یہی ہے کہ غیر معین کے لئے کہا جائے اور جب یہ مدت ختم ہو یعنی معین کے لئے بولا جائے تو اس وقت منصوب نہیں ہوگا اور یہ غیر معین کا قول رجلاً کےنصب کے لئے تقیید اس لئے نہیں کہ رجلاً کےنصب کی دو حالتیں نہیں کہ ایک حالت میں معین مانا جائے اور دوسری حالت میں غیر معین تاکہ ایک حالت کو دوسری حالت سے مقید کر کے ایک کا دوسرے سے احتراز کریں۔

والقسم الرابع وهو ما لا یکون مفرداً ولا معرفة مثل: یا حسناً وجهه ظریفاً۔

یعنی قسم رابع وہ ہے جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ اور اس کی مثال یا حسناً وجهه ظریفاً ہے۔

ولـم یـورد المصنفؒ لهذا القسم مثالاً إذ حیث اتضح انتفاء کل من القیدین بمثال سهل تصور انتفائهما معاً فلا حاجة إلی إیراد مثالٍ له علی انفراده۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے اقسام ثلاثہ کی امثال ذکر کیں اور قسم رابع کی مثال چھوڑ دی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس قسم رابع کے لئے علیحدہ مثال اس لئے ذکر نہیں کی کہ جب مفرد اور معرفہ یعنی ان دونوں قیدوں کی نفی مثال کے ذریعہ سے واضح ہو چکی تو اب دونوں کے انتفا کا تصور معاً آسان ہو گیا پس علیحدہ مثال لانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رہی۔

مـع أن الـمثـال الثانی یحتمله فیمکن أن یراد بقوله: یا طالعاً جبلاً هذه العبارة أعم من أن یـراد بها معین أو غیر معین فأمثلة الأقسام بأسرها مذکورة وهذه الأمثلة کلها مثال لما سوی المستغاث أیضاً فلا حاجة إلی إیراد مثال له علیحدة۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ قسم ثانی کی مثال قسم رابع کے لئے بھی مثال ہوسکتی ہے اس طرح کہ یا طالعاً جبلاً کے قول سے مراد بھی عبارت ہو اور یہ عام ہے خواہ معین ہو خواہ غیر معین۔ اگر اس سے مراد معین ہو تو اس صورت میں قسم ثانی کی مثال ہوگی اور اگر غیر معین مراد ہو تو اس تقدیر پر یہ قسم رابع کی مثال مانی جائے گی پس اقسام اربعہ کی امثال مکمل مذکور ثابت ہوئیں اور یہ امثال کل کی کل سوائے منادی مستغاث کے لئے بھی امثال ہوسکتی ہیں پس اس کے لئے بھی علیحدہ مثال لانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

وتوابع المنادى المبنى على ما يرفع به المفردة حقيقة أو حكما إنما قيد المنادى بكونه مبنيا لأن توابع المنادى المعرب تابعة للفظه فقط وقيدنا المبنى بكونه على ما يرفع به لأن توابع المستغاث بالألف لا يجوز فيها الرفع نحو يا زيدا وعمرا لا وعمرو لأن المتبوع مبنى على الفتح وقيد التوابع بكونها مفردة لأنها لو لم تكن مفردة لا حقيقة ولا حكما كانت مضافة بالإضافة المعنوية وحينئذ لا يجوز فيها إلا النصب وإنما جعلنا المفردة أعم من أن تكون مفردة حقيقة بأن لا تكون مضافة معنوية ولا لفظية ولا شبه مضاف، أوحكماً بأن تكون مضافة لفظية أو مشبهة بالمضاف فانهما لما انتفت فيهما الإضافة المعنوية كانتا فى حكم المفردة لتدخل فيها المضافة بالإضافة اللفظية والمشبهة بالمضاف لأنهما كالتوابع المفردة فى جواز الرفع والنصب نحو يا زيد الحسن الوجه والحسن الوجه ويا زيد الحسن وجهه والحسن وجهه۔

اس میں شارح توابع منادیٰ مفرد کی قیودات بیان کرتے ہیں کہ مصنفؒ نے منادی کو مبنی ہونے کی قید سے اس لئے مقید کیا کہ منادیٰ معرب کے توابع فقط لفظ کے تابع ہوتے ہیں اور ہم نے مبنی کو علی ما یرفع بہ کی قید سے اس لئے مقید کردیا ہے کہ منادی مستغاث بہ الف کے توابع میں رفع جائز نہیں، جیسے یا زیدا وعمرا لا وعمرو میں ہے کیونکہ متبوع مبنی برفتحہ ہوتا ہے اور مصنف نے توابع کو مفردۃ کی قید سے اس لئے مقید کردیا ہے کہ اگر مفرد نہ ہوں، نہ حقیقۃ اور نہ حکما تو اس صورت میں مضاف باضافت معنوی ہوں گے اور اس وقت ان میں صرف نصب ہی جائز ہوگا اور ہم نے مفرد کو عام کردیا ہے خواہ مفرد حقیقۃ ہوں اس طرح کہ نہ مضاف باضافت معنوی ہوں اور نہ مضاف باضافت لفظیہ

ہوں اور نہ شبہ مضاف ہوں خواہ مفرد حکماً ہوں اس طرح کہ مضاف باضافت لفظیہ ہوں یا شبہ مضاف ہوں کیونکہ جب مضاف باضافت لفظی یا مشابہ بالمضاف میں اضافت معنوی منتفی ہوئی تو یہ اس صورت میں توابع مفردہ کے حکم میں ہوگئے پس اس تقدیر پر ان توابع میں مضاف باضافت لفظیہ اور مشابہ بالمضاف دونوں داخل ہوگئے کیونکہ وہ رفع اور نصب کے جواز میں مثل توابع مفردہ کے ہیں جیسے یا زید الحسن الوجہ والحسن الوجہ،ویا زید الحسن وجهه والحسن وجهه میں ہے اول دو مثالیں اضافت لفظی کی ہیں اور ثانی دو مثالیں مشابہ بالمضاف کی ہیں۔

ولما لم يجر الحكم الآتى فى التوابع كلها بل فى بعضها ولم يجر فيما هو جار فيه مطلقاً بل لا بد فى بعضها من قيد فصل التوابع الجارى هذا الحكم فيها وصرّح بالقيد فيما هو محتاج اليه فقال:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ توابع منادی مفرد معرفہ کے پانچ ہیں اور مصنفؒ نے بعض کو ذکر کیا اور بعض کو چھوڑ کر مقید کر دیا ہے اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ آنے والا حکم کل توابع میں جاری نہیں بلکہ بعض میں جاری ہے اور بعض میں مطلقاً جاری نہیں بلکہ مع قید معنوی وغیرہ کے جاری ہے۔اس لئے مصنفؒ نے ان توابع کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جن میں یہ حکم جاری ہے اور اس قید کی تصریح کی جس کی طرف حاجت پڑتی ہے پس کہا:

من التاكيد أى المعنوى لأن التاكيد اللفظى حكمه فى الأغلب حكم الأول إعراباً وبناءً نحو يا زيد زيد۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ یا زید زید سے منقوض ہے کیونکہ یہاں زید ثانی تاکید ہے اور باوجود اس کے اس میں ضمہ متعین ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے کیونکہ تاکید لفظی اعراب و بنا میں اغلب اور اکثر اول کا حکم رکھتی ہے جیسے یا زید زید میں زید ثانی اول کے حکم میں ہے۔

وقد يجوز إعرابه رفعاً ونصباً وكان المختار عند المصنف ذلك ولذلك لم يقيد التاكيد بالمعنوى۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مراد تاکید سے تاکید

معنوی ہے پس مصنف نے تاکید کو قید معنوی کے ساتھ کیوں مقید نہیں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کبھی اس تاکید میں رفع اور نصب کو بھی تجویز کرتے ہیں اور چونکہ یہی مذہب سیبویہ کا ہے کیونکہ وہ مطلق تاکید میں جواز وجہین کے قائل ہیں اور یہی مصنف کافیہ کے نزدیک بھی مختار ہے اس لئے تاکید کو معنوی ہونے کی قید سے مقید نہیں کیا۔

والصفة مطلقا **وعطف البيان** كذلك **والمعطوف بحرف الممتنع دخول "يا" عليه** يعنى المعرف باللام بخلاف البدل والمعطوف الغير الممتنع دخول "يا" عليه فإن حكمهما غير حكمهما كما سيجيء۔

یعنی توابع منادیٰ مبنی میں سے تاکید معنوی اور مطلق صفت اور اسی طرح مطلق عطف بیان خواہ باللام ہو خواہ بدون لام اور وہ معطوف بحرف جس پر دخول یا ممتنع ہو یعنی جو معرف باللام ہو۔ سب توابع اربعہ مذکورہ لفظ پر حمل کر کے مرفوع اور محل پر حمل کر کے منصوب پڑھے جائیں گے بخلاف بدل اور اس بعض معطوف کے جس پر دخول یا ممتنع نہ ہو کہ ان کا حکم ان کے حکم کے غیر ہے جیسا کہ آئے گا۔

ترفع حملاً على لفظه الظاهر أوالمقدر لأن بناء المنادى عرضى فيشبه المعرب فيجوز أن يكون تابعه تابعاً للفظه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادیٰ مبنی کے توابع محل کے تابع ہوتے ہیں اور منادیٰ کا محل نصب کا محل ہے بنا بر مفعول بہ ہونے کے پس مناسب ہے کہ اس کا تابع بھی منصوب ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ منادیٰ کا مبنی ہونا عارضی ہے پس یہ معرب کے مشابہ ہوا اور تابع معرب کا لفظ کا تابع ہوتا ہے لہذا جس طرح منادیٰ معرب کے حکم میں ہے اسی طرح اس کا تابع بھی لفظ کے تابع ہو کر معرب مانا جائے گا اور حمل علی لفظ المنادیٰ عام ہے خواہ لفظ ظاہر پر ہو خواہ مقدر پر جیسے یا فتی میں ہے۔

وتنصب حملاً على محله لأن حق تابع المنادى المبنى أن يكون تابعا لمحله وهو ههنا منصوب المحل بالمفعولية۔

یعنی اگر توابع مذکورہ بالا کا حمل محل منادیٰ پر کریں گے تو اس صورت میں منصوب پڑھیں گے کیونکہ منادیٰ مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ وہ محل منادیٰ کا تابع ہوگا اور منادیٰ کا محل یہاں بنا بر مفعولیت نصب ہے اسی طرح اس کا تابع بھی

منصوب المحل ہوگا۔

مثل: یا تیم أجمعون وأجمعین فی التاکید **ویا زید العاقل والعاقل** فی الصفة۔

یعنی تاکید کی مثال یا تیم أجمعون و أجمعین ہے یہاں أجمعون کو اگر تیم کے لفظ پر حمل کریں گے تو مرفوع بالواو أجمعون پڑھیں گے اور اگر اس کے محل پر حمل کریں گے تو اس صورت میں أجمعین منصوب المحل پڑھیں گے اور صفت کی مثال یا زید العاقل والعاقل۔ ہے اس میں عاقل کا لفظ اگر زید کے لفظ پر حمل کریں تو مضموم پڑھیں اور اگر اس کے محل پر حمل کریں تو اس صورت میں مفتوح پڑھنا چاہئے۔

واقتصر علی مثالها لأنها أکثر وأشهر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے صفت کی مثال پر اختصار کیوں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ صفت کی مثال اکثر اور اشہر تھی اس لئے اس پر اختصار کر کے تاکید اور عطف بیان اور عطف کی امثال کو چھوڑ دیا۔

ویا غلام بشر وبشراً فی عطف البیان۔

اور عطف بیان کی مثال یا غلام بشر وبشراً ہے بشر کا حمل اگر غلام کے لفظ پر کریں تو مرفوع پڑھیں اور اس کے محل پر حمل کریں تو اس تقدیر پر منصوب پڑھنا چاہئے۔

ویا زید والحارث والحارث فی المعطوف بحرف الممتنع دخول "یا" علیه۔

اور اس معطوف کی مثال جس پر دخول یا ممتنع ہو یا زید والحارث والحارث ہے کہ اس میں حارث کے لفظ کا حمل اگر زید کے لفظ پر کریں تو مضموم پڑھیں اور اگر اس کے محل پر حمل کرنا چاہیں تو مفتوح پڑھیں۔

والخلیل بن أحمد وهو أستاذ سیبویه **فی المعطوف** بحرف الممتنع دخول "یا" علیه **یختار الرفع** مع تجویزه النصب لأن المعطوف بحرف فی الحقیقة منادی مستقل فینبغی أن یکون علی حالة جاریة علیه علی تقدیر مباشرة حرف النداء له وهی الضمة أو ما یقوم مقامها، ولکن لما لم یباشره حرف النداء جعلت تلك الحالة إعراباً فصارت رفعاً۔

اور خلیل بن احمد جو کہ سیبویہ کے استاد ہیں اس معطوف میں جس پر دخول یا ممنوع ہو مع تجویز نصب کے رفع

مختار مانتے ہیں کیونکہ یہ معطوف مذکور حقیقت میں منادیٰ مستقل ہے پس مناسب ہے کہ یہ بہ تقدیر مباشرت حرف ندا کی اسی حالت میں رکھا جائے جس پر وہ حالت جاری ہے اور وہ حالت ضمہ ہے یا اس کے قائم مقام الف وواو ہیں لیکن چونکہ اس معطوف مذکور پر حرف ندا داخل نہیں ہوسکتا اس لئے وہ حالت اعرابی حالت ٹھہرائی گئی پس وہ حالت رفعی ہوئی نہ ضمی۔

وأبو عمرو بن العلاء النحوى القاريُّ المقدم على الخليل يختار فيه **النصب** مع تجويزه الرفع فإنه لما امتنع فيه تقدير حرف النداء بواسطة اللام لا يكون منادىً مستقلاً فله حكم التبعية وتابع المبنى تابع لمحله ومحله النصب۔

اور ابوعمرو بن علاء نحوی قاری جو خلیل پر مقدم ہیں معطوف مذکور میں نصب کو مختار اور رفع کو جائز مانتے ہیں کیونکہ جب معطوف مذکور میں حرف ندا کا مقدر ہونا بواسطہ لام کے ممتنع ہے کیونکہ اس سے تعریف کے دو آلوں کا اجتماع لازم آتا ہے پس وہ منادی مستقل نہیں ہوگا، بلکہ وہ تابع کے حکم میں ہوگا اور منادی مبنی کا تابع محل کا تابع ہوتا ہے اور اس کا محل بنا بر مفعول بہ ہونے کے نصب ہے لہذا نصب مختار اور رفع جائز رہے گا۔

وأبو العباس المبرد **إن كان** المعطوف المذكور **كالحسن** أى كاسم الحسن فى جواز نزع اللام عنه **فكالخليل** أى فأبو العباس مثل الخليل فى اختيار رفعه لإمكان جعله منادىً مستقلاً بنزع اللام عنه **وإلا** أى وإن لم يكن المعطوف المذكور كاسم الحسن فى جواز نزع اللام عنه مثل النجم والصعق **فكأبى عمرو** أى فأبو العباس مثل أبى عمرو فى اختيار النصب لامتناع جعله منادى مستقلاً۔

یعنی ابوالعباس جو مبرد کی کنیت ہے اگر معطوف مذکور جواز نزع الف ولام میں مثل حسن کے اسم کے ہو یعنی جس طرح حسن کے اسم سے الف ولام کا انتزاع جائز ہے اسی طرح اگر معطوف مذکور بھی ہو تو اس صورت میں ابوالعباس رفع کے اختیار کرنے میں مثل خلیل کے ہیں کیونکہ وہ الف لام کے انتزاع کے جواز کے قائل ہیں اور اس معطوف مذکور کا منادیٰ مستقل ٹھہرانا ممکن مانتے ہیں اور اگر معطوف مذکور جواز نزع الف ولام مثل حسن کے اسم کے نہ ہو جیسے: والنجم والصعق میں ہے تو اس صورت میں ابوالعباس اختیار نصب میں مثل ابی عمرو کے ہیں کیونکہ وہ اس معطوف کا منادی مستقل ٹھہرانا ممتنع مانتے ہیں۔

والمضافة عطف على المفردة أى وتوابع المنادى المبنى علىٰ ما يرفع به المضافة

بالإضافة الحقيقية تنصب لأنها إذا وقعت منادى تنصب فنصبها إذا وقعت توابع أولى لأن حرف النداء لا يباشرها مثل يا تيم كلهم في التاكيد ويا زيد ذا المال في الصفة ويا رجل أبا عبد الله في عطف البيان ولا يجيء المعطوف بحرف الممتنع دخول "يا" عليه مضافاً لأن اللام يمتنع دخولها على المضاف بالإضافة الحقيقية۔

اس میں شارح أو المضافة کے قول کی ترکیبی حالت بتاتے ہیں کہ یہ المفردة کے قول پر عطف ہے کیونکہ وہ جب منادی واقع ہوں تو اس صورت میں منصوب ہوتے ہیں پس جب توابع واقع ہوں تو اس تقدیر پر بطریق اولی منصوب مانے جائیں گے کیونکہ ان پر حرف ندا داخل نہیں ہوتا ہے جیسے یا تیم کلهم تاکید میں اور یا ذا المال صفت میں اور یا رجل أبا عبد الله عطف بیان میں ہے اور وہ معطوف جس پر دخول یا ممتنع ہو مضاف نہیں ہوتا کیونکہ الف ولام کا داخل ہونا اس مضاف پر جو مضاف باضافت معنوی ہو ممتنع ہے کیونکہ اس سے تحصیل حاصل لازم ہوتی ہے اور یہ باطل ہے۔

والبدل والمعطوف غير ما ذُكِرَ أي غير المعطوف الذي ذكر من قبل وهو الممتنع دخول "يا" عليه فغيره المعطوف الذي لا يمتنع دخول "يا" عليه۔

یعنی بدل اور معطوف غیر ماذکر یعنی وہ معطوف جس کا پیشتر ذکر ہو چکا ہے اور وہ وہ ہے جس پر دخول یا ممتنع ہو پس اس کا غیر وہ معطوف ہوگا جس پر دخول یا ممتنع نہ ہو یہاں تک کی عبارت ترکیب میں مبتدا ہے۔

حُكمه أي حكم كل واحد منهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حکمه کی ضمیر مجرور بدل اور معطوف کی طرف راجع ہے اور وہ تثنیہ ہے اور یہ مفرد ہے پس درمیان راجع اور مرجع کے مطابقت حاصل نہیں ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تثنیہ موؤل بکل واحد ہے لہذا اب اس تقدیر پر درمیان راجع اور مرجع کے مطابقت حاصل ہوگئی۔

حكم المنادى **المستقل** الذي باشره حرف النداء وذلك لأن البدل هو المقصود بالذكر والأول كالتوطية لذكره والمعطوف المخصوص منادىً مستقل في الحقيقة ولا مانع من

دخول حرف النداء علیه فیکون حرف النداء مقدراً فیه۔

یعنی بدل اور معطوف غیر ما ذکر میں سے ہر ایک کا حکم مثل اس منادی مستقل کے ہے جس پر حرف ندا داخل ہو اور یہ استقلال ضروری ہے کیونکہ مقصود بالذکر صرف بدل ہی ہوتا ہے اور اول یعنی مبدل منہ اس کے ذکر کرنے کے لئے توطیہ اور تمہید ہوتی ہے اور معطوف مخصوص حقیقت میں منادی مستقل ہے کیونکہ اس پر حرف ندا کا داخل ہونا ممنوع نہیں پس اس میں حرف ندا مقدر مانا جائے گا یہ عبارت عربی اوپر مبتدا مذکور کی خبر ہے۔

مطلقاً أی حال کون کل واحدٍ منهما مطلقاً فی هذا الحکم غیر مقید بحال من الأحوال أی سواء کانا مفردین أو مضافین أو مضارعین للمضاف أو نکرتین فالبدل مثل یا زید عمرو، ویا زید أخا عمرو، ویا زید طالعاً جبلاً ویا زید رجلاً صالحاًوالمعطوف مثل: یا زید وعمرو، ویا زید وأخا عمرو، ویا زید وطالعاً جبلاً ویا زید ورجلاً صالحا۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مطلقاً کا قول حکمه کی ضمیر مجرور سے ترکیب میں حال واقع ہوا ہے یعنی بدل اور معطوف مذکور میں سے ہر ایک اس حکم مذکور میں احوال میں سے کسی خاص حال سے مقید نہیں بلکہ مطلق ہے خواہ دونوں مفرد ہوں یا دونوں مضاف یا دونوں مشابہ بالمضاف ہوں یا خواہ دونوں نکرے ہوں پس بدل کی امثال یا زید عمرو ویا زید أخا عمرو ویا زید طالعاً جبلاً ویا زید رجلاً صالحاً ہیں اول مثال بدل معرفہ کی ہے اور ثانی بدل مضاف کی ہے اور ثالث مشابہ بالمضاف کی مثال ہے اور رابع بدل نکرہ کی مثال ہے اور معطوف کی امثال بعینہا یہی امثال بدل کے ہیں مگر معطوف میں کلمہ واو مزید بڑھایا جائے گا۔

اوپر مصنفؒ نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی برضمہ ہوتا ہے یہاں اس قاعدہ پر ایک نقض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ یا زید بن عمر سے منقوض ہے کیونکہ یہاں منادی مفرد معرفہ ہے اور باوجود اس کے یہاں فتحہ مختار ہے آگے چل کر مصنفؒ خود ہی اس نقض کا جواب دیں گے۔

والعلم أی العلم المنادی المبنی علی الضم أما کونه منادیً فلأن الکلام فیه، أما کونه مبنیاً علی الضم فلما یفهم من اختیار فتحه المنبیء عن جواز ضمه فإن جواز الضمة لا یکون إلا فی المبنی علی الضم **الموصوف بابن مجردٍ** عن التاء أو ملحوق بها أعنی ابنةً بلا تخلل واسطة بین الابن وموصوفه کما هو المتبادر إلی الفهم، فیخرج عنه مثل یا زید الظریف ابن

عمرو، **مضافاً** أى حال كون ذلك الابن مضافا **إلى علم آخر** فكل علمٍ يكون كذلك يجوز فيه الضم كما عرفت من قاعدة بناء المفرد على ما يرفع به لكن **يختار فتحه** لكثرة وقوع المنادى الجامع لهذه الصفات ،والكسرة مناسبة للتخفيف، فخففوه بالفتحة التى هى حركة الأصلية لكونه مفعولاً به۔

اس عبارت میں اوپر والے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وہ علم جو منادیٰ مبنی برضمہ ہو بہرحال اس کا منادیٰ ہونا تو اس لئے ضروری ہے کہ کلام منادی سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ جواز ضمہ صرف منادیٰ مبنی برضمہ میں ہی ہوتا ہے ایسا علم جب ابن مجرد عن التاء یا ملحق بالتاء سے موصوف ہو جائے اور ابن مجرد عن التاء سے مقصد یہ ہے کہ ابنة نہ ہو اور یہ موصوفیت اس طرح ہو کہ درمیان ابن اور اس کے موصوف کے کوئی واسطہ آخر حائل نہ ہو جیسا کہ متبادر الی الفہم بھی یہی ہے پس اس تقدیر پر علم مذکور کی تعریف سے یا زید الظریف ابن عمرو کی مثل خارج ہوگئی کیونکہ اس میں درمیان ابن اور اس کے موصوف کے الظریف کا لفظ حائل ہو گیا ہے اور حال یہ ہو کہ وہ ابن کسی دوسرے علم کی طرف مضاف بھی ہو پس ہر وہ علم جو ایسی صفت سے موصوف ہو اس میں ضمہ جائز ہوگا جیسا کہ اوپر المبنى على ما يرفع به کے قاعدہ کلیہ سے مبنی برضمہ ہونا معلوم ہو چکا ہے لیکن اس کا مبنی برفتحہ ہونا مختار ہوگا کیونکہ کلام عرب میں ایسا منادی جو ان صفات مذکورہ بالا کو جامع ہو کثرت سے واقع ہوتا ہے اور کثرت مناسب تخفیف کی ہے۔ پس اس کی تخفیف فتحہ سے کی کیونکہ فتحہ ہی اس کی اصلی حرکت ہے اس لئے کہ وہ علم منادی حقیقت میں مفعول بہ ہے اور مفعول بہ کی حرکت اصلی فتحہ ہی ہوتا ہے۔

اوپر مصنف نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا تھا کہ معرفہ باللام پر دخول حرف ندا ممتنع ہے یہاں اس قاعدہ کلیہ پر ایک نقض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ یا أيها الرجل ويا هذا الرجل ويا أيهذا لرجل سے منقوض ہے کیونکہ الرجل ان امثلہ میں معرفہ باللام ہے اور باوجود اس کے اس پر حرف ندا کا دخول درست ہے۔ آگے چل کر مصنفؒ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

وإذا نودى المعرف باللام أى إذا أريد نداؤه **قيل** مثلاً:

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں شرط تمام نہیں کیونکہ اس پر جزا کا ترتب نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ معرفہ باللام کی ندا کے لئے عام معرفہ باللام مقصود ہے یہ خاص معرفہ باللام مذکور فی المتن مقصود نہیں کیونکہ اس کی یا هؤلاء الكرام ويا هذه المرأة ويا هذان العالمان وغیرہ

امثال بھی ہوسکتی ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ امثال مذکورہ فی المتن بنا بر شہرت لائے گئے ہیں اس سے مقصود مثال دینی ہے حصر مقصود نہیں ہے۔

یا أیہا الرجل بتوسط أی مع ھا التنبیہ بین حرف النداء والمنادی المعرف باللام تحرزاً عن اجتماع آلتی التعریف بلا فاصلة و **یا ھذا الرجل** بتوسط ھذا و **یا أیھذا الرجل** بتوسط الأمرین معاً۔

اس میں اوپر والے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب معرفہ باللام کو منادی ٹھہرائیں یعنی اس کی طرف ندا کا قصد کریں گے تو مثلاً یا أیہا الرجل میں بتوسط لفظ أی معہ ہائے تنبیہ کے درمیان حرف ندا اور منادی معرف باللام کے پڑھیں گے تاکہ آلتی تعریف بلا فاصلہ جمع نہ ہوں اور یا ھذا الرجل میں بتوسط لفظ ھذا اور یا أیھذا الرجل میں بتوسط امرین یعنی بتوسط أی وھذا پڑھیں گے۔

خلاصہ مطلب جواب کا یہ ہوا کہ معرفہ باللام پر دخول حرف ندا بالذات ممنوع ہے بالواسطہ منع نہیں اور یہاں واسطہ موجود ہے لہذا یہاں دخول حرف ندا درست ہے۔

اوپر مصنف نے کہا تھا کہ منادی مفرد معرفہ کے توابع میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں یہاں اس قاعدہ پر ایک نقض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ یا أیہا الرجل سے منقوض ہے کیونکہ یہاں کلمہ أیٌ منادی مفرد معرفہ ہے اور الرجل اس کا تابع ہے اور باوجود اس کے الرجل میں جواز وجہین نہیں بلکہ یہاں رفع لازم ہے۔ آگے چل کر مصنفؒ خود ہی اس نقض مذکور کا جواب دیں گے۔

والتزموا یعنی العرب **رفع الرجل** مثلا۔

اس کے بڑھانے کی وجہ اوپر تشریح کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔

وإن کان صفةً وحقھا جواز الوجھین الرفع والنصب کما مر **لأنہ** أی الرجل مثلاً **ھو المقصود بالنداء** فالتزم رفعہ لتکون حرکتہ الإعرابیة موافقة للحرکة البنائیة التی ھی علامة المنادی فتدل علی أنہ ھو المقصود بالنداء۔

اس میں اوپر کے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اہل عرب نے الرجل میں رفع لازم کر دیا ہے اگر

چہ یہ صفت ہے اور صفت کا حق جواز وجہین ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کیونکہ یہاں الرجل مثلاً مقصود بالنداء ہے پس اس کا مرفوع ہونا لازم کیا گیا تا کہ اس کی حرکت اعرابی حرکت بنائی کے موافق ہو جائے اور حرکت بنائی منادی کی علامت ہے پس یہ منادی کے مقصود بالنداء ہونے پر دلالت کرے گی یعنی جواز وجہین منادی کی اس صفت میں ہوتا ہے جو مقصود بالنداء نہ ہو اور یہاں چونکہ یہ مقصود بالنداء ہے اس لئے اس کا مرفوع ہونا لازمی ٹھہرا۔

وهذا بمنزلة المستثنى عن قاعدة جواز الوجهين في صفة المنادى ولهذا لم يذكر هناك ما يخرج صفة الاسم المبهم عن تلك القاعدة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مناسب ہے الرجل میں رفع اور نصب دونوں جائز ہوں کیونکہ یہ منادی مبنی کے توابع میں سے ہے اور توابع منادی مبنی کے بنا بر حمل علی اللفظ مرفوع اور بنا برحمل علی المحل منصوب ہوتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الرجل کا لفظ اگر چہ منادی مبنی کی صفت ہے لیکن یہ جواز وجہین کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ مقصود بالنداء ہے اور اسی وجہ سے یہاں کوئی ایسی قید ذکر نہیں کی جس کی بنا پر قاعدہ مذکورہ سے اس اسم مبہم کی صفت خارج ہو۔

اوپر یہ قاعدہ باندھا تھا کہ الرجل مقصود بالنداء ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ کے حکم میں ہے اس پر یہاں ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ کے توابع میں جواز وجہین ہے اسی طرح الرجل کے توابع میں بھی جواز وجہین ہونا چاہئے حالانکہ امر ایسا نہیں ہے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

وتوابعه بالجر عطف على الرجل أي والتزموا رفع توابع الرجل مضافة أو مفردة نحو ياأيها الرجل الظريف وياأيها الرجل ذو المال **لأنها توابع** منادىٰ **معرب** وجواز الوجهين إنما يكون في توابع المنادى المبني۔

اس میں اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح الرجل میں رفع لازم ہے اسی طرح اس کے توابع میں بھی رفع ضروری ہے خواہ وہ توابع مضاف ہوں خواہ مفرد جیسے یا أیها الرجل الظریف اور یا ایها الرجل ذو المال میں ظریف اور ذو المال کا مرفوع ہونا لازم ہے کیونکہ یہ منادی معرب کے توابع ہیں اور جواز وجہین منادی مبنی کے توابع میں ہوتا ہے اور توابعہ کا لفظ ترکیب میں بنا بر عطف علی الرجل مجرور ہے۔

اوپر یہ قاعدہ باندھا تھا کہ معرفہ باللام پر دخول حرف ندا بالذات ممنوع ہے اس پر یہاں ایک نقض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ یا اللہ سے منقوض ہے کیونکہ یہ معرفہ باللام ہے اور باوجود اس کے اس پر حرف ندا بالذات داخل ہوا ہے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیں گے۔

وقالوا بناءً على قاعدة تجويز اجتماع حرف النداء مع اللام وهي اجتماع أمرين: أحدهما كون اللام عوضاً عن محذوفٍ وثانيهما لزومها للكلمة۔

یہ اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لام کے ساتھ حرف ندا کے اجتماع کی تجویز کے قاعدہ کی بنا پر اہل عرب یـــــا اللہ خاص کر کے بولتے ہیں اور اس قاعدہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ اللہ میں الف ولام محذوف کے عوض مانیں اور دوسری صورت یہ کہ اللہ کے کلمہ میں الف ولام کا لزوم ٹھہرائیں۔

يا الله لأن أصله الإله فحذفت الهمزة وعوّضت اللام عنها ولزمت الكلمة فلا يقال في سعة الكلام لاه ولما لم يجتمع هذان الأمران في موضع اخر اختص هذا الاسم بذلك الجواز ولهذا قال:

اس میں لفظ اللہ کے الف ولام کے عوض ہونے کی دلیل ہے یعنی یہاں الف ولام اس لئے عوضی ہے کہ اس کی اصل الإلـــہ ہے پس ہمزہ محذوف کیا گیا اور اس کے عوض میں الف ولام لایا گیا اور وہ کلمہ کے ساتھ لازم ہو گئے ہیں پس اسی وجہ سے سعت کلام میں لاہ نہیں بولا جا سکتا ہے اور چونکہ یہ دو امر سوائے لفظ اللہ کے کسی دوسرے مقام میں جمع نہیں ہوئے ہیں اس لئے یہ اجتماع حرف ندا مع اللام کا جواز لفظ اللہ کے لفظ سے مخصوص ہوا اور اسی وجہ سے خـاصۃ کہہ دیا۔

خاصةً وأما مثل النجم والصعق وإن كانت اللام لازمةً فيه لكن ليست عوضاً عن محذوف وأما الناس وإن كانت اللام فيه عوضاً عن الهمزة لأن أصله الأناس لكن ليست لازمة للكلمة لأنه يقال: ناس في سعة الكلام فلا يجوز أن يقال: يا النجم ويا الناس۔

یعنی النـجم اور الـصعق کے الفاظ میں اگرچہ الف ولام لازم ہو گئے ہیں لیکن یہ محذوف کے عوض میں نہیں لائے گئے ہیں اور الـناس میں اگرچہ الف ولام ہمزہ کے عوض میں لائے ہیں کیونکہ اس کی اصلَ الأنـاس ہے لیکن یہ کلمہ کے ساتھ لازم نہیں اس لئے کہ سعت کلام میں ناس بولا جا سکتا ہے پس یا النجم اور یا الناس نہیں بول سکتے ہیں۔

خلاصہ مطلب جواب کا یہ ہے کہ دخول حرف ندا معرفہ باللام پر اس وقت ممنوع ہے جس وقت الف ولام عوضی نہ ہوں اور یہاں الف ولام عوضی ہیں۔

ولعدم جريان هذه القاعدة في التي في قوله شعر:

من أجلك يا التي تيمت قلبي وأنت بخيلة بالوصل عني

لأن لامها ليست عوضاً عن محذوف وإن كانت لازمة للكلمة حكموا عليه بالشذوذ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ شاعر کے شعر مذکور بالا سے منقوض ہے کیونکہ اس میں الف ولام التی کے لازم غیر عوضی ہیں اور باوجود اس کے اس پر حرف ندا داخل ہوا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ یہ قاعدہ مذکورہ بالا التـــی میں جاری نہیں اس لئے کہ اس کے الف ولام محذوف کے عوض نہیں اگر چہ کلمہ کے ساتھ لازم ہیں اس وجہ سے نحاۃ نے اس پر شذوذ کا حکم لگایا ہے شعر کے معنی یہ ہیں ''اے میری محبوبہ! تیری محبت میں تکلیف برداشت کررہا ہوں کیونکہ میرے قلب میں تیری محبت ہے اور تو وصال دینے میں میرے اوپر بخیلی کررہی ہے یہ کیسا انصاف ہے؟''

وفي الغلامان في قولهم: ''فيا الغلامان اللذان'' لانتفاء الأمرين كليهما حكموا بأنه أشذ شذوذاً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ شاعر کے قول فیـــا الغلامان الخ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں الف ولام نہ لازمی ہیں اور نہ عوضی اور باوجود اس کے اس پر حرف ندا داخل ہوا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ اس میں دونوں امور منتفی ہیں اس لئے اس پر نحاۃ نے أشذ شذوذاً کا حکم لگایا ہے اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہذا قاعدہ مذکورہ بالا ان نواقض سے محفوظ رہا۔

اوپر مصنفؒ نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا تھا کہ منادی مفرد معرفہ مبنی برضمہ ہوتا ہے۔ اس پر یہاں ایک نقض واقع ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ یا تیم تیم عدی سے منقوض ہے کیونکہ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور باوجود اس کے اس میں جواز وجہین ہے۔ آگے چل کر مصنفؒ خود ہی اس نقض کا جواب دیتے ہیں۔

ولک أي وجاز لك في۔

أي في تركيب کے جملہ کے بڑھانے سے مقصود یہ ہے کہ لك جار ومجرور فعل مقدر جاز سے متعلق ہے یعنی یا تیم تیم عدی کی ترکیب میں ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں۔

مثل يا تيم تيم عدى أي في تركيب تكرر فيه المنادى المفرد المعرفة صورةً وولي الثاني اسم مجرور بالإضافة في الأول۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود مثال مذکور کا عموم ہے یعنی اس ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جس میں منادیٰ مفرد معرفہ صورۃ مکرر ہوا ہو اور ثانی اسم مجرور باضافت کے قریب ہو۔

الضم والنصب وفي الثاني النصب فحسب أما الضم في الأول فلأنه مُنادًى مفرد معرفة كما هو الظاهر، والنصب على أنه مضاف إلى عديّ المذكور وتيم الثاني تاكيد لفظي فاصل بين المضاف والمضاف إليه وذلك مذهب سيبويه، أو مضاف إلى عديّ المحذوف بقرينة المذكور وذلك مذهب المبرد، والسيرافي أجاز الفتح مكان النصب على أن يكون في الأصل يا تيم بالضم تيم عدى ففتح اتباعاً لنصب الثاني كما في يا زيد بن عمرو وتعين النصب في الثاني لأنه إما تابع مضافٍ أو تابعٌ مضافٌ وتمام البيت:

يا تيم تيم عديّ لا أباً لكم لا يلقينكم في سوءةٍ عمر

والبيت لجرير حين أراد عمر التيمي الشاعر أن يهجوه فقال جرير خطاباً لبني تميم: لا تتركوا عمر أن يهجوني فيلقينكم في سوءة أي مكروه من قبلي يعني مهاجاته إياهم۔

یعنی ترکیب مذکور میں ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں اور ثانی تیم میں فقط نصب ہی ہے بہر حال اول کا ضمہ اس لئے جائز ہے کہ یہ منادی مفرد معرفہ ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے اور اس کا نصب اس لئے جائز ہے کہ وہ عدی مذکور کی طرف مضاف ہے اور تیم ثانی اس کی تاکید لفظی فاصل درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے ہے اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے۔ یا عدی محذوف کی طرف مضاف ہے بقرینہ عدی مذکور کے اور یہ مذہب مبرد کا ہے۔ اور سیرافی بجائے نصب کے فتح کو جائز قرار دیتے ہیں اس بنا پر کہ یہ اصل میں یا تیم بضمہ تیم عدی ہے پس بنا بر متابعت نصب ثانی کے مفتوح کیا گیا جیسے یا زید بن عمرو میں ہے اور ثانی میں نصب اس لئے متعین ہے کہ یہ مضاف کا تابع ہے جیسا کہ یہ مذہب سیبویہ کا ہے یا تابع مضاف ہے جیسا کہ مذہب مبرد میں ہے اور پورا شعر یہ ہے۔

یا تیم تیم عدیّ لا أباً لکم لا یلقینکم فی سوءةٍ عمر

اور یہ شعر جریر کا ہے جس وقت عمر تیمی شاعر نے اس کی مذمت کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت جریر نے بنی تمیم سے خطاب کر کے کہا کہ عمر کو میری مذمت کرنے سے منع کرو، ورنہ تم کو میری طرف سے تکلیف میں مبتلا کرے گا یعنی میں تمہاری مذمت کرنا شروع کردوں گا۔

والمنادی المضاف إلی یاء المتکلم یجوز فیه وجوه أربعة: فتح الیاء مثل: یا غلامی وسکونها مثل: یا غلامی وإسقاط الیاء اکتفاءً بالکسرة إذا کان قبلها کسرة احترازاً عن نحو یا فتای، مثل: یا غلام وقبلها ألفاً نحو: یا غلاما وهذان الوجهان یقعان غالباً فی النداء لأن النداء موضع تخفیف لأن المقصود غیره فیقصد الفراغ من النداء بسرعة لیتخلص إلی المقصود من الکلام فخفف یا غلامی بوجهین حذف الیاء وإبقاء الکسرة دلیلاً علیه وقلب الیاء ألفاً لأن الألف والفتحة أخف من الیاء والکسرة۔

یعنی وہ منادی جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجوہ جائز ہیں: اول فتحہ یاء جیسے یا غلامی میں ہے دوم سکون یاء جیسے یا غلامی میں ہے۔ سوم اسقاط یاء بنابر اکتفا بر کسرہ جب اس کا ماقبل مکسور ہو اس سے یا فتایٔ کے قول سے احتراز کیا کیونکہ اس میں ماقبل یاء مکسور نہیں ہے اسقاط یاء کی مثال یا غلام ہے، چہارم قلب یاء بالف جیسے یا غلاما میں ہے اور یہ دو وجوہات یعنی اسقاط اور قلب یاء بالف غالباً ندا میں واقع ہوتے ہیں کیونکہ ندا موضع تخفیف ہے اس لئے کہ مقصود اس کا غیر ہوتا ہے پس ندا سے جلدی فارغ ہو کر کلام کے مقصود کی تحصیل کا قصد کیا جاتا ہے لہذا یا غلامی میں دو طریقوں سے تخفیف کی جاتی ہے اول حذف یاء اور بنابر دلیل حذف ماقبل کا مکسور چھوڑ دینا اور دوم قلب یاء بالف کیونکہ الف اور فتح میں یاء اور کسرہ سے زیادہ تخفیف ہوتی ہے۔

وهما أی هذان الوجهان وإن کانا واقعین فی المنادی المضاف إلی یاء المتکلم لکن لا یقعان فی کل منادی کذلك بل فیما غلب علیه الإضافة إلی یاء المتکلم واشتهر بها لتدل الشهرة علی الیاء المغیرة بالحذف أو القلب فلا یقال: یا عدوّ ویا عدوّا وقد جاء شاذاً فی المنادی: یا غلامَ بالفتح اکتفاءً بالفتحة عن الألف۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ یا عدو کے قول سے

منقوض ہے کیونکہ اس میں منادیٰ مضاف بطرف یائے متکلم ہے اور باوجود اس کے اس میں وجہین آخرین جائز نہیں ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ وجہین آخرین اگر چہ اس منادی میں بھی واقع ہوتی ہیں جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو لیکن یہ ہر منادی مضاف الی یائے متکلم میں واقع نہیں ہوتی بلکہ اس میں واقع ہوتی ہیں جس میں اضافت یائے متکلم کی طرف غالب اور مشہور ہو، تاکہ اس کی یہ شہرت یائے مغیرہ بالحذف یا بالقلب پر دلالت کرے لہذا یا عدو اور یا عدوا نہیں پڑھ سکتے ہیں اور منادی مذکور میں ایک شاذ اور نادر روایت میں یا غلام مفتوح بنا برا کتفا بر فتحہ از الف بھی آیا ہے گویا یہ پنجم وجہ ہوئی۔

ویکون المنادی المضاف إلی یاء المتکلم **بالهاء** فی هذه الوجوه کلها۔

یعنی وہ منادی جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو حالت وقف میں باء کے ساتھ کل وجوہات مذکورہ میں مستعمل ہوتا ہے۔

وقفاً أی فی حالة الوقف تقول: یا غلامیه ویا غلامیه وغلامه ویا غلاماه فرقاً بین الوقف والوصل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود یہ ہے کہ وقفاً کا لفظ منصوب بنا بر ظرف ہے، لیکن اس کی ظرفیت باعتبار مضاف مقدر کے ہے جو کہ لفظ حالة ہے یعنی منادیٰ مذکور میں حالت وقف میں بنا بر فرق درمیان وقف اور وصل کے ہاء کا کلمہ بھی بڑھا سکتے ہیں، پس یا غلامیه اور یا غلامیه و غلامه اور یا غلاماه بڑھ سکتے ہیں۔

وقالوا أی العرب فی محاوراتهم: **یا أبی ویا أمی** علی الوجوه الأربعة کسائر ما أضیف إلی یاء المتکلم مع وجوه اخر زایدة علیها لکثرة استعمال ندائهما فی کلامهم کما أشار إلیها بقوله:

یعنی اہل عرب اپنے محاورات میں یاأبی اور یاأمی کے الفاظ کو وجوہ اربعہ مذکورہ پر مثل تمام ان اسماء کے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں استعمال کرتے ہیں لیکن یہاں علاوہ وجوہ اربعہ مذکورہ کے چند وجوہات اور بھی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ الفاظ مذکورہ کا کلام عرب میں بطور منادی مستعمل ہونا کثرت سے آتا ہے اس لئے ان میں وجوہ آخر بھی بڑھاتے ہیں جیسا کہ وجوہ آخر کی طرف مصنفؒ نے یا أبت اور یا أمت کے قول میں اشارہ کیا ہے۔

ويا أبت ويا أمت أی قالوا: ياأبت وياأمت أيضاً بإبدال الياء بالتاء۔

یعنی اہل عرب یاء کوتاء سے بدل کر کے یاأبت اور یاأمت بھی استعمال کرتے ہیں۔

فتحاً وكسراً أی حال كون التاء مفتوحة علی وفق حركة الياء أو مكسورة لمناسبة الياء۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فتحاً أو كسراً کے الفاظ منصوب بنابر حال از تاء ہیں یعنی یا ابت اور یا امت بھی پڑھ سکتے ہیں درآنحالیکہ تاء موافق حرکت یاء کے مفتوح ہو یا یاء کی مناسبت کی بناپر مکسور ہو یعنی مفتوح اور مکسور دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وقد جاء الضم أيضا نحو يا أبت ويا أمت لإجرائه مجری المفرد المعرفة۔

یعنی الفاظ مذکورہ میں تاء کا ضمہ بھی آیا ہے کیونکہ یہ الفاظ منادی مفرد معرفہ کے حکم میں ہیں اور منادی مفرد معرفہ مبنی بر ضمہ ہوتا ہے۔

ولم يذكر للقلة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب الفاظ مذکورہ میں ضمہ بھی آیا ہے تو مصنفؒ نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ ضمہ قلیل مستعمل ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

وقالوا: ياأبتا وياأمتا بالألف بعد التاء جمعاً بين العوضين دون الياء فما قالوا: يا أبتی و يا أمتی احترازاً عن الجمع بين العوض والمعوض عنه فإنه غير جائز۔

اور اہل عرب یا أبتا اور یا أمتا بعد تاء کے الف بڑھا کر بھی مستعمل کرتے ہیں اور اس میں جمع ہے درمیان عوضین کے یعنی تاء اور الف دونوں کو یاء کے عوض میں لاتے ہیں اور یہ جائز ہے لیکن یاء نہیں بڑھاتے یعنی یا أبتی اور یا أمتی نہیں پڑھتے ہیں کیونکہ اس صورت میں درمیان عوض اور معوض عنہ کے جمع لازم آتی ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

وقالوا: يا ابن أم ويا ابن عم خاصة، هذا الاختصاص بالنظر إلی الأم والعم أی لا يقال: يا ابن أخ، ويا ابن خال، بل يقال: يا ابن أخی و يا ابن خالی لا بالنظر إلی الابن أيضاً فإنهم يقولون: يا بنت أم ويا بنت عم علی االوجوه الأربعة۔

یعنی یا إبن أخ و یا إبن خال نہیں بولا جا سکتا ہے بلکہ یا ابن أخی اور یا ابن خالی بول سکتے ہیں اور یہ خصوصیت بہ نسبت ابن کے بھی نہیں ہے کیونکہ عرب کے لوگ یا بنت أم اور یا بنت عم وجوہ اربعہ مذکورہ بالا کے موافق مثل باب غلامی کے استعمال کرتے ہیں۔

مثل باب غلامی فقالوا: یا ابن أمی و یا ابن عمی بفتح الیاء وسکونها ویا ابن أم ویا ابن عم بحذف الیاء والاکتفاء بالکسرة ویا ابن أما ویا ابن عما بإبدال الیاء ألفاً۔

پس یا ابن أمی اور یا ابن عمی بفتحہ اور بسکون یاء دونوں طرح پڑھتے ہیں اور یا ابن أم اور یا ابن عم یاء کو حذف کر کے اکتفا بالکسرہ بھی کرتے ہیں اور یا ابن أما اور یا ابن عما یاء کو الف سے بدل کر بھی استعمال کرتے ہیں۔

وقالوا بزیادة وجه اخر شذ فی المضاف إلی یاء المتکلم: **یا ابن أم ویا ابن عم** بحذف الألف والاکتفاء بالفتحة لکثرة الاستعمال وطول اللفظ وثقل التضعیف۔

یعنی اس مضاف میں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو ایک وجہ آخر بھی بڑھاتے ہیں یعنی الف کو حذف کرتے ہیں اور فتحہ پر اکتفا کر کے یا ابن أم اور یا ابن عم پڑھتے ہیں لیکن یہ بوجہ کثرت استعمال اور طول لفظ اور ثقل تضعیف کے ہے اور یہ وجہ شاذ اور نادر ہے۔

ولما کان من خصائص النداء الترخیم شرع فی بیانه فقال:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ندا کے بعد ترخیم کا لانا بے جا معلوم ہوتا ہے کیونکہ درمیان ندا اور ترخیم کے کوئی مناسبت ظاہر میں نہیں کیونکہ ترخیم کے معنی آخر شیء سے حذف کرنے کے ہیں اور ندا کے معنی آواز دینے کے ہیں۔

شارح نے ترخیم منادی کی تمہید کی طرف اشارہ کر کے اس کا جواب دیا کہ چونکہ ندا کے خصائص میں سے ترخیم بھی ہے اس لئے اس کے بعد ترخیم کا لانا بے جا نہیں بلکہ موزوں ہے۔

وترخیم المنادیٰ جائز أی واقع فی سعة الکلام من غیر ضرورة شعریة دعت إلیه، فإن دعت إلیه ضرورة فبالطریق الأولی۔

یعنی ترخیم منادیٰ ہر حالت میں جائز ہے سعة کلام میں بغیر ضرورت شعری کے جو اس کا داعی ہو اور اگر

ضرورت شعری کلام میں واقع ہوتو اس وقت ترخیم منادیٰ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

فائدہ: ترخیم کے لغوی معنی دم کاٹنے کے ہیں اور اصطلاح نحاۃ میں کلام کے آخر میں سے حرف کا حذف کرنا ہے جیسے خود مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وهو في غيره أي غير المنادى واقع۔

اس سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ غیرہ کی ضمیر مجرور منادیٰ کی طرف راجع ہے۔

ضرورة أي لضرورة شعرية داعية إليه لا في سعة الكلام۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ نے اشارہ کیا ہے کہ ضرورۃ کا لفظ ترکیب میں فعل ترخیم کا مفعول لہ ہے یعنی منادی کے علاوہ کلام میں ترخیم منادی بوجہ ضروری شعری واقع ہوگی بخلاف سعۃ کلام کے اس میں بغیر ضرورت شعری کے ترخیم منادیٰ مانی جائے گی۔

وهو أي ترخيم المنادى۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ضمیر مرفوع ترخیم منادیٰ کی طرف راجع ہے۔

حذف في آخره أي آخر المنادى۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ آخرہ کی ضمیر مجرور منادی کی طرف راجع ہے۔

تخفيفاً أي لمجرد التخفيف لا لعلة أخرى مفضية إلى الحذف المستلزم للتخفيف، فعلى هذا يكون ذلك التعريف مخصوصاً بترخيم المنادى ويعلم منه ترخيم غير المنادى بالمقايسة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ترخیم کی تعریف جامع نہیں اس سے ترخیم غیر منادیٰ کی خارج ہوگئی۔

شارح نے ترخيم المنادى کی طرف ضمیر هو راجع مان کر یہ جواب دیا کہ یہ تعریف منادی کی ترخیم سے مخصوص ہے یعنی صرف بغرض تخفیف منادی کے اخیر میں سے حرف کے حذف کرنے کا نام ترخیم ہے کسی دوسری علت کا نام نہیں ہے جس سے حذف جو مستلزم تخفیف کا ہو معلوم ہو سکے پس اس تقدیر پر یہ تعریف منادی کی ترخیم سے مخصوص مانی جائے گی اور ترخیم غیر منادیٰ کی اس سے قیاسا معلوم کرنا چاہئے۔

ویمكن حمله على تعريف الترخيم مطلقاً بإرجاع الضمير المرفوع إلى الترخيم مطلقاً والضمير المجرور إلى الاسم۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے طریقہ پر دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تعریف مطلق ترخیم کی مانی جائے اس طرح کہ ضمیر مرفوع ھو کی مطلق ترخیم کی طرف راجع کردی جائے اور ضمیر مجرور اخرہ کی اسم کی طرف ہو۔ اب بصورت عموم تعریف، تعریف منادیٰ جامع ہوگی۔

وشرطه أي شرط ترخيم المنادى على التقدير الأول أو شرط الترخيم إذا كان واقعا في المنادى على التقدير الثاني۔

اس سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ شرطہ کی ضمیر مجرور ترخیم منادیٰ کی طرف راجع ہے اگر یہ تعریف مخصوص مانی جائے یا مطلق ترخیم کی طرف ہے اگر یہ تعریف عام سمجھی جائے یعنی ترخیم منادی کی شرط بہ تقدیر اول یا ترخیم کی شرط جب کہ منادیٰ میں واقع ہو بہ تقدیر ثانی چار امور ہیں۔

أمور أربعة، ثلثة منها عدمية وهي:

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شرطه کی عبارت ترکیب میں مبتدا ہے اور أن لا يكون اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر اس کی خبر واقع ہوئی ہے اور یہ خبریت درست نہیں اس لئے کہ معطوفات اپنے معطوف علیہ سے مل کر یہ سب جمع ہو کر خبر واقع ہوئے ہیں اور ان میں کچھ عدمی ہیں اور کچھ وجودی اور یہ معلوم ہے کہ درمیان عدمی اور وجودی کے تضاد ہے لہذا اس سے اجتماع اضداد لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ أن لا يكون إلخ مجموعہ خبر نہیں بلکہ شرطه کی خبر محذوف أمور أربعة ہے یعنی ترخیم کے لئے چار چیزیں شرط ہیں تین ان میں سے عدمی ہیں اور ایک وجودی۔ اب اس تقدیر پر اجتماع اضداد لازم نہیں آیا اس لئے کہ شارح نے عدمی کو وجودی سے علیحدہ کیا لہذا اب خبریت درست ہوگئی۔

أن لا يكون **مضافاً** حقيقة أو حكماً فدخل فيه المشبه بالمضاف أيضاً۔

یعنی ان میں عدمی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس اسم میں ترخیم ہوئی ہو وہ اسم حقیقی یا حکمی مضاف نہ ہو۔

اس عربی عبارت میں شارح نے حکماً کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أن لا یکون مضافاً کے حکم سے مشابہ بالمضاف خارج ہوا اس لئے کہ متبادر مضاف سے مضاف حقیقی ہوتا ہے۔
شارح نے اس کا جواب دیا کہ مضاف عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی لہذا اس حکم میں مشابہ بالمضاف بھی داخل ہوا۔

إذ لا يمكن الحذف من الأول لأنه ليس آخر أجزاء المنادى نظراً إلى المعنى ولا من الثاني لأنه ليس آخر أجزائه نظراً إلى اللفظ فامتنع الترخيم فيهما بالكلية۔

اس میں شارح اسم مرخم کے مضاف نہ ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ترخیم منادیٰ کی شرط یہ ہے کہ وہ اسم مرخم مضاف نہ ہو۔ اس لئے کہ مضاف ہونے کی صورت میں حذف اول یعنی مضاف سے ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر وہ مرکب اضافی علم ہو تو اس صورت میں مضاف بہ نظر معنی علمی کے منادیٰ کا آخری جز نہیں ہوا اور ثانی یعنی مضاف الیہ سے بھی حذف ممکن نہیں ہے اس لئے کہ بہ نظر لفظ کے مضاف الیہ مضاف کا آخر جز نہیں کیونکہ اعراب مضاف کے آخری حرف پر آتا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ ترخیم مضاف مضاف الیہ دونوں میں بالکل منع ہے۔

وأن لا يكون مستغاثاً لا مجروراً باللام لعدم ظهور أثر النداء فيه من النسب أو البناء فلم يرد عليه الترخيم الذي هو من خصائص المنادىٰ، ولا مفتوحاً بزيادة الألف لأن الزيادة تنافي الحذف۔

یعنی دوسری شرط ترخیم منادیٰ کی یہ ہے کہ وہ اسم مرخم مستغاث نہ ہو کیونکہ مستغاث یا تو مجرور باللام ہوتا ہے اور یا مفتوح ہوتا ہے۔ اگر مجرور ہو تو اس صورت میں اس اسم مرخم میں ندا کا اثر جو کہ نصب یا ضمہ بنائی ہے نہیں پایا جائے گا پس اس میں وہ ترخیم جو خصوصیات منادیٰ میں سے ہے جاری نہیں ہو سکے گی اور اگر وہ اسم مرخم مستغاث بوجہ زیادت الف آخر میں مفتوح ہو تو اس صورت میں درمیان زیادت الف اور حذف کے منافات واقع ہو جائے گی کیونکہ مستغاث مفتوح زیادت الف کو چاہے گا اور ترخیم اس کے حذف کا مقتضی ہوگی لہذا ترخیم منادیٰ میں یہ بھی ضروری شرط ہے کہ وہ اسم مرخم اسم مستغاث بھی نہ ہو۔

ولم يذكر المندوب لأنه غير داخل في المنادىٰ عنده وما وقع في بعض النسخ فكأنه من تصرف الناسخين مع أن وجه اشتراطه عند دخوله في المنادى ظاهر وهو أن الأغلب فيه

زيادة الألف في آخره لمد الصوت إظهاراً للتفجع فلا يناسبه الترخيم للتخفيف۔

اس عبارت عربی میں شارح علیہ الرحمۃ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح ترخیم منادیٰ میں یہ شرط ہے کہ منادیٰ اسم مستغاث نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اسم مندوب بھی نہ ہو۔ پس مصنف کو لازم تھا کہ جس طرح مستغاث کی نفی کی، مندوب کی بھی نفی کرتے۔ حالانکہ مصنف نے مندوب کی نفی کی طرف تعرض نہیں کیا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف نے مندوب کے نفی کی طرف تعرض اس لئے نہیں کیا کہ اسم مندوب مصنف کے نزدیک منادی میں داخل نہیں ہے اور جو بعض نسخ میں اس کا دخول واقع ہوا ہے گویا وہ نسخہ لکھنے والوں نے اپنی طرف سے لکھا ہے اور یہ تمام شروط ترخیم منادی کی شروط ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ مندوب منادیٰ میں داخل ہے پس وجہ اس کی اشتراط کی ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اغلب اسم مندوب کے آخر میں مدصوت کے لئے بغرض اظہار تفجع الف بڑھایا جاتا ہے اور حذف اس کی نفی کرتا ہے اسی وجہ سے اسم مندوب میں بھی ترخیم مناسب ہوگی۔

وأن لا يكون جملة لأن الجملة محكية بحالها فلا تغير۔

یعنی تیسری شرط منادی کی ترخیم کی یہ ہے کہ وہ منادیٰ جملہ بھی نہ ہو اس لئے کہ جملہ جب علم ہوگا تو اس سے مقصود حالت کی حکایت ہوگی گویا یہ جملہ مثال کے مقام مستعمل ہوگا پس جس طرح امثال میں تغیر اور تبدل جائز نہیں اسی طرح اس جملہ میں بھی تغیر اور تبدل نہیں ہوگا تا کہ حکایت کا مقصد فوت نہ ہو۔

والشرط الرابع أحد الأمرين الوجوديين وهو أن يكون المنادى **إما علماً زائدا على ثلثة أحرف** لأنه لعلميته ناسبه التخفيف بالترخيم لكثرة نداء العلم مع أنه لشهرته فيما أبقى منه دليل على ما ألقى ولزيادته على الثلثة لم يلزم نقص الاسم عن أقل أبنية المعرب بلا علة موجبة۔

یعنی شرط رابع دو وجودی امروں میں سے ایک امر ہے اور وہ یہ ہے کہ ترخیم منادیٰ کی ایک شرط وجودی یہ ہے کہ وہ منادیٰ علم ہو اور اس کے حروف تین حرفوں سے زیادہ ہوں کیونکہ علم اکثر منادیٰ واقع ہوتا ہے اس علمیت کی بنا پر اس کی ترخیم سے تخفیف زیادہ مناسب ہوگی اور علم کی شہرت کی وجہ سے علم میں جو کچھ حروف باقی ہوں وہ محذوف پر دلیل ہوتے ہیں اور منادیٰ علمی کا زائد علی ثلاثۃ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کا نقصان اقل ابنیہ معرب سے بلا کسی علت

موجبہ کے لازم نہ آئے اور اقل ابنیہ اسم معرب کے تین حروف ہیں۔

و إما اسما متلبساً۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ بتاء التانیث کا متعلق محذوف متلبساً کا لفظ ہے۔

بتاء التانيث وإن لم يكن علماً ولا زائدا على الثلثة لأن وضع التاء على الزوال فيكفيه أدنى مقتضٍ للسقوط.فكيف إذا وقع موقعا يكثر فيه سقوط الحرف الأصلي؟

یعنی دوسری شرط وجودی ترخیم منادیٰ کی یہ ہے کہ وہ اسم منادیٰ مرخم متلبس بتائے تانیث ہو یعنی مشتمل بتائے تانیث ہو اگرچہ علم یا زائد علی ثلاثہ نہ ہو کیونکہ تاء کی وضع زوال کے لئے ہے پس اس کے ساقط ہونے کے لئے معمولی مقتضی سقوط کافی ہے پس یہ تاء کیونکر ساقط نہ ہوگی جب کہ اسم منادیٰ ایسے موقع میں واقع ہو کہ جہاں حرف اصلی کا ساقط ہونا بکثرت آتا ہو؟

ولم يبالوا ببقاء نحو ثبة وشاة بعد الترخيم على حرفين لأن بقاء ه كذلك ليس لأجل الترخيم بل مع التاء أيضاً كان ناقصا عن ثلثة إذا التاء كلمة أخرى برأسها۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ابنیہ اسم معرب تین حرفوں سے کم حروف نہیں ہوتے تو چاہئے کہ ثبۃ اور شاۃ کے الفاظ میں ترخیم جائز نہ ہو، کیونکہ ان الفاظ کے حروف ترخیم کے بعد تین سے کم رہ جاتے ہیں حالانکہ یہ جائز ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ الفاظ مذکورہ میں ترخیم جائز ہے اور ترخیم کے بعد اگر ان الفاظ کے حروف تین سے کم ہو کر دو باقی رہ جائیں تو اس کی کوئی پروانہیں ہے کیونکہ ان الفاظ کا دونوں حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ تاء کے ساتھ بھی ان الفاظ کے حروف تین سے کم ہیں، اس لئے کہ تاء ایک علیحدہ کلمہ ہے، اس کا اصلی حروف سے کوئی تعلق نہیں۔

ولا يرخم لغير ضرورة منادىٰ لم يستوف الشروط المذكورة إلا ما شذ من نحو يا صاح في يا صاحب ومع شذوذه فالوجه في ترخيمه كثرة استعماله منادىٰ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ مصنف کا یا صاح سے منقوض ہے کیونکہ یہ لفظ نہ علم ہے نہ متلبس بتائے تانیث۔ باوجود اس کے اس میں ترخیم واقع ہوئی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بغیر ضرورت کے کسی منادی میں ترخیم درست نہیں جب تک اس میں شروط مذکورہ پورے طور پر نہ پائی جائیں اور یا صاح میں جو بغیر وجود شروط مذکورہ کے ترخیم واقع ہوئی ہے یہ شاذ ہے اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں اور باوجود شذوذ کے اس کی ترخیم کی وجہ کثرت استعمال منادی ہے لہذا مصنف کا قاعدہ کلیہ مذکورہ ٹھیک اور درست ثابت ہوا۔

ولما فرغ من بيان شرائط الترخيم شرع في بيان كمية المحذوف بسببه فقال:

اس عبارت سے شارح علیہ الرحمۃ کا مقصد اگلی عبارت کا تمہید کا بیان کرنا ہے یعنی جب مصنف کافیہ ترخیم کی شرائط کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب آگے چل کر محذوف کی مقداریت کا بیان کرنا چاہتے ہیں پس کہا۔

فإن كان في آخره أي آخر المنادى۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ آخرہ کی ضمیر مجرور منادی کی طرف راجع ہے۔

زيادتان كائنتان في حكم۔

اس میں شارح نے کائنتان کا لفظ فی حکم سے مقدم بڑھا کر اشارہ کیا ہے کہ جار مجرور کا متعلق یہ کائنتان کا لفظ محذوف ہے۔

الزيادة الواحدة۔

اس میں واحدۃ کے لفظ سے مقدم جو الزیادۃ کا لفظ شارح نے بڑھایا ہے اس سے مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ واحدۃ کا لفظ ترکیب میں صفت واقع ہوا ہے اور اس کا موصوف نہیں ہے۔ لہذا عبارت میں نقص لازم آیا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ نقص لازم نہیں آتا کیونکہ صفت کا موصوف محذوف زیادۃ کا لفظ ہے۔

في أنهما زيدتا معاً۔

یعنی اگر منادیٰ کے آخر میں دو حروف معاً زیادہ ہو گئے ہوں اور ان کا زیادہ ہونا زیادت واحدہ کے حکم میں ہو۔

واحترز به عن نحو ثمانية ومرجانة فإن الياء والنون فيهما زيدتا أولاً ثم زيدت تاء التأنيث فلم يحذف منهما إلا الأخير۔

اوپر شارح نے زیادۃ کے ساتھ معاً کی قید بڑھائی تھی اب یہاں یہ بتاتے ہیں کہ یہ قید احترازی ہے اس سے

ثمانیة اورمرجانة سے احتراز مقصود ہے کیونکہ ان الفاظ مذکورہ میں یاءونون دونوں بڑھائے گئے ہیں پھرتائے تانیث بڑھائی گئی ہے اس لئے ان الفاظ میں سے صرف آخری حرف محذوف ہوگا دونوں حروف محذوف نہیں ہوں گے۔

كأسماء إذا جعلتها فعلاء من الوسامة أي الحسن كما هو مذهب سيبويه لا أفعالا جمع اسم على ما هو مذهب غيره لأنه يكون حينئذ من باب عمار۔

یہ اس منادیٰ کی مثال ہے جس میں دوحروف معاً زیادہ ہوگئے ہوں لیکن یہ جب کہ اس لفظ کوفعلاء کے وزن پر وسامت سے جس کے معنی حسن کے ہیں مشتق مانا جائے جیسا کہ یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور افعال کے وزن پر جو جمع اسم کی ہے نہ مانا جائے جیسا کہ یہ سیبویہ کے علاوہ علماء کا مذہب ہے کیونکہ اگر یہ لفظ جمع اسم کی مانی جائے تو اس وقت یہ عمار کے قاعدہ میں داخل ہوگا جس کا ذکر آگے خود آئے گا۔

ومروان۔

یہ بھی اس منادیٰ کی مثال ہے جس میں دوحرف معاً زیادہ ہوگئے ہوں۔

أو كان في اخره حرف صحيح۔

اس سے شارح کا مقصد یہ اشارہ کرنا ہے کہ یہ اوپر کی عبارت فإن كان في آخره الخ پر عطف ہے۔

أي صحيح أصلي لتبادره إلى الذهن لأن الغالب في الحرف الصحيح الإصالة فيخرج منه نحو سعلاة لأنه لا يحذف منه إلا التاء۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ سعلاۃ سے منقوض ہے کیونکہ اسؔ کے آخر میں حرف صحیح قبلہ مدہ ہے اور باوجود اس کے اس میں دوحرف محذوف نہیں ہوتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ صحیح سے مراد صحیح اصلی ہے کیونکہ ذہن کا تبادر اسی کی طرف ہوتا ہے کیونکہ غالب حرف صحیح میں اصالت ہے پس اس قاعدہ کی بناپر سعلاۃ کا لفظ خارج ہوا کیونکہ اس میں تاءزائد ہے اصلی نہیں ہے اس لئے اس سے تاء ہی محذوف ہوگی۔

وهو أعم من أن يكون حقيقة أو حكماً فيشمل مثل مرمي ومدعو فإن الحرف الأخير منهما في حكم الصحيح في الإصالة۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مرمی اور مدعو

سے منقوض ہے کیونکہ ان الفاظ کے آخر میں کوئی حرف صحیح نہیں ہے باوجود اس کے ان الفاظ میں سے دو حرف محذوف ہو گئے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ صحیح عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی اور ان الفاظ کا آخری حرف اگرچہ حقیقت میں صحیح نہیں لیکن اصالت میں صحیح کے حکم میں ہے پس اس تقدیر پر اس قاعدہ کلیہ میں یہ الفاظ بھی داخل ہو گئے۔

قبله مدة أى ألف أو واو أو ياء ساكنة حركة ما قبلها من جنسها۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد مدہ کا بتانا ہے کہ مدہ الف یا واو یا یائے ساکنہ کو کہتے ہیں جس کے ماقبل کی حرکت اس کے جنس سے ہو یعنی الف ماقبل مفتوح اور واو ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور کو مدہ کہتے ہیں اور اس کے عکس کو لین کہتے ہیں۔

والمراد بها المدة الزائدة لتبادرها إلى الذهن لغلبتها وكثرتها فيخرج منه نحو مختار فإنه لا يحذف منه إلا الحرف الأخير۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ مصنف کا مختار کے لفظ سے منقوض ہے کیونکہ اس کے آخر میں حرف صحیح ماقبل حرف مدہ ہے اور باوجود اس کے آخر میں سے دو حروف محذوف نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی حرف محذوف ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے کیونکہ ذہن کا تبادر اسی طرف جاتا ہے اور غالباً استعمال میں اکثر مدہ زائدہ ہی آتا ہے پس جب مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہوا تو اس تقدیر پر قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا سے مختار خارج ہوا کیونکہ اس کی ترخیم میں ایک حرف آخر میں سے محذوف ہوگا دو حرف محذوف نہیں ہوں گے۔

وهو أى والحال أن ما فى آخره حرف صحيح قبله مدة۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ وھو کا جملہ حالیہ ہے اور ضمیر مجرور آخره کی اس کا ذوالحال ہے یعنی درآنحالیکہ جس اسم کے آخر میں حرف صحیح ماقبل مدہ آیا ہو اس کے حروف چار حروف سے زیادہ ہوں۔

أكثر من أربعة من الحروف۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ أربعة کا لفظ ترکیب میں صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف الحروف کا لفظ ہے۔

كـمـنـصـور وعـمـار ومسكين لئلا يلزم من حذف حرفين منه عدم بقائه على أقل أبنية المعرب۔

یہ اس اسم مرخم کی مثالیں ہیں جس کے آخر میں حرف صحیح ماقبل مدہ ہو۔ اسمائے مذکورہ میں سے دوحروف محذوف نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی حرف محذوف ہوگا کیونکہ اگر دوحروف محذوف کئے جائیں تو یہ الفاظ معرب کی اقل ابنیہ پر باقی نہیں رہیں گے بلکہ دوحروف باقی رہ جائیں گے اور معرب کی کے لئے کم از کم تین حروف ضروری ہیں۔

وإنـمـا لـم يـأخذ هذا القيد في قوله: زيادتان في حكم الواحدة لأن نحو ثبون وقلون يرخم بحذف زيادتيه لأن بقاء الكلمة فيه على حرفين ليس للترخيم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالاثبون اورقلون سے منقوض ہے کیونکہ ان الفاظ کے آخر میں حرف صحیح ماقبل مدہ ہے اور باوجود اس کے ان الفاظ کی ترخیم میں دوحروف محذوف ہوتے ہیں ایک نہیں۔ لہذا مصنف کو لازم تھا کہ أكثر من أربعة کی قید کو زيادتان في حكم الواحدة کے قول میں ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کرتے تا کہ ثبون اورقلون کے نقض سے احتراز ہوجاتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس قید مذکور کو زیـادتـان فـي حكم الواحدة کے قول میں اس لئے ملحوظ نہیں رکھا کہ ثبون اورقلون کی ترخیم میں اگر چہ دوحروف محذوف ہوتے ہیں اور یہ کلمے بعد ترخیم کے دوحروف پر باقی رہ جاتے ہیں لیکن ان کلمات کا دوحروف پر باقی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے۔

حذفتا أي الـحـرفـان الأخيـران فـي كـلا القسمين أما في الأول فلما كانتا في حكم الـواحـدة، فكما زيدتا معاً حذفتا معاً، وأما في الثاني فلأنه لما حذف الأخير مع صحته وإصالته حذفت المدة الزائدة لئلا يرد المثل السائر: صلت على الأسد وبلت عن النقد۔

یعنی اوپر مذکورہ دونوں قسموں میں آخری دوحرف محذوف ہوں گے اول قسم میں اس لئے کہ جس طرح ایک دم زیادہ ہوگئے تھے اسی طرح معاً محذوف بھی ہوں گے اور ثانی قسم میں اس لئے کہ جب آخری حرف باوجود صحیح اور اصلی ہونے کے حذف ہوگیا تو مدہ زائدہ بطریق اولی محذوف ہوگا ورنہ مثل مشہور صلت على الأسد وبلت عن النقد وارد ہوجائے گی جس کے معنی یہ ہیں تو نے شیر پر تو حملہ کیا لیکن گوسفند سے خوف کھا کر پیشاب کیا۔

وإن كـان مـركبـاً ويـعـلـم مـن بيان شرط الترخيم أنه لا يكون مضافا ولا جملة مثل:

بعلبك وخمسة عشر علمين۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرکب میں ترخیم جائز نہیں کیونکہ پیشتر مصنف نے کہا تھا کہ وشرطه أن لا يكون مضافاً ولا جملة۔

شارح نے جواب دیا کہ ترخیم کی شرط کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اس مرکب سے مراد وہ مرکب ہے جو مضاف اور جملہ نہ ہو جیسے بعلبك اور خمسة عشر جن کو دو علم تسلیم کرلیا جائے۔

حذف الاسم الأخير فيقال في بعلبك يا بعل وفي خمسة عشر يا خمسة لنزوله منزلة تاء التانيث في كون كل منهما كلمة عليحدة صارت بمنزلة الجزء۔

یعنی اگر وہ اسم مرخم مرکب ہو دو اسموں سے تو ترخیم میں آخری اسم محذوف ہوگا پس بعلبك میں ترخیم کر کے یا بعل بولا جائے گا اور خمسة عشر میں ترخیم کے وقت یا خمسة استعمال ہوگا کیونکہ اسم آخیر بمنزلہ تائے تانیث کے ہے عروض میں کیونکہ تاء تانیث بھی ایک علیحدہ کلمہ ہے اور یہ اسم اخیر بھی ایک جداگانہ کلمہ شمار کیا جاتا ہے لہذا یہ کلمہ بمنزلہ جز کے ہوگیا۔

وإن كان غير ذلك المذكور من الأقسام الثلثة۔

اس میں شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے المذكور کا لفظ بڑھا کر ایک سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ذلك کا مشار الیہ اقسام ثلاثہ ہیں اور وہ جمع ہیں اور ذلك اسم اشارہ مفرد کا ہے لہذا درمیان مشار الیہ اور اسم اشارہ کے مطابقت نہیں ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ذلك کا مشار الیہ وہ اقسام ثلاثہ ہیں مگر وہ مؤول بمذکور ہیں اور المذكور کا لفظ مفرد ہے لہذا اب اس تقدیر پر درمیان مشار الیہ اور اسم اشارہ کے مطابقت حاصل ہوگئی۔

فحرف واحد أي فيحذف حرف واحد لحصول الفائدة المقصودة وعدم موجب حذف الأكثر۔

اس عبارت عربی میں شارح نے حرف واحد کے لفظ سے مقدم فيحذف نکالا ہے۔ اس میں اشارہ کیا کہ حرف واحد کا لفظ مرفوع ہے بنا بر فاعلیت اور فعل اس کا محذوف فيحذف ہے یعنی اگر وہ اسم مرخم اقسام ثلاثہ کے علاوہ ہو تو اس کی ترخیم میں ایک ہی حرف محذوف ہوگا کیونکہ فائدہ مقصودہ ترخیم سے تخفیف ہے اور وہ ایک ہی حرف کے

حذف کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے اور چونکہ ایک حرف سے زیادہ کے حذف کرنے کا کوئی موجب نہیں ہے۔ اس لئے ایک ہی حرف کے حذف کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

نحو یا حارِ یا مالِ فی یا حارث ویا مالك۔

اس میں اس اسم مرخم کی مثال ہے جس کے ترخیم میں ایک ہی حرف محذوف ہوگیا ہو۔ دیکھئے یا حارث میں ترخیم کرکے یا حار اور یا مالك میں ترخیم جاری کرکے یا مال بولا جاتا ہے۔

وهو أى المنادى المرخم۔

اس کے بڑھانے سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ کیا کہ ھو کی ضمیر مرفوع منادیٰ مرخم کی طرف راجع ہے۔

فی حکم المنادی الثابت بجمیع أجزائه فیبقي الحرف الذی صار اخر الکلمة بعد الترخیم علی ما کان علیه قبله **علی** الاستعمال **الأکثر**۔

یعنی وہ منادیٰ جس میں ترخیم واقع ہوئی ہو وہ منادیٰ ثابت بجمیع أجزائه کے حکم میں ہوگا پس وہ حرف جو کلمہ کا آخر ٹھہرا ہے ترخیم کے بعد اسی حالت پر باقی رہے گا جس پر ترخیم کے قبل تھا اور اکثر استعمال اس کا ایسا ہی ہے۔

فیقال فی یا حارث: **یا حارِ** بکسر الراء علی ما کان قبل الترخیم وفی یا ثمود: **یا ثمو** بواو متطرفة بعد ضمة وفی یا کروان: **یا کرو** بواو متحرکة بعد فتحة۔

پس یا حارث کی ترخیم میں یا حار بکسر راء بولا جائے گا جس طرح ترخیم سے قبل یہ راء مکسور تھی اسی طرح بعد ترخیم کے بھی مکسور رہے گی اور ثمود کو مرخم کرکے یا ثمو بواو متطرفة بعد ضمہ کے اور کروان کی ترخیم میں یا کرو بواو متحرکة بعد فتحہ کے مستعمل کیا جائے گا ان جملہ مثالوں میں آخری حرف اپنی اصلی حرکت پر باقی رہا ہے غور کرکے سمجھ لو۔

وقد یجعل قد للتقلیل أی ویجعل المنادیٰ المرخم علی الاستعمال الأقل۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یہاں قد کا لفظ مفید تقلیل کا ہے کیونکہ یہ لفظ جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو فائدہ تقلیل کا کرتا ہے اور جب ماضی پر آتا ہے تو تحقیق کا فائدہ پیدا کرتا ہے چونکہ یہاں فعل مضارع پر داخل ہوا ہے اس لئے شارح نے فرمایا کہ یہاں قد تقلیل کے لئے ہے یعنی بہت کم استعمال میں منادی مرخم اسم براسہ مانا جاتا ہے۔

اسما برأسه کأنه لم یحذف منه شیء فیکون له فی بنائه وإعلاله وتصحیحه حکم

نفسه لا حكم الأصل۔

گویا اس منادیٰ سے کوئی حرف محذوف ہی نہیں ہوا ہے پس اس تقدیر پر اس کا حکم مبنی ہونے اور اعلال اور صحیح ہونے میں اپنے نفس کا ہوگا اصل کا نہیں ہوگا۔

فيقال: يا حارُ بالضم كأنه اسم مفرد معرفة برأسه فيضم **ويا ثمي** لأنه لما جعل ثمو اسما برأسه صارت الواو طرفاً بعد ضمة فلا جرم قلبت الواو ياء وكسر ما قبلها كأول في أولو **ويا كرا** لأنه لما جعل كرو اسما برأسه ارتفع مانع الإعلال وهو وقوع الساكن بعد الواو فانقلبت الواو ألفاً لتحركها وانفتاح ما قبلها۔

پس یا حارث کو مرخم کر کے یا حار بضمہ راء بولا جائے گا گویا یہی لفظ اسم مفرد معرفہ برأسہ ہے چونکہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی برضمہ ہوتا ہے اس لئے راء کو ضمہ دیکر یا حار مستعمل کیا جائے گا اور یا ثمود کی ترخیم میں یا ثمی بولا جائے گا کیونکہ جب یا ثمو اسم برأسہ مانا گیا تو واو، کلمہ کی طرف میں بعد ضمہ کے واقع ہوا پس اب صرفی قاعدہ ضروری لازم ہوا اور وہ یہ کہ واو یاء سے بدلا جائے اور ماقبل یاء کو مکسور کر دیا جائے پس ایسا ہی کر کے اول کا اعلال اس میں جاری کیا اور یا کروان کی ترخیم میں یا کرا بولا جائے گا کیونکہ اب یہ لفظ اسم برأسہ مانا گیا تو اب مانع اعلال مرتفع ہوا اور وہ ساکن کا بعد واو واقع ہونا ہے پس واو الف سے بدلا جاتا ہے لہذا کرا بولا جائے گا۔

وقد استعملوا يعنى العرب ۔

اس سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ استعملوا کا فاعل لفظ العرب ہے یعنی عرب کے لوگ صیغہ ندا یعنی یا کا لفظ خاص کر مندوب میں استعمال کرتے ہیں۔

صيغة النداء يا خاصةً ۔

اس سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ بیان صیغہ ندا سے مراد یا ہے اگر چہ یہ مطلق عام ہے لیکن خاص کر یا ہی کا لفظ مقصود ہے اور اس کی دلیل آگے چل کر بیان کریں گے۔

في المندوب لأنه لا يدخل عليه سواها لكونها أشهر صيغها فكانت أولى بأن يتوسع فيها باستعمالها في غير المنادى۔

اس میں شارح مندوب میں یا کی خصوصیت استعمال کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ مندوب پر سوائے یا کے

دوسرا کوئی حرف ندا داخل نہیں ہوگا، کیونکہ یہ یـــا کا جملہ ندا کے اور لفظوں سے زیادہ مشہور ہے۔ پس اس کا غیر منادیٰ میں استعمال کرنے کا حق بہ نسبت دوسری ندا کے لفظوں کے زیادہ ہے اس لئے اس میں توسع کر کے منادیٰ اور مندوب میں عام مانا گیا ہے۔

والمندوب فی اللغة: میت یبکی علیه أحد ویعد محاسنه لیعلم الناس أن موته أمر عظیم لیعذروه فی البکاء ویشارکوه فی التفجع وفی الاصطلاح۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد صرف مندوب کے لغوی معنی بتانے ہیں کہ مندوب لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جس پر مرنے کے بعد آدمی روئے اور اس کے محاسن شمار کریں جس سے لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہو کہ اس کی موت ایک امر عظیم ہے تا کہ لوگ اس کو اس رونے میں معذور سمجھیں اور رونے اور تفجع میں شرکت کریں اور اصطلاح میں متفجع علیہ کو کہتے ہیں جیسا کہ خود مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هو المتفجع علیه وجوداً أو عدماً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کو شارح رضی نے وارد کیا ہے اس سوال کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے مندوب کی دو قسموں میں سے ایک قسم یعنی متفجع منہ پر بھی واو داخل کیا ہے جیسے وا ویلا واحسرتا حالانکہ یہ الفاظ غیر ذوالعقول ہیں ان پر تفجع کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مندوب وہ متفجع علیہ ہے جس پر "یا" یا "وا" سے تفجع کیا جائے وہ عام ہے خواہ وجودی ہو خواہ عدمی۔

بیا أو وا فالمتفجع علیه عدماً مایتفجع علی عدمه کالمیت الذی یبکی علیه النادب والمتفجع علیه وجوداً ما یتفجع علی وجوده عند فقد المتفجع علیه عدما کالمصیبة والحسرة والویل اللاحقة للنادب لفقد المیت فالحد شامل لقسمی المندوب مثل: یا زیداه ویا عمراه ومثل: یا حسرتاه ویا مصیبتاه ویا ویلاه۔

اس عبارت عربی میں شارح مندوب کی دونوں قسمیں بتاتے ہیں کہ متفجع علیہ عدماً وہ ہے جس کے عدم پر تفجع کیا جائے وہ میت جس پر مرنے کے بعد نادب رو کر تفجع کرے اور متفجع علیہ وجوداً وہ ہے جس کے وجود پر بوجہ متفجع علیہ عدماً کے تفجع کیا جائے جیسے مصیبت اور حسرت اور ویل جو نادب کو میت کے فقد اور عدم سے لاحق ہوتے ہیں پس اس تقدیر پر

تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہو کر جامع مانع ثابت ہوئی اور دونوں قسموں کی مثالیں یا زیداہ اور یا عمراہ اور یا حسرتاہ اور یا مصیبتاہ اور یا ویلاہ ہیں۔

اب آگے چل کر مصنف کافیہ ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ مندوب کا حکم بناء اور اعراب میں مثل منادیٰ مفرد معرفہ کے ہے پس اس کی کیا وجہ ہے کہ مندوب کو منادیٰ میں داخل نہیں کیا؟

واختص المندوب۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ اختص کا فاعل المندوب ہے۔

بوا ممتازا به عن المنادیٰ لعدم دخوله علیه بخلاف یا فانه مشترك بینهما۔

یہ اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مندوب کے منادیٰ میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مندوب وا سے مختص ہے چونکہ وا کا لفظ منادیٰ پر داخل نہیں ہوتا بلکہ مندوب ہی پر داخل ہوا کرتا ہے اسی لئے یہ منادیٰ سے جدا اور ممتاز ہوا اور منادیٰ میں داخل نہیں مانا۔ بخلاف لفظ یـــا کے کہ یہ درمیان منادیٰ اور مندوب کے مشترک ہے دونوں میں علی الاشتراک مستعمل ہوتا ہے۔

وحکمه أی حکم المندوب۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ حکمه کی ضمیر مجرور المندوب کی طرف راجع ہے۔

فی الإعراب والبناء حکم المنادیٰ أی مثل حکمه یعنی إذا وقع المندوب علی صورة قسم من أقسام المنادیٰ فحکمه فی الإعراب والبناء مثل حکم ذلك القسم من المنادیٰ کما إذا کان مفردا معرفة یضم وإذا کان مضافا أو مشبها به ینصب۔

یعنی مندوب جب منادیٰ کی قسموں میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو اس وقت اس کا حکم اعراب اور بناء میں مثل اسی قسم منادیٰ کے ہوگا مثلاً اگر مندوب مفرد معرفہ ہو تو جس طرح منادیٰ اس صورت میں مبنی برضمہ ہوتا ہے اسی طرح یہ مندوب بھی مبنی برضمہ ہوگا اور اگر مندوب مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو تو اس صورت میں جس طرح منادیٰ منصوب ہوتا ہے اسی طرح یہ مندوب بھی منصوب مانا جائے گا۔

ولا یلزم من ذلك جواز وقوعه علی صورة جمیع أقسام المنادیٰ لیرد علیه أنه لا یقع نکرة لأنه لا یندب إلا المعرفة۔

اس میں شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کو شارح نے مصنف کافیہ کے حکمہ کے قول سے سمجھ کر وارد کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ منادیٰ کی اقسام میں سے ایک قسم منادیٰ کا نکرہ ہونا بھی ہے پس چاہیئے کہ مندوب بھی نکرہ واقع ہو حالانکہ مندوب معرفہ ہی واقع ہوتا ہے نکرہ بالکل واقع نہیں ہوتا کیونکہ مندوب معرفہ ہی کا ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مندوب کا حکم منادی کی اقسام سے کسی ایک قسم کے ہے اب اس تقدیر پر یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب جملہ اقسام منادیٰ کی صورت پر واقع ہو جس کی بنا پر مندوب کے نکرہ نہ واقع ہونے کا سوال وارد ہو سکے کہ مندوب نکرہ اس لئے واقع نہیں ہو سکتا کہ ندبہ معرفہ کا ہوتا ہے۔

وجاز لك زيادة الألف في آخره۔

اس عبارت میں شارح نے جاز کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ زیادۃ کا لفظ مرفوع بنا بر فاعلیت فعل محذوف جاز کے ہے۔

أي آخر المندوب لمد الصوت المطلوب في الندبة۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ آخـــرہ کی ضمیر مجرور مندوب کی طرف راجع ہے یعنی مندوب کے آخر میں وقت ندبہ میں جو مد صوت مطلوب ہوتا ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے الف کا بڑھانا جائز ہے۔

اس قاعدہ کلیہ مصنف پر ایک سوال وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الف بڑھانے کی صورت میں درمیان ندبہ غلام مخاطب اور مخاطبہ کے اور درمیان ندبہ غلام مثنی اور غلام جمع کے التباس لازم آتا ہے لہذا الف کا بڑھانا جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ مصنف آگے چل کر خود ہی اس سوال مذکورہ بالا کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فإن خفت اللبس أي التباس ذلك اللفظ عند زيادة الألف بغيره عدلت إلى حرف مد مجانس لحركة اخر المندوب من كسرة أو ضمةٍ كما إذا أردت ندبة غلام مخاطبة۔

یہ سوال مذکورہ بالا کا جواب ہے کہ اگر وہ لفظ جس میں ندبہ واقع ہوا ہے الف بڑھانے کی وجہ سے غیر سے ملتبس ہوتا ہو تو اس صورت میں حرف مد کی طرف عدول کیا جائے گا جو کہ مندوب کے آخری حرکت کسرہ یا ضمہ کے مجانس اور موافق ہو جیسا کہ اگر مخاطبہ کے غلام کا ندبہ مطلوب ہو تو

قلت: وا غلامكيه۔

کہاجائے گا۔

لا وا غلامکاہ لالتباسه بندبة غلام مخاطب۔

وا غلامکاہ نہیں کہاجائے گا کیونکہ اس صورت میں اس کا مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس واقع ہوجائے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

وإذا أردت ندبة غلام جماعة مخاطبين قلت: وا غلامكموه إذ الميم أصله الضم لا واغلامكماه لالتباسه بندبة غلام مخاطبين اثنين۔

اوراگرجمع مخاطب کا ندبہ مقصود ہوتو وا غلامکموہ کہاجائے گا کیونکہ اس میم میں ضمہ اصلی ہے وا غلامکماہ نہیں کہاجائے گا کیونکہ اس صورت میں اس کا تثنیہ مخاطب کے غلام کے ندبہ سے التباس ہوجائے گا۔

اورشارح نے جو إذا الميم أصله الضم کی عبارت بڑھا کرعلت بیان فرمائی ہے اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ واو کا لفظ مندوب کے آخری حرکت کا مجانس کس طرح ہوسکتا ہے کیونکہ غلامکم کا آخرساکن ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ میم جمع اصل میں مضموم ہوتا ہے چنانچہ بعضے قاری أنتم و کم کے میم کو مضموم کر کے أنتمو و کمو بھی پڑھتے ہیں۔

وجاز لک الهاء۔

اس میں بھی شارح نے جاز کا لفظ بڑھا کراشارہ کیا کہ الهاء کا لفظ ترکیب میں مرفوع بنابر فاعلیت فعل محذوف جاز کے ہے۔

أی إلحاقها بهذه المدات۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ الهاء کا لفظ اصل میں مضاف الیہ محذوف الحاق کا ہے یعنی حالت وقف میں مدات مذکورہ پر الحاق ہاء بھی جائز ہے۔

في حال الوقف لبيانها۔

یعنی مدات کے اظہار کے لئے ہائے وقفی بھی بڑھانا جائز ہے۔

ولا يندب من قسم المندوب المتفجع عليه عدماً إلا الاسم المعروف۔

یعنی اقسام مندوب میں سے متفجع علیہ عدمی کا ندبہ جائز نہیں جب تک کہ وہ اسم معروف نہ ہو۔ شارح نے المعروف کے لفظ سے مقدم الاسم کا لفظ بڑھایا ہے اس میں اشارہ کیا کہ المعروف کا لفظ ترکیب میں صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف الاسم کا لفظ ہے۔

الذی اشتهر المندوب به لیعذر النادب بمعرفته فی ندبته والتفجع علیه۔

اور مصنف کافیہ نے یہ کہا تھا کہ متفجع علیہ عدمی کے ندبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مندوب شخص معروف ہو۔ اب یہاں شارح معروف ہونے کی دلیل اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ مندوب کا اسم سے مشہور اور معروف ہونا اس لئے ضروری ہے کہ نادب کا ندبہ اور ریج میں بوجہ اس سے ...ر اور حروف ہونے کے معذور سمجھا جائے اور بکاء اور تفجع میں اس کے ساتھ شرکت ہو۔

فلا یقال: وا رجلاه إذا اشتهر بهذا اللفظ مندوب خاص انتقل الذهن إلیه ویعرف به لیعذر النادب بالندبة علیه۔

اس میں اوپر والی عبارت پر تفریع ہے کہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا کی بنا پر وا رجلاہ نہیں بولا جاتا ہے کیونکہ رجل کے لفظ سے کوئی خاص مندوب مشہور و معروف نہیں ہوتا جس کی طرف ذہن انتقال کرے اور اس سے شخص مندوب کو معلوم کر سکے اور اس کے نادب کو ندبہ اور تفجع میں معذور سمجھا جائے لہذا یہ ترکیب درست نہیں ہے۔

وامتنع إلحاق الألف بصفة المندوب بل یجب أن یلحق بالموصوف مثل: وا زیداه الطویل لأن اتصاله بالصفة لیس کاتصال المضاف بالمضاف إلیه لأنه جیء به لتمام المضاف فهو کجزء ه بخلاف الصفة فإنه جیء بها بعد تمام الموصوف للتخصیص أو التوضیح فلهذا جاز مثل: یا أمیر المؤمنیناه۔

یعنی مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا الحاق منع ہے بلکہ موصوف کے آخر میں بڑھانا ضروری ہے جیسے وا زیداہ الطویل میں ہے کیونکہ موصوف کا اتصال اپنی صفت سے ایسا نہیں جیسا کہ مضاف کا اتصال اپنے مضاف الیہ سے ہوتا ہے کیونکہ مضاف الیہ صرف مضاف کے اتمام کے لئے لایا جاتا ہے پس یہ بمنزلہ جز کے ہوا بخلاف صفت کے کہ صفت بعد تمام ہونے موصوف کے تخصیص یا توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اسی وجہ سے یا أمیر المؤمنیناہ کی ترکیب جائز ہے اور وا زید الطویلاہ کی ترکیب جائز نہیں۔

ولم یجز مثل وا زید الطویلاہ خلافا لیونس۔

یعنی یہ ترکیب سوائے یونس کے جملہ نحاۃ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

فإنه يجوز إلحاق الألف بآخر الصفة فإن اتصال الموصوف بالصفة وإن كان في اللفظ أنقص من الاتصال بين المضاف والمضاف إليه إلا أنه أتم منه من جهة المعنى لاتحادهما بالذات فإن الطويل هو زيد لا غير بخلاف المضاف والمضاف إليه فإنهما متغائران۔

اس میں شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے یونس کی دلیل عقلی بیان فرمائی ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں یونس الحاق الف اس لئے جائز کہتے ہیں کہ موصوف کا اتصال صفت سے اگر چہ لفظ میں مضاف اور مضاف الیہ کے اتصال سے ناقص ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ اتم ہے کیونکہ معنی میں موصوف اور صفت متحد بالذات ہیں کیونکہ طویل جو زید کی صفت ہے حقیقت میں زید ہی ہے کوئی اور چیز نہیں بخلاف مضاف اور مضاف الیہ کے کہ یہ دونوں ذات میں متغائر ہیں جیسے غلام زید میں کہ غلام اور چیز ہے زید اور چیز۔ اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں معنی سے نہیں۔

وحكى يونس أن رجلاً ضاع له قدحان فقال: وا جمجتي الشاميتيناه، والجمجمة: القدح۔

اس میں شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے یونس کی دلیل نقلی ظاہر کی ہے کہ یونس نے حکایۃً یہ کہا ہے کہ کسی شخص کے دو کاسے ضائع ہوئے تو اس نے فوراً یہ مثال کہی اور جمجمة کے معنی پیالے کے ہیں اس مثال مذکور میں صفت کے آخر میں الحاق الف ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صفت کے آخر میں الحاق الف جائز ہے اور اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ شاذ اور نادر ہے۔

ويجوز لقيام قرينة حذف حرف النداء إلا إذا كان مقارنا مع اسم الجنس۔

یعنی جب حذف کا قرینہ موجود ہو تو اس وقت منادی سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے لیکن اسم جنس اور اشارہ اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ اگر حرف ندا مقارن ہو کر آیا ہو تو ان مقامات سے اس کا حذف کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یجوز کے بعد جو شارح نے لقیام قرینة کا لفظ بڑھایا ہے اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ حرف ندا کا حذف مطلقاً درست نہیں اور اسم الجنس سے مقدم إذا کان مقارناً کا جملہ بڑھا کر اشارہ کیا کہ مع کا متعلق یہ جملہ محذوفہ ہے۔

ویعنی به ما کان نکرۃ قبل النداء سواء تعرف بالنداء کـ یا رجل أو لم یتعرف مثل: یا رجلاً لأن ھذا لم یکثر کثرۃ نداء العلم فلو حذف منه حرف النداء لم یسبق الذھن إلی أنه منادی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کے تشریح یہ ہے کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حذف حرف ندا قبل النداء نکرہ ہو خواہ ندا سے معرفہ ہو گیا ہو جیسے یـا رجـل میں کہ اس میں رجل اسم جنس معرفہ بنداء ہے خواہ ندا سے معرفہ نہ ہو جیسے یا رجلا کہ اس میں رجل ندا کے ساتھ بھی نکرہ ہے جائز نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اسم جنس کی ندا علم کے ندا کی طرح استعمال میں کثیر نہیں ہے پس اگر اس سے حرف ندا کو حذف کیا جائے تو ذہن اس کے منادی ہونے کے طرف سبقت نہیں کرے گا لہذا اسم جنس اگر منادی واقع ہو تو اس سے حرف ندا حذف نہیں ہوگا بلکہ مذکور مانا جائے گا۔

والإشارۃ أی و إلا مع اسم الإشارۃ لأنه کاسم الجنس فی الإبھام۔

اس عبارت میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ والإشارۃ کالفظ مع اسم الجنس کے قول پر عطف ہے اگر منادی اسم اشارہ واقع ہو تو اس سے بھی حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اسم اشارہ ابہام میں مثل اسم جنس کے ہے اگر اس سے حرف ندا محذوف ہو جائے تو اس کا منادی ہونا معلوم نہیں ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ اس کا حرف ندا مذکور ہو۔

والمستغاث والمندوب لأن المطلوب فیھما مد الصوت وتطویل الکلام والحذف ینافیه۔

یہ الفاظ بھی مع اسم الجنس پر عطف ہیں اگر مستغاث اور مندوب منادی واقع ہوتی تو ان الفاظ سے بھی حرف ندا کا حذف جائز نہیں کیونکہ مستغاث اور مندوب سے مقصود مد صوت اور تطویل کلام ہے اور حذف اس کا منافی ہے لہذا یہاں بھی حرف ندا مذکور ہوگا محذوف نہیں ہوگا تا کہ مقصود کلام فوت نہ ہو۔

فبقی علی ھذا من المعارف التی یجوز فیھا حذف حرف النداء العلم سواء کان مع بدل عن حرف النداء کلفظۃ "اللّٰہ" فإنه لا یحذف منه إلا مع إبدال المیم المشددۃ منه نحو: اللھم أو بغیر بدل۔

پس ان معارف میں سے جن میں حرف ندا حذف کرنا جائز ہے اس حذف کے حکم میں علم باقی رہا یعنی علم میں سے حرف ندا کا حذف جائز ہوگا خواہ علم سے حرف ندا کو حذف کر کے اس کے بدل اور عوض میں کوئی دوسرا حرف لایا جائے

جیسے لفظ اللہ میں کہ اس سے حرف ندا کا حذف بغیر ابدال میم مشددہ کے درست نہیں اگر اس سے حرف ندا کا حذف کرنا منظور ہو تو اس کے بدلے میں میم مشدد ضرور لایا جائے گا جیسے اللھم میں کہ یہاں حرف ندا کو محذوف کر کے اس کے عوض میں میم مشددہ لایا گیا ہے اور اگر حرف ندا کا حذف بغیر بدل ہو تو اس کی مثال یوسف ہے۔

نحو: یوسف أعرض عن هذا أي یا یوسف۔

یہ اس منادی کی مثال ہے جس سے حرف ندا بغیر بدل اور عوض کے محذوف ہو گیا ہو کہ اصل میں یہ یا یوسف تھا حرف ندا کو محذوف کر دیا گیا۔

ولفظة أي إذا وصف بذي اللام نحو: أيها الرجل أي يا أيها الرجل أو بالموصوف بذي اللام نحو: أيهذا الرجل أي يا أيهذا الرجل فلا يجوز الحذف من أيهذا من غير أن يتصف هذا بذي اللام والمضاف إلى أي معرفة كانت نحو: غلام زيد افعل كذا والموصولات نحو: من لا يزال محسنا أحسن إلي۔

یعنی معارف میں سے حذف کے حکم میں صرف چار الفاظ باقی رہیں ایک علم خواہ مع بدل ہو جیسے لفظ اللہ میں خواہ بے بدل ہو جیسے یوسف میں ہے دوم لفظ أي جو ذی اللام سے موصوف ہو جیسے أيها الرجل میں کہ اصل میں یہ یا ایها الرجل تھا یا موصوف معرفہ باللام سے موصوف ہو جیسے ایهذا الرجل میں کہ اصل میں یا أيهذا الرجل تھا پس أيهذا سے حرف ندا کا حذف جب تک هذا کو معرفہ باللام سے موصوف نہ کر دیا جائے جائز نہیں ہے تیسرا مضاف سے حذف حرف ندا جائز ہوگا جو مطلق معرفہ کی طرف مضاف ہو جیسے غلام زید میں کہ یہ اصل میں یا غلام زید افعل كذا تھا چوتھا اسم موصول سے حرف ندا کا حذف کرنا درست ہے جیسے من لا یزال محسنا أحسن إلي میں کہ یہ اصل میں یا من لا یزال محسنا أحسن إلي تھا حرف ندا کو محذوف کر دیا گیا۔

وأما المضمرات فشذ نداء ها نحو یا أنت ویا إیاك۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الفاظ مذکورہ سے حذف حرف ندا جائز ہے پس چاہئے کہ یا أنت اور یا إیاك سے بھی حرف ندا کا حذف جائز ہو حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ضمائر کا منادیٰ واقع ہونا چونکہ شاذ اور نادر ہے اس لئے ان الفاظ سے حذف حرف ندا درست نہیں ہے بخلاف الفاظ اربعہ مذکورہ کے کہ ان کا استعمال نادر اور شاذ نہیں اس لئے حرف ندا کا حذف ان

سے درست ہے۔

وشذّ حذف حرف النداء من اسم الجنس في أصبح ليل۔

اوپر مصنف کافیہ رحمہ اللہ تعالی نے یہ قاعدہ کلیہ لکھا تھا کہ منادی جب اسم جنس ہو تو اس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں اس پر أصبح ليل اور افتد مخنوق اور أطرق كرا کا اعتراض وارد ہوا کہ ان جملوں میں ليل اور مخنوق اور كرا اسمائے اجناس ہیں اور باوجود اس کے ان سے حرف ندا محذوف ہوا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ تعالی نے خود ہی اس کا جواب دیا کہ ان اسمائے اجناس سے حرف ندا کا حذف ہونا شاذ اور نادر ہے یعنی أصبح ليل میں ليل سے حرف ندا کا حذف ہونا شاذ ہے۔

أي صر صبحا يا ليل حذف حرف النداء من الليل مع أنه اسم جنس شذوذاً قالته امرأة امرئ القيس حين كرهته۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ أصبح کا لفظ یہاں بمعنی صار ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اے رات! تو صبح ہو جا۔ اس میں ليل کے لفظ سے حرف ندا محذوف ہوا باوجود اس کے کہ یہ اسم جنس ہے لیکن حذف شاذ ہے اور یہ امرء القیس کی بیوی کا مقولہ ہے جب شب کو یہ شخص اس کا حق خدمت ادا نہ کر سکا تو اس کی بیوی ناراض ہو کر حسرت سے أصبح ليل کہتی رہی۔

وفي افتد مخنوق أي يا مخنوق قاله شخص وقع في الليل على نائم مستلق فخنقه وقال: افتد مخنوق حذف حرف النداء عن المخنوق مع أنه اسم جنس شذوذاً۔

یعنی اسی طرح افتد مخنوق میں بھی حذف شاذ ہے یہ اصل میں افتد یا مخنوق تھا اور یہ کسی چور کا مقولہ ہے جس نے رات میں کسی پشت پر لیٹے ہوئے شخص پر حملہ کیا اور اس کا گھلا گھونٹ کر یہ قول کہا اس میں مخنوق سے باوجود اس کے کہ یہ اسم جنس ہے حرف ندا محذوف ہوا ہے لیکن یہ حذف شاذ اور نادر ہے۔

وفي أطرق كرا أي يا كروان وفيه شذوذان حذف حرف النداء من اسم الجنس وترخيم غير العلم۔

اور اسی طرح أطرق كرا میں بھی حرف ندا کا حذف شاذ ہے یعنی یہ اصل میں یا كروان تھا حرف ندا محذوف ہوا بلکہ اس میں دو شذوذ ہیں ایک اسم جنس سے حرف ندا کا حذف ہونا دوسرے غیر علم کی ترخیم۔

قیل: هی رقیة یصیدون بها الکروان ویقولون: أطرق کرا أطرق کرا، إن النعامة فی القری فیسکن ویطرق حتی یصاد والمعنی أن النعامة الذی هو أکبر منك قد اصطید وحمل إلی القری فلا تخلی أیضاً۔

اس میں شارح أطرق کرا کے معنی بتاتے ہیں کہ منقول ہے کہ یہ ایک قسم کے افسون اور منتر کے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ سے عرب کروان کو أطرق کرا، أطرق کرا بول کر شکار کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اے کرا! سر نیچے کر کے ادہر آ کہ شتر مرغ دیہات میں ہے پس یہ پرندہ سن کر ٹھہر جاتا ہے اور شکاری کے سامنے آ جاتا ہے یہاں تک کہ بیچارہ شکار کیا جاتا ہے اور اس مقولہ کے پورے معنی یہ ہیں کہ وہ شتر مرغ جو جسامت میں تجھ سے بڑا ہے وہ شکار ہو کر دیہات میں پہونچایا گیا تو بھی شکار کیا جائے گا چھوڑا نہیں جائے گا۔

فائدہ: کرا ایک پرندہ کا نام ہے جو بط کے مشابہ ہے اور رات کو سوتا نہیں ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو اپنے بڑوں کے سامنے باتیں کرے یا اشراف کے سامنے تکبر اور غرور ظاہر کرے۔

وقد یحذف المنادی لقیام قرینة جوازاً نحو: ألا یا اسجدوا بتخفیف ألا علی أنه حرف تنبیه ویا حرف النداء أی یا قوم اسجدوا والقرینة امتناع دخول یا علی االفعل بخلاف قراء ة ألّا یسجدوا بتشدید اللام لأنه لیس من هذا الباب فإن أن حینئذٍ ناصبة للمضارع أدغمت نونها فی لام لا ویسجدوا فعل مضارع سقط نونه بالنصب۔

جب مصنف کافیہ حرف ندا کے حذف کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب منادی کے حذف کا بیان شروع کر دیا کہ جس وقت قرینہ حذف کا موجود ہو تو اس وقت منادی کا بھی حذف جائز ہے جیسے ألا یا یسجدوا میں ہے ألا کے لفظ کے تخفیف کے ساتھ اس بناء پر کہ یہ ألا کا لفظ حرف تنبیہ اور یا حرف ندا مانا جائے یعنی اصل میں یہ یا قوم اسجدوا ہے۔ قوم کا لفظ اس میں منادی محذوف ہے اور حذف پر قرینہ امتناع دخول یا علی الفعل ہے کیوں کہ یا کا لفظ فعل پر داخل نہیں ہوتا اور یہاں فعل پر داخل ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا مدخول محذوف قوم کا لفظ ہے بخلاف ألا یسجدوا بتشدید لام کے یہ کہ اس صورت میں اس حذف کے باب سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اصل أن لا یسجدوا ہوگا پس اس وقت یہ أن ناصبہ مضارع مانا جائے گا اور اصل میں یہ فعل مضارع یسجدون صیغہ جمع مذکر غائب ٹھہرایا جائے گا جس کا نون أن ناصبہ کی وجہ سے ساقط ہوا ہے لہذا یہ مما نحن فیه سے نہیں ہوگا۔

الثالث من تلك المواضع الأربعة التي وجب حذف ناصب المفعول به فيها۔

یعنی ان مواضع اربعہ میں سے کہ جہاں مفعول بہ کے ناصب کا حذف واجب ہے تیسری جگہ

ما أي المفعول به۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مـــا کا کلمہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ مفعول بہ سے عبارت ہے یا مفعول مطلق سے اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہیں اول اس لئے کہ اس سے تعریف خاص بالعام لازم ہوجاتی ہے اور یہ درست نہیں اور ثانی اس لئے کہ تعریف مانع دخول غیر سے نہیں ہوگی کیونکہ اس میں یوم الجمعة صمت فيه کی ترکیب کا مفعول فیہ داخل ہوجاتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مـا کا کلمہ عبارت مفعول بہ سے ہے اور کل اسم سے مراد مفعول بہ ہے، مجاز أذکر عام مراد خاص کے قبیل سے ہے۔

أضمر أي قدر عامله الناصب له۔

یعنی تیسری جگہ ان مواضع اربعہ میں سے جہاں مفعول بہ کے ناصب کا حذف واجب ہے وہ مفعول بہ۔ ہے کہ جس کا عامل ناصب بشرط تفسیر مقدر کیا گیا ہو اور عـامـلـه کے بعد جو شارح نے الـنـاصـب کا لفظ بڑھایا ہے اس میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متبادر عامل سے فعل ہے اس سے شبہ فعل نکلا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں عامل سے مراد مطلق ناصب ہے خواہ فعل ہو خواہ شبہ فعل۔

علـى شريطة الـتفسير الشـريـطة والشرط واحد وإضافتها إلى التفسير بيانية أي ما أضمر عامله بناءً على شرط هو تفسيره أي تفسير العامل بما بعده۔

اس میں شارح شـريـطة کے لغوی معنی کی تحقیق کرتے ہیں کہ شـریـطه اور شرط دونوں الفاظ معنی واحد رکھتے ہیں اور شـریـطه کی اضافت تفسیر کی طرف بیانیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مفعول بہ جس کا عامل بنا بر ایک شرط مقدر کیا گیا ہو اور وہ شرط عامل کی مابعد کی تفسیر ہے اور اضافت بیانیہ میں مضاف اور مضاف الیہ میں اتحاد ہوتا ہے۔

وإنما وجب حذفه حينئذٍ احترازا عن الجمع بين المفسَّر والمفسِّر۔

اس میں شارح مفعول بہ کے عامل ناصب کے حذف کے وجوب کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ مفعول بہ کے عامل ناصب کا حذف اس لئے واجب ہے کہ درمیان مفسر و مفسر کے جمع لازم نہ ہو جو ذکر سے لازم ہوگی۔

وهو أي ما أضمر عامله على شريطة التفسير **كل اسم بعده فعل أو شبهه** احترز به عن نحو: زيد أبوك۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ بعده فعل أو شبهه کا قول احترازی ہے اس سے زيد أبوك سے احتراز ہوا اس لئے کہ یہاں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں بلکہ اسم ہے۔

ولا يريد به أن يليه الفعل أو شبهه متصلا به بل أن يكون الفعل أو شبهه جزء الكلام الذي بعده نحو زيداً عمرو ضربه وزيدا أنت ضاربه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف مفعول بہ کی اپنے افراد کو جامع نہیں ہے اس سے زيداً عمرو ضربه اور زيداً أنت ضاربه کی ترکیبوں کا مفعول بہ نکلتا ہے حالانکہ ان ترکیبوں میں زید مفعول بہ ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بعدیت سے مراد یہ نہیں کہ مفعول بہ کے ساتھ فعل اور شبہ فعل متصل واقع ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جز واقع ہو جو مفعول بہ کے بعد آیا ہے جیسے تراکیب مذکورہ میں واقع ہے لہذا مفعول بہ کی تعریف جامع ہوئی۔

مشتغل ذلك الفعل أو شبهه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مشتغل کا فاعل وہی فعل یا شبہ فعل ہے۔

وعنه أي عن العمل في ذلك الاسم۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ عنه کی ضمیر عمل کی طرف راجع ہے یعنی مفعول بہ ہر وہ اسم ہے جس کے بعد میں فعل یا شبہ فعل آیا ہو اور یہ فعل یا شبہ فعل اس مفعول کی ضمیر یا اس کی ضمیر کے متعلق میں عمل کرے۔

بضميره أي بالعمل في ضميره۔

یعنی اس کی ضمیر میں عمل کرے اور اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ بضميره کا باء بمعنی في کے ہے۔

أو في متعلقه أي متعلق ذلك الاسم أو متعلق ضميره۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ متعلقه کی ضمیر مجرور اس اسم مفعول بہ کی طرف راجع ہے یا اس کی ضمیر کی طرف یہ دونوں درست ہیں۔

وحاصله أن يكون الفعل أو شبهه مشتغلا بالعمل فی ضمير ذلك الاسم أو متعلقه فارغاً عن العمل فيه بسبب ذلك الاشتغال۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مشتغل کا لفظ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا بمعنی فراغ ہے یا بمعنی تسلیط ہے بنابر معنی اول اس کا عن سے متعدی ہونا باء سے درست نہیں اور بنابر معنی ثانی اس کا متعدی ہونا باء سے درست ہے عن سے صحیح نہیں ہے۔

شارح نے عبارت مذکورہ میں اس کا جواب دیا کہ یہاں دو اشتغال ہیں ایک مذکور دوسرا مقدر ہے۔ مذکور بمعنی فراغ متعدی بعن ہے اور دوسرا مقدر بمعنی تسلیط متعدی بباء ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرے خود اس اسم کے عمل سے فارغ ہو یعنی اس میں عمل نہ کرے بسبب اس اشتغال مذکور کے۔

لا بسبب اخر بحيث۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں زيد ضربت کی ترکیب کا مبتدا داخل ہوا اس لئے کہ اس کے بعد بھی فعل ہے جو اس کی ضمیر میں عمل کرتا ہے اور حالانکہ یہ ما أضمر عامله نہیں ہے۔

شارح نے یہ عبارت مذکورہ بڑھا کر اس کا یہ جواب دیا کہ ما أضمر عامله میں شرط یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کے عمل کا مانع مجرد اشتغال بالضمير ہو۔ دوسرا کوئی سبب نہ ہو اور ترکیب مذکور میں ضربت کے عمل کا مانع مجرد اشتغال بالضمير نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک امر آخر بھی مانع ہے اور وہ عامل معنوی کے رفع کا عمل بنابر ابتدا ہے لہذا تعریف مانع ثابت ہوئی آگے چل کر شارح خود ہی اس کی مفصل تحقیق کریں گے۔

لو سلّط بمجرد رفع ذلك الاشتغال۔

یعنی وہ فعل یا شبہ فعل مفعول بہ کی ضمیر میں عمل اس حیثیت سے کرے کہ اگر یہ فعل یا شبہ فعل اشتغال بالضمير کو چھوڑ کر خود اس اسم مفعول بہ پر مسلط ہو جائے تو اس کو منصوب کر سکے۔

عليه أی علی ذلك الاسم۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ عليه کی ضمیر مجرور اس اسم کی طرف راجع ہے جو ترکیب میں مفعول بہ واقع ہوتا ہو۔

هو أي أحد الأمرين الفعل أو شبهه بعينه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ھو ضمیر واحد مذکر فعل وشبہ فعل کی طرف راجع ہے اور وہ تثنیہ ہے پس درمیان مرجع اور راجع کے مطابقت نہیں ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل وشبہ فعل مؤول بأحد الأمرين ہے اور أحد کا لفظ مفرد ہے لہذا اب درمیان مرجع اور راجع کے مطابقت حاصل ہوئی یعنی فعل یا شبہ فعل بعینہ اس اسم پر داخل کیا جائے۔

أو مناسبه أي ما يناسبه بالترادف أو اللزوم۔

یا فعل وشبہ فعل کا مناسب یعنی اس کا مترادف یا جو اس سے لازم آتا ہے اس اسم پر داخل کر دیا جائے۔ شارح نے یہاں یہ اشارہ کیا کہ مناسبت کی دو قسمیں ہیں ایک ترادف کی دوسری لزوم کی۔

لنصبه أي لنصب أحد هذين الأمرين الاسم بالمفعولية كما هو الظاهر المتبادر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لنصبہ کی ضمیر منصوب فعل وشبہ فعل کی طرف راجع ہے اور وہ تثنیہ ہے پس درمیان مرجع اور راجع کے مطابقت نہیں ہوئی۔

شارح نے جواب دیا کہ فعل وشبہ فعل مؤول بأحد الأمرين ہے لہذا مطابقت حاصل ہوئی یعنی اگر فعل وشبہ فعل یا مناسب خود بعینہ اسی اسم پر داخل کر دیا جائے تو یہ ضرور اس کو نصب بنا بر مفعولیت دے سکے جیسا کہ یہی ظاہر اور متبادر ہے۔

فبقيد الاشتغال بالضمير أو متعلقه خرج نحو زيداً ضربت۔

یہاں سے شارح قیودات احترازیہ کا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف کافیہ کی الاشتغال بالضمير أو متعلقه کی قید سے زیداً ضربت کی ترکیب کا مفعول بہ، مفعول بہ کی تعریف سے خارج ہوا کیونکہ اس کے بعد فعل مشتغل بالضمير أو متعلقه نہیں ہے۔

وبقيد الفراغ عن العمل فيه بمجرد ذلك الاشتغال خرج نحو زيد ضربته فإن المانع عن عمل ضربته في زيد ليس بمجرد اشتغاله بضميره فإن عمل معنى الابتداء فيه ورفعه إياه أيضاً مانع عن ذلك۔

اوپر شارح رحمہ اللہ تعالی نے فارغاً عن العمل کی قید بڑھائی تھی جس سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا

منظور تھا اب یہاں اس کا مفصل اظہار اور اس قید کا فائدہ بیان کرتے ہیں کہ فراغ عن العمل کی قید سے زید ضربته کی ترکیب کا زید مفعول بہ کی تعریف سے خارج ہو کر مبتدأ کی تعریف میں داخل ہوا کیونکہ زید میں ضربته کے عمل سے مانع صرف اس کا اشتغال بالضمیر نہیں ہے بلکہ اس میں عامل معنوی یعنی ابتدا کا عمل رفعی بھی مانع ہے۔

وبقيد النصب بالمفعولية خرج خبر كان في نحو زيداً كنت أباه۔

اوپر شارح نے نصب کے ساتھ بالمفعولية کی قید بڑھائی تھی اب یہاں اس قید کا فائدہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قید ایک سوال مقدر کے جواب کے لئے بڑھائی ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں زیدا کنت أباه کی ترکیب کی کان کی خبر داخل ہوئی اس لئے کہ اس کے بعد فعل مشتغل بالضمیر ہے اگر یہ فعل اس پر مسلط کر دیا جائے تو اس کو نصب دے گا اور باوجود اس کے یہ ما أضمر عامله نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ نصب سے مراد نصب بنا بر مفعولیت ہے اور یہاں یہ نصب بنا بر خبریت کان ہے، لہذا النصب بالمفعولية کی قید سے خبر کان زیدا کنت أباه کی ترکیب مفعول بہ کی تعریف سے خارج ہوئی اور مفعول بہ کی تعریف جامع مانع ثابت ہوئی۔

وههنا صور أربع أحدها اشتغال الفعل بالضمير مع تقدير تسليطه بعينه والثانية اشتغاله بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسب الفعل بالترادف والثالثة اشتغال الفعل بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسب الفعل باللزوم والرابعة اشتغال الفعل بالمتعلق۔ ولا يتصور حينئذٍ إلا تقدير تسليط الفعل المناسب باللزوم ولهذا أورد المصنف رحمه الله تعالىٰ أربعة أمثلة؛ ثلثة منها للمشتغل بالضمير بأقسامه الثلثة وواحد للمشتغل بالمتعلق والأحسن في ترتيبها حينئذ تأخير مثال المشتغل بالمتعلق كما لا يخفى وجهه۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور یہاں ایک ہی مثال سے توضیح ہو سکتی ہے پس تعدد امثلہ کی کیا حاجت اور ضرورت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تعدد امثلہ باعتبار تعدد ممثلات کے ہوتا ہے یہاں ممثلات کا تعدد ہے کیونکہ یہاں چار صورتیں ہیں۔ اول اشتغال فعل بالضمیر مع تسلط بعینه کے۔ دوم اشتغال فعل بالضمیر معه تسلط ما يناسب الفعل بالترادف کے۔ سوم اشتغال فعل بالضمیر معه تسلط ما يناسب الفعل باللزوم کے۔ چہارم

اشتغال فعل بالمتعلق۔

اور اشتغال فعل بالمتعلق کی صورت میں سوائے تسلیط فعل مناسب باللزوم کے کوئی دوسری صورت منظور نہیں ہوسکتی ہے چونکہ یہاں یہ چہار صورتیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان صورتوں کے تعدد کی بنا پر مصنف کافیہ نے چہار مثالیں وارد کی ہیں تین مشتغل بالضمیر باقسامه الثلاثة کے لئے اور ایک مشتغل بالمتعلق کے لئے اور اس وقت مثالوں کی ترتیب کے لحاظ کی بنا پر مشتغل بالمتعلق کی مثال کا مؤخر کرنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے جیسا کہ اس کی وجہ پوشیدہ نہیں ہے۔

نحو: زيداً ضربته مثال الفعل المشتغل بالضمير مع تقدير تسليطه بعينه۔

اس میں مثال اس فعل کی ہے جو مشتغل بالضمیر معه تسلیط بعینه ہو۔

وزيداً مررت به مثال الفعل المشتغل بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسبه بالترادف فإن مررت بعد تعديته بالباء مرادف لجاوزت۔

اس میں شارح نے اس فعل کی مثال دی ہے جو مشتغل بالضمیر معہ تسلیط ما یناسب بالترادف ہو کیونکہ مررت باء سے متعدی بنا دینے کے بعد جاوزت کا مرادف ہے۔

وزيداً ضربت غلامه مثال الفعل المشتغل بالمتعلق مع تقدير تسليط الفعل المناسب باللزوم۔

اس میں اس فعل کی مثال ہے جو مشتغل بالمتعلق معه تسليط فعل مناسب باللزوم ہو کیونکہ زید کے غلام مارنے سے اس کی اہانت لازم آتی ہے پس یہی اس کا ناصب ہے۔

وزيداً حبست عليه مثال الفعل المشتغل بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسبه باللزوم فإن حبس الشيء على الشيء تلزمه ملابسته للمحبوس عليه۔

یہ اس فعل کی مثال ہے جو المشتغل بالضمير معه تسليط ما يناسب باللزوم ہو کیونکہ حبس شی علی الشیء سے محبوس علیہ کی ملابست لازم آتی ہے اور حبس کے معنی فارسی میں گرفتار کرنے کے ہیں۔

ينصب زيد في هذه الأمثلة۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ ینصب کا فاعل امثلہ مذکورہ میں زید کا لفظ ہے۔

بفعل مضمر یفسره ما بعده أی ضربت یعنی أن الفعل المفسر الناصب لزیداً فی زیداً ضربته ضربت المقدر فإن الأصل فیه ضربت زیداً ضربته أضمر ضربت الأول لوجود مفسره أعنی ضربت الثانی وعلی هذا القیاس۔

یعنی زید کا لفظ ان جملہ امثلہ مذکورہ میں فعل مضمر سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کا مابعد یعنی ضربتہ کررہا ہے یعنی فعل مفسر ناصب زید کا زیداً ضربتہ کی ترکیب میں ضربت مقدر ہے کیونکہ اصل میں عبارت یوں ہے ضربت زیداً ضربتہ اول فعل یعنی ضربت بوجہ پائے جانے مفسر یعنی ضربت ثانی کے مقدر کیا گیا اور اسی پر باقی افعال قیاس ہیں۔

جاوزت فإنه مفسر بما یرادفه أعنی مررت به۔

یعنی اسی طرح جاوزت کا لفظ مقدر ہے کیونکہ اس کی تفسیر اس کا مرادف یعنی مررت بہ کررہا ہے۔

وأهنت فإنه مفسر بما یستلزمه أعنی ضربت غلامه فإن ضرب الغلام یستلزم إهانة سیده۔

اسی طرح ناصب زید کا أهنت کا لفظ ہے جو زیداً ضربت غلامه میں مقدر ہے کیونکہ اس کی تفسیر وہ فعل کر رہا ہے جس سے یہ لازم آتا ہے یعنی ضربت غلامه کیونکہ غلام کے مارنے سے مالک کی اہانت لازم آتی ہے۔

ولابست فإنه مفسر بما یستلزمه أعنی حبست علیه۔

یعنی زیداً حبست علیه کی ترکیب میں زید کا عامل ناصب لابست مقدر ہے جس کی تفسیر حبست علیه کررہا ہے جس سے یہ لابست کا فعل لازم آتا ہے۔

ثم إن الاسم الواقع فی مظان الإضمار علی شریطة التفسیر أما المختار أو الواجب فیه الرفع أو النصب أو یستوی فیه الأمران وإلی هذه الصور الخمس أشار المصنف فقال:

اس عبارت میں شارح اگلی عبارت کی تمہید پر تنبیہ کر کے منصوب علی شریطة التفسیر اسم کے رفعی، نصبی اقسام بتاتے ہیں کہ وہ اسم جو مظان اضمار علی شریطة التفسیر کے مقام میں واقع ہو پانچ قسموں پر منقسم ہے اول وہ قسم ہے جس میں رفع معہ جواز نصب مختار ہو۔ دوم جس میں نصب معہ جواز رفع مختار ہو۔ سوم جس میں رفع متعین ہو۔ چہارم جس میں نصب متعین ہو۔ پنجم جس میں دونوں امر مستوی ہوں یعنی رفع ونصب دونوں پڑھنا صحیح ہو اور ان ہی پانچ

صورتوں کی طرف اشارہ کر کے مصنف کافیہ نے کہا۔

ویختار فی الاسم المذکور **الرفع بالابتداء** أی بکونه مبتدأ لأن تجرده عن العوامل اللفظية يصحح رفعه بالابتداء ويرجح **عند عدم قرينة خلافه**۔

یعنی اسم مذکور میں رفع بنا برابتدا مختار ہوگا جب کہ وہ مبتدا واقع ہو کیونکہ اس کا تجرد عوامل لفظیہ سے اس کے رفع کو بنا برابتدا چاہے گا اور جب اس کے خلاف کا قرینہ نہ ہوگا تو اس کے رفع کی ترجیح ہوگی اس لئے اس میں رفع مختار مانا جائے گا۔

أی قرينة ترجح خلاف الرفع يعنی النصب لأن قرينتی الصحة فيهما متساويتان لأن وجود ما له صلاحية التفسير قرينة مصححة للنصب فمتی لم ترجح النصب قرينة أخری يرجح الرفع بسلامة عن الحذف نحو زيد ضربته۔

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب رفع کے خلاف کا کوئی قرینہ نہ ہوگا تو اس وقت رفع متعین ہوگا نہ کہ مختار۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد عدم قرینہ سے عدم قرینہ مرجحہ ہے نہ مصححہ یعنی اس قرینہ کے جو رفع کے خلاف یعنی نصب کو ترجیح دے نہ پائے جانے کی صورت میں اسم مذکور میں رفع ہی مختار ہوگا اور یہاں قرینہ سے مراد قرینہ مرجحہ اس لئے ہے کہ رفع اور نصب میں صحت کے قرینے دونوں برابر ہیں کیوں کہ وجود اس چیز کا جس کو صلاحیت تفسیر حاصل ہو قرینہ مصححہ نصب کا ہے پس جب نصب کی ترجیح کا کوئی دوسرا قرینہ نہیں ہے تو اس صورت میں رفع ہی کو ترجیح دی جائے گی علاوہ ازیں رفع کی صورت میں حذف سے بھی سلامتی حاصل ہوگی، جیسے زید ضربتہ میں ہے کہ اس میں اگر رفع کو ترجیح نہ دی جائے اور نصب پڑھا جائے تو ناصب مقدر اور محذوف ماننا پڑے گا۔

أو عند وجود القرينة المرجحة من الجانبين ولكن تكون القرينة المرجحة للرفع **أقوی منها** أی من تلك القرينة المرجحة للنصب۔

یعنی جب اسم مذکور میں قرینۂ مرجحہ جانبین سے پایا جائے، لیکن قرینہ مرجحہ رفع کا نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہو تو اس صورت میں بھی رفع ہی مختار ہوگا یعنی جس طرح قرینے صحت کے جانبین سے موجود تھے اسی طرح قرینے ترجیح کے بھی جانبین سے پائے جائیں لیکن قرینہ مرجحہ رفع کا نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہو تو اس

صورت میں بھی رفع ہی مختار مانا جائے گا۔

كأما الداخلة على ذلك الاسم۔

یعنی جیسے أما کا لفظ جب اس اسم پر داخل ہو اور اس کے ساتھ طلب نہ ہو تو اس صورت میں یہ دخول أما قرینہ مرجحہ قویہ رفع کا ہے۔

مع غير الطلب أى بشرط أن لا يكون الفعل المشتغل عنه طلباً كالأمر والنهى والدعاء نحو لقيت القوم وأما زيد فاكرمته فالعطف على الفعلية قرينة النصب وكلمة أما قرينة الرفع وهى اقوى لأنها لا يقع بعدها غالباً إلا المبتدأ بخلاف عطف الاسمية على الفعلية فإنه كثير الوقوع فى كلامهم مع أنها تأيدت بالسلامة عن الحذف أيضاً وإنما قال مع غير الطلب احترازا عما إذا كانت مع الطلب نحو: أما زيداً فاضربه فإن المختار حينئذ هو النصب فإن الرفع يقتضى وقوع الطلب خبرا وهو لا يجوز إلا بتاويل۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ مع کا کلمہ بمعنی شرط کے ہے یعنی بشرطیکہ وہ فعل جو مشتغل بالضمیر ہو طلب نہ ہو یعنی امر اور نہی اور دعا نہ ہو۔ طلب سے یہاں یہی چیزیں مراد ہیں جیسے لقيت القوم وأما زيد فأكرمته میں ہے پس زید کا تجرد عامل لفظی سے قرینہ مصححہ رفع کا ہے اور وجود ماله صلاحية التفسير قرینہ مصححہ نصب کا ہے اور أما کا دخول قرینہ مرجحہ رفع ہے اور عطف جملہ فعلیہ قرینہ مرجحہ نصب کا ہے لیکن قرینہ مرجحہ رفع کا قرینہ مرجحہ نصب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ أما کے بعد اکثر اور غالباً مبتدا ہی واقع ہوتا ہے۔ بخلاف عطف جملہ اسمیہ علی الفعلیہ کہ یہ کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے علاوہ ازیں کلمہ أما کا دخول حذف سے بھی بچاتا ہے اور مصنف کافیہ نے مع غير الطلب اس لئے کہا ہے کہ اس سے اس أما سے احتراز ہو جو مع طلب ہو جیسے أما زيداً فاضربه میں ہے کیونکہ اس میں اس وقت نصب ہی مختار ہے اس لئے کہ رفع طلب کی خبریت کے وقوع کو چاہتا ہے اور یہ بغیر تاویل کے درست نہیں کیونکہ انشاء کا خبر واقع ہونا کلام عرب میں بغیر تاویل کے صحیح نہیں ہے یعنی فاضربه کو جب تک مؤول بمقول فى حقه: فاضربه نہ کیا جائے، اس کا زید کے لئے خبر واقع ہونا درست نہیں ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ أما کے داخل ہونے کے بعد یہ اسم مرفوع تب ہوگا جب کہ طلب کے ساتھ نہ ہوگا۔

ومثل أما مع غير الطلب۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ اوپر کے أما مع غیر الطلب پر عطف ہے۔

إذا الواقعة على الاسم المذكور **للمفاجاة** في كونها من أقوى القرائن۔

یعنی مثل أما کے وہ إذا مفاجاتی ہے جو اسم مذکور پر داخل ہوا ہو یعنی جس طرح أما کا دخول قرینہ مرجحہ قویہ رفع کا ہے اسی طرح إذا مفاجاتی کا دخول بھی قرینہ مرجحہ قویہ رفع کا ہے۔

مثل: خرجت فإذا زيد يضربه عمرو فإن المختار فيه الرفع فإن إذا للمفاجاة لا تدخل إلا على الجملة الاسمية غالباً۔

اس میں اس إذا مفاجاتی کی مثال ہے جس کا مدخول مرفوع بنا بر مبتدا ہو چونکہ کلام عرب میں إذا مفاجاتی کا دخول اکثر اور اغلب جملہ اسمیہ ہی پر ہوتا ہے اس لئے مثال مذکور میں زید کا مرفوع پڑھنا مختار ہے اور نصب جائز۔

وما وقع في بحث الظروف من أن إذا للمفاجاة تلزم بعدها الاسمية فالمراد بلزوم الاسمية غلبة وقوعها بعدها فلا تناقض۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے بحث ظروف میں إذا مفاجاتی کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بعد میں جملہ اسمیہ کا آنا لازم ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ غالباً جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے لہذا عبارت میں مخالفت اور تناقض ثابت ہوا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بحث ظروف میں جو یہ واقع ہوا ہے کہ إذا مفاجاتی کے بعد جملہ اسمیہ کا آنا لازم ہے اس سے یہ مراد ہے کہ إذا مفاجاتی کے بعد غالباً جملہ اسمیہ واقع ہوگا یعنی اس لزوم سے مراد غلبہ وقوع ہے لہذا اب عبارت میں تناقض نہیں رہا۔

ويختار النصب في الاسم المذكور **بالعطف** أي بسبب عطف جملة هو فيها **على جملة فعلية** متقدمة **للتناسب** أي لرعاية التناسب بين الجملة المعطوفة والجملة المعطوف عليها في كونهما فعليتين نحو خرجت فزيداً لقيته۔

اور اسم مذکور میں نصب مختار ہے اس لحاظ سے کہ جس جملہ میں یہ اسم واقع ہے اس جملہ کا عطف اس جملہ فعلیہ متقدمہ پر کیا جائے جس میں یہ اسم نہیں ہے یعنی اس لحاظ سے یہ عطف جملہ فعلیہ علی فعلیہ کیا جائے کہ درمیان جملہ معطوفہ اور جملہ معطوف علیہا کے مناسبت پیدا ہو جو کہ دونوں جملوں کا فعلیہ ہونا ہے تو اس صورت میں اسم مذکور میں نصب مختار اور

رفع جائز ہوگا جیسے خرجت فزیدا لقیتہ میں اگر لقیتہ کے جملہ کا عطف خرجت جملہ فعلیہ پر منظور ہوتو زید کو لقیت مقدر کا مفعول بہ ٹھہرا کر منصوب پڑھنا مختار ہے تا کہ خرجت جملہ فعلیہ پر عطف جملہ فعلیہ کا ہو اور اگر یہ عطف منظور نہ ہوتو اس صورت میں زید مرفوع پڑھا جائے گا اور جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر مانا جائے گا۔

وبعد حرف النفي يعنى ما ولا وإن وليس ولم ولما ولن من هذه الجملة إذ هي عاملة في المضارع ولا يقدر معمولها لضعفها في العمل۔

یعنی جب وہ اسم مذکور حرف نفی یعنی ما ولا وإن کے بعد واقع ہوتو اس صورت میں اس کا نصب مختار اور رفع جائز ہوگا اور حرف نفی سے یہاں مراد ما ولا وإن ہیں کیونکہ لم ولما اور لن کو یہ حکم شامل نہیں اس لئے کہ یہ حروف فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور چونکہ یہ حروف عمل میں ضعیف اور کمزور ہیں اس لئے ان کا معمول یعنی فعل مضارع مقدر نہیں مانا جاسکتا ہے جس کی بنا پر اسم مذکور منصوب علی شریطة التفسیر ہوسکے بخلاف ما ولا وإن کے کہ یہ حروف فعل مضارع میں عمل نہیں کرتے، اس لئے ان کے بعد فعل ناصب اسم مذکور کا مقدر مانا جائے گا اور اسم مذکور منصوب علی شریطة التفسیر ہوگا۔

نحو ما زيداً ضربته ولا زيداً ضربته ولا عمراً وإن زيداً ضربته إلا تاديباً۔

یہ اس اسم کی مثال ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہو اور نصب اس میں مختار اور رفع جائز ہو چونکہ ما، لا اور ان عوامل فعل کے نہیں ہیں اس لئے ان کے بعد فعل ناصب مقدر اور محذوف مانا جائے گا اور زید جملہ مذکورہ مثالوں میں منصوب علی شریطة التفسیر پڑھا جائے گا اور بہ نسبت رفع کے اس کا یہ نصب مختار ہوگا اور لا زيدا ضربته و لا عمراً میں لا کے تکرار سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ لا کا لفظ جب معرفہ پر داخل ہوگا تو تکرار لا اور تکرار اسم لا ضروری مانی جائے گی۔

وبعد حرف الاستفهام نحو: أزيداً ضربته؟

اس عبارت میں حرف الاستفهام کی عبارت سے مقدم شارح نے بعد کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر بعد حرف النفی کی عبارت پر عطف ہے یعنی اسم مذکور جب حرف استفہام کے بعد واقع ہوگا تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا اور نصب اس کا مختار ہوگا۔

وإنما قال حرف الاستفهام لأنه يختار الرفع في اسم الاستفهام مثل من أكرمته؟

اس عبارت سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے حرف الاستفهام کہا اور اسم الاستفهام نہیں کہا اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ حرف الاستفهام اس لئے کہا کہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے جیسے من أكرمته؟ میں کہ یہاں مبتدا میں رفع مختار ہے اور نصب جائز۔

ولم يقل همزة الاستفهام ليشمل مثل هل زيداً ضربته؟ فإنه يجوز وإن استقبحه النحاة لاقتضاء هل لفظ الفعل لأنه بمعنى قد في الأصل فلا يكفي فيه تقدير الفعل۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے حرف الاستفهام کہا همزة الاستفهام کیوں نہیں کہا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ همزة الاستفهام اس لئے نہیں کہا کہ هل زيداً ضربته کی ترکیب کو بھی شامل ہوجائے کیونکہ اس ترکیب میں بھی زید کا منصوب ہونا بنا بر شریطۃ التفسیر جائز ہے اگر چہ اس کو نحاۃ نے قبیح بھی مانا ہے اس لئے کہ هل کا لفظ فعل کو چاہتا ہے یعنی اس کا مدخول فعل ہوتا ہے کیونکہ یہ اصل میں بمعنی قد کے ہے پس اس میں تقدیر فعل کافی نہیں ہے تاکہ مما أضمر عامله کے باب سے سمجھا جائے۔

وبعد إذا الشرطية الدالة على المجازاة في الزمان نحو إذا عبد الله تلقه فأكرمه۔

یہ بھی اوپر والی عبارت بعد حرف النفي پر عطف ہے یعنی اسم مذکور جب اذا شرطیہ کے بعد واقع ہوگا جو کہ مجازات فی الزمان پر دلالت کرتا ہے، یعنی جس جملہ میں یہ إذا شرطیہ کا لفظ ہوگا وہ جملہ شرط اور اس کے بعد کا جملہ جزا ٹھہرے گا جیسے إذا عبد الله تلقه فاكرمه میں کہ اس میں إذا عبد الله تلقه کا جملہ شرط اور فاكرمه کا جملہ اس کا جزا ہے۔

وبعد حيث الدالة على المجازاة في المكان نحو حيث زيداً تجده فأكرمه۔

یہ بھی اوپر شروع والی عبارت پر عطف ہے یعنی اسم مذکور اگر حیث کے لفظ کے بعد جو مجازات فی المکان پر دلالت کرتا ہے واقع ہوگا تو اس صورت میں بھی منصوب علی شریطۃ التفسیر ہوگا اور نصب اس کا مختار ہوگا جیسے حيث زيداً تجده فاكرمه میں زید کا لفظ منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے۔

وفي ما قبل الأمر والنهي يعني موضع وقوع الاسم المذكور قبل الأمر والنهي مثل

زیداً اضربه وزیداً لا تضربه۔

شارح نے اس میں اشارہ کیا کہ مـا کے کلمہ سے مراد موضع ہے یعنی اگر اسم مذکور کے واقع ہونے کا مقام امر اور نہی کا ماقبل ہو تو اس صورت میں بھی یہ اسم منصوب علی شریطۃ التفسیر ہوگا نصب اس کا مختار ہوگا جیسے زیدا اضـربـہ اور زیداً لا تضربہ میں ہے پہلی مثال امر کی اور دوسری مثال نہی کی ہے۔

وإنـمـا اختير في هذه المواضع أي ما بعد حرف الاستفهام والنفي وإذا الشرطية وحيث وما قبل الأمر والنهي النصب في الاسم المذكور **إذ هي** أي هذه المواضع **مواقع الفعل**۔

اس میں و إنـمـا اختير الخ کی عبارت کو شارح نے بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کی إذ هـي إلـخ کی عبارت دلیل ودعوی ہے اور اس کے مدعی کا کہیں ذکر نہیں پس مصنف کی عبارت میں دعوی بلا دلیل لازم آیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ إذ هـي کی عبارت دعوی مدعی مقدر کا ہے یعنی حرف استفہام، نفی، إذا شرطیہ اور حیـــث کے الفاظ کے بعد اور امر اور نہی کے قبل جب اسم مذکور واقع ہوگا تو ان مواضع میں اس کا نصب اس لئے مختار ہوگا کہ یہ مقامات فعل کے واقع ہونے کے مقامات ہیں۔

أي مواضع وقوع الفعل فيها أكثر فإذا نصب الاسم المذكور وقع فيها الفعل تقديراً وإلا فلا۔

یعنی ان مقامات مذکورہ میں اکثر فعل واقع ہوتا ہے پس جب ان مقامات میں اسم مذکور منصوب ہوگا تو اس صورت میں اس کا ناصب فعل مقدر مانا جائے گا اور اگر مرفوع واقع ہوگا تو اس تقدیر پر اس کا ناصب مقدر نہیں ہوگا بلکہ یہ اسم مذکور مرفوع بنا برابتدا ٹھہرے گا۔

وکـذلك يختار النصب في الاسم المذكور **عـنـد خـوف لـبـس الـمـفـسـر** أي التباس ما هو مفسر في حال النصب لكن لا من حيث هو مفسر في هذه الحالة بل من حيث هو خبر في حال الرفع۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ التباس مفسر بالصفة محال ہے کیونکہ مفسر نصب کی حالت [illegible] صفت رفع کی حالت میں۔ بوجہ اختلاف ان حالتوں کے یہ دونوں ایک

ترکیب میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفسر سے مراد خبر ہے لیکن خبر پر مفسر کا اطلاق بطریق مجاز ہے باعتبار اس کے کہ یہ خبر نصب کی حالت میں مفسر ہوتا ہے یعنی اسی طرح اسم مذکور میں نصب مختار ہے جب صفت سے مفسر کے التباس کا خوف ہو یعنی التباس اس کا جو کہ حالت نصب میں مفسر ہو لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اس حالت میں ہو بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ حالت رفع میں خبر ٹھہرے۔

بالصفة فلا يعلم أنه خبر عن الاسم المذكور في حال الرفع مع موافقته للمعنى المقصود أو صفة له مع مخالفته للمعنى المقصود فالالتباس أما هو بين خبرية ذات ما هو مفسر على تقدير النصب ووصفيته لا بينه بوصف التفسير وبين الصفة فإن التركيب لا يحتملهما معاً۔

گویا اس میں اوپر والے سوال و جواب کی تشریح ہے کہ اگر مفسر صفت سے ملتبس ہو جائے تو اس صورت میں یہ نہ معلوم ہوگا کہ یہ مفسر رفع کی حالت میں اسم مذکور کی خبر ہے باوجود اس کے کہ یہ اس حالت میں معنی مقصود کے موافق ہو گا یا اس کی صفت ہے باوجود اس کے کہ یہ معنی مقصود کے مخالف ثابت ہوگا پس یہ التباس نصب کی صورت میں صرف درمیان خبریت ذات مفسر اور اس کے وصفیت کے ہوگا نہ درمیان اس کے وصف تفسیر اور صفت کے کیونکہ ترکیب واحد دونوں کا متحمل نہیں ہو سکتی ہے اور ایک شیء کا ایک ہی حالت میں مرفوع اور منصوب ہونا لازم نہیں ہوتا۔

مثل قوله تعالى: ﴿**إنا كل شيء خلقناه بقدر**﴾ بنصب كل على الإضمار بشريطة التفسير ولو رفع بالإبتداء وجعل خلقناه خبرا له كان موافقاً للنصب في أداء المقصود لكن خيف لبسه بالصفة لاحتمال كون قوله تعالى خلقناه صفة لشيء وقوله بقدر خبراً له وهو خلاف المقصود، فإن المقصود الحكم على كل شيء بأنه مخلوق لنا بقدر لا الحكم على كل شيء مخلوق لنا أنه بقدر فإنه يوهم كون بعض الأشياء الموجودة غير مخلوقة الله تعالى كما هو مذهب المعتزلة في الأفعال الاختيارية للعباد۔

یعنی مثال اس اسم کی جو بوجہ التباس مفسر بالصفة کے منصوب ہو یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اس میں کل کا لفظ منصوب بنابر اضمار علی شریطۃ التفسیر ہے اور اگر اس کو بنابر ابتدا مرفوع کر دیا جائے اور خلقناہ کا جملہ اس کی خبر ٹھہرائی جائے تو اس صورت میں یہ مقصود کے ادا کرنے میں نصب کے موافق ہوگا لیکن اس تقدیر پر اس کے صفت سے التباس کا

خوف ہو جائے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ خلقناه کا جملہ اس صورت میں شیء کی صفت ہو اور بقدر کا قول جار مجرور اس کی خبر ہو اور یہ خلاف مقصود ہے کیونکہ مقصود اللہ کا اس حکم سے یہ ہے کہ سب چیزیں ہماری مخلوق ہیں اور سب ہمارے اندازہ میں محدود ہیں یہ مقصود نہیں کہ جو چیزیں ہماری مخلوق ہیں وہی ہمارے اندازہ میں ہیں اس لئے کہ اس معنی سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بعض اشیاء موجودہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہیں جیسا کہ یہ افعال اختیاریہ العباد میں معتزلہ کا مذہب ہے۔ ان بد اعتقادوں کا مذہب ہے کہ نماز، صوم، زکوۃ، حج، قیام و قعود وغیرہ جملہ افعال اختیاریہ کا خالق بندہ ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من سوء اعتقادهم یعنی اس ترکیب میں اگر کل کا لفظ منصوب بفعل مقدر علی شریطۃ التفسیر مانا جائے تو اس صورت میں یہ ترکیب مذکور مفید معنی صحیح کے ہو جائے گی اور اگر اس کو بنا بر ابتدا مرفوع ٹھہرایا جائے تو اس تقدیر پر اس ترکیب میں دو ترکیبیں احتمالی اور بھی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ یہ اسم مرفوع بنا بر ابتدا ہو اور اس کے مابعد کل اس کی خبر ہو اور اس تقدیر پر بھی یہ ترکیب مفید معنی صحیح کے ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسم مذکور مرفوع بنا بر ابتدا ہو اور خلقناه کا جملہ اس کی صفت ہو اور بقدر اس کی خبر ہو اور اس تقدیر پر یہ ترکیب مفید معنی فاسد کے ہو جائے گی پس اسی وجہ سے یہاں نصب مختار ہے کیونکہ نصب کی صورت میں معنی فاسد کا احتمال نہیں اور رفع کی صورت میں معنی فاسد کا احتمال ہے اور کلام کا حمل ایسے معنی پر جس میں احتمال معنی فاسد نہ ہو اولیٰ ہے اس سے جس میں معنی فاسد کا احتمال ہو لہٰذا یہاں کل کا لفظ منصوب بنا بر اضمار علی شریطۃ التفسیر پڑھا جائے گا اور یہ نصب مختار مانا جائے گا۔

ويستوي الأمران أي الرفع والنصب فللمتكلم أن يختار كل واحد منهما بلا تفاوت۔

اس میں شارح نے یہ بتایا کہ الأمران سے مراد رفع اور نصب ہے پس متکلم کو اختیار ہے کہ وہ رفع اور نصب میں جس کو جی چاہے بلا فرق اختیار کرے یعنی خواہ رفع کو اختیار کرے خواہ نصب کو دونوں امر مستوی ہیں۔

في مثل: زيد قام وعمراً أكرمته۔

یعنی اس ترکیب میں متکلم کو اختیار ہے کہ وہ عمرا کے لفظ کو مرفوع بنا بر ابتدا پڑھے یا منصوب بنا بر اضمار علی شریطۃ التفسیر قرار دے۔

أي عنده أو في داره ونحو ذلك وإلا لا يصح العطف على الصغرى لعدم الضمير أي يستوي الأمران فيما إذا عطفت الجملة التي وقع فيها الاسم المذكور على جملة ذات وجهين

أي جملة اسمية خبرها جملة فعلية فيصح رفعه بالابتداء ونصبه بتقدير الفعل والوجهان مستويان لحصول التناسب فيهما ففي الرفع تكون اسمية فتعطف على الجملة الكبرى وهي اسمية وفي النصب تكون فعلية فتعطف على الصغرى وهي فعلية۔

اس میں شروع والی عبارت عنده أو في داره کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عمراً أكرمته کے جملہ کا عطف صغریٰ یعنی زید قام کے جملہ میں قام پر درست نہیں کیونکہ صغریٰ مبتدا کی ضمیر عائد پر مشتمل ہے اور معطوف میں یہ ضمیر نہیں ہے لہذا درمیان معطوف علیہ اور معطوف کے مناسبت نہیں ہوئی؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ضمیر عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری اور یہاں اگرچہ ضمیر لفظی نہیں لیکن تقدیری ضمیر موجود ہے اور وہ عنده یا داره کی ضمیر ہے جو معطوف علیہ مبتدا کی طرف راجع ہے لہذا یہ عطف درست ہوا اور یہ عنده اور داره وغیرہ الفاظ کی تقدیر اس لئے ضروری ہے کہ صغریٰ پر عطف درست ہو جائے ورنہ یہ عطف درست نہیں ہوگا کیونکہ بظاہر معطوف میں کوئی ضمیر نہیں ہے یعنی اس مقام پر رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں جہاں اس جملہ کا عطف جس میں وہ اسم مذکور واقع ہو اس جملہ پر کیا جائے جو ذات وجہین ہو یعنی وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر جملہ فعلیہ واقع ہوا ہو پس اس صورت میں رفع بنا بر ابتدا صحیح مانا جائے اور نصب بنا بر تقدیر فعل اور یہ دونوں وجوہات یعنی رفع بنا بر ابتدا اور نصب بنا بر تقدیر فعل دونوں صحیح اور درست ہیں کیونکہ ان صورتوں میں تناسب بین جملتین موجود ہے رفع کی حالت میں جملہ اسمیہ ٹھہرایا جائے گا پس کبریٰ کے جملہ یعنی زید قام پر عطف ہوگا اور یہ جملہ اسمیہ ہے لہذا اس صورت میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر ہو جائے گا اور نصب کی صورت میں جملہ فعلیہ مانا جائے گا پس اس کا عطف صرف صغریٰ یعنی قام پر مانا جائے گا اور یہ جملہ فعلیہ ہے لہذا اس صورت میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوگا اور جملہ ذات وجہین سے مراد زید قام کا جملہ ہے کہ یہ باعتبار مبتدا کے جملہ اسمی ہے اور باعتبار خبر کے فعلیہ ہے۔ پس کبریٰ پر عطف رفع کو چاہتا ہے اور صغریٰ پر عطف مقتضی نصب کا ہے اور ان دونوں میں سے ترجیح ایک کی بھی نہیں اس لئے دونوں امر مستوی ٹھہرے۔

فإن قلت: السلامة من الحذف مرجحة للرفع۔

اس میں اوپر يستوى الأمران والے قاعدے پر اعتراض ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ رفع کی حالت میں سلامتی از حذف قرینہ مرجحہ رفع کا ہے لہذا رفع مختار ثابت ہوا اور مصنف کا يستوى الأمران کا قاعدہ

غلط ٹھہرا۔

قلنا: هي معارضة بقرب المعطوف عليه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مذکور کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ سلامتی حذف معطوف علیہ کے قریب کا معارض ہے یعنی اگر سلامتی حذف کا لحاظ کیا جائے تو رفع مختار ہونا چاہئے اور اگر اس کا لحاظ کیا جائے کہ عمرا اکرمتہ کا جملہ چونکہ قام جملہ معطوف علیہ سے قرب کا تناسب رکھتا ہے اس لئے اس کا نصب مختار ہونا چاہئے لہذا اس تعارض کی بنا پر دونوں امر مستوی ٹھہرے۔

فإن قلت: لا تفاوت في القرب والبعد بينهما إذ الكبرى أيضاً قريبة غير مفصولة عنها۔

اس میں اوپر والے سوال کے جواب پر اعتراض ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ صغری اور کبری کے درمیان قرب اور بعد میں کوئی فرق نہیں بلکہ کبری بھی قریب ہے اور غیر مفعول عنہا ہے۔

قلنا: هذا باعتبار المنتهى وأما باعتبار المبدأ فالصغرى اقرب۔

اس میں شارح نے اوپر والے اعتراض مذکور کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ عدم تفاوت درمیان صغری اور کبری کے قرب اور بعد میں باعتبار منتہی جملوں کے ہے اور باعتبار مبدأ جملوں کے صغری کبری سے زیادہ قریب ہے لہذا اس تقدیر پر رفع اور نصب دونوں برابر پڑھ سکتے ہیں اور مصنف کا یستوی الأمران والا قاعدہ بالکل درست ہے اور صحیح ثابت ہوا۔

ويجب النصب أي نصب الاسم المذكور۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ النصب کا لفظ ترکیب میں مضاف اور اس کا مضاف الیہ محذوف اسم کا لفظ ہے، محذوف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کر دیا ہے۔

بعد حرف الشرط والمراد به ههنا إن ولو فإنّ أما وإن كانت من حروف الشرط فحكمها ما سبق من اختيار الرفع مع غير الطلب واختيار النصب مع الطلب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أما شرطیہ کے بعد حرف شرط کا ذکر کرنا بے کار ہے اور مستدرک ہے کیونکہ حرف شرط أما بھی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حرف شرط سے اس جگہ مراد ان اورلو ہے اما نہیں کیونکہ أما اگرچہ حروف شرط

میں سے ہے لیکن اس کا حکم سابق میں مذکور ہو چکا ہے جو کہ مع فیہ طلب اختیار رفع اور مع طلب اختیار نصب ہے لہذا اس کے بعد حرف شرط کا ذکر کرنا بے کار ثابت نہیں ہوا۔

وكذا يجب نصبه بعد حرف التحضيض۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اسم بعد حرف شرط واجب النصب ہے اسی طرح جب حرف تحضیض کے بعد واقع ہوگا واجب النصب ہوگا۔

وهي هلا وألا ولولا ولوما۔

اس سے شارح کا مقصد حروف تحضیض کا بتانا ہے یعنی حروف تحضیض چار ہیں اول هلا، دوم ألا، سوم لولا، چہارم لوما، جب اسم مذکور ان حروف کے بعد واقع ہوگا واجب النصب ہوگا۔

وإنما وجب النصب بعدهما لاختصاصهما بالدخول على الفعل لفظا أو تقديرا۔

اس میں شارح اسم مذکور کے نصب کے وجوب کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ جب اسم مذکور حروف شرط اور حروف تحضیض کے بعد واقع ہوگا تو اس کا نصب اس لئے واجب ہوگا کہ حروف شرط اور حروف تحضیض کا دخول فعل پر لفظاً یا تقدیراً واجب ہے اور جب ان کے بعد فعل لفظی نہ ہو تو تقدیری تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فعل مقدر ہوگا اور وہی اسم مذکور کا عامل ناصب مانا جائے گا۔

نحو: إن زيدا ضربته ضربك مثال حرف الشرط۔

یہ اس حرف شرط کی مثال ہے جس کے بعد اسم مذکور منصوب بنا بر اضمار علی شریطۃ التفسیر ہوتا ہے یہاں حرف شرط کا اسم پر داخل ہونا قرینہ فعل کی تقدیر کا ہے کیونکہ حرف شرط فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں۔

وألا زيدا ضربته مثال لحرف التحضيض۔

یہ اس حرف تحضیض کی مثال ہے جس کے بعد اسم مذکور واجب النصب ہوتا ہے کیونکہ حرف تحضیض فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں اسم پر داخل ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فعل مقدر ہے۔

اوپر مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ ذکر کیا تھا کہ جب اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہوگا تو اس صورت میں اس کا نصب بہ نسبت رفع کے زیادہ مختار ہوگا اب یہاں اس قاعدہ کلیہ پر ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ أزيد ذهب به؟ سے منقوض ہے کیونکہ اس مثال میں زید بعد حرف استفہام کے واقع ہوا

ہے اور باوجود اس کے اس میں نصب مختار نہیں بلکہ یہاں اس کا رفع ہی متعین ہے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

وليس مثل أزيد ذهب به؟ منه أي من باب الاضمار على شريطة التفسير فإن زيداً فيه وإن كان يظن في بادي النظر أنه مما أضمر عامله على شريطة التفسير والمختار فيه النصب لوقوع الاسم المذكور فيه بعد حرف الاستفهام لكن يظهر بعد تعمق النظر أنه ليس منه فإنه وإن صادق عليه أنه اسم بعده فعل مشتغل عنه بضميره لكنه ليس بحيث لو سلط عليه هو أو مناسبه لنصبه لأن ذهب به لا يعمل النصب۔

اس میں اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال مذکور میں زید کا رفع اس لئے متعین ہے کہ یہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں کیونکہ مثال مذکور میں زید کا لفظ اگرچہ بادی النظر میں گمان کیا جاتا ہے کہ یہ مما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے باب سے ہے اور نصب اس میں مختار ہے کیونکہ اس میں اسم مذکور بعد حرف استفہام کے واقع ہے لیکن تعمق نظر کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مما أضمر عامله کے باب سے نہیں ہے کیونکہ اس مثال میں زید کے لفظ پر اگرچہ یہ صادق آتا ہے کہ یہ ایک اسم ہے جس کے بعد فعل مشتغل بالضمیر ہے لیکن یہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اگر اس اسم مذکور پر فعل بعینہ یا اس کا مناسب مسلط کر دیا جائے تو اس کو نصب دے سکے کیونکہ ذهب به نصب کا عمل نہیں کر سکتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ مما اضمر عامله کے باب سے نہیں اور مصنف کا قاعدہ کلیہ مذکورہ صحیح اور درست ثابت ہوا۔

وكذا مناسبه أعني أذهب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مناسب ہے کہ اذهب فعل متعدی مقدر کیا جائے اور زید کے لفظ کو منصوب بنا بر اضمار علی شریطۃ التفسیر پڑھا جائے اور فعل مذکور کو قاعدہ کلیہ مذکورہ میں داخل کر دیا جائے۔

اس کا شارح نے جواب دیا کہ اذهب فعل مجہول بھی نصب کا عمل بنا بر مفعولیت نہیں کر سکتا ہے لہذا یہ مثال مذکور قاعدہ کلیہ مذکورہ سے خارج ہوئی۔

فإن قلت: لا ينحصر المناسب في أذهب فليقدر مناسب اخر مثل يلابس أو أذهب

على صيغة المعلوم فيكون تقديره زيدا يلابسه الذهاب به، أو يلابسه أحد بالذهاب به، أو أذهبه أحد۔

اس میں اوپر والے سوال مقدر کے جواب پر اعتراض کرنا منظور ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ فعل کا مناسب ذھب میں منحصر نہیں پس چاہئے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مناسب مقدر کر دیا جائے۔ اور اس سے اسم مذکور کو منصوب بنا بر اضمار علی شریطۃ التفسیر ٹھہرایا جائے جیسے یلابس یا اذھب بصیغہ معلوم ہے پس اس تقدیر پر مثال مذکور کی تقدیر یہ ہوگی زیدا یلابسه الذهاب به او یلابسه احد بالذهاب به اور أذهبه أحد اور معلوم ہے کہ یہ فعل کے مناسب الفاظ مذکورہ سب کے سب نصب کا عمل کر سکتے ہیں۔

قلنا: المراد بالمناسب ما يرادف الفعل المذكور أو يلازمه مع اتحاد ما أسند إليه فالاتحاد فيما ذكرته مفقود۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مذکورہ کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ مناسب سے مراد فعل مذکور کا مرادف یا اس کا لازم ہی ہے مع اتحاد مسند الیہ کے اور یہاں مذکورہ امثال میں مسند الیہ کا اتحاد مفقود ہے کیونکہ مثال اول میں مسند الیہ ذھاب ہے اور ثانی اور ثالث میں احد ہے تغیر بالکل ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں ہے۔

وإذا كان الأمر كذلك۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فالرفع کا لفظ جزا شرط مقدر کی ہے یعنی جب مناسب سے مراد فعل مذکور کا مرادف یا اس کا لازم مع اتحاد مسند الیہ ہے پس اس تقدیر پر مثال مذکور میں زید کا رفع واجب ثابت ہوا۔

فالرفع أي رفع زيد في المثال واجب بالابتداء۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ رفع کا لفظ مضاف اور اس کا مضاف الیہ زید کا لفظ مقدر ہے اور عوض میں محذوف کے مضاف پر الف لام داخل کر دیا ہے اور عبارت عربی میں شارح نے واجب کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فالرفع ترکیب میں مبتدا ہے اور اس کی خبر کا کہیں ذکر نہیں لہذا مبتدا بلا خبر ٹھہرا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مبتدا کی خبر واجب کا لفظ محذوف ہے لہذا اب ترکیب درست ہوئی اور مبتدا کا بلا خبر ہونا ثابت نہیں ہوا۔

ونـصبـه غيـر جـائز بالمفعولية فليس من باب الإضمار على شريطة التفسير فكيف مما يختار فيه النصب۔

یعنی مثال مذکور میں زید کا رفع بنا بر ابتدا واجب ہے اور اس کا نصب بنا بر مفعولیت جائز نہیں ہے۔ پس اس صورت میں یہ مثال اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں ہوئی پس اس میں نصب کیونکر مختار ہوسکتا ہے؟

اوپر مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا تھا کہ اسم مذکور میں جب دو قرینے مصححہ جانبین سے پائے جائیں لیکن قرینہ مصححہ رفع کا نصب کے قرینہ مصححہ سے زیادہ قوی ہو تو اس میں رفع مختار ہے۔ پس اس پر یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ﴿وكل شيء فعلوه في الزبر﴾ کے قول سے منقوض ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی اسی قبیل سے ہے اور باوجود اس کے اس میں رفع مختار نہیں بلکہ متعین ہے آگے چل کر اس کا مصنف خود ہی جواب دیتے ہیں۔

وكذا أي مثل أزيد ذهب به قوله تعالى:

یہ اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے کہ أزيد ذهب به؟ کے مثل اللہ تعالیٰ کا قول ﴿كل شيء فعلوه في الزبر﴾ بھی ہے یعنی جس طرح أزيد ذهب به، مما أضمر عامله على شريطة التفسير کے باب سے نہیں۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور بھی اس باب سے نہیں ہے۔

﴿كل شيء فعلوه في الزبر﴾ أي في صحائف أعمالهم۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ زبر سے مراد صحائف اعمال عباد ہیں۔

فهـو ليس مـن بـاب الإضمار على شريطة التفسير لأنه لو جعل منه لصار التقدير فعلوا كـل شيء في الزبر فقوله: ﴿في الزبر﴾ إن كان متعلقا بفعلوا فسد المعنى لأن صحائف أعمالهم ليست محلا لفعلهم لأنهم لم يوقعوا فيها فعلا بل الكرام الكاتبون أوقعوا فيها كتابة أفعالهم، وإن كـان صفة لشيء مع أنه خلاف ظاهر الاية فات المعنى المقصود، إذ المقصود أن كل شيء هو مـفعول لهم كائن في الزبر مكتوب فيها موافقا لقوله تعالى: ﴿وكلّ صغير وكبير مستطر﴾ لا أن كـل شيء كـائـن في صحائف أعمالهم مفعول لهم، فالرفع لازم على أن يكون كل شيء مبتدأ والـجـمـلة الـفعلية صفة لشيء والجار والمجرور في محل الرفع على أنه خبر المبتدأ تقديره كل شيء هو مفعول لهم ثابت في الزبر بحيث لا يغادر صغيرة ولا كبيرة۔

یعنی یہ قول ﴿کل شيء فعلوه في الزبر﴾ بھی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں کیونکہ ما أضمر عامله میں یہ شرط ہے کہ فعل مفسر ممکن التسلیط ہو اور اس مقام میں فعل مفسر ممکن التسلیط نہیں کیونکہ اگر ممکن التسلیط مانا جائے تو اس تقدیر پر آیت شریفہ کی معنوی تقدیر یہ ہوگی فعلوا کل شيء في الزبر پس في الزبر کا قول دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا فعلوا سے متعلق ہوگا یا شيء کی صفت ہوگی۔ اگر یہ جار و مجرور فعلوا سے متعلق مانا جائے تو اس صورت میں آیت شریفہ کے معنی بالکل فاسد ہو جائیں گے کیونکہ صحائف اعمال عباد کے فعل کے محل ٹھہریں گے حالانکہ صحائف اعمال عباد کے فعل کے محل نہیں اس لئے کہ صحائف اعمال میں عباد فعل کتابت واقع نہیں کرتے بلکہ کرام کاتبین ان کے نامۂ اعمال میں ان کے تمام افعال کو درج کرتے ہیں اور اگر یہ في الزبر جار و مجرور کا قول شيء کی صفت ٹھہرائی جائے باوجود اس کے کہ یہ آیت شریفہ کے ظاہر کے مخالف ہے پس اس صورت میں معنی مقصودی فوت ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا مقصد اس سے یہ ہے کہ ہر شی ء جو عباد کا مفعول ہے وہ ان کے صحائف اعمال میں ثابت اور لکھی ہوئی ہے بدلیل اس قول اللہ تعالیٰ کے ﴿وکل صغیر و کبیر مستطر﴾ یعنی ہر صغیر و کبیر چیز نامہ اعمال عباد میں لکھی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقصد نہیں کہ ہر شی ء جو صحائف اعمال عباد میں درج ہے وہ عباد کا مفعول ہے یعنی اس کو عباد صحائف میں واقع کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کل شيء کا رفع بنا برابتدا لازم ہے اور فعلوه کا جملہ فعلیہ شيء کی صفت ہے اور في الزبر جار و مجرور بنا برخبریت مبتدا رفع کے محل میں واقع ہے اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر یہ ہوگی کل شيء هو مفعول لهم ثابت في الزبر بحيث لا يغادر صغيرة ولا كبيرة یعنی ہر وہ چیز جو عباد کا مفعول ہے وہ ان کے نامہ اعمال میں اس طرح ثابت اور درج ہے کہ نامہ اعمال نے صغیرہ گناہ کو چھوڑا ہے نہ کبیرہ کو بلکہ سب کو اس میں درج کیا ہے اور ہر ایک ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ لہذا بوجہ فساد معنی مقصودی کے یہ کل شيء فعلوه في الزبر بھی مما أضمر عامله على شريطة التفسير کے باب سے نہیں ہوا اور مصنف کا قاعدہ کلیہ مذکورہ صحیح اور درست ثابت ہوا۔

واعلم أنه قد سبق أن الاسم المذكور إذا كان الفعل المشتغل عنه بضميره أو متعلقه أمراً أونهياً فالمختار فيه النصب والظاهر أن قوله تعالى: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ داخل تحت هذه القاعدة مع أن القراء اتفقوا فيه على الرفع إلا في رواية شاذة عن بعضهم، فاضطر النحاة إلى أن تمحلوا لإخراجه عن القاعدة المذكورة لئلا يلزم اتفاق القراء على غير المختار، فأشار المصنف إلى ما تمحلوا لإخراجه عنها فقال:

اس میں شارح اعـــــــــلم کہہ کر ایک سوال مقدر پر تنبیہ کر رہے ہیں جس کی تشریح اس طرح ہے کہ سابق میں مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے کہ اسم مذکور جب امر اور نہی کے ماقبل واقع ہوگا تو اس میں نصب بنا بر مفعولیت مختار ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿الزانية والزاني﴾ اس قاعدہ کلیہ مذکورہ کے تحت میں داخل ہے لہذا اس میں نصب مختار ہونا چاہئے حالانکہ تمام قاریوں کا اتفاق ﴿الزانية والزاني﴾ کے رفع پر ثابت ہے سوائے ایک روایت شاذہ بعض قاریوں کے سب قاری رفع ہی پڑھتے ہیں پس نحاۃ قاعدہ کلیہ مذکورہ سے اس کے خارج کرنے کے حیلہ کی طرف مضطر ہوئے تاکہ قاریوں کا غیر مختار پر اتفاق کرنا لازم نہ ہو۔ پس اس جواب اور حیلہ کی طرف جس کو نحاۃ نے قول ﴿الزانية الخ﴾ کو قاعدہ کلیہ مذکورہ سے خارج کردینے کے لئے مضطر ہو کر قائم کیا ہے مصنف کافیہ آگے چل کر اشارہ کرتے ہیں کہ

ونحو: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ الفاء فيه مرتبطة بمعنى الشرط عند المبرد.

اس میں شارح نے بمعنی کے لفظ سے مقدم مرتبطة کا لفظ بڑھا کر اشارہ کیا کہ جار و مجرور کا متعلق محذوف مرتبطة کا لفظ ہے یعنی آیت شریفہ میں فاجلدوا کا فا مبرد کے نزدیک معنی شرط سے ہے۔

لكون الألف واللام في الزانية والزاني مبتدأ موصولا فيه معنى الشرط واسم الفاعل الذي هو صلته كالشرط فخبر المبتدأ كالجزاء والفاء الداخلة عليه مرتبطة بالشرط لدلالتها على سببيته للجزاء ومثل هذه الفاء لا يعمل في ما حيزها في ما قبلها فامتنع تسليط الفعل المذكور بعدها على ما قبلها فتعين فيه الرفع۔

اس میں شارح مبرد کی دلیل بتاتے ہیں کہ آیت شریفہ میں فاء جزائیہ اس لئے ہے کہ ﴿الزانية والزاني﴾ میں الف و لام موصولی اور زانية و زاني کے الفاظ ترکیب میں اس کا صلہ واقع ہوئے ہیں پھر یہ موصول اور صلہ دونوں مل کر مبتدا ٹھہرتے ہیں اور مبتدا جب موصول ہو تو وہ متضمن معنی شرط کے ہوتا ہے ﴿الزانية والزاني﴾ کا قول موصول اور صلہ مل کر مبتدا متضمن معنی شرط کے ہے پس اس تقدیر پر مبتدا کی خبر بمنزلہ جزا کے ہوئی اور فاء جزا پر داخل ہے وہ مربوط بالشرط ہے کیونکہ یہ فاء شرط کی سببیت اور جزا کی مسببیت پر دلالت کرتی ہے اور اس قسم کا فاء اپنے مابعد کو ماقبل کے عمل سے روکتی ہے پس اس فاء کے بعد کے فعل مذکور کی تسلیط ماقبل میں ممکن نہیں ہے بلکہ یہ منع ہے اور چونکہ مـــا أضمر

عاملہ میں فعل مفسر کا ممکن التسلیط ہونا شرط ہے اس لئے یہاں ﴿الزانیة والزانی﴾ کے قول میں رفع ہی متعین ہوا یہ مبرد کی دلیل کا خلاصہ ہوا۔

والایة جملتان مستقلتان۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آیت مذکورہ کے اضمار علی شریطۃ التفسیر کی صورت میں بھی دو جملے ہیں لہذا آیت کے دو جملے ہونے کی بنا پر یہ قول قاعدہ کلیہ مذکورہ سے کیونکر خارج ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بے شک اضمار علی شریطۃ التفسیر کی صورت میں بھی آیت شریفہ کے دو جملے ہیں لیکن وہ مستقل جملے نہیں ہیں کیونکہ جملہ ثانیہ بوجہ مفسر ہونے جملہ اول سے مستقل نہیں ہے۔

عند سیبویه إذ الزانية مبتدأ محذوف المضاف والزاني عطف عليه والخبر محذوف أي حكم الزانية والزاني فيما يتلى عليكم بعدُ ، وقوله فاجلدوا جملة ثانية لبيان الحكم الموعود والفاء عنده أيضاً للسببية أي ان ثبت زناهما فاجلدوا وقيل زائدة أو للتفسير وجزء الجملة لا يعمل في جزء جملة أخرى فيمتنع التسليط فلا تدخل في الضابطة فتعين الرفع۔

اس میں شارح سیبویہ کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ سیبویہ کے نزدیک مشتمل بردو جملہ اس لئے ہے کہ ﴿الزانية والزاني﴾ کا قول معطوف علیہ اور معطوف دونوں مل کر ترکیب میں مبتدأ محذوف المضاف ہے اور اس کی خبر بھی محذوف ہے تقدیر عبارت کی یہ ہے حکم الزانية والزاني فيما يتلى عليكم بعد حکم مضاف، الزانية معطوف علیہ، والزاني معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مضاف الیہ مضاف مقدر حکم کا۔ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدأ فيما يتلى عليكم جملہ اس کی خبر ہے اور فاجلدوا کا قول جملہ ثانیہ ہے جس کو بیان حکم موعود کے لئے لایا گیا ہے اور فاء سیبویہ کے نزدیک بھی سببیت کے لئے ہے یعنی جزائیہ ہے جس کی تقدیر پر آیت مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر زانیہ اور زانی کا فعل زنا بحکم شریعت ثابت ہو جائے تو ان پر حد شرعی جاری کردو اور کسی نے کہا کہ یہ فاء زائدہ ہے یا تفسیر یہ ہے بہر حال اس صورت میں فاجلدوا جملہ کا ایک جز ہے اور جز جملہ دوسرے جملہ کے جز میں عمل نہیں کرسکتا پس فعل مذکور ممکن التسلیط نہیں ہوا، لہذا آیت کریمہ ما أضمر عامله على شريطة التفسير کے قاعدہ کلیہ مذکورہ میں داخل نہیں ہوئی اس لئے یہاں رفع متعین ٹھہرا۔

وإلا أي وإن لم تكن الفاء بمعنى الشرط ولم تكن الآية جملتين أيضاً فهي تكون داخلة تحت الضابطة۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ فاء بمعنی الشرط وجملتان سے استثناء ہے یعنی اگر یہ فاء بمعنی شرط یعنی جزائیہ نہ ہو اور یا آیت کریمہ دو جملوں پر مشتمل نہ ٹھہرائی جائے تو اس صورت میں یہ آیت مبارکہ قاعدہ کلیہ مذکورہ کے تحت داخل ہو کر اس میں نصب مختار ہو جائے گا۔

فالمختار حينئذٍ فيها النصب۔

یعنی جب فاء جزائیہ نہ ہو اور نہ آیت دو جملوں پر مشتمل ہو تو اس وقت اس میں نصب مختار ہوگا۔

واختيار النصب باطل لاتفاق القراء على الرفع فلا بد من جعل الفاء بمعنى الشرط أو جعل الآية جملتين ليتعين الرفع۔

اور یہ معلوم ہے کہ نصب کا مختار ہونا یہاں باطل ہے کیونکہ یہاں الزانية والزاني کے رفع پر تمام قراء سبعہ کا اتفاق ہے پس یہاں فاء کو بمعنی شرط اور آیت مکرمہ میں رفع کے تعین کے لئے دو جملوں پر مشتمل ٹھہرانا ضروری ہے ورنہ قاریوں کا غیر مختار پر اتفاق کرنا لازم آئے گا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آیت شریفہ میں فاء بمعنی الشرط و بمعنی جزائیہ اور آیت کریمہ دو جملوں پر مشتمل ہے۔

الرابع من تلك المواضع التي وجب حذف الناصب للمفعول به فيها۔

یعنی چوتھا مقام ان مقامات میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل ناصب کا حذف واجب ہے تحذیر ہے۔

التحذير وإنما وجب حذف الفعل فيه لضيق الوقت عن ذكره۔

اس میں شارح مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کے وجوب کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ تحذیر کے مقام میں مفعول بہ کے فعل ناصب کا حذف اس لئے واجب ہے کہ وقت تنگ ہوتا ہے، ذکر کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لئے محذوف کر دیا جاتا ہے۔

وهو في اللغة: تخويف شيء عن شيء وتبعيده منه۔

اس سے شارح کا مقصد تحذیر کی لغوی تحقیق اور معنی بتانا ہے کہ تحذیر لغت میں تخویف شیء کو کہتے ہیں یعنی کسی شیء کو کسی شیء سے ڈرانے اور اس کو اس سے بعید کرنے کے معنی تحذیر کے ہیں۔

وفی اصطلاح النحاۃ۔

اس سے شارح کا مقصد تحذیر کا اصطلاحی معنی بتا کر ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ھو پر معمول کا حمل درست نہیں کیونکہ یہ ھو ضمیر مرفوع واحد مذکر غائب کی تحذیر کی طرف راجع ہے اور وہ صرف وصف مصدر ہے اور معمول ذات مع الوصف ہے لہذا اس سے ذات مع الوصف کا حمل صرف وصف پر لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ھو کی ضمیر تحذیر اصطلاحی کی طرف راجع ہے بطریق استخدام کے، نہ تحذیر لغوی کی طرف لہذا اب ذات مع الوصف کا حمل صرف وصف پر لازم نہیں ہوا۔

فائدہ: استخدام اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے اصطلاحی۔ اول معنی لفظ صریح سے مراد ہیں۔ دوسرے معنی یعنی اصطلاحی معنی اس کی ضمیر سے مراد ہیں۔

معمولٌ أی اسم عمل فیه النصب بالمفعولیة۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تحذیر کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں ضمیر مستکن اتق کی داخل ہوئی کیونکہ وہ بھی بتقدیر اتق معمول ہے۔

شارح نے اس عبارت میں اس کا جواب دیا کہ معمول سے مراد معمول نصب کا ہے یعنی وہ اسم مراد ہے جس کو بنا بر مفعولیت نصب کا عمل دیا گیا ہو اور اتق کی ضمیر معمول رفع کا ہے لہذا تحذیر کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

بتقدیر اتق تحذیرا أی حذر ذلك المعمولُ تحذیراً فیکون مفعولاً مطلقاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أو ذکر المحذر منه مکرراً کا قول بصیغہ فعل ماضی مجہول کے لفظ مفرد پر عطف ہے پس اس سے عطف جملہ کا مفرد پر لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ معمول کے لفظِ مفرد پر عطف نہیں بلکہ یہ حذر یا ذکر مقدر پر عطف ہے اور یہ جملہ ہے لہذا اس میں عطف جملہ پر ہوا ہے اور یہ درست ہے اور حذر مقدر ماننے کی صورت میں تحذیراً کا لفظ مفعول مطلق یعنی حذر کا مصدر مانا جائے گا۔

أو ذکر تحذیراً فیکون مفعولا له۔

اور اگر ذکر مقدر مانا جائے تو اس صورت میں تحذیراً کا لفظ مفعول لہ متصور کیا جائے گا یہ تحذیراً کے لفظ

کے منصوب ہونے کی تحقیق اور دلیل اور وجہ ہوئی۔

مما بعده أي مما بعد ذلك المعمول۔

اس سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ بعدہ کی ضمیر مجرور اسم معمول کی طرف راجع ہے۔

أو ذكر المحذر منه مكرراً على صيغة المجهول عطف على حذر أو ذكر المقدر۔

اس سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ ذکر کا لفظ بعینہ فعل ماضی مجہول حذر یا ذکر مقدر پر عطف ہے۔

فإن قلت: فعلى هذا لا بد من ضمير في المعطوف كما في المعطوف عليه۔

یہ ایک سوال ہے جو ذکر کے حذر یا ذکر پر عطف کرنے سے وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ حذر اور ذکر مقدر پر بھی عطف درست نہیں۔ اس لئے کہ حذر اور ذکر میں معمول کی ضمیر ہے اور معطوف میں اس کی کوئی ضمیر نہیں ہے پس اس تقدیر پر ضروری ہے کہ جس طرح معطوف علیہ میں معمول کی ضمیر ہے اسی طرح معطوف میں بھی معمول کی طرف ضمیر راجع ہو جب یہ عطف درست ہوگا۔

قلنا: نعم لكنه وضع في المعطوف المظهر موضع المضمر إذ تقدير الكلام أو معمول بتقدير اتق ذكر مكرراً إلا أنه وضع المحذر منه موضع الضمير العائد إلى المعمول إشعارا بأنه محذر منه لا محذر۔

اس میں اوپر والے سوال مذکور کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ مسلم ہے لیکن یہاں معطوف میں بھی معمول کی ضمیر ہے مگر بغرض تنبیہ اس کے کہ یہاں معمول سے مراد محذر منہ ہے نہ محذر، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا ہے کیونکہ کلام کی تقدیر یہ ہے أو معمول بتقدير اتق ذكر مكررا یہاں محذر منہ کا لفظ اس ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے جو معمول کی طرف عائد ہے اور یہ وضع اسم ظاہر موضع ضمیر اس لئے کر دیا ہے کہ معمول سے مراد محذر منہ ہے محذر نہیں۔ عرب کے اپنے محاورات میں یہ عمل کئی فوائد کے لئے کرتے ہیں مگر یہاں یہی فائدہ مقصود ہے۔

فائدہ: تحذیر جب محذر ہو تو اس میں محذر منہ کا ذکر مخاطب کے آگاہ کرنے کے لئے شرط ہے اور جب محذر منہ ہو تو اس میں محذر منہ مکرر ذکر کرنا ضروری اور شرط ہے اور جب تحذیر محذر ہو تو محذر منہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا اسم صریحی ہوگا یا اسم تاویلی۔ اگر اسم صریحی ہوگا تو اس کے ذکر کرنے کے دو طریقے ہوں گے ایک واؤ دوسرا من اور اگر اسم تاویلی ہو

تو اس کے ذکر کرنے کے تین طریقے ہوں گے اول: واؤ۔ دوم: من۔ سوم: تقدیر من۔

مثل: إياك والأسد، وإياك وأن تحذف، هذان مثالان لأول نوعي التحذير ومعناهما بعّد نفسك من الأسد والأسد من نفسك وبعّد نفسك عن حذف الأرنب وهو ضربه بالعصا وبعد حذف الأرنب عن نفسك وعلى التقديرين المحذر منه هو الأسد والحذف فإن المراد من تبعيد الأسد أو الحذف من نفسك تحذيرها منهما لا تحذيرهما منها۔

اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنفین کا طریقہ یہ ہے کہ امثال مطابق ممثلات کے وارد کرتے ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ اول مثال تحذیر کے اول قسم کی ہے اور ثانی مثال ثانی قسم کی ہے اول مثال تو درست ہے، لیکن ثانی مثال درست نہیں دو وجہوں سے۔ اول یہ کہ قسم ثانی میں تحذیر کا محذر منہ ہونا شرط ہے اور یہاں تحذیر محذر ہے محذر منہ نہیں ہے۔ ثانی یہ کہ قسم ثانی میں محذر منہ کا مکرر ہونا شرط ہے اور یہاں محذر منہ مکرر نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ دونوں مثالیں تحذیر کے اول قسم کی ہیں اور ان دونوں مثالوں کے معنی یہ ہیں کہ اے مخاطب تو اپنے نفس کو شیر سے بچا اور اسد کو اپنے نفس سے بچا اور خرگوش کے مارنے سے تو اپنے نفس کو بچا اور حذف کے معنی یہاں خرگوش کو عصا سے مارنے کے ہیں اور اپنے سے خرگوش کو بچا اور ان دونوں تقدیروں پر یہاں محذر منہ اسد اور حذف ہے کیونکہ اسد اور حذف کی تبعید سے مراد نفس کو اسد اور حذف سے ڈرانا ہے۔ اسد اور حذف کو نفس سے ڈرانا مقصود نہیں ہے۔

والطريق الطريق مثال لثاني نوعيه أي اتق الطريق الطريق۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور یہاں توضیح ایک ہی مثال سے ہوسکتی تھی پس تعدد امثلہ کی کیا حاجت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تعدد امثلہ باعتبار تعدد ممثلات کے ہوتا ہے چونکہ ممثلات متعدد ہیں اس لئے امثلہ بھی متعدد لائی گئی ہیں یعنی اول مثالیں تحذیر کے اول قسم کی ہیں اور یہ ثانی مثال تحذیر کے ثانی قسم کی ہے جس میں محذر منہ مکرر ہو۔ اول مثال میں مفعول بہ کا ناصب بعد کا لفظ اور ثانی مثال میں اتق کا لفظ مقدر ہے جس نے مفعول بہ میں نصب کا عمل کیا ہے اور اول مثالوں میں اول مثال اس تحذیر کی ہے جس میں تحذیر محذر اور محذر منہ اسم صریح مذکور بالواو ہو

اور ثانی مثال اس تحذیر کی ہے جس میں تحذیر محذر اور محذر منہ اسم تاویلی ہو۔

ولا يخفى عليك أن تقدير اتق في أول النوعين غير صحيح لأنه لا يقال اتقيت زيدا من الأسد فينبغي أن يقدر فيه مثل بعّد ونحّ، وتقدير بعد في مثال النوع الثاني غير مناسب لأن المعنى على الاتقاء عن الطريق لا على تبعيده۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تقدیر اتق نوع اول میں درست نہیں کیونکہ وہ فعل لازم ہے بنا بر مفعولیت نصب کا عمل نہیں کرسکتا کیونکہ اتقیت زیداً من الاسد نہیں بولا جاتا ہے پس مناسب ہے کہ اس میں بعد ونح کے الفاظ مقدر کئے جائیں اور بعد کی تقدیر نوع ثانی میں درست نہیں کیونکہ معنی مثال ثانی کے نفس کا طریق سے بچانے کے ہیں تبعید طریق نفس سے مقصود نہیں ہے۔

فالصواب أن يقال بتقدير بعد أو اتق ونحوهما فيقدر مثل بعد في جميع أفراد النوع الأول وفي بعض افراد النوع الثاني مثل نفسك نفسك۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اسم مذکور بتقدیر بعد یا اتق معمول ہے اور بعد یا اتق کی تقدیر سے اس کا معمول ہونا صواب بھی ہے۔ پس قسم اول کے تمام افراد میں بعد کا لفظ مقدر کیا جائے گا اور نوع ثانی کے بعضے افراد میں بھی بعد کا لفظ مقدر مانا جائے گا جیسے نفسك نفسك میں ہے اور نوع ثانی کے بعضے افراد میں اتق مقدر کیا جائے گا جیسے الطريق الطريق میں ہے۔

فإن المعنى على بعد نفسك مما يوذيك كالأسد ونحوه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نفسك کے افراد کا نوع ثانی میں سے ہونا مسلم نہیں کیونکہ نوع ثانی میں تحذیر کا محذر منہ ہونا شرط ہے اور نفسك محذر ہے محذر منہ نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ نفسک کے معنی بعد نفسك مما يوذيك کے ہیں یعنی اپنے نفس کو مما یوذی یعنی عجب اور تکبر سے دور رکھ کیونکہ ان چیزوں سے نفس گمراہ ہوتا ہے۔

ويقدر مثل اتق في بعضها كالمثال المذكور۔

یعنی نوع ثانی کے بعضے افراد میں اتق کا لفظ مقدر کیا جائے گا جیسے مثال مذکور میں ہے۔

قيل لفظ الأسد في " إياك والاسد" خارج عن النوعين فينبغي أن لا يكون تحذيراً وليس

كذلك فإنه أيضاً تحذير۔

یہ ایک سوال ہے جس کو شارح قیل سے نقل کر کے بیان کرتے ہیں کہ تحذیر کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے إياك والاسد کی ترکیب کا اسد نکلتا ہے اس لئے کہ وہ دونوں نوعوں سے خارج ہے پس مناسب ہے کہ یہ تحذیر نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے یعنی یہ بھی تحذیر کی تعریف میں داخل ہے۔

وأجيب بأنه تابع للتحذير والتوابع خارجة عن المحدود بدليل ذكرها فيما بعد۔

اس میں اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ اگر اسد تحذیر کی طرف سے خارج ہو جائے تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ تحذیر کا تابع ہے عین تحذیر نہیں ہے اور توابع اپنے متبوع محدود سے خارج ہوتے ہیں بدلیل اس کے کہ ان کا مابعد میں ذکر کیا جاتا ہے اگر یہ توابع نہ ہوتے تو ان کا مابعد میں ذکر نہ کیا جاتا۔

وتقول في قسمي النوع الأول: **إياك من الأسد**، كما كنت تقول: إياك والأسد، **ومن أن تحذف**، كما كنت تقول: إياك وأن تحذف وتقول في المثال الأخير: **إياك أن تحذف بتقدير من** أي إياك من أن تحذف لأن حذف حرف الجر عن أن وأنّ قياس۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ چاہئے کہ یہاں بھی حرف عاطف مقدر مانا جائے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حروف جارہ کا حذف ان اور انّ سے قیاس کے موافق ہے اور ان حروف کے علاوہ اور حروف کا حذف شاذ اور نادر ہے اور حرف عطف کا حذف بھی نادر ہے اس لئے یہاں حرف عطف مقدر نہیں مان سکتے ہیں۔

ولا تقول في المثال الأول: **إياك الأسد لامتناع تقدير من** وشذوذه مع غير إن وأنّ۔

یعنی اول دو مثالوں میں سے اول مثال میں إياك الاسد نہیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ تقدیر "من" ان اور انّ کے علاوہ حرف کے ساتھ ممنوع اور شاذ ہے اس لئے اس کو بمن ملفوظ یا بواو مذکور استعمال کریں گے۔

فإن قلت: فليكن بتقدير العاطف۔

یہ ایک سوال ہے جو إیـــاك الاسـد کے امتناع پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں مناسب ہے کہ یہ ترکیب مقدر بعاطف مقدر مانا جائے۔

قلنا: حذف العاطف أشذ شذوذا لأن حذف حرف الجر قياس مع ان وانّ وشاذ كثير في غيرهما۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حرف عاطف کا حذف بہت ہی شاذ اور نادر ہے کیونکہ ان اور انّ سے حرف جر کا حذف کرنا قیاس کے موافق ہے لیکن ان حروف کے علاوہ حروف سے حرف جر کا حذف کرنا بہت شاذ و نادر ہے اس لئے یہاں حرف عاطف مقدر نہیں مان سکتے ہیں۔

وأما حذف العاطف فلم يثبت إلا نادرا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ پس حرف عاطف کو محذوف کر دیا جائے۔

شارح نے جواب دیا کہ حرف عطف کا حذف نـــادراً ثابت ہے چونکہ شاذ کثیر میں ممکن نہیں لہذا نادر میں بطریق اولی عاطف کا حذف ممکن نہیں ہوگا۔

المفعول فيه هو ما فعل فيه فعل۔

المفعول فيه کا لفظ ترکیب میں مرفوع ہے اور اس کے مرفوع ہونے کے تین وجوہ ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ مبتدا ہے اس کی خبر مقدم محذوف ہے یعنی ومنـه المفعول فيه۔ ثانی یہ کہ یہ خبر مبتدا محذوف کی ہے یعنی هذا باب المفعول فيه۔ ثالث یہ کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما فعل فيه فعل مذکور کا جملہ ہے۔

أى حدث مذكور۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ متبادر فعل سے فعل اصطلاحی ہے جو کہ مرکب نسبت فاعلی اور نسبت زمانی اور معنی لغوی حدث سے ہوتا ہے اور ذکر کی قابلیت صرف حدث ہی میں پائی جاتی ہے نسبت فاعلی اور زمانی میں نہیں پائی جاسکتی ہے پس ما فعل فيه فعل مذکور کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل سے یہاں مراد فعل لغوی حدث ہے اور یہ قابل ذکر ہے۔

تضمنا فی ضمن الفعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب فعل سے مراد فعل لغوی حدث ہے پس اس تقدیر پر مفعول فیہ کی تعریف جامع نہیں ہوئی کیونکہ اس سے ضربت یوم الجمعۃ کی ترکیب کا مفعول فیہ خارج ہوا کیونکہ اس میں حدث غیر مذکور ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مذکور ہونا عام ہے خواہ مطابقۃً ہو جیسے ضربی یوم الجمعۃ میں ہے خواہ فعل کے ضمن میں ہو جیسے ضربت یوم الجمعۃ میں ہے۔

الملفوظ أو المقدر۔

اس قید کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے یوم الجمعۃ صمت فیہ کی ترکیب کا مفعول فیہ خارج ہوا کیونکہ یہاں حدث بالکل مذکور نہیں ہے نہ مطابقۃً نہ فعل کے ضمن میں کیونکہ یہاں کوئی فعل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری۔ یہاں اگر چہ فعل لفظی نہیں لیکن تقدیری فعل ہے لہذا مفعول فیہ کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

أو شبهه كذلك۔

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے أنا ضارب یوم الجمعۃ کی ترکیب کا مفعول فیہ خارج ہوا کیونکہ یہاں نہ فعل لفظی ہے نہ تقدیری۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ شبہ فعل ہو اور یہاں اگر چہ فعل حقیقی نہیں لیکن شبہ فعل موجود ہے۔

أو مطابقة إذا كان العامل مصدراً۔

یہ اوپر تضمنا کے قول پر عطف ہے یعنی خواہ فعل تضمنا مذکور ہو خواہ مطابقۃ مذکور ہو یعنی صریحاً مذکور ہو جیسے اعجبنی جلوسك أمام زید میں ہے۔

فقوله: ما فعل فيه فعل شامل لأسماء الزمان والمكان كلها فإنه لا يخلو زمان أو مكان

عن أن يفعل فيهما فعل سواء ذكر الفعل الذى فعل فيهما أو لا وقوله: مذكور خرج به ما لا يذكر فعل فعل فيه نحو: يوم الجمعة يوم طيب فإنه وإن كان فعل فيه فعل لا محالة لكنه ليس بمذكور۔

اس میں شارح عبارت مذکورہ کی جنسیت اوراحترازیت کا اظہار فرماتے ہیں کہ مافعل فيه فعل کا قول جنس ہے۔ یہ تمام اسمائے زمان اور مکان کو شامل ہے کیونکہ فعل سے نہ کوئی زمانہ خالی ہوتا ہے اور نہ کوئی مکان بلکہ ان دونوں میں ضرور فعل واقع ہوتا ہے خواہ وہ فعل جوان میں واقع ہوتا ہے مذکور ہو خواہ مذکور نہ ہواور مذکور کا قول احترازی ہے اس سے وہ مفعول فیہ نکلا جس میں فعل مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعة یوم طيب میں ہے کیونکہ اس ترکیب میں یوم الجمعة اگر چہ فعل سے خالی نہیں۔ بلکہ اس میں فعل ضرور بالضرور واقع ہوتا ہے لیکن وہ فعل یہاں مذکور نہیں ہے۔

لكن بقى مثل شهدت يوم الجمعة داخلا فيه فإن يوم الجمعة يصدق عليه أنه فعل فيه فعل مذكور فإن شهود يوم الجمعة لا يكون إلا فى يوم الجمعة فلو اعتبر فى التعريف قيد الحيثية أى المفعول فيه ما فعل فيه فعل مذكور من حيث أنه فعل فيه فعل مذكور لخرج مثل هذا المثال منه فإن ذكر يوم الجمعة فيه ليس من حيث أنه فعل فيه فعل مذكور بل من حيث أنه وقع عليه فعل مذكور۔

اس عبارت عربی میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں شهدت يوم الجمعة کی ترکیب کا مفعول بہ داخل ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ترکیب مذکور میں یوم الجمعة مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہے کیونکہ یوم جمعہ کے لفظ پر یہ صادق آتا ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا جائے اس لئے کہ یوم جمعہ کا شہود یوم جمعہ میں ہی ہوتا ہے لیکن یوم جمعہ کا دخول مفعول فیہ کی تعریف میں اس وقت ہوگا جس وقت حیثیت کی قید مفعول فیہ کی تعریف میں مراد نہ ہو اور اگر مفعول فیہ کی تعریف میں حیثیت کی قید معتبر مانی جائے یعنی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی المفعول فيه ما فعل فيه فعل مذكور من حيث انه فعل فيه فعل مذكور یعنی مفعول فیہ وہ اسم ہے جس میں فعل مذکور کیا جائے اس حیثیت سے کہ اس میں فعل مذکور کیا جائے تو اس تقدیر پر مفعول فیہ کی تعریف سے مثال مذکور کا مفعول فیہ یوم جمعہ کا خارج ہو جائے گا کیونکہ اس میں یوم جمعہ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا جائے بلکہ اس حیثیت سے ہے

کہ اس پر فعل مذکور واقع ہوا ہے لہذا یہ مفعول بہ ہوگا۔

ولا يخفى أنه على تقدير اعتبار قيد الحيثية لا حاجة إلى قوله مذكور۔

اس میں شارح لا يخفى سے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کرتے ہیں جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اگر حیثیت کی قید مفعول فیہ کی تعریف میں معتبر کی جائے تو اس تقدیر پر مذکور کے قول کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی بلکہ اس کا ذکر بلا فائدہ ہوگا۔

إلا لزيادة تصوير المعرف۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر حیثیت کی قید کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اس صورت میں مذکور کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ معرف کی زیادت تصویر کے لئے مذکور کا قول لایا گیا ہے۔

من زمان أو مكان بيان لما الموصولة أو الموصوفة إشارة إلى قسمي المفعول فيه وتمهيدا لبيان حكم كل منهما وهو أي المفعول فيه ضربان ما يظهر فيه في وهو مجرور بها وما يقدر فيه في وهو منصوب بتقديرها وهذا خلاف اصطلاح القوم فإنهم لا يطلقون المفعول فيه إلا على المنصوب بتقدير في وأما المجرور بها فهو مفعول به بواسطة حرف الجر لا مفعول فيه وخالفهم المصنف رحمه الله حيث جعل المجرور أيضا مفعولا فيه ولذلك قال:

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ من زمان او مکان میں من کا لفظ بیانیہ ہے یعنی مفعول فیہ کی تعریف میں ما موصولہ یا موصوفہ مجمل تھا جس کو مصنف نے اس کا بیان کر کے مفعول فیہ کے دو قسموں کی طرف اشارہ کردیا کہ مفعول فیہ زمان ہوتا ہے یا مکان۔ اور زمان اور مکان ہر ایک کے حکم کے بیان کی تمہید کی طرف بھی تلمیح فرمائی یعنی مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں اول وہ ہے جس میں في کا کلمہ ظاہراً مذکور ہو اور مفعول فیہ بسبب اس في جارہ کے مجرور ہو۔ دوم جس میں في کا کلمہ مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ بتقدیر في منصوب ہوگا اور یہ قوم کی اصطلاح کے خلاف ہے کیونکہ وہ لوگ سوائے منصوب بتقدیر في کے کسی دوسرے مفعول فیہ پر مفعول فیہ کا اطلاق نہیں کرتے ہیں اور وہ مفعول فیہ جو بواسطہ حرف جر مجرور ہو اس کو مفعول بہ قرار دیتے ہیں اس کو مفعول فیہ نہیں سمجھتے ہیں۔ مصنف کافیہ نے ان لوگوں کی مخالفت کر کے مجرور کو بھی مفعول فیہ ٹھہرایا ہے اور اسی وجہ سے آگے چل کر و شرط نصبه الخ کہہ دیا ہے۔

وشرط نصبه أی شرط نصب المفعول فیه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ نصبه کی ضمیر مجرور مفعول فیہ کی طرف راجع ہے۔

تقدیر فی إذ التلفظ بها یوجب الجر۔

یعنی مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط کلمہ فی کا مقدر ہونا ہے کیونکہ فی کے ذکر کرنے سے جر واجب ہوتا ہے۔

و ظروف الزمان کلّها مبهما کان الزمان أو محدوداً تقبل ذلک أی تقدیر فی۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ذلك کا مشار الیہ تقدیر فـــی ہے یعنی کل ظروف زمان خواہ مبہم ہوں خواہ محدود فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں یعنی سب میں فی کا کلمہ مقدر مانا جا سکتا ہے۔

لأن المبهم منها جزء مفهوم الفعل فیصح انتصابه بلا واسطة کالمصدر والمحدود منها محمول علیه أی علی المبهم لاشتراکهما فی الزمانیة نحو: صمت دهراً وأفطرت الیوم۔

اس میں شارح ظروف زمان کے فی کی تقدیر کی دلیل اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ ظروف زمانیہ مبہمہ فـــی کی تقدیر کو اس لئے قبول کرتے ہیں کہ یہ فعل کے مفہوم کے جز ہوتے ہیں اس لئے مثل مفعول مطلق کے ان کا بلا واسطہ حرف جر منصوب ہو جانا درست اور صحیح ہے اور ظروف زمانیہ محدودہ مبہمات پر محمول کئے جائیں گے کیونکہ زمان مبہم اور زمان محدود دونوں زمانیت میں مشترک ہیں لہذا جب ایک شریک میں بتقدیر فی نصب درست ہوگا تو دوسرا شریک بھی اس حکم میں داخل مانا جائے گا جیسے صمت دهراً وأفطرت الیوم میں ہے اس مثال میں دهراً کا لفظ زمان مبہم اور یوم کا لفظ زمان محدود ہے اور دونوں منصوب بتقدیر فی ہیں یوم کو دهراً پر محمول کیا ہے۔

وظروف۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یہ ظروف الزمان پر عطف ہے۔

المکان إن کان المکان۔

اس کے بڑھانے سے یہ مقصد ہے کہ کان فعل ناقص کا اسم مکان کا لفظ ہے۔

مبهما قبل ذلک أی تقدیر فی حملاً علی الزمان المبهم لاشتراکهما فی الإبهام نحو: جلست خلفك۔

یعنی ظروف مکان اگر مبہم ہونگے تو تقدیر فی کو قبول کریں گے اس لئے کہ ان کا اس صورت میں زمان مبہم پر حمل ہوگا کیوں کہ مکان مبہم اور زمان مبہم دونوں ابہام کی صفت میں مشترک اور موصوف ہیں مکان مبہم کی مثال جلست خلفك ہے۔

وإلا أي وإن لم يكن مبهماً بل يكون محدوداً۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ یہ إن كان مبهما سے استثناء ہے یعنی اگر مکان مبہم نہ ہو بلکہ محدود ہو تو تقدیر فی کو نہیں چاہے گا۔

فلا يقبل تقدير في إذ لم يمكن حمله على الزمان المبهم لاختلافهما ذاتا وصفة نحو: جلست في المسجد۔

اس لئے کہ اس صورت میں مکان محدود کا حمل زمان مبہم پر ممکن نہیں کیونکہ یہ دونوں باعتبار ذات اور صفات کے آپس میں مختلف ہیں۔ ذاتی اختلاف تو ظاہر ہے کہ ایک مکان ہے اور دوسرا زمان۔ اور صفتی اختلاف یہ ہے کہ ایک کی صفت محدودیت ہے، دوسرے کی صفت ابہام اور ان دوصفتوں میں تضاد ہے اگر ایک کا دوسرے پر حمل کرتے ہیں تو اس سے ایک متضاد کا حمل دوسرے متضاد پر لازم آتا ہے لہذا مکان محدود کا زمان مبہم پر حمل نہ کیا جائے اور اس میں فی کی تقدیر نہ ہوگی بلکہ فی ملفوظ مانی جائی گی جیسے جلست فی المسجد میں فی ملفوظ ہے۔

وفسر المبهم من المكان بالجهات الست وهي: أمام وخلف ويمين وشمال وفوق وتحت وما في معناها۔

یعنی مکان مبہم کی جہات ستہ سے تفسیر کی گئی ہے یعنی وہ الفاظ مذکورہ بالا ہیں اور جو ان کے معنی میں ہیں یعنی آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، جنوب اور شمال۔

فإن أمام زيد مثلا يتناول جميع ما يقابل وجهه إلى انقطاع الأرض فيكون مبهما۔

اس میں شارح جہات ستہ کے مبہم ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ جہات ستہ میں ابہام اس لئے ہے کہ مثلاً أمام زيد میں أمام کے لفظ کا اطلاق زید کے منہ کے مقابلہ میں زمین کے ختم ہونے کے مقام تک پر ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ مسافت مبہم ہے لہذا أمام جہات ستہ مبہمہ میں سے ٹھہرا۔

ولما لم يتناول هذا التفسير بعض الظروف المكانية الجائز نصبها قال:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا عند، ولدی، ودون، وسوی سے منقوض ہے کیونکہ یہ الفاظ جہات ستہ میں سے نہیں ہیں اور باوجود اس کے یہ بتقدیر فی منصوب مانے جاتے ہیں۔ شارح نے یہ سوال ظاہر فرما کر کہہ دیا کہ اس کا جواب آگے چل کر مصنف کافیہ خود فرمائیں گے۔

وحمل عليه أي على المبهم المفسر بالجهات الست **عند، ولدى وشبههما** نحو: دون وسوى **لإبهامهما** أي لإبهام عند ولدى۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عند، ولدی اور ان کے شبہ یعنی دون وسوی کے الفاظ منصوب بتقدیر فی اس لئے ہیں کہ یہ اس مبہم مفسر بجہات ستہ پر محمول ہیں کیونکہ جس طرح وہ مبہم تھا اسی طرح یہ الفاظ بھی مبہم ہیں اس صفت مشترکہ کے بنا بران کا مبہم مفسر بجہات ستہ پر حمل کیا گیا۔

ولم يذكر وجه حمل شبههما عليه لأن حكمه حكمهما۔

یعنی مصنف کافیہ نے دون وسوی کی مشابہت کے حمل کی وجہ بیان نہیں کی کیونکہ جو حکم مبہم مفسر بجہات ستہ کا ہے وہی دون وسوی کا ہے۔

وفي بعض النسخ لإبهامها كما هو الظاهر۔

یعنی بعض نسخوں میں کافیہ کے لإبهامهما کی جگہ لإبهامها ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے اس نسخہ کی تقدیر پر لإبهامها کی ضمیر واحد مؤنث غائبہ عند ولدی دون وسوی ان جملہ الفاظ کی طرف راجع مانی جائے گی نہ صرف عند ولدی کی طرف۔

وكذا حمل على المبهم من المكان۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ یہ وحمل علیہ پر عطف ہے۔

لفظ مكان وإن كان معينا نحو: جلست مكانك **لكثرته في الاستعمال** مثل الجهات الست لا لإبهامه۔

یعنی اسی طرح مکان مبہم پر "مکان" کے لفظ کا حمل کیا جائے گا اور منصوب بتقدیر فی مانا جائے گا اگرچہ وہ معین ہے جیسے مثال مذکور میں ہے اور یہ حمل اس لئے ہے کہ جس طرح جہات ستہ کثیر الاستعمال ہیں اسی طرح یہ لفظ مکان بھی کثیر الاستعمال ہے اسی مشابہت سے اس کا حمل ہوگا ابہام کی وجہ سے اس کا حمل نہیں مانا جائے گا۔

اوپر مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ ذکر کیا تھا کہ مکان محدود میں تقدیر فی نہیں ہوگی اس پر ایک سوال مقدر وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا دخلت کے بعد جو مکان ہوتا ہے اس سے منقوض ہے جیسے دخلت الدار میں کیونکہ دار مکان محدود ہے اور باوجود اس کے اس میں تقدیر فی ہوتی ہے آگے چل کر وما بعد دخلت کے قول سے اس کا جواب خود ہی مصنف دیں گے وہ یہ ہے۔

وكذا حمل عليه **ما بعد دخلت** وإن كان معينا نحو دخلت الدار لكثرته في الاستعمال لا لإبهامه **على الأصح** أي على المذهب الأصح۔

یعنی اسی طرح مکان مبہم پر مابعد دخلت کا حمل ہوگا اگرچہ وہ معین بھی ہو جیسے دخلت الدار میں ہے یہ حمل بھی کثرت استعمال کی بنا پر ہوگا ابہام کی وجہ سے نہیں ہوگا اور یہ مابعد دخلت کو مکان مبہم پر حمل کر کے مفعول فیہ منصوب بتقدیر فی ٹھہرانا مذہب اصح کی بنا پر ہے۔

فإنه ذهب بعض النحاة إلى أنه مفعول به لكن الأصح أنه مفعول فيه۔

کیونکہ بعضے نحاۃ اس کو مفعول بہ ٹھہراتے ہیں لیکن اصح مذہب یہی ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے۔

والأصل استعماله بحرف الجر لكنه حذف لكثرة استعماله۔

یعنی اصل میں مابعد دخلت کا استعمال حرف جر سے ہوتا ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے اس کے حرف جر حذف کر دیا جاتا ہے۔

وهذا محل تأمل؛ فإن الفعل لا يطلب المفعول فيه إلا بعد تمام معناه ولا شك أن معنى الدخول لا يتم بدون الدار وبعد تمام معناه بها يطلب المفعول فيه كما إذا قلت: دخلت الدار في البلد الفلاني فالظاهر أنه مفعول به لا مفعول فيه ومما يؤيد ذلك أن كل فعل نسب إلى مكان خاص بوقوعه فيه يصح أن ينسب إلى مكان شامل له ولغيره فإنه إذا قلت: ضربت زيداً في الدار التي هي جزء من البلد فكما يصح أن تقول ضربت زيداً في الدار كذلك يصح أن تقول ضربته في البلد وفعل الدخول بالنسبة إلى الدار ليس كذلك فإنه إذا قال الداخل في البلد دخلت الدار لا يصح أن يقول دخلت البلد فنسبة الدخول الى الدار ليست كنسبة الأفعال إلى امكنتها التي فعلت فيها فلا تكون الدار مفعولا فيه بل مفعولا به۔

اس مقام میں شارح ایک سوال مقدر پر تنبیہ کرتے ہیں جو لکن الأصح أنه مفعول فيه پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ما بعد دخلت کے مفعول فیہ ہونے میں تامل ہے کیونکہ فعل اپنے معنی تمام ہونے کے بعد ہی مفعول فیہ کو چاہتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دخول کے معنی بدون ذکر دار کے تمام نہیں ہوتے بلکہ دار سے اس کے معنی تمام ہوتے ہیں اس کے بعد مفعول فیہ کو چاہتا ہے جیسے دخلت الدار فی البلد الفلانی کی ترکیب میں ہے پس ظاہر یہ ہے کہ مابعد دخول مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اور اس کی تائید اس سے ہوئی ہے یہ کہ جب ہر فعل کی نسبت اس خاص مکان کی طرف ہوتی ہے جہاں یہ واقع ہوتا ہے پس اس میں یہ صحیح ہے کہ اس فعل کی نسبت اس مکان کی طرف کی جائے جو اس مکان خاص اور اس کے غیر کو بھی شامل ہو کیونکہ جب ضربت زيداً في الدار التي هي جزء من البلد کہا جائے یعنی میں نے زید کو اس دار میں مارا جو کہ وہ شہر کے اجزا میں سے ایک جز ہے تو جس طرح ضربت زيداً في الدار صحیح ہے اسی طرح ضربته في البلد بھی کہہ سکتے ہیں اور دخول کا فعل بہ نسبت دار کے اس طرح نہیں کیونکہ اس وقت اگر شہر کا مقیم دخلت الدار بولے گا تو اس کو دخلت البلد کہنا نہیں چاہئے اس لئے کہ یہ کلام لغو ہے لہذا دخول کی نسبت دار کی طرف مثل نسبت ان افعال کے نہیں ہے جن کی نسبت ان امکنہ کی طرف ہوتی ہے جہاں یہ افعال واقع ہوتے ہیں پس اس تقدیر پر دار مفعول فیہ نہیں ہوا بلکہ مفعول بہ ٹھہرا۔ یہ سوال کی تشریح ہوئی۔

شارح نے اس کے جواب کی طرف التفات نہیں کیا لیکن اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم اس فعل میں ہے جس کے مفہوم میں نقل خارج سے داخل کی طرف یا داخل سے خارج کی طرف معتبر ہو اور دخول کے مفہوم میں صرف نقل خارج سے داخل کی طرف معتبر ہے لہذا ما بعد دخلت مفعول فیہ ٹھہرا۔

وقيل: معناه على الاستعمال الأصح فيكون إشارة إلى أن استعمال دخلت مع في نحو: دخلت في الدار صحيح لكن الأصح استعماله بدون في ونقل عن سيبويه أن استعماله بـ"في" شاذ۔

یعنی اصح کے معنی میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مابعد دخول بنا بر استعمال اصح مفعول فیہ ہے پس اس تقدیر پر اس سے اس طرف اشارہ ہو جائے گا کہ دخلت کا استعمال مع کلمہ فی صحیح ہے لیکن اس کا اصح استعمال بدون فی کے ہے۔

وينصب أي المفعول فيه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ ینصب کا فاعل ضمیر مستتر مفعول فیہ کا لفظ ہے۔

بعامل مضمر بلا شريطة التفسير نحو يوم الجمعة في جواب من قال: متى سرت؟ أي سرت يوم الجمعة۔

یعنی مفعول فیہ بلاشرط تفسیر عامل مضمر ومقدر سے منصوب ہوسکتا ہے جیسے متی سرت؟ کے سائل کے سوال کے جواب میں یوم الجمعة کہا جائے جس کی تقدیر سرت یوم الجمعة ہے یعنی یوم الجمعة عامل مقدر سرت سے منصوب ہے۔

وبعامل مضمر۔

اس کے بڑھانے سے شارحؒ نے یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر وینصب بعامل مضمر پر عطف ہے۔

على شريطة التفسير نحو: يوم الجمعة صمت فيه والتفصيل فيه بعينه كما مر في المفعول به۔

یعنی مفعول فیہ عامل مقدر سے بنابر اضمار علی شریطۃ التفسیر بھی منصوب ہوسکتا ہے جیسے یوم الجمعة صمت فيه کی ترکیب میں یوم الجمعة مفعول فیہ منصوب بفعل مقدر ہے جس کی تفسیر اس کے بعد کا فعل صمت کر رہا ہے اور اس میں اختیار رفع ونصب اور یستوی الأمران والی تفصیل بعینہ وہی ہے جو مفعول بہ کی بحث میں مذکور ہو چکی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔ دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

المفعول له هو ما فعل لأجله۔

ترکیب میں یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ یا مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کے ما بعد کی عبارت اس کی خبر ہے اور ھو ضمیر فصل ہے اور لہ کی ضمیر مجرور المفعول کے الف ولام کی طرف راجع ہے جو بمعنی الذي کے ہے اور لہ کا لفظ ترکیب میں مفعول ما لم يسم فاعله مقام رفع میں ہے اسی طرح به و معه و فيه کے الفاظ کو بھی قیاس کر لینا چاہئے۔

أي لقصد تحصيله أو بسبب وجوده۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں اول جو فعل کے لئے علت غائی ہو جیسے ضرب کے لئے تادیب ہے اور ثانی وہ ہے جو ایسا نہ ہو جیسے قعود کے لئے جبن ہے قسم اول بحسب تعقل فعل کی علت ہوگی اور بحسب وجود خارجی کے اس کا معلول ہوگا اور قسم ثانی بحسب وجود کے فعل کی علت ہوگی یعنی مفعول لہ وہ اسم ہے جس کی

تحصیل کی بنا پر یا جس کے وجود کے سبب سے فعل مذکور کیا جاتا ہے۔

وخرج به سائر المفاعيل مما فعل مطلقا أو به أو فيه أو معه۔

اس سے شارحؒ کا مقصد صرف یہ ہے کہ لأجله کی قید احترازی ہے اس قید سے باقی تمام مفاعیل یعنی مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ اور مفعول معہ، مفعول لہ کی تعریف سے خارج ہو گئے۔

فعل أي حدث۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے اور سوال وجواب کی تشریح مفعول فیہ کی بحث میں ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو دوبارہ ذکر کرنے سے طوالت ہو گی۔

مذكور أي ملفوظ حقيقة أو حكماً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول لہ کی تعریف سے تأدیباً نکلا جو لم ضربت زیداً؟ کے جواب میں کہا جائے کیونکہ یہاں فعل مذکور نہیں اور باوجود اس کے یہ مفعول لہ ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مذکور عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی۔ یہاں اگرچہ فعل حقیقۃً مذکور نہیں لیکن حکماً مذکور ہے لہذا اب مفعول لہ کی تعریف سے وہ مفعول لہ خارج نہیں ہوا جس کا فعل مقدر ہو جیسے مثال مذکور میں ہے۔

فلا يخرج عنه ما كان فعله مقدراً كما إذا قلت: "تاديباً" في جواب من قال: لم ضربت زيداً؟

اس میں شارحؒ نے اوپر حکما کی قید کے بڑھانے پر تفریع کی ہے یعنی جب ہم نے مذکور کو عام مانا کہ خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی تو اس تقدیر پر تادیباً جو لم ضربت زیداً؟ کے جواب میں کہا جائے مفعول لہ کی تعریف میں داخل ہوا کیونکہ یہاں پر اگرچہ فعل مذکور لفظاً نہیں لیکن حکماً مذکور ہے۔

فقوله: مذكور احتراز عن مثل أعجبني التاديب۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ مصنف کافیہ کے مذکور کا قول احترازی ہے اس سے أعجبني التأديب کی مثال سے احتراز ہوا کیونکہ اس میں فعل نہ حقیقۃً مذکور ہے نہ حکماً یعنی یہ مفعول لہ کی تعریف سے خارج ہوا۔

فإن قلت: كيف يصح الاحتراز به عنه وهو أي الفعل الذي فعل لأجله مذكور في

الجملة کما فی ضربت زیداً۔

یہ ایک سوال ہے جو احتراز عن مثل أعجبنی التادیب کی عبارت پر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مذکور کی قید سے أعجبنی التادیب سے احتراز کیونکر درست ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہ فعل جو مفعول لہ کے حصول کی بنا پر یا اس کے وجود کے سبب سے کیا جاتا ہے فی الجملہ مذکور ہے لہذا یہ بھی مفعول لہ کی تعریف میں داخل ہوا جیسے ضربت زیداً کی ترکیب میں ہے؟

قلنا: المراد مذکور معه۔

یہ اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ مذکور سے مراد یہ ہے کہ اس اسم مفعول لہ کے ساتھ میں مذکور ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ مثال مذکور میں فعل اس کے ساتھ مذکور نہیں ہے لہذا مذکور کے قول کی احترازیت درست ہوئی۔

فإن قلت: هو مذکور معه کما فی ضربته تأدیباً۔

یہ اوپر والے سوال مقدر کے جواب پر اعتراض ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فعل اس کے ساتھ مذکور ہے جیسے ضربته تأدیباً میں ہے پس مذکور کی احترازیت جائز نہیں ہے۔

قلنا: المراد مذکور معه فی الترکیب الذی هو فیه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مذکور سے مراد یہ ہے کہ جس ترکیب میں یہ اسم واقع ہو اسی ترکیب میں اس اسم کے ساتھ فعل مذکور ہو اور مثال مذکور میں ایسا نہیں ہے لہذا مذکورٌ کے قول کی احترازیت درست ثابت ہوئی۔

ویرد حینئذٍ نحو: أعجبنی التأدیب الذی ضربت لأجله۔

یہ اوپر والے سوال کے جواب پر اعتراض ہے جس کی تشریح اس طرح ہے کہ جب مذکورٌ سے مراد یہ ہے کہ جس ترکیب میں یہ اسم واقع ہو اسی ترکیب میں اس اسم کے ساتھ فعل مذکور ہو تو اس وقت أعجبنی التأدیب الذی ضربته لأجله کی ترکیب پر اعتراض وارد ہو جائے گا کیونکہ اس ترکیب میں اس اسم کے ساتھ فعل مذکور ہے اگرچہ ذکر میں مؤخر ہے۔

اللهم إلا أن یراد بذکره معه إیراده معه للعمل فیه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ مفعول لہ کے ساتھ فعل کے مذکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول لہ کے ساتھ فعل اس میں عمل نصب پیدا کرنے کی غرض سے ذکر کر کے لایا جائے اور یہ معلوم ہے کہ ترکیب مذکور میں مفعول لہ کے ساتھ فعل عمل کے لئے مذکور نہیں ہے لہذا مذکور کی احترازیت پھر بھی درست اور صحیح ٹھہری۔

مثل: ضربته تأديباً، مثال لما فعل لقصد تحصيله فعل وهو الضرب فإن التأديب إنما يحصل بالضرب ويترتب عليه۔

یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے قصد تحصیل کے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو اور وہ فعل مذکور مثال مذکور میں ضرب ہے کیونکہ تادیب ضرب ہی سے حاصل ہوتی ہے اور ضرب ہی پر مرتب ہوتی ہے۔

وقعدت عن الحرب جبناً، مثال لما فعل بسبب وجوده فعل وهو القعود فإن القعود إنما وقع بسبب الجبن۔

اس میں اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے وجود کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو اور وہ فعل مذکور یہاں قعود ہے کیونکہ قعود بسبب پائے جانے جبن کے جس کے معنی نامردی کے ہیں واقع ہوا ہے کیونکہ اگر نامرد نہ ہو تو وہ جنگ سے قعود کبھی بھی اختیار نہیں کرے گا۔

والقائل بكون المفعول له معمولا مستقلاً غير داخل في المفعول المطلق يخالف۔

اس عبارت کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی اس عبارت میں خلافاً کا لفظ مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق میں شرط یہ ہے کہ اس میں فعل مذکور کے معنی پائے جائیں اور اس پر فعل مذکور کا اشتمال ایسا ہو جیسا کہ اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے اور یہاں اس کے قبل کوئی ایسا فعل مذکور نہیں ہے جس کے معنی اسم مفعول مطلق پر مشتمل ہوں۔

شارح نے عبارت عربی مذکورہ میں یخالف کا لفظ بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ فعل عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری۔ یہاں اگرچہ لفظی فعل مذکور نہیں لیکن تقدیری موجود ہے جو کہ یخالف ہے یعنی جو شخص کہ مفعول لہ کو معمول مستقل مان کر اس کو مفعول مطلق میں داخل نہیں کرتا وہ اس سے زجاج کی مخالفت کرتا ہے۔

خلافا ظاهرا للزجاج فإنه أي المفعول له عنده أي عند الزجاج مصدر۔

یعنی اس میں زجاج کی مخالفت بالکل ظاہر ہے کیونکہ مفعول لہ زجاج کے نزدیک مصدر ہے۔ باقی شارح نے فإنه کے بعد مفعول لہ ظاہر کیا اور عنده کے بعد زجاج نکال کر یہ اشارہ کیا ہے کہ پہلی ضمیر مفعول لہ کی طرف ہے اور دوسری ضمیر عنده کی زجاج کی طرف راجع ہے باقی مطلب بالکل صاف ہے۔ تشریح کا محتاج نہیں۔

من غير لفظ فعله فالمعنى عنده في المثالين المذكورين أدبته بالضرب تأديباً وجبنت في القعود عن الحرب جبناً۔

اس میں شارح نے زجاج کی طرف سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصدر میں یہ شرط ہے کہ اس پر فعل مذکور کے معنی ایسے مشتمل ہوں جیسا کہ اشتمال کل کا جز پر ہوتا ہے اور یہاں ضربت کے معنی ضرب پر مشتمل ہیں نہ کہ تادیب پر اور قعدت کے معنی کا اشتمال قعود پر ہے جبناً پر نہیں ہے لہذا تادیباً اور جبناً کے الفاظ کی مصدریت صحیح نہیں ہوئی۔

شارح نے زجاج کی طرف سے اس کا جواب دیا کہ اشتمال عام ہے خواہ صریحی ہو خواہ تاویلی یہاں اگر چہ صریحی اشتمال نہیں لیکن تاویلی موجود ہے کیونکہ زجاج کے نزدیک امثال مذکورہ کے معنی أدبته بالضرب تأديباً وجبنت في القعود عن الحرب جبناً ہیں لہذا اشتمال تاویلی موجود ہونے پر الفاظ مذکورہ کی مصدریت زجاج کے نزدیک درست اور صحیح ثابت ہوئی۔

أو ضربته ضرب تأديب وقعدت قعود جبن۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا الفاظ مذکورہ کی مصدریت باعتبار مضاف مقدر کے ہے جس کی تقدیر عبارت عربی میں مذکور ہے پس اس تقدیر پر بھی اشتمال پایا گیا لہذا الفاظ مذکورہ کی مصدریت درست ثابت ہوئی اور الفاظ مذکورہ زجاج کے نزدیک مصادر ٹھہرے۔

اب آگے چل کر شارح زجاج کے قول کا رد بیان کریں گے۔

وردّ قول الزجاج بأن صحة تاويل نوع بنوع لا تدخله في حقيقة ألا ترى أن صحة تاويل الحال بالظرف من حيث ان معنى جاء زيدٌ راكبا جاء زيد وقت الركوب من غير أن تخرج عن حقيقتها۔

یعنی زجاج کے قول کو اس طرح رد کر سکتے ہیں کہ ایک نوع کی صحت دوسرے نوع کو اس کی حقیقت میں داخل

نہیں کرسکتی ہے دیکھو حال کی تاویل ظرف سے درست ہے کیونکہ جاء زید راکباً کے معنی حقیقت میں جاء زید وقت الرکوب ہیں اور باوجود اس کے یہ ظرف کے تاویلی حال کو اپنے حالیت کی حقیقت سے خارج نہیں کرسکتے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ مذکورہ اگرچہ بذریعہ تاویل مذکور مصادر بھی ہو جائیں لیکن وہ اس تاویل سے اپنے مفعول لہ ہونے کی حقیقت سے خارج نہیں ہوں گے بلکہ اس تاویل کی صورت میں ہی مفعول لہ بھی قرار پائیں گے۔ شارح نے زجاج کے قول کو خوب رد کیا جزاه الله در الجنان آمين ثم آمين۔

وشرط نصبه أي شرط انتصاب المفعول له لا شرط كون الاسم مفعولا له فالسمن والإكرام في قولك: جئتك للسمن ولإكرامك الزائر عنده مفعول له على ما يدل عليه حده وهذا كما قال في المفعول فيه: إن شرط نصبه تقدير في وهذا أيضاً خلاف اصطلاح القوم۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ نصبه کی ضمیر مجرور مفعول لہ کی طرف راجع ہے یعنی مفعول لہ کے نصوب ہونے کی شرط تقدیر لام ہے یہ تقدیر لام اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ پس اس تقدیر پر وہ مفعول لہ جو معرف باللام ہو جیسے السمن والاکرام کے الفاظ جئتك للسمن ولاكرامك الزائر کی ترکیبوں میں ہیں۔ مصنف کافیہ کے نزدیک مفعول لہ ہے جیسا کہ اس پر مفعول لہ کی تعریف دلالت کرتی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مفعول فیہ کی بحث میں کہا تھا کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر فی ہے اور اس میں بھی وہی قوم کی اصطلاح کے خلاف کا مضمون ہے جس کا ذکر مفعول فیہ کی بحث میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے وہاں پر ملاحظہ کریں۔

تقدير اللام لأنها إذا ظهرت لزم الجر۔

اس میں شارح نے مفعول لہ کے بتقدیر لام منصوب ہونے کی دلیل اور وجہ بیان فرمائی ہے کہ بتقدیر لام اس لئے منصوب ہوگا کہ اگر لام کو ظاہر کر کے ذکر کیا جائے تو اس سے مفعول لہ کا مجرور ہونا لازم ہو جائے گا۔

وخص اللام بالذكر لأنها الغالب في تعليلات الأفعال فلا يقدر غيرها من أو الباء أو في مع أنها من دواخل المفعول له كقوله تعالى: ﴿خاشعا متصدعاً من خشية الله﴾ وقوله تعالى: ﴿فبظلم من الذين هادوا حرمنا﴾ وقوله عليه السلام: "إن امرأة دخلت النار في هرة" أي

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح لام تعلیل کے لئے آتا

ہے اسی طرح من ، باء اور فی کے الفاظ بھی تعلیل کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں پس لام کے ذکر کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لام کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ افعال کی تعلیلات کے لئے اکثر واغلب لام ہی مستعمل ہوتا ہے لہذا مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے سوائے لام کے من ، باء اور فی کے الفاظ مقدر نہیں ہوں گے بلکہ لام ہی مقدر ہوگا باوجود اس کے کہ یہ الفاظ مذکورہ بھی مفعول لہ کے دواخل میں سے ہیں۔ من کی مثال اللہ کے قول ﴿خاشعاً متصدعاً من خشية الله﴾ میں ہے اور باء کی مثال اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿فبظلم من الذين هادوا حرمنا﴾ میں ہے اور فی کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "إن امرأة دخلت النار في هرة" میں ہے۔ ان جملہ امثال میں من ، باء اور فی کے الفاظ تعلیل کے لئے مستعمل ہوئے ہیں لیکن یہ اکثر اور اغلب نہیں اور أی لأجلها میں شارح نے فی کے تعلیلی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے چونکہ فی کا تعلیل میں استعمال بہت ہی کم ہے اس لئے شارح نے اشارہ کیا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے قول مذکور میں فی تعلیل کے لئے مستعمل ہوئی ہے۔

ولمّا كان تقدير اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وإبقائها في النية وكان الأصل إبقائها في اللفظ والنية فلا حاجة في إبقائها في النية إلى شرط بل الحاجة إليه إنما يكون في حذفها من اللفظ ولذا قال:

اس میں اگلی عبارت کی تمہید ہے اور ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح آگے آتی ہے اور جب کہ تقدیر لام کے لفظ سے حذف کرنے اور نیت میں باقی رکھنے سے عبارت تھی اور اصل میں اس کا لفظ اور نیت میں باقی چھوڑنا ہے اس لئے نیت میں اس کے باقی رکھنے کی کوئی حاجت کسی شرط کی طرف نہیں ہے بلکہ حاجت صرف اس کے باقی رکھنے میں لفظ سے حذف کرنے میں ہے اور اسی وجہ سے کہا ہے۔

وإنما يجوز حذفها ولم يكتف بإرجاع ضمير الفاعل إلى تقدير اللام فيجوز حذفها كما يجوز ذكرها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف کافیہ نے یجوز میں ضمیر مستتر فاعل کی تقدیر اللام نہیں مانی ہے باوجود اس کے کہ یہ بھی مقصود پر دال ہے اور مختصر بھی ہے۔ خير الكلام ما قل ودل وحذفها کے لفظ کو یجوز کا فاعل بنایا ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تقدیر کے معنی اسقاط لفظ کے اور بقاء فی النیۃ کے ہیں اور حذف کے معنی مطلق اسقاط کے ہیں خواہ بقاء فی النیۃ ہو خواہ نہ ہو اس لئے مصنف کافیہ نے ضمیر مستکن فاعل کی تقدیر اللام کی طرف راجع مان کر کے اکتفا نہیں کیا جس کی تقدیر پر معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس طرح لام کا ذکر کرنا جائز ہے اسی طرح اس کا حذف کرنا بھی درست ہے کیونکہ اگر یجوز میں ضمیر مستتر فاعل کی تقدیر اللام کی طرف راجع مان کر اکتفا کرتے تو اس صورت میں یہ وہم پیدا ہوتا کہ اسقاط لفظ سے اور بقاء فی النیۃ دونوں آنے والی شرطوں سے مشروط ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بقاء فی النیۃ اصل ہے وہ محتاج کسی شرط کے نہیں ہے یہ وجہ ہے ضمیر مستتر کی تقدیر اللام کی طرف نہ راجع کرنے کی۔

إذا كان المفعول له۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ کان کا اسم مفعول لہ ہے فقط۔

فعلا احتراز عما إذا كان عينا نحو جئتك للسمن۔

اس میں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فـعلاً کا لفظ قید احترازی ہے۔ اس سے احتراز اس مفعول لہ سے ہوا جو فعل نہ ہو بلکہ ذات ہو جیسے مثال مذکور میں سمن ہے کہ یہ فعل نہیں ہے بلکہ عین ذات ہے۔

لفاعل الفعل المعلل به أی اتحد فاعله وفاعل عامله احتراز عما إذا كان فعلا لغيره نحو جئتك لمجيئك إياى۔

یعنی لام کا حذف کرنا جب جائز ہے جب کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو یعنی مفعول لہ کا فاعل اور اس کے عامل یعنی فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہی ہو یہ بھی قید احترازی ہے اس سے اس مفعول لہ سے احتراز ہوا جو کہ فعل غیر کا ہو جیسے مثال مذکور میں لمجيئك إياى ہے کہ یہ مفعول لہ ہے لیکن فعل غیر ہے اس لئے یہ مفعول لہ کی تعریف سے خارج ہوا۔

ومقارنا له أی للفعل المذكور۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ لہ کی ضمیر مجرور فعل مذکور کی طرف راجع ہے۔

فی الوجود بأن يتحد زمان وجودهما نحو ضربته تأديباً إذ زمان الضرب والتأديب واحد إذ لا مغايرة بينهما إلا بالاعتبار۔

اور وہ مفعول لہ وجود خارجی میں فعل مذکور کا مقارن بھی ہو اس طرح کہ دونوں کے وجود کا زمان ایک ہی ہو جیسے

مثال مذکور میں ہے کہ اس میں ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے سوائے مغایرت اعتباری کے ان کے درمیان دوسری کوئی مغایرت نہیں ہے صرف مغایرت اعتباری ہے کیونکہ یہی ضرب حدث جو فاعل سے صادر ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ یہ ایک درد والم ہے ضرب سے مسمی کیا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ یہ مضروب کے اخلاق حسنہ سے موصوف ہونے کا سبب ہے تادیب سے مسمیٰ کیا جاتا ہے واقع میں دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔

أو يكون زمان وجود أحدهما بعضاً من زمان وجود الاخر نحو: قعدت عن الحرب جبناً فإن زمان الفعل أعنى القعود عن الحرب بعض زمان المفعول له أعنى الجبن ونحو: شهدت الحرب إيقاعا للصلح بين الفريقين فإن زمان المفعول له أعنى إيقاع الصلح بعض زمان الفعل أعنى شهود الحرب۔

یہ جملہ اوپر بأن يتحد زمان وجودهما کے جملہ پر عطف ہے یعنی یا مفعول لہ اور فعل معلل بہ میں سے ایک کے وجود کا زمانہ دوسرے وجود کے زمان سے بعض ہو جیسے قعدت عن الحرب جبناً میں ہے کہ اس میں فعل یعنی قعود عن الحرب کے وجود کا زمانہ مفعول لہ یعنی جبن کے وجود کے زمانہ سے بعض ہے یا جیسے شهدت الحرب إيقاعا للصلح میں ہے کہ اس میں بھی زمانہ مفعول لہ یعنی ایقاع صلح بین الفریقین کا زمانہ فعل یعنی شہود حرب کے زمانہ سے بعض ہے یہ سب مفعول لہ کی امثال ہیں۔

واحترز بذلك القيد عما إذا لم يكن مقارناً له في الوجود نحو إكرمتك اليوم لوعدى بذلك أمس وإنما اشترط هذه الشرائط لأنه بهذه الشرائط يشبه المصدر فيتعلق بالفعل بلا واسطة تعلق المصدر به بخلاف ما إذا اختل شيء منهما۔

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ مقارنا له کا قول بھی احترازی ہے یعنی مصنف کافیہ نے یہ قید لا کر اس مفعول لہ سے احتراز کیا جو فعل معلل بہ سے وجود میں مقارن نہ ہو جیسے مثال مذکور میں لوعدی مفعول لہ کے وجود کا زمانہ أمس ہے اور اکرام کے وجود کا زمانہ الیوم ہے اور الیوم اور امس میں عدم مقارنت ظاہر ہے محتاج شرح نہیں ہے اور مصنف کافیہ نے حذف لام کے لئے یہ شرائط اس لئے شرائط قرار دی ہیں کہ ان شرطوں کی بنا پر مفعول لہ مصدر سے مشابہ ہوتا ہے پس جس طرح مصدر بلا واسطہ حرف فعل سے متعلق ہوتا ہے اسی طرح مفعول لہ بھی فعل سے بلا واسطہ متعلق ہوگا بخلاف اس کے کہ جب ان شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط میں کوئی نقصان واقع ہو کہ اس وقت یہ مفعول لہ مصدر سے مشابہ نہیں

ہوگا پس اس صورت میں فعل سے بواسطہ متعلق ہوگا لہذا لام اس وقت محذوف نہیں ہوگا۔

المفعول معه أي الذي فعل لمصاحبته بأن يكون الفاعل مصاحباً له في صدور الفعل عنه أو المفعول به في وقوع الفعل عليه۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معہ کی ضمیر مجرور دو حالتوں سے خالی نہیں المفعول کے الف لام کی طرف راجع ہوگی یا مفعول کے لفظ کی طرف راجع ٹھہرائی جائے گی اور یہ دونوں درست نہیں اول اس لئے کہ اس سے اضمار حروف کا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اور ثانی اس لئے درست نہیں کہ اس سے معیت شی ءلنفسہ لازم ہوتی ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معہ کی ضمیر مجرور المفعول کے الف ولام کی طرف راجع ہے لیکن یہ الف ولام حرفی نہیں بلکہ موصولہ ہے بمعنی الذی کے اور مفعول بمعنی فُعِل کے ہے جس کی تقدیر الذی فُعِل معہ ہوگی یعنی وہ مفعول معہ جس کی مصاحبت کے ساتھ فعل مذکور کیا جائے اور مصاحبت اس طرح ہوگی کہ فاعل اس مفعول معہ کے ساتھ صدور فعل میں شریک اور مصاحب ہوگا یعنی جس طرح فاعل سے صدور فعل ہوتا ہے اسی طرح مفعول معہ سے بھی فعل صادر ہو یا مفعول بہ وقوع فعل میں اس کا شریک اور مصاحب ہو یعنی جس طرح مفعول بہ پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے اسی طرح اس مفعول معہ پر بھی فعل واقع ہو۔

فقوله: معه مفعول ما لم يسم فاعله أسند إليه المفعول كما أسند إلى الجار والمجرور في المفعول به وفيه وله والضمير المجرور راجع إلى اللام۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فُعِل فعل ماضی مجہول ہے، مفعول ما لم یسم فاعلہ کو چاہتا ہے پس اس ترکیب میں اس کا مفعول ما لم یسم فاعلہ معہ کا لفظ ہے جس طرح جار ومجرور کی طرف مفعول بہ اور مفعول فیہ اور مفعول لہ میں اسناد واقع ہوا ہے اسی طرح یہاں بھی معہ کی طرف مفعول کا اسناد مانا جائے گا یعنی جس طرح مفعول بہ اور مفعول فیہ اور مفعول لہ میں بہ اور فیہ اور لہ کے الفاظ جار ومجرور مفعول ما لم یسم فاعلہ واقع ہوئے ہیں اسی طرح یہاں بھی معہ کا لفظ مفعول ما لم یسم فاعلہ ہے اور معہ کی ضمیر مجرور المفعول کے الف ولام کی طرف راجع ہے۔

واعتذر عن نصبه بما جوزه بعض النحاة من إسناد الفعل إلى لازم النصب وتركه

منصوباً جرياً على ما هو عليه في الأكثر، وإليه ذهب في قوله تعالى: ﴿لقد تقطع بينكم﴾ على قراءة النصب وفي بعض الحواشي أن هذا الرأي شريف جداً۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معه کے لفظ کا مفعول ما لم یسم فاعله ہونا درست نہیں کیونکہ مفعول ما لم یسم فاعله مرفوعات میں سے ہوتا ہے اور یہ معه کا لفظ ظرف لازم النصب منصوب ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن اس کے منصوب ہونے کا عذر اور وجہ بعضے نحاۃ نے یہ بیان کی ہے کہ یہ معه کا لفظ ان ظروف میں سے ہے جن کا منصوب ہونا لازم اور ضروری ہے اس لئے یہاں لازم النصب کی طرف فعل کا اسناد ہوا ہے اور اس کو حالت رفعی میں بھی منصوب چھوڑ دیا ہے، وہ اکثر استعمال میں اس لازم النصب میں یہی قاعدہ جاری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قول ﴿لقد تقطع بينكم﴾ نصب کی قراءۃ کی صورت میں بھی اسی کی طرف گئے ہیں یعنی اگرچہ اس آیت شریفہ میں بین کا لفظ ترکیب میں تقطع کا فاعل واقع ہوا ہے لیکن قاری اس کو اس بنا پر منصوب پڑھتے ہیں کہ یہ لازم النصب ہے یعنی اس کا نصب ہر حالت میں لازم ہے اسی طرح یہاں معه کا لفظ اگرچہ ترکیب میں مرفوع واقع ہوا ہے لیکن اس کو منصوب اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ بھی لازم النصب ہے اور بعضے حاشیوں میں لکھا ہے کہ معه کے لفظ کا منصوب ہونا بنابر قاعدہ لازم النصب کے بہتر ہے۔ اور یہ رائے نہایت عمدہ اور افضل ہے۔

وقيل الوجه أن يجعل من قبيل ؎

وقـــد حيـــل بيـــن الـــعيـــر والـــنـــزوان

فإن مفعول ما لم يسم فاعله فيه الضمير الراجع إلى مصدره أي حيل الحيلولة لأن بين اللزوم ظرفية لا يقام مقام الفاعل فعلى هذا يكون معناه الذي فعل فعل بمصاحبته على أن يكون مفعول ما لم يسم فاعله ضميراً راجعاً إلى مصدره والضمير المجرور للموصول۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے دوسرے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ معه کے لفظ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو شاعر کے قول کے قبیل سے کر دیا جائے یعنی جس طرح شاعر کے قول مذکور میں مفعول ما لم یسم فاعله فعل مجہول کا مصدر ہے اور اس مصدر کی طرف حیل میں ضمیر راجع ہے جس کی تقدیر حیل الحیلولة ہے اور یہ مصدر اس لئے مفعول ما لم یسم فاعله ہے کہ بین کا لفظ لازم

ظرفیت ہے فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے اسی طرح مفعول ما لم یسم فاعلہ مفعول معہ میں مفعول کا مصدر ہے اور معہ کا لفظ ظرف لازم النصب ہے اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہیں کہ مفعول معہ وہ اسم ہے کہ جس کی مصاحبت سے فعل کیا جائے پس اس تقدیر پر مفعول ما لم یسم فاعلہ المفعول میں ضمیر ہے جو اس کے مصدر کی طرف راجع ہے اور ضمیر مجرور معہ کی الف ولام موصولی کی طرف راجع مانی جائے گی۔

هو مذكور **بعد الواو** احتراز عن المذكور بعد غيره كالفاء۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ مذكور بعد الواو کا قول بھی احترازی ہے یعنی مفعول معہ وہ اسم ہے جو واو کے بعد مذکور ہو اس سے اس مفعول معہ سے احتراز ہوا جو واو کے غیر کے بعد مذکور ہو جیسے فاء ہے۔

لمصاحبته معمول فعل اللام متعلق بمذكور أي يكون ذكره بعد الواو لأجل مصاحبة معمول فعل وإفادته إياها سواء كان ذلك المعمول فاعلاً نحو استوى الماء والخشبة أو مفعولا نحو كفاك وزيدا درهم۔

اس میں شارح لام جارہ لمصاحبته کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ لام مذکور سے متعلق ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ مفعول معہ وہ اسم ہے جس کا ذکر بعد واو کے ہوتا ہے جس کی وجہ سے مفعول معہ کے معمول فعل سے مصاحبت حاصل ہو اور یہ واو مفید مصاحبت کے ہوتا ہے خواہ یہ کہ وہ معمول فاعل ہو جیسے استوى الماء والخشبة میں ماء کا لفظ فعل کا معمول فاعل ہے اور خشبة مفعول معہ ہے جو بعد واو کے مذکور ہے یا مفعول ہو جیسے كفاك وزيداً درهم میں "ك" ضمیر خطاب کفا فعل کا معمول مفعول ہے اور زید مفعول معہ ہے جو بعد واو کے مذکور ہے مثال کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو زید کے ساتھ ایک روپیہ کافی ہے۔

وسواء كان ذلك الفعل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظا اور معنی کے الفاظ کس بنا پر منصوب ہیں؟ اگر منصوب بنا بر مصدریت ہوں تو مصدر میں یہ شرط ہے کہ اس پر فعل مشتمل ہو اور یہاں کوئی فعل ایسا نہیں جو اس پر مشتمل مانا جائے اور اگر منصوب بنا بر حال ہوں تو حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے یہاں ان الفاظ کا حمل درست نہیں کیونکہ یہ صرف اوصاف ہیں اور اگر منصوب بنا بر ظرف ہوں تو ظرف، زمان ہوتا ہے یا مکان اور یہ الفاظ نہ زمان ہیں نہ مکان۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ منصوب بنا برخبریت کان مقدر کے ہیں یعنی خواہ وہ لفظی فعل ہو خواہ معنوی۔

لفظا أي لفظيا كالمثالين المذكورين۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظا اور معنی کے الفاظ کی خبریت صحیح نہیں کیونکہ کان کی خبر کان کے اسم پر محمول ہوتی ہے اور یہاں حمل درست نہیں کیونکہ یہ الفاظ مصادر صرف اوصاف ہیں اور اسم کان کا ذات ہے وصف کا ذات پر حمل درست نہیں ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ مؤول بہ لفظیا ومعنویا ہیں اب اس تقدیر پر حمل درست ثابت ہوا یعنی خواہ وہ فعل لفظی ہو خواہ معنوی اور لفظی کی مثال مذکورہ مثالیں ہے۔

أو معنى أي معنويا نحو ما لك وزيدا أي ما تصنع۔

اس میں شارح نے معنیً سے معنویا نکالا ہے اس کے بڑھانے کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے ملاحظہ ہو یعنی فعل معنوی کی مثال ما لك وزيدا ہے اس میں فعل معنوی ما تصنع ہے جس کو شارح نے ظاہر کیا ہے۔

والمراد بمصاحبته لمعمول الفعل مشاركته له في ذلك الفعل في زمان واحدٍ نحو سرت وزيداً أو مكانٍ واحد نحو لو تركت الناقة وفصيلتها لرضعتها فلا ينتقض بالمذكور بعد الواو العاطفة نحو جاءني زيد وعمرو فإنها لا تدل إلا على المشاركة في أصل الفعل دون المصاحبة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول معہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں جاءني زيد وعمروٍ کی ترکیب کا معطوف داخل ہوا کیونکہ یہ بھی بعد واو کے مذکور ہے اور صدور فعل میں فعل کے معمول کا مصاحب اور شریک ہے باوجود اس کے یہ مفعول معہ نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مفعول معہ کے معمول فعل کے ساتھ مصاحبت ہونے سے مراد اس کا معمول فعل کے ساتھ صدور فعل میں شریک ہونا ہے خواہ یہ شرکت فعل زمان واحد میں ہو جیسے سرت وزيداً کی مثال میں ہے کہ اس میں مفعول معہ یعنی زید فعل کے معمول یعنی سرت کے فاعل کے ساتھ سیر میں شریک ہے زمان واحد میں، خواہ یہ شرکت مذکورہ مکان واحد میں ہو جیسے لو تركت الناقة وفصيلتها لرضعتها کی مثال میں موجود ہے جس کی تقدیر پر

معنی یہ ہیں کہ ''اگر اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ ایک مکان میں چھوڑ دی جائے تو اس کا بچہ ضرور اس کا دودھ پئے گا۔''

واعلم أن مذهب جمهور النحاة أن العامل فی المفعول معه الفعل أو معناه بتوسط الواو التی بمعنی مع۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول معہ کا معمولات فعل سے شمار کرنا درست نہیں کیونکہ وہ منصوب بواو ہے جیسا کہ شیخ عبدالقاہر نے نواصب اسم کی بحث میں اس پر تصریح کی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ کا کلام مبنی بر مذہب جمہور ہے اور جمہور کے مذہب میں عامل مفعول معہ میں فعل لفظی یا معنوی ہے بتوسط اس واو کے جس کے معنی مع کے ہیں۔

وإنما وضعوا الواو موضع مع لكونها أخصر۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب الواو کے معنی مع کے ہیں پس اس تقدیر پر مع ہی کو کیوں ذکر نہیں کیا اس کی جگہ واو کو کیوں کر رکھا؟

شارح نے اس کو جواب دیا کہ واو کو مع کی جگہ اس لئے رکھا ہے کہ واو مع سے زیادہ مختصر ہے یہ لحاظ کر کے مع کے لفظ کو ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ واو رکھ دیا۔

وأصلها واو العطف التی فيها معنى الجمع فناسب معنى المعية۔

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح واو مختصر ہے اسی طرح فاء بھی مختصر ہے پس واو کو فاء پر کیوں ترجیح دی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اصل میں یہ واو عاطفہ ہے جس میں جمعیت کے معنی پائے جاتے ہیں لہذا اس جمعیت کے معنی کی مناسبت سے واو کو مع کی جگہ رکھ دیا کیونکہ معیت کے معنی سے اس کی مناسبت ہے بخلاف فاء کے کہ اس کی معیت کے معنی سے کوئی مناسبت نہیں ہے یہ وجہ ہے ترجیح کی۔

فإن كان أی وجد۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ کان تامہ ہے جس کے معنی وجد کے ہیں۔

الفعل أی ما يدل على الحدث فيعم الفعل واسمی الفاعل والمفعول والصفة المشبهة وغيرها۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ حکم جس طرح فعل میں جاری ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل میں بھی جاری ہوسکتا ہے پس اس حکم کے لئے شبہ فعل کو چھوڑ کر فعل کو کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل سے یہاں مراد امر دال علی الحدث ہے اور وہ عام ہے خواہ فعل حقیقی ہو خواہ شبہ فعل۔ لہذا اب اس تقدیر پر فعل وشبہ فعل یعنی اسم فاعل اور مفعول اور صفت مشبہ وغیرہ کل مشتقات فعل کو شامل ہوا۔

لفظا وجاز ای لم یجب۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ حکم ضربت زیداً وعمرا کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں فعل لفظی ہے اور عطف جائز ہے اور باوجود اس کے اس میں عطف متعین ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جواز عطف سے مراد عدم وجوب ہے اور مثال مذکور میں عطف واجب ہے لہذا حکم مذکور اس مثال سے منقوض نہیں ہوا۔ شارح نے اشارہ کیا کہ یہاں جواز بمعنی امکان خاص ہے۔

العطف ولم یمتنع فلا ینتقض بمثل ضربت زیداً وعمراً لوجوب العطف فیه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد اوپر والے سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح اوپر مذکور ہوچکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ یہاں جواز سے مراد عدم وجوب وامتناع ہے۔

فالوجهان أی العطف والنصب علی المفعولية جائزان۔

یعنی جب فعل لفظی ہو اور عطف جائز ہو تو اس تقدیر پر دونوں وجہیں یعنی عطف اور نصب بنا بر مفعولیت دونوں جائز ہیں۔ شارح نے جائزان کے لفظ بڑھانے سے یہ اشارہ کیا کہ یہ فالوجهان کی ترکیب میں خبر محذوف واقع ہوئی ہے۔

نحو: جئت أنا وزیدٌ بالرفع علی العطف۔

یعنی زید کا لفظ اس ترکیب میں مرفوع بنا بر عطف ہے کیونکہ یہاں عطف جائز ہے۔

وزیداً بالنصب علی المفعولية۔

یعنی وزیداً کے لفظ کو منصوب بنا بر مفعولیت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

وإلا أی وإن لم یجز العطف بل یمتنع۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ جاز العطف سے استثناء ہے یعنی اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو۔

تعین النصب مثل جئت وزیداً فإن العطف فیه ممتنع لعدم الفاصلة لا بتاکید المتصل بالمنفصل ولا بغیره۔

پس اس صورت میں نصب متعین ہوگا جیسے مثال مذکور میں زیـــــد کے لفظ کا نصب متعین ہے کیونکہ اس میں عطف ممتنع ہے کیونکہ یہاں کوئی فاصل نہیں ہے نہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے ہوئی ہے نہ اس کے غیر سے فصل حاصل ہوئی ہے اور یہ عطف کے جواز کے لئے ضروری ہے۔

وإن کان الفعل۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کان کا اسم فعل ہے۔

معنی أی امراً معنویا مستنبطا من اللفظ۔

اس میں معنی سے أمرا معنویا اس لئے نکالا ہے کہ یہ کان کی خبر واقع ہوئی ہے اور خبر محمول ہوتی ہے اور یہ صرف وصف ہے اس کا حمل صحیح نہیں ہوتا تھا اس لئے مؤول بمعنویا کر دیا تا کہ حمل درست ہو جائے۔ سوال و جواب کی تشریح اوپر مذکور ہو چکی ہے ملاحظہ ہو یعنی اگر فعل ایک امر معنوی مستنبط من اللفظ ہو اور عطف جائز ہو تو اس صورت میں عطف متعین ہوگا۔

وجاز أی لم یمتنع۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہاں امکان سے مراد امکان عام ہے جو کہ مقید بجانب وجود ہوتا ہے یعنی اس عدم عطف کا یہ عدم ضروری نہیں خواہ اس کا وجود ضروری ہو خواہ ضروری نہ ہو۔

العطف تعین العطف حیث لا یحمل علی عمل العامل المعنوی بلا حاجة مع جواز وجهٍ آخر وهو العطف۔

یعنی اگر فعل امر معنوی ہو اور عطف ممتنع نہ ہو تو اس صورت میں دون متعین ہوگا کیونکہ عامل معنوی پر بلا ضرورت کے اس کا حمل نہیں کیا جا سکتا ہے باوجود اس کے کہ اس میں وجہ آخر یعنی عطف بھی جائز ہے۔

نحو: ما لزید وعمرو۔

یہ فعل معنوی کی مثال ہے یہاں عمرو کا عطف زید پر متعین ہے۔

وإلا أی وإن لم یجز العطف بل امتنع۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ جاز العطف کے جملہ پر عطف ہے اور اس سے استثناء ہے یعنی اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو اس وقت نصب متعین ہوگا عربی عبارت مذکورہ میں شارح نے بل امتنع کی عبارت بڑھا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں جواز سے مراد جواز بمعنی امکان عام ہے جو مقید بجانب عدم ہوتا ہے۔

تعین النصب حیث لا وجه سواہ۔

کیونکہ یہاں اس کے سوا کوئی اور وجہ نہیں ہے۔

نحو: ما لک وزیداً وما شأنک وعمراً فإنه امتنع العطف فیهما لأن العطف علی الضمیر المجرور بلا إعادة الجار غیر جائز ولم یجز عطف عمراً علی الشأن إذ السوال عن شأنهما لا عن شأن أحدهما ونفس الآخر۔

یہاں دونوں مثالوں میں عطف ممتنع ہے کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۂ جار کے جائز نہیں ہے اور عمراً کا عطف شان کے لفظ پر اس لئے جائز نہیں کہ مثال مذکور میں سوال زید و عمر دونوں کی شان سے مقصود ہے ایک کی ذات سے اور دوسرے کی شان سے سوال مقصود نہیں ہے لہذا یہاں نصب ہی متعین ہوگا۔

وإنما حکمنا بمعنویة الفعل فی هذه الأمثلة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے فعل کی معنویت پر دلیل قائم کی ہے اور کلام میں مدعی مذکور نہیں لہذا یہ دلیل بلا مدعی ہوئی اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ دلیل مدعی مقدر کی ہے اور مدعی مقدر وإنما حکمنا ہے لہذا مصنف کی دلیل بامدعی ہوئی بلا مدعی نہیں ہے۔

لأن المعنی ما تصنع وما یماثله فمعنی ما شأنك وزیداً ما تصنع وزیداً ومعنی ما لك وزیداً ما تصنع وزیداً ومعنی ما لزید وعمرو ما یصنع زیدٌ وعمرٌو۔

شروع میں وما یماثله کی عبارت بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ دلیل مدعی کے مطابق نہیں کیونکہ مدعی امثال ثلاثہ میں فعل کی معنویت ہے اور دلیل صرف مثالین آخرین میں فعل کی معنویت پر قائم کی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں معطوف و مایماثلہ مقدر ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے اور زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں؟ لہذا اب اس تقدیر پر مصنف کی دلیل مدعی کے مطابق ثابت ہوئی یہ مذکورہ مثالیں سب کی سب فعل معنوی کی مثالیں ہیں۔

الحال لما فرغ من المفاعيل شرع في الملحقات بها وهو۔

یعنی جب مصنف کافیہ مفاعیل کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب مفاعیل کے ملحقات کے بیان کو شروع کیا اور ملحقات میں سے ایک حال ہے۔

ما يبين هيأة الفاعل أو المفعول به أي من حيث هو فاعل أو مفعول به كما هو الظاهر۔

اس حیث کی قید کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں جاء نی رجل عالم ور أيت رجلاً عالماً کی ترکیبوں کے فاعل اور مفعول بہ کی صفت داخل ہوئی کیونکہ ان مذکورہ ترکیبوں میں فاعل اور مفعول بہ کی صفت عالم بھی فاعل اور مفعول بہ کی ہیئتوں کو بیان کرتی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حیثیت کی قید حال کی تعریف میں مراد اور ضروری ہے یعنی حال فاعل اور مفعول بہ کی ہیئتوں کا بیان اس حیثیت سے کرتا ہے کہ فاعل فاعل ہو اور مفعول بہ مفعول بہ ہو بخلاف فاعل اور مفعول بہ کی صفت کے کہ یہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت فاعل اور مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے بیان نہیں کرتی ہے۔

فبذكر الهيأة يخرج ما يبين الذات كالتمييز۔

اس میں شارح حال کی تعریف کی جامع مانع ہونے کے لئے قیودات کی تشریح کرتے ہیں کہ ہیئت کے ذکر سے حال کی تعریف سے تمیز نکلی کیونکہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے۔

وبإضافتها إلى الفاعل أو المفعول به يخرج ما يبين هيأة غير الفاعل أو المفعول به كصفة المبتدأ نحو زيد العالم أخوك۔

یہاں ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کے جواب کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اس عربی عبارت میں شارح اس سوال و جواب کی تشریح کرتے ہیں سوال کی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں زیـــــد

العالم کی ترکیب کی صفت داخل ہوئی کیونکہ اس ترکیب میں مبتدا کی یہ صفت بھی زید کی ہیئت کو بیان کرتی ہے باوجود اس کے یہ حال نہیں ہے۔

مصنف کافیہ نے فاعل اور مفعول بہ کی طرف ہیئت کی اضافت کی۔ اس سے مبتدا کی صفت حال کی تعریف سے خارج ہوئی کیونکہ وہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت کی بیان نہیں کرتی بلکہ مبتدا کی ہیئت کو بیان کرتی ہے جیسے ترکیب مذکور میں ہے۔

وبقيد الحيثية تخرج صفة الفاعل والمفعول فإنها تدل على هيأة الفاعل أوالمفعول به مطلقاً لا من حيث هو فاعل أو مفعول۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا جو مقصد ہے وہ اوپر سوال وجواب کی صورت میں بیان ہو چکا ہے ملاحظہ ہو۔

وهذا الترديد على سبيل منع الخلو لا الجمع فلا يخرج عنه مثل ضرب زيد عمراً راكبين۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ضرب زید عمراً راکبین کی ترکیب کا حال خارج ہوا کیونکہ یہ حال فاعل اور مفعول بہ دونوں کی ہیئت کو بیان کرتا ہے ایک کی ہیئت کو بیان نہیں کرتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ أو کا کلمہ تردید یہ یہاں منع خلو کے لئے ہے، منع جمع کے لئے نہیں ہے لہذا حال کی تعریف جامع ثابت ہوئی اور مثال مذکور کا حال اس سے خارج نہیں ہوا۔

لفظا أي سواء كان الفاعل أو المفعول الذى وقع الحال عنه لفظا۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں یہ کلمہ منصوب بنا برخبریت کان مقدر کے ہے اور یہاں بھی وہی سوال وجواب کی صورت ہے جس کی تشریح اوپر بیان ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ملاحظہ ہو یعنی برابر ہے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ جس سے حال واقع ہوتا ہے لفظی ہو۔

أى لفظياً بأن تكون فاعلية الفاعل أو مفعولية المفعول باعتبار لفظ الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنىً خارج عنه يفهم من فحوى الكلام۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب لفظا کان مقدر کی خبر

ٹھہری تو اس صورت میں حمل درست نہیں ہے کیونکہ یہ صرف وصف ہے اور صرف وصف کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ لفظ مؤول بہ لفظیاً ہے اب حمل درست ثابت ہوا یعنی خواہ وہ فاعل اور مفعول بہ جس سے حال واقع ہوتا ہے لفظی ہو اسی طرح کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت باعتبار لفظ کلام اور منطوق کلام کے ہو بغیر خارجی معنی کے اعتبار کے جو مصداق کلام سے معلوم ہوتے ہیں۔

سواء کانا ملفوظین حقیقة أو حکماً۔

اس میں شارح نے حکما کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے زید فی الدار قائماً کی ترکیب کا حال نکلا کیونکہ وہ نہ فاعل ہے اور نہ مفعول۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل اور مفعول عام ہیں خواہ ملفوظ حقیقی ہوں خواہ حکمی۔ مثال مذکور میں اگرچہ لفظ میں زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول لیکن یہ ملفوظ حکمی ہے کیونکہ اس کی فاعلیت باعتبار لفظ کلام کے ہے لہذا اب حال کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

أو معنی أی معنویاً بأن تکون فاعلیة الفاعل أو مفعولیة المفعول باعتبار معنیً یفهم من فحوی الکلام لا باعتبار لفظه ومنطوقه۔

اس میں شارح نے جو معنیً سے معنویا نکلا ہے اس میں وہی سوال وجواب ہیں جن کی تشریح لفظا کی شرح میں بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو یعنی خواہ فاعل اور مفعول لفظی ہوں خواہ معنوی اس طرح کہ فاعل کا فاعل ہونا اور مفعول کا مفعول ہونا باعتبار ایک خارجی معنی کے ہو جو مصداق کلام سے معلوم ہوتے ہیں نہ باعتبار لفظ اور منطوق کلام کے جیسے هذا زیداً قائماً کی ترکیب میں فاعل کا فاعل ہونا اور مفعول کا مفعول ہونا باعتبار ایک خارجی معنی کے ہے جو کہ أشیر یا أنبه بصیغہ متکلم ہے اس فعل کی تقدیر کی وجہ سے ترکیب مذکور میں فاعل اور مفعول معنوی ٹھہرتے ہیں۔

والمراد بالفاعل أو المفعول به أعم من أن یکون حقیقة أو حکماً فیدخل فیه الحال عن المفعول معه لکونه فی معنی الفاعل أو المفعول به وکذا المفعول المطلق مثل ضربت الضرب شدیداً فإنه بمعنی أحدثت الضرب شدیداً وکذا یدخل فیه الحال عن المضاف إلیه کما إذا کان المضاف فاعلا أو مفعولا یصح حذفه وقیام المضاف إلیه مقامه فکأنه الفاعل أو المفعول نحو:

﴿بل نتبع ملة إبراهيم حنيفا﴾، ﴿وأن يا كل لحم أخيه ميتا﴾ فإنه يصح أن تقول بل نتبع إبراهيم مقام بل نتبع ملة إبراهيم وأن يا كل أخاه مقام أن يا كل لحم أخيه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ضربت الضرب شديداً کی ترکیب کا حال خارج ہوا کیونکہ یہ مصدر ہے نہ فاعل ہے اور نہ مفعول اور اسی طرح ملة إبراهيم حنيفا کی ترکیب کا حال بھی خارج ہوا کیونکہ ابراہیم مضاف الیہ ہے نہ فاعل ہے نہ مفعول اور اسی طرح أن يـاكـل لـحـم أخيـه ميتـاً کی ترکیب کا حال بھی خارج ہوا کیونکہ یہ بھی نہ فاعل ہے نہ مفعول اور اسی طرح جئت أنا وزيداً راكبين کی ترکیب کا حال بھی خارج ہوا کیونکہ یہ مفعول معہ ہے نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل اور مفعول بہ سے مراد عام ہے خواہ حقیقی فاعل اور مفعول بہ ہوں خواہ حکمی لہذا اب اس عموم کی صورت میں حال کی تعریف میں وہ حال بھی داخل ہوا جو مفعول معہ سے واقع ہوتا ہے۔ مفعول معہ اگر فعل کے معمول کے ساتھ صدور فعل میں شریک ہو تو یہ بمعنی فاعل کے ہوگا اور اگر وقوع میں شریک ہو تو اس صورت میں یہ بمعنی مفعول بہ کے ہوگا لہذا یہ حکمی فاعل اور مفعول بہ ہوا اس لئے اس سے حال کا واقع ہونا درست اور صحیح ہے اور اسی طرح وہ حال بھی ہوا جو مفعول مطلق سے واقع ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے کیونکہ اس کے معنی أحدثت الضرب کے ہیں اب یہ مصدر أحدثت کا مفعول بہ ہوا اس لئے اس سے حال کا آنا درست ہے اور اسی طرح حال کی تعریف میں وہ حال بھی داخل ہوا جو مضاف الیہ سے واقع ہوتا ہے کیونکہ مضاف الیہ بھی حکمی فاعل یا مفعول بہ ہوتا ہے جبکہ مضاف کلام میں فاعل یا مفعول بہ واقع ہوا ہو اور مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کا قائم کرنا درست ہو گویا اس صورت میں مضاف الیہ ہی فاعل یا مفعول بہ ہوگا جیسے آیات مذکورہ میں نتبع ملة إبراهيم کی جگہ نتبع إبراهيم اور أن يـاكل لحم أخيه کی جگہ أن ياكل أخاه کہہ سکتے ہیں لہذا اس تقدیر پر مضاف الیہ مفعول بہ حکمی ثابت ہوا اس لئے اس سے یہ حال آ سکتا ہے۔

أو كـان الـمضاف فاعلاً أو مفعولا وهو جزء المضاف إليه فكأنّ الحال عن المضاف إليه هو الحال عن المضاف وإن لم يصح قيامه مقامه كما في قوله تعالى: ﴿إن دابر هؤلاء مقطوع مصبحين﴾ فقوله: مصبحين حال عن هؤلاء باعتبار أن الدابر المضاف إليه جزء ه فإن دابر الشيء أصله۔

اس سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ مضاف کے حذف کرنے اوراس کے مقام پر مضاف الیہ کو قائم مقام کرنے کا قاعدہ ﴿إن دابر هؤلاء مقطوع مصبحين﴾ کے قول سے منقوض ہے کیونکہ اس میں مصبحين کا لفظ ترکیب میں مضاف الیہ یعنی هؤلاء سے حال واقع ہوا ہے اور باوجود اس کے یہاں مضاف کا حذف کرنا اوراس کی جگہ مضاف الیہ کو قائم مقام رکھنا درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر چہ حذف اور قیام درست نہ ہو لیکن اگر مضاف فاعل یا مفعول ہو اور مضاف الیہ کا جزء ہو جیسے آیت کریمہ مذکورہ میں مصبحين کا لفظ هؤلاء سے باعتبار اس کے حال واقع ہوا ہے کہ یہ دابر کا لفظ مضاف، مضاف الیہ هؤلاء کا جز ہے کیونکہ دابر الشیء شی ء کی اصل کو کہتے ہیں گویا اس مضاف کی جزئیت کے اعتبار کی بنا پر مضاف الیہ سے حال کا آنا بعینہ مضاف سے آنا ہے چونکہ مضاف کی جگہ مضاف الیہ کا رکھنا درست نہیں ہے لہذا اوپر والا قاعدہ کلیہ حذف وقیام کا درست اور صحیح ثابت ہوا۔

والدابر مفعول ما لم يسم فاعله باعتبار الضمير المسكن في المقطوع فكأنه حال عن مفعول ما لم يسم فاعله۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حال فاعل سے آتا ہے یا مفعول سے اور دابر کا لفظ ترکیب میں نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ إن کا اسم ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ دابر کا لفظ باعتبار ضمیر مستتر مقطوع کے مفعول ما لم يسم فاعله ہے یعنی مقطوع میں ضمیر پوشیدہ دابر کے لفظ کی طرف راجع ہے اس اعتبار سے یہ حال واقع ہوا ہے گویا یہ مفعول ما لم يسم فاعله یعنی فاعل حکمی سے حال واقع ہوا ہے۔

ولو قرئ تَبَيَّنَ على صيغة الماضي المعلوم من باب التفعل أو تُبَيِّنَ على صيغة المضارع المجهول من باب التفعيل وجعل الجار والمجرور متعلقا به لا بالمفعول دخل فيه الحال من المفعول معه أو المفعول المطلق من غير حاجة إلى تعميم الفاعل والمفعول إلا لدخول ما وقع حالا عن المضاف اليه۔

اس میں شارح یبین کی صیغوی تحقیق کرتے ہیں کہ اگر بجائے یبین کے تبین بصیغہ ماضی معلوم باب تفعل سے پڑھا جائے یا تبین بصیغہ مضارع مجہول باب تفعیل سے پڑھیں اور بہ کا جار و مجرور اسی تبین کے صیغہ کے متعلق

کردیا جائے نہ مفعول کے تو اس تقدیر پر حال کی تعریف میں وہ حال جو مفعول معہ اور مفعول مطلق سے واقع ہوتا ہے بغیر فاعل اور مفعول کی تعمیم کے داخل ہو جائے گا البتہ فاعل اور مفعول کی تعمیم اس حال کے دخول کے لئے جو مضاف الیہ سے ہوتا ہے ضروری اور لازمی ہوگی جمہور نحاۃ مفعول معہ اور مفعول مطلق سے حال کا آنا بغیر تاویل تعمیم کے جائز نہیں سمجھتے ہیں بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ وہ مفعول معہ اور مفعول مطلق سے بغیر تاویل کے بھی حال کا آنا جائز قرار دیتے ہیں اس عبارت مذکورہ میں شارح نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے خوب سمجھ لو۔

مثل: ضربت زيداً قائماً مثال للفظي الملفوظ حقيقة فإن فاعلية تاء المتكلم ومفعولية زيداً إنما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنىً خارج عنه وهما ملفوظان حقيقة۔

یہ اس فاعل اور مفعول کی مثال ہے جو لفظی ملفوظ حقیقی ہو کیونکہ اس مثال مذکور میں تائے متکلم کی فاعلیت اور زیداً کی مفعولیت باعتبار لفظ اور منطوق اس کلام کے ہے باعتبار کسی خارجی معنی کے نہیں ہے اور یہ فاعل اور مفعول مثال مذکور میں ظاہر ہے کہ دونوں ملفوظ حقیقی ہیں۔

وزيدٌ في الدار قائما مثال للفظي الملفوظ حكماً فإن فاعلية الضمير المستكن في الظرف إنما هي باعتبار لفظ هذا الكلام و منطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه والضمير المستكن ملفوظ حكما۔

یہ اس فاعل کی مثال ہے جو ملفوظ حکمی ہو کیونکہ مثال مذکور میں ضمیر مستتر کی فاعلیت جو ظرف میں ہے باعتبار لفظ اور منطوق اس کلام کے ہے اس میں باعتبار کسی معنی خارجی کا نہیں ہے اور ضمیر مستتر جو ظرف میں ہے ملفوظ حکمی ہے۔

وهذا زيد قائما مثال للمعنوى لأن مفعولية زيد ليس باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه بل باعتبار معنى الإشارة والتنبيه المفهومين من لفظ هذا۔

اس میں مفعول معنوی کی مثال ہے کیوں کہ ترکیب مذکور میں زید کی مفعولیت باعتبار لفظ اور منطوق اس کلام کے نہیں بلکہ باعتبار معنی اشارہ اور تنبیہ کے ہے جو کہ هذا کے لفظ سے مفہوم ہوتی ہے۔

ولا شك أنهما ليسا مما يقصد المتكلم الإخبار بهما عن نفسه حتى يقدر في نظم الكلام أشير أو أنبّه ويصير زيد مفعولاً به لفظيا بل مفعوليته إنما هي باعتبار معنى أشير أو أنبّه

الخارج عن منطوق الكلام المعتبر لصحة وقوع القائم حالا فهى معنوية لا لفظية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مناسب ہے کہ أشیر اور أنبه کے الفاظ نظم کلام میں مقدر ہوں اور یہ زید مثال مذکور میں ملفوظ حکمی ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر أشیر اور أنبه کے الفاظ نظم کلام میں مقدر مانے جائیں تو اس صورت میں متکلم کا مقصد ان الفاظ کے ذریعہ سے اپنے نفس کی خبر دینی ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے متکلم کا مقصود زید کے اوپر مشار الیہ ہونے کا حکم لگانا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ زید کا مفعول ہونا صرف باعتبار معنی أشیر یا أنبه کے ہے جو کہ منطوق کلام سے خارج ہے اور قائماً کے حال صحیح واقع ہونے کے لئے معتبر مانا گیا ہے لہذا یہ الفاظ مذکورہ کلام کے منطوق میں مقدر نہیں ہوں گے اور مثال مذکور میں زید کی مفعولیت معنوی ہوگی لفظی حکمی نہیں ہوگی۔

وعاملها أى عامل الحال۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ عاملها کی ضمیر مجرور حال کی طرف راجع ہے اور حال کا لفظ عربی محاورہ میں مؤنث ہے۔

إما الفعل الملفوظ أو المقدر نحو ضربت زيداً قائما وزيد فى الدار قائماً إن كان الظرف مقدراً بالفعل۔

یعنی حال کا عامل ناصب فعل ملفوظ ہوگا یا فعل مقدر جیسے امثال مذکورہ میں ہے اول مثال فعل ملفوظ کی ہے اور ثانی فعل مقدر کی ہے اگر جار و مجرور کا متعلق فعل مقدر استقر ہو جیسا کہ یہ مذہب بصریین کا ہے۔

أو شبهه وهو ما يعمل عمل الفعل وهو من تركيبه كاسم الفاعل نحو زيد ذاهبٌ راكباً وزيد فى الدار قاعداً إن كان الظرف مقدراً باسم الفاعل وكاسم المفعول نحو زيد مضروب قائماً والصفة المشبهة نحو زيد حسن ضاحكاً۔

اس میں شارح شبہ فعل کی تعریف بتاتے ہیں کہ حال کا عامل یا شبہ فعل ہوگا اور شبہ فعل وہ ہے جو فعل کی طرح عمل کرے اور فعل کی ترکیب سے بھی ہو یعنی فعل سے ماخوذ ہو جیسے اسم فاعل جو کہ زید ذاهب قائماً اور زید فى الدار قاعداً کی ترکیبوں میں ہے اول مثال شبہ فعل ملفوظ کی ہے ثانی مقدر کی اگر ظرف مقدر باسم فاعل یعنی مقدر بمستقر کے ہو اور اسم مفعول اور صفت مشبہ بھی شبہ فعل میں داخل ہیں جن کی امثال مذکور ہو چکی ہیں بلکہ جملہ مشتقات فعل، شبہ فعل

کہلاتے ہیں۔

أو معناه المستنبط من فحوى الكلام من غير التصريح به أو تقديره كالإشارة والتنبيه في نحو هذا زيد قائماً كما مر وكالنداء والتمني والترجي والتشبيه في نحو يا زيد قائما وليتك عندنا مقيماً ولعله في الدار قائماً وكأنه أسد صائلاً۔

یا حال کا عامل معنوی فعل ہوگا جو کہ فحوی کلام سے بغیر تصریح اور تقدیر کے معلوم اور مستنبط ہوتا ہے جیسے هذا زيد قائماً کی ترکیب کا اشارہ اور تنبیہ ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے یا جیسے نداء، تمنی، ترجی اور تشبیہ ہیں جن کی مثالیں ترتیباً اوپر شارح نے ذکر کی ہیں ملاحظہ ہوں ان سب مثالوں میں حال کا عامل معنوی ہے اول مثال میں عامل معنوی أدعو اور ثانی میں تمنیت اور ثالث میں ترجیت اور رابع میں شبہ فعل معنوی ہے اور یہی حال کا عامل ہے۔

وشرطها أي شرط الحال۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ شرطها کی ضمیر مجرور حال کی طرف راجع ہے۔

أن تكون نكرة لأن النكرة أصل والغرض وهو تقييد الحدث المنسوب إلى صاحبها يحصل بها والتعريف زائدٌ على الغرض۔

اس میں شارح حال کے نکرہ ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ حال میں شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیوں کہ نکرہ اصل ہے اور مقصود حال سے تقیید اس حدث کی ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہو اور یہ مقصود صرف نکرہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور معرفہ ہونا اس کے غرض اور مقصد سے ایک زائد امر ہے۔ لہذا حال کا نکرہ ہونا شرط اور ضروری ہے۔

وأن يكون صاحبها معرفة۔

اس میں شارح نے صاحبها سے مقدم أن يكون کی عبارت بڑھائی ہے اس میں اس طرف اشارہ کی ہے کہ صاحبها معرفة کا قول أن يكون کی ضمیر مرفوع پر عطف ہے یعنی حال کا نکرہ ہونا اور اس کے ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے۔

لأنه محكوم عليه في المعنى فكان الأصل فيه التعريف۔

اس میں شارح ذوالحال کے معرفہ ہونے کی دلیل اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ حال کے ذوالحال کا معرفہ ہونا اس لئے شرط ہے کہ ذوالحال حقیقت میں محکوم علیہ ہوتا ہے پس اس میں معرفہ ہونا غالباً شرط ہے۔

غالباً أی لیس اشتراطها بکون صاحبها معرفةً فی جمیع موادّها بل فی غالب موادها أی اکثرها وبیان ذلك أن مواد وقوع الحال علی قسمین: أحدهما ما یکون ذو الحال فیه نکرة موصوفة نحو جاء نی رجل من بنی تمیم فارسا أو مغنیةً غناء المعرفة لاستغراقها نحو قوله تعالیٰ: ﴿فیها یفرق کل أمر حکیم أمراً من عندنا﴾ إن جعلت أمراً حالاً من کل أمر أو واقعة فی حیز الاستفهام نحو هل أتاك رجل راکباً؟ أو بعد إلا نقضا للنفی نحو ما جاء نی رجل إلا راکباً أو مقدماً علیه الحال نحو ما جاء نی راکباً رجل وثانیهما ما یکون ذو الحال فیه غیر هذه الأمور وغالب مواد وقوع الحال وأکثرها هو هذا القسم ووقوع الحال فی هذا القسم مشروط بکون صاحبها معرفة فقوله غالباً قید لاشتراط کون صاحبها معرفة لا لکون صاحبها معرفة حتی یقال إنّ غالبیة صاحبها معرفة المنبئة عن تخلفه فی بعض الموادّ تنافی الشرطیة ویحتاج إلی أن یصرف الکلام عن ظاهره ویجعل قوله وصاحبها معرفة مبتدأ وخبراً معطوفاً علی قوله وشرطها أن تکون نکرة۔

اس عبارت عربی میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ غالباً کی قید شرطیت کے منافی ہے کیونکہ شرط عدم جواز تکلف کا مقتضی ہے اور غالباً کی قید جواز تکلف کا خواہاں ہے اور دونوں کے درمیان منافات ظاہر ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ قید مذکور شرط کی قید نہیں بلکہ یہ اشتراط کی قید ہے یعنی حال کی اشتراط جملہ اور اکثر مقامات استعمال میں ذوالحال کا معرفہ ہونا نہیں بلکہ غالب مواد میں ہے اور اس کا مفصّل بیان یہ ہے کہ حال کے وقوع کے مواد دو قسموں پر منقسم ہیں اول یہ کہ ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو جیسے مثال مذکور میں ہے یا ذوالحال نکرہ معینہ بوجہ استغراق کے ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں ہے اگر أمراً کو کل أمر سے حال مانا جائے یا ذوالحال نکرہ استفہام کی خبر میں واقع ہو جس کی مثال مذکور ہو چکی ہے دوسری قسم ان امور مذکورہ کے غیر ہو اور غالب اور اکثر وقوع حال کے مواد اسی قسم ثانی میں ہوتی ہیں اور اسی قسم میں حال کے واقع ہونے کے لئے ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ غالبًا کی قید ذوالحال کے معرفہ ہونے کے اشتراط کے لئے ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لئے قید نہیں ہے جس کی تقدیر پر یہ اعتراض وارد ہو کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرطیت کے منافی ہے جس کی تشریح ابھی اوپر بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو اور

اوپر والے سوال مقدر کے جواب میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر کلام ظاہری صورت سے پھیر دیا جائے اور صاحبها معرفه کے قول کو مبتدا وخبر وشرطها أن تكون نكرة کے قول پر معطوف ٹھہرایا جائے تو اس صورت میں سوال مذکور وارد نہیں ہوگا اور اس میں جملہ اسمیہ کا جملہ اسمیہ پر عطف ہوگا چونکہ یہ جواب ضعیف تھا کیونکہ اس میں بلاضرورت صرف کلام ظاہر سے لازم آتا ہے اس لئے شارح نے اس جواب کو پسند نہیں کیا بلکہ اوپر مذکور جواب کو پسند فرمایا اس لئے اس کی تشریح فرمائی اور اس دوسرے جواب کی طرف صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔

اب یہاں مصنف کافیہ کے قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا پر ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ حال کا نکرہ ہونا اور ذوالحال کا غالباً معرفہ ہونا شرط ہے پس یہ قاعدہ کلیہ شاعر کے قول وأرسلها العراك اور مررت به وحده اور فعلت جهدك سے منقوض ہے کیوں کہ شاعر کے قول میں عراك حال ہے اور باوجود اس کے یہ معرفہ باللام ہے اور دوسری مثال میں وحده کا لفظ حال واقع ہوا ہے اور باوجود اس کے یہ معرفہ بالاضافت ہے آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیں گے۔

وأرسلها العراك ولم يذدها ولم يشفق على نغص الدخال

البيت للبيد يصف حمار الوحش والأتن يقول: أرسل حمار الوحش الأتن۔

یہ اوپر والے سوال کا جواب ہے۔ شارح نے اس میں صرف شاعر کے مصرع اول سے مصرع دوم ملا کر اس کے شعر کو پورا ظاہر کر کے یہ دکھایا ہے کہ یہ لبید شاعر کا شعر ہے اس شعر میں گدھے اور گدھیا کی تعریف اور صفت بیان کرتے ہیں کہ گدھے نے گدھیا کو روانہ کر دیا۔

وكأنّ المراد بالإرسال البعث۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ إرسال ذوی العقول کی صفت ہے اور حمار وحش ذوی العقول میں سے نہیں ہے پس إرسال اس کی صفت کیونکر بن سکتی ہے؟ لہذا شعر میں إرسال کی نسبت حمار وحش کی طرف درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کو جواب دیا کہ یہاں إرسال سے مراد بعث ہے۔

والتخلية بين المرسل وما يريد۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حمار وحش کی طرف بعث کی

نسبت بھی درست نہیں کیونکہ بعث حیات بعد ممات کو کہتے ہیں اور یہ خاصہ اللہ تعالیٰ ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بعث سے مراد مجازاً تخلیہ ہے درمیان مرسل اور اس چیز کے جس کو وہ چاہتا ہے عبارت کی تقدیر یہ ہوگی۔

أی أرسلها مُعترِكة متزاحمة ولم يذدها أی ولم يمنعها عن العراك ولم يشفق أی ولم يخف على نغص الدخال أی على أنه لم يتم شرب بعضها للماء بالدخال والدخال هو أن يُشرب البعير ثم يرد من العطن إلى الحوض ويدخل بين بعيرين عطشانين ليشرب منه ما عسياه لم يكن شرب منه۔

اس میں شارح شاعر کے شعر کے لغوی معنی کی تحقیق کرتے ہیں کہ حمار وحش نے حمار وحش کو روانہ کر دیا در آنحالیکہ وہ عراك اور مزاحمت میں مبتلا تھی اور لم يزد کے معنی لم يمنع کے ہیں یعنی اس کو عراك سے منع نہیں کیا اور لم يشفق باب افعال سے ہے اس کے معنی لم يخف کے ہیں یعنی وہ حمار وحش نغص دخال پر نہ ڈرا اور نغص دخال کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بعضے پانی کا پینا تمام نہیں کیا اور دخال کے معنی یہ ہیں کہ اونٹ پانی پی لے اور پھر اس کو باڑے سے حوض کی طرف پہنچایا جائے اور اس کو دو پیاسے اونٹوں کے درمیان کر کے حوض میں حاضر کر دیا جائے تا کہ وہ باقی ماندہ پانی جو اس کے پینے سے رہ گیا تھا پی ڈالے۔

ولعل المراد به ههنا نفس مداخلة بعضها فی بعض۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ معنی مذکور دخال کے اونٹ میں متصور ہوتے ہیں حمار وحش میں متصور نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ حمار وحش نے حمار وحش کو ارسال کیا ہے اونٹ کو نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں دخال سے مراد دخال لغوی نفس مداخلت بعضے کے بعض میں ہے۔

أوالمعنى على نغص مثل نغص الدخال۔

اس میں اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا شاعر کا قول بہ تقدیر مضاف ہے جو کہ مثل کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حمار وحش کو نغص دخال کے مثل کے نغص کا خوف نہیں ہوا۔

ومررت به وحده ونحوه مثل فعلته جهدك۔

اس میں شارح نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ نحوہ سے مراد فعلته جهدك کی مثال ہے۔

متأوّل بالنكرة فلا يرد نقضا على قاعدة اشتراط كونها نكرة وتأويلها على وجهين: أحدهما أنها مصادر لأفعال محذوفة أي تعترك العراك وينفرد وحده أي انفراده وتجتهد جهدك فهذه الجمل الفعلية وقعت حالاً وهذه المصادر منصوبة على المصدرية وثانيهما أنها معارف موضوعة موضع النكرات أي معتركة ومنفرداً ومجتهدا فالصورة وإن كانت معرفة فهي في التقدير نكرة كما أن حسن الوجه في صورة المعرفة وهي في المعنى نكرة۔

اس میں اوپر والے نقض کے جواب کی تشریح یہ ہے کہ أرسلها العراك اور مررت به وحده اور مثل اس کے فعلته جهدك کے جملوں کا حال مؤول بہ نکرہ ہے لہذا حال کے نکرہ ہونے کے اشتراط کے قاعدہ کلیہ پر اوپر مذکورہ نقض وارد نہیں ہوسکتا ہے اور یہاں حال کے مؤول بہ نکرہ ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ احوال امثال مذکورہ کے کل کے کل افعال محذوفہ کے مصادر ہیں یعنی عراک تعترك محذوف کا مصدر ہے اور وحده جس کے معنی انفراد کے ہیں ینفرد محذوف کا مصدر ہے اور جهدك، تجتهد محذوف کا مفعول مطلق ہے پس یہ جملہ فعلیہ ترکیب میں حال واقع ہوئے ہیں اور یہ مصادر منصوب بنا بر مصدریت ہیں اور دوسری صورت تاویل کی یہ ہے کہ امثال مذکورہ کے احوال معارف ہیں نکرات کی جگہوں میں وضع کئے گئے ہیں یعنی اصل میں عراك معتركة اور انفراد منفرداً اور جهدك مجتهداً ہے پس یہ احوال صورت میں اگرچہ معرفہ ہیں لیکن واقع میں یہ نکرہ ہیں جس طرح حسن الوجه صورت میں معرفہ ہے مگر حقیقت میں نکرہ ہے اسی طرح یہ احوال مذکورہ بھی صورت میں معرفہ ہیں لیکن حقیقت میں نکرہ ہیں لہذا اب نقض مذکورہ بالا دفع ہوا۔

فإن كان صاحبها أي صاحب الحال۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ صاحبها کی ضمیر مجرور حال کی طرف راجع ہے یعنی اگر حال کا ذوالحال ... ہو تو اس صورت میں حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہے۔

نكرة محضة لم يكن فيها شائبة تخصيص بما سوى التقديم۔

محضة کی قید کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ

قاعدہ کلیہ مذکورہ جاء نی رجل من بنی تمیم فارساً کی ترکیب کے ذوالحال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں ذوالحال نکرہ ہے اور باوجود اس کے اس پر حال کی تقدیم واجب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ نکرہ سے مراد نکرہ محضہ ہے اور مثال مذکور میں نکرہ مخصصہ ہے یعنی وہ نکرہ محضہ مراد ہے جس میں سوائے تقدیم کے تخصیص کا دوسرا کوئی شائبہ بھی نہ ہو۔

ولم تكن الحال مشتركة بينها وبين معرفة نحو جاء نی رجل وزيد راكبين۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا مثال مذکور سے منقوض ہے کیونکہ اس میں ذوالحال نکرہ محضہ ہے اور باوجود اس کے حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ حکم اس جگہ ہے جہاں حال درمیان معرفہ اور نکرہ کے مشترک نہ ہو اور مثال مذکور میں حال درمیان معرفہ اور نکرہ کے مشترک ہے اس لئے یہاں حال کی تقدیم واجب نہیں ہے۔

وجب تقديمها أى تقديم الحال على صاحبها ليتخصص النكرة بتقديمها لأنهما فی المعنى مبتدأ وخبر ولئلا تلتبس بالصفة فی النصب فی مثل قولنا ضربت رجلاً راكبا ثم قدمت فی سائر المواضع وإن لم تلتبس طرداً للباب۔

اس میں شارح حال کی تقدیم کے وجوب کی دو وجہیں بتاتے ہیں ایک یہ ہے کہ حال اور ذوالحال اصل میں مبتدا و خبر ہوتے ہیں اور مبتدا میں اصل تعریف اور خبر میں اصل تنکیر ہے اور مبتدا جب نکرہ ہو تو تقدیم واجب ہے اسی طرح ذوالحال اگر نکرہ محضہ ہو تو اس پر حال کی تقدیم واجب ہے تاکہ تقدیم حال سے اس کی نکارت میں خصوصیت پیدا ہو دوسری وجہ تقدیم حال کی یہ ہے کہ تقدیم حال ذوالحال کی نکارت کی صورت میں اس لئے واجب ہے کہ حالت نصبی میں حال کا صفت سے التباس نہ ہو جیسے مثال مذکور میں ہے کہ اس میں ضربت راكباً رجلاً پڑھا جائے گا تاکہ التباس صفت سے بچیں پھر اسی طرح باقی مواضع میں بھی حال کی تقدیم ذوالحال پر ہوگی اگرچہ التباس صفت نہیں ہوگا یہ صرف باب کی موافقت کی بنا پر ہوگا یعنی طرداً للباب حالت رفعی اور حالت جری میں بھی ذوالحال پر حال کی تقدیم مانی جائے گی اگرچہ التباس صفت نہ ہو۔

ولا تتقدم أى الحال فيما عدا مثل زيد قائما كعمرو قاعداً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ زید قائماً کعمرو

قاعداً کی ترکیب سے منقوض ہے کیونکہ اس میں قائماً کا لفظ زید سے حال واقع ہوا ہے اور عامل اس کا معنوی تشبیہ ہے جو کاف جارہ سے معلوم ہوتا ہے اور باوجود اس کے یہاں حال عامل معنوی پر مقدم ہوا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں یہ تقدیم حال ایک قاعدہ کی بنا پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ جب ایک چیز سے دو حال باعتبارات مختلفہ واقع ہوں تو اس میں واجب ہے کہ ہر ایک حال اپنے ذوالحال کے قریب ہو جیسے مثال مذکور میں واقع ہے اس لئے یہاں حال اپنے عامل معنوی پر مقدم ہوا ہے اور مصنف کا یہ قاعدہ کلیہ اس مثال کے علاوہ میں ہے لہذا یہ قاعدہ درست ثابت ہوا۔

على العامل المعنوى قد عرفت فيما قبل العامل المعنوى وأنّ ما هو مقدر بالفعل أو اسم الفاعل مثل الظرف وما يشبهه أعنى الجار والمجرور خارج عنه داخل فى الفعل أو شبهه فعلى هذا معنى الكلام أن الحال لا يتقدم على العامل المعنوى اتفاقاً۔

یعنی ماقبل میں عامل معنوی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جو کچھ مقدر بفعل یا باسم فاعل ہوتا ہے جیسے ظرف اور اس کے مشابہ یعنی جار و مجرور یہ عامل معنوی سے خارج مانا جاتا ہے اور فعل یا شبہ فعل میں داخل رہتا ہے پس اس تقدیر پر کلام کے معنی یہ ہیں کہ حال عامل معنوی پر اتفاقاً مقدم نہیں ہوتا ہے۔

بخلاف الظرف أى بخلاف ما إذا كان العامل ظرفاً أو شبهه فإن فيه خلافا؛ فسيبويه لا يجوزه أصلا نظراً إلى ضعف الظرف فى العمل وجوزه الأخفش بشرط تقدم المبتدأ على الحال نحو: زيد قائماً فى الدار فأما مع تأخر المبتدأ عن الحال فإنه وافق سيبويه فى المنع فلا يجوز قائماً زيد فى الدار ولا قائماً فى الدار زيد اتفاقاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بخلاف الظرف کا لفظ دو حالتوں سے خالی نہیں لا تتقدم کی ضمیر فاعل مستتر سے متعلق ہوگا یا عامل معنوی سے اور یہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں۔

اول اس لئے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے کہ ظرف عامل معنوی پر مقدم ہوتا ہے۔ پھر یہ ظرف خود دو حالتوں سے خالی نہیں۔ عامل معنوی میں مندرج ہے یا نہیں۔ اگر مندرج ہے جیسا کہ یہ مذہب مصنف کا ہے تو اس تقدیر پر تقدیم شی علی نفسہ لازم ہوگی اور یہ درست نہیں اور اگر مندرج نہیں ہے جیسا کہ یہ مذہب شارح کا ہے تو اس صورت میں مبحث سے خروج لازم ہوگا کیونکہ بحث حال کی تقدیم کی ہے

ظرف کی تقدیم کی نہیں ہے۔

اور بخلاف الظرف کا قول عامل معنوی سے اس لئے متعلق نہیں ہوسکتا کہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے کہ ظرف پر مقدم ہوتا ہے اور یہ بھی درست نہیں کیونکہ حال جس طرح ظرف پر مقدم ہوتا ہے اسی طرح فعل اور شبہ فعل پر بھی مقدم ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بخلاف الظرف کا قول معنوی سے متعلق ہے اور ظرف عامل معنوی میں مندرج نہیں ہے اور یاء بمعنی مع کے ہے اور خلاف کے معنی اختلاف کے ہیں اس صورت میں عبارت کی تقدیر یہ ہوگی لا یتقدم الحال علی العامل المعنوی بالاتفاق مع اختلاف الظرف یعنی حال عامل معنوی پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا مع اختلاف ظرف کے کہ اس میں دو مذہب ہیں اول مذہب سیبویہ کا، دوسرا مذہب اخفش کا۔ پس سیبویہ ظرف کے ضعف عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے حال کی تقدیم کو ظرف پر جائز نہیں رکھتے ہیں کیونکہ ظرف ضعیف العمل ہے، معمول متاخر میں عمل کرتا ہے، مقدم میں نہیں کرسکتا اور اخفش تقدیم حال علی الظرف کو جائز رکھتے ہیں لیکن اس تقدیم کے جواز کے لئے یہ شرط ٹھہراتے ہیں کہ مبتدأ حال پر مقدم ہو جیسے زید قائماً فی الدار میں ہے اور مبتدأ کے تاخیر کی صورت میں اخفش عدم جواز میں اپنے استاذ سیبویہ کے موافق ہیں پس قائماً زید فی الدار اور قائماً فی الدار زید کی ترکیبوں کے عدم جواز پر سیبویہ اور اخفش دونوں استاذ وشاگرد متفق ہیں۔

ویحتمل أن یکون معناه أن الحال وإن کانت مشابهة للظرف لما فیها من معنی الظرفیة إلا أن الظرف یتقدم علی عامله المعنوی لتوسعهم فی الظروف والحال لا یتقدم علیه هذا إذا لم یکن الظرف داخلا فی العامل المعنوی وأما إذا جعلته داخلا فی العامل المعنوی کما هو الظاهر من کلامهم فالمراد هو الاحتمال الثانی لا غیر۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ احتمال ہے کہ بخلاف الظرف کا قول یتقدم کی ضمیر مستتر فاعل سے متعلق ہو اور ظرف عامل معنوی میں مندرج نہ ہو اور خروج مبحث سے لازم نہیں آتا کیونکہ حال ظرفیت کے معنی میں ظرف کے مشابہ ہے صرف اتنا فرق ضرور ہے کہ ظرف اپنے عامل معنوی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ ظروف کے عمل میں توسع ہے ظروف معمول مقدم اور متاخر دونوں معمولوں میں عمل کرسکتے ہیں بخلاف حال کے یہ اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا ہے اور یہ احتمال مذکور جب ہے کہ

جب کہ ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہواور اگر اس کو عامل معنوی میں داخل مانا جائے جیسا کہ یہی کلام نحاۃ سے ظاہر ہے۔ پس اس تقدیر پر یہی احتمال ثانی ہی مراد ہوگا، اول احتمال مراد نہیں ہوگا اور اس احتمال ثانی کی بنا پر تقدم الشیء علی نفسہ بھی لازم نہیں ہوگا کیونکہ عامل معنوی کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ ظرف ہو، ثانی یہ کہ ظرف نہ ہو۔ پس حال اس عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوگا جو کہ ظرف نہ ہو بخلاف ظرف کے کہ ظرف اس عامل معنوی پر مقدم ہوگا جو کہ ظرف نہ ہوگویا یہ تقدم أحد القسمين على الأخر ہے تقدم الشيء على نفسه نہیں ہے اس مقام کو خوب سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ ذرا مشکل ہے۔

وكما لا تتقدم الحال على العامل المعنوى كذلك۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ اوپر والا تتقدم على العامل المعنوى کے جملہ پر عطف ہے۔

لا تتقدم على ذى الحال المجرور سواء كان مجروراً بالإضافة أو بحرف الجر وإن كان مجروراً بالإضافة لم تتقدم الحال عليه اتفاقاً نحو جاء تنى مجردا عن الثياب ضاربة زيد وذلك لأن الحال تابع وفرع لذى الحال والمضاف إليه لا يتقدم على المضاف فلا يتقدم تابعه أيضاً وإن كان مجروراً بحرف الجر ففيه خلاف لسيبويه وأكثر البصرية يمنعون تقديمها عليه للعلة المذكورة وهوالمختار عند المصنف و لهذا قال:

یعنی جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح حال اپنے ذوالحال مجرور پر بھی مقدم نہیں ہوتا ہے اور یہ ذوالحال مجرور عام ہے خواہ مجرور باضافت ہو خواہ مجرور بحرف جر ہو۔ اگر مجرور باضافت ہو تو اس صورت میں حال ذوالحال پر علی الاتفاق مقدم نہیں ہوگا جیسے جاء تنى مجردا عن الثياب ضاربة زيد کی ترکیب میں موجود ہے اور یہ عدم تقدیم اس لئے ضروری ہے کہ حال ذوالحال کا فرع اور تابع ہوتا ہے اور ذوالحال یہاں مثال مذکور میں مضاف الیہ زید کا لفظ ہے اور یہ معلوم ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوتا لہذا اسی طرح اس کا تابع بھی ذوالحال پر مقدم نہیں ہوگا اور اگر یہ ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اس میں علمائے نحو کا اختلاف ہے، سیبویہ اور اکثر بصریین ذوالحال پر حال کی تقدیم کو منع کرتے ہیں بوجہ اسی علت مذکورہ بالا کے اور یہی مصنف کافیہ کے نزدیک مختار ہے اسی وجہ سے علی الاصح کہہ دیا۔

على الأصح ونقل عن بعضهم الجواز استدلالاً بقوله تعالى: ﴿وما أرسلناك إلا

کـافّة لـلـنـاس﴾ ولـعـل الـفـرق بيـن حـرف الجر والإضافة أن حرف الجر معد للفعل كالهمزة والتـضـعيف فـكـأنـه مـن تـمـام الفعل وبعض حروفه فإذا قلت ذهبت راكبة بهند فكأنك قلت أذهبت راكبة هنداً فالمجرور بحسب الحقيقة ليس مجروراً۔

یعنی اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہوتو اس میں دو مذہب ہیں ایک اصح جیسا کہ یہ مذہب اصح مختار مصنف کا ہے، دوسرا مذہب غیر اصح۔ اس کے متعلق بعضے نحاۃ سے ذوالحال پر حال کی تقدیم کا جواز منقول ہے کیونکہ حروف جارہ فعل لازم کے معدات ہوتے ہیں یعنی جس طرح ہمزہ باب افعال اور تضعیف کے ذریعہ سے فعل لازم کو متعدی بناتے ہیں اسی طرح حروف جارہ سے بھی فعل لازم متعدی ہوتا ہے پس اس لحاظ سے گویا یہ حروف جارہ فعل کے بعضے حروف میں سے ہیں اور فعل کا اتمام انہی پر ہے اور یہ معلوم ہے کہ حال کی تقدیم فعل پر جائز ہے لہذا اسی طرح حروف جارہ پر بھی حال کی تقدیم جائز مانی جائے گی پس جب ذهبت راكبة بهند کہا جائے تو گویا اذهبت راكبة هنداً کہا گیا پس اس تقدیر پر مثال مذکور میں مجرور بحرف جر حقیقت میں مجرور نہیں ہے بخلاف مجرور باضافت کے کہ وہ حقیقت میں مجرور ہوتا ہے اور فرق درمیان مجرور بحرف جر اور مجرور باضافت کے یہی ہے اور اس تقدیم کے جواز کی دلیل میں آیت کریمہ مذکورہ کو پیش کرتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں ذوالحال مجرور بحرف جر پر کـافة حال مقدم ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حال کا ذوالحال مجرور بحرف جر پر مقدم ہونا جائز ہے یہ مجوزین تقدیم کی دلیلیں ہوئیں۔

وأجـاب بـعـضـهـم عـن هـذا الاسـتـدلال بـجـعـل كافة حالا عن الكاف والتاء للمبالغة وبـعـضـهـم بـجـعـلـهـا صفة المصدر أي رسالة كافة وبعضهم بجعلها مصدرا كالكاذبة والعافية والكل تكلف وتعسف۔

اس میں شارح نے اوپر والے استدلال مذکور کے تین طرح جواب بتائے ہیں:

اول یہ کہ آیت مذکورہ میں کـافة کا لفظ اس سے حال نہیں ہے بلکہ یہ کاف خطاب سے حال واقع ہوا ہے اور کـافة کے لفظ کا تاء مبالغہ کے لئے ہے تانیث کے لئے نہیں ہے اور بعضے نے استدلال مذکور کا جواب اس طرح دیا ہے کہ كافة کا لفظ مصدر محذوف کی صفت ہے حال نہیں ہے جس کی تقدیر رسالۃً كافةً ہے۔

اور بعضے نے اس طرح جواب دیا ہے کہ کـافة کا لفظ حال نہیں بلکہ یہ بذات خود مصدر ہے جس طرح کـاذبة اور عـافية کے الفاظ مصادر ہیں اسی طرح یہ کـافة کا لفظ بھی مصدر ہے لہذا ان وجوہات کی بنا پر حال نہیں اور مجوزین

تقدیم حال کی دلیلیں درست ثابت نہیں ہوئیں لیکن یہ کل وجوہات تکلف وتعسف کے ہیں۔

اول وجہ کا تکلف تو یہ ہے کہ تاء کافة کا مبالغہ کے لئے واقع ہونا معلوم اور یقینی نہیں بلکہ اس سے اکثر نحاۃ نے انکار کیا ہے اور ثانی اور ثالث وجہوں میں تکلف یہ ہے کہ ان وجوہات کی بناپر تقدیر کی ضرورت پڑے گی اور تعسف یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے مقصد یہ ہے کہ حضور رسول خدا ﷺ جمیع الناس کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں اور یہ معنی وجہ اول کی بناپر فوت ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال ممکن ہے کہ ناس سے مراد بعض ناس ہوں۔

وكل مادل على هيأة أى صفة سواء كان الدال مشتقا أو جامداً۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ هیاۃ سے مراد یہاں صفت ہے یعنی جو لفظ کہ فاعل اور مفعول بہ کی صفت پر دلالت کرے خواہ وہ دال مشتق ہو خواہ جامد اس کا حال واقع ہونا درست اور صحیح ہے۔

صح أن يقع حالا من غير أن يؤول الجامد بالمشتق لأن المقصود من الحال بيان الهيأة وهو حاصل به وهذا رد على جمهور النحاة حيث شرطوا اشتقاق الحال وتكلفوا فى تأويل الجوامد بالمشتق ومع هذا فلا شك أن الأغلب فى الحال الاشتقاق۔

بغیر اس کے کہ جامد کو مؤول بمشتق کر کے حال ٹھہرایا جائے، اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ حال سے مقصود فاعل اور مفعول بہ کی صفت کا بیان کرنا ہے اور یہ جامد سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور اس میں مصنف کافیہ نے جمہور نحاۃ پر رد کیا ہے وہ حال کا مشتق ہونا ضروری مانتے ہیں اور اگر کسی ترکیب میں جوامد حال واقع ہو جائیں تو یہ لوگ ان جوامد کو مؤول بمشتق ٹھہرا کر حال کے صحیح کرنے میں یہ تکلف کرتے ہیں اور باوجود اس کے اس میں شک نہیں کہ اکثر اور اغلب حال میں اشتقاق ہے یعنی غالباً حال مشتق ہی ہوتا ہے۔

مثل بسرا أو رطبا فى قولهم۔

جیسے بسراً اور رطباً کے الفاظ جوامد حال واقع ہوئے ہیں نحاۃ کے اس قول میں۔

هذا بسراً وهو ما بقى فيه حموضة۔

اس میں شارح نے بسراً کے لغوی معنی بتائے ہیں کہ بسرا اس کو کہتے ہیں جس میں تھوڑی سی ترشی باقی ہو۔

أطيب منه رطباً، وهو ما فيه حلاوة صرفة، فهما مع كونهما جامدين حالان لدلالتهما على صفة البسرية والرطبية ولا حاجة إلى أن يؤول البسر بالمبسر والرطب بالمرطب

من أبسر النخل إذا صار ما عليه بسراً وأرطب إذا صار ما عليه رطبا والعامل في رطبا أطيب باتفاق النحاة وفي بسراً أيضاً عند محققيهم۔

اس میں شارح نے رطب کے لغوی معنی ما فیہ حلاوۃ صرفۃ بتا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ مثال مذکور میں بسراً اور رطباً کے الفاظ باوجود اس کے کہ یہ جوامد ہیں حال واقع ہوئے ہیں کیونکہ یہ بسریت اور رطبیت کی صفت پر دلالت کرتے ہیں اور اس میں بسر کے مبسر سے اور رطب کے مرطب سے تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ أبسر النخل سے ماخوذ ہے یہ جب بولتے ہیں جب کہ نخل کا میوہ سرسبز ہو جائے اور أرطب اس وقت استعمال کرتے ہیں جس وقت نخل کا کھجور رطب ہو جاتا ہے اور رطبا کا عامل باتفاق نحاۃ اطیب کا لفظ ہے اور بسراً میں بھی محققین نحاۃ کے نزدیک یہی اطیب کا لفظ عامل ہے۔

وتقدم بسراً على اسم التفضيل مع ضعفه في العمل لأنه إذا تعلق بشيء واحد حالان باعتبارين مختلفين يلزم أن يلي كل منهما متعلقه والبسرية تعلقت بالمشار إليه بهذا من حيث أنه مفضل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ أطیب کا لفظ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل ضعیف العمل ہوتا ہے یہ معمول متاخر میں عمل کر سکتا ہے، متقدم میں نہیں۔
شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن یہ تقدیم اسم تفضیل پر باوجود اس کے ضعیف العمل ہونے کے ایک قاعدہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک شیء سے دو احوال باعتبارات مختلفہ واقع ہوں تو اس میں یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہر ایک حال اپنے اپنے ذوالحال کے قریب ہو اور اس میں شک نہیں کہ بسراً مشار الیہ بھذا سے باعتبار اس کے حال واقع ہوا ہے کہ یہ بسراً مفضل ہے پس یہاں ضروری ہے کہ یہ ھذا کے قریب ہو اور رطباً بھی مشار الیہ بھذا سے اس اعتبار کی بنا پر حال واقع ہوا ہے کہ یہ مفضل علیہ ہے پس اس کا قرب منہ سے ضروری اور لازمی ٹھہرا لہذا قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا کی بنا پر یہاں اسم تفضیل پر معمول مقدم ہوا ہے اور اس قاعدہ کلیہ مذکورہ کی تشریح فقیر نے اوپر بھی کی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

وهذه الحيثية وإن لم تكن معتبرة فيه إلا بعد إضماره في أطيب لكنه لما كان الضمير بالنسبة إلى المظهر كالعدم أقيم المظهر مقامه وأوجبوا أن يليه والرطبية تعلقت به من حيث أنه

مفضل عليه وهو ضمير منه فيجب أن يليه۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب بسرا کا لفظ مشارالیہ بھذا سے اس اعتبار کی بنا پر حال واقع ہوا ہے کہ یہ مفضل ہے اور یہ حیثیت جب معتبر مانی جائے گی جب کہ اس مشارالیہ کو أطیب کے لفظ میں مضمر مانا جائے۔ پس چاہیئے کہ بسراً أطیب کے لفظ سے مؤخر ہو۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن ضمیر بہ نسبت اسم ظاہر کے کالعدم مانی جاتی ہے لہذا یہاں اسم مظہر کی ضمیر کو جگہ قائم کیا ہے اور حال کو اس کے قرب میں واجب سمجھ کر لایا ہے اور رطبیت مشارالیہ بھذا سے اس اعتبار کی بنا پر متعلق ہوئی ہے کہ وہ مفضل علیہ ہے اور وہ منہ کی ضمیر ہے لہذا واجب ہے کہ یہ حال اس منہ کے قرب میں ہو۔

قال الرضي: وأما الضمير المستكن في أفعل فإنه وإن كان مفضلا لكنه لما لم يظهر كان كالعدم ومع هذا فلا أرى باساً بأن يقال وإن لم يسمع: "زيد أحسن قائماً منه قاعداً"۔

اس میں شارح ملا جامی شارح رضی کی رائے کو اس مقام پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ شارح رضی نے اس مقام میں اپنی رائے ظاہر کر کے کہا ہے کہ أطیب کی ضمیر مستکن اگرچہ مفضل ہے لیکن چونکہ وہ ظاہر نہیں کی جاسکتی ہے اس لئے وہ کالعدم مانی جاتی ہے اور باوجود اس کے کہ یہاں مظہر کو مضمر کی جگہ قائم کیا گیا ہے میری رائے میں زید أحسن قائماً منه قاعداً کی ترکیب کی طرح اگرچہ عرب سے مسموع نہیں هذا أطيب بسراً منه رطباً کی ترکیب بھی درست اور صحیح ہے لہذا اس صورت میں اسم تفضیل پر معمول کا تقدم لازم نہیں آیا۔

وذهب بعضهم إلى أن العامل في بسراً اسم الإشارة أي أشير إليه حال كونه بسراً وهذا ليس بصحيح لأنه يمكن أن يكون المشار إليه التمر اليابس فلا تتقيد الإشارة بحالة البسرية ولأنه يصح حيث وقع موقع اسم الإشارة اسم لا يصح إعماله فيه نحو: تمرة نخلي بسراً أطيب منه رطباً۔

اس میں شارح بسراً کا عامل اختلافی بتاتے ہیں کہ بعض نحاۃ کے نزدیک بسرا کا عامل اشارہ اور تنبیہ ہے جو هذا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، جس کی تقدیری عبارت "أشير إليه حال كونه بسراً" ہے، لیکن یہ مذہب دو وجوں سے صحیح اور درست نہیں۔

اول یہ کہ حال ذوالحال کے عامل کے لئے قید ہوتا ہے اور یہاں بسریت اشارہ اور تنبیہ کے لئے قید نہیں کیونکہ

ممکن ہے کہ یہاں مشارالیہ تمر یابس ہو۔

ثانی یہ کہ جائز ہے کہ اشارہ کی جگہ ایسا اسم صریح واقع ہو جس کا اعمال درست نہ جیسے مثال مذکور میں ہے کہ اس میں تمرة نخلی مبتدأ واقع ہوا ہے اور یہ بسراً میں عمل نہیں کرسکتا کیونکہ یہ جامد ہے اور جامد عمل نہیں کرسکتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ بسر ااور رطباً کا عامل أطیب ہی ہے۔

وقد۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔

تکون أی الحال۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ تکون کی ضمیر مرفوع حال کی طرف راجع ہے۔

جملة لدلالتها علی الهيأة كالمفردات فيصح أن تقع حالا مثلها ولكن يجب أن تكون الجملة الحالية خبرية۔

یعنی کبھی حال جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے کیونکہ حال سے مقصد فاعل یا مفعول بہ کی صفت کا بیان کرنا ہے اور یہ جس طرف مفردات سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح جملوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ جملہ بھی مثل مفردات کے فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کا حال واقع ہونا مثل مفردات کے صحیح اور درست ہے لیکن چونکہ حال اپنے ذوالحال سے مربوط ہوتا ہے اور جملہ انشائیہ ربط کے قابل نہیں اس لئے ضروری اور واجب ہے کہ جملہ حالیہ خبریہ ہو۔

محتلمة للصدق والكذب لأن الحال بمنزلة الخبر عن ذی الحال وإجرائها عليه فی قوة الحكم بها والجملة الإنشائية لا تصح أن يحكم بها علی شیء ولما كانت الجملة مستقلة فی الإفادة لا تقتضی ارتباطها بغيرها، والحال مرتبطة بغيرها، فإذا وقعت الجملة حالا لا بدّ لها من رابطة تربطها إلی صاحبها وهی الضمير والواو والجملة الخبرية إمّا اسميةٌ أو فعلية والفعلية إما أن يكون فعلها مضارعاً مثبتا أو مضارعاً منفياً أو ماضياً مثبتاً أو ماضياً منفياً فهذه خمس جمل۔

اس میں شارح جملہ خبریہ کی تعریف بتاتے ہیں کہ جملہ خبریہ اس کو کہتے ہیں جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہو کیونکہ حال بمنزلہ خبر کے اور ذوالحال بمنزلہ مبتدا کے ہوتا ہے اور حال کا ذوالحال پر جاری کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس پر حکم لگانا اور جملہ انشائیہ محکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس لئے یہ جملہ حالیہ خبریہ ہوگا اور چونکہ جملہ خبریہ

مستقل باالافادۃ ہوتا ہے غیر سے تعلق اور ارتباط کا مقتضی نہیں ہوتا اور حال غیر سے مربوط ہوتا ہے، اس لئے جب جملہ حال واقع ہوگا تو اس میں رابطہ کی ضرورت ہوگی جس سے حال کا اپنے ذوالحال سے تعلق اور ارتباط حاصل ہو سکے اور وہ رابطہ یا ضمیر ہوگی یا واو اور جملہ خبریہ کی دو قسمیں ہیں اول اسمیہ، دوم فعلیہ اور جملہ فعلیہ چار حالتوں سے خالی نہیں ہوگا اس کا فعل فعل مضارع مثبت ہوگا یا مضارع منفی، یا فعل ماضی مثبت ہوگا یا ماضی منفی پس یہ کل جمل فعلیہ، اسمیہ کے ساتھ پانچ جملے ہوگئے۔

فالإسمية أي الجملة الإسمية الحالية متلبّسة۔

اس میں شارح نے متلبّسة کا لفظ بڑھا کر اشارہ کیا کہ بـالواو جار ومجرور کا متعلق محذوف متلبّسة کا لفظ ہے یعنی اگر حال جملہ اسمیہ واقع ہو تو متلبس بواو اور ضمیر ہوگا یعنی اس کا رابطہ واو اور ضمیر دونوں ہوں گے۔

بالواو والضمير معاً لقوة الاسمية في الاستقلال فناسب أن تكون الرابطة فيها في غاية القوة نحو جئت وأنا راكب وجئت وأنت راكب وجاء ني زيد وهو راكب۔

اس لئے کہ جس طرح جملہ اسمیہ مستقل بالمفهوم ہوتا ہے اسی طرح اس کا رابطہ بھی غایت درجہ کا قوی اور مضبوط ہونا چاہئے اور اس جملہ اسمیہ حالیہ کی مثالیں جن میں رابطہ ضمیر اور واو دونوں واقع ہوئے ہوں اوپر عربی عبارت میں مذکور ہیں۔

أو بالواو وحدها لأنها تدل على الربط في أول الأمر فاكتفى بها مثل قوله عليه السلام: "كنت نبياً وآدم بين الماء والطين" وهذا أي الربط بالواو وحدها أو بها مع الضمير إنما يكون في الحال المنتقلة وأما في الحال المؤكدة فلا تجوز الواو تقول هو الحق لا شك فيه وذلك لأن الواو لا تدخل بين المؤكَّد والمؤكِّد لشدة الاتصال بينهما۔

یعنی جملہ اسمیہ حالیہ کا رابطہ تنہا واو بھی ہوسکتا ہے کیونکہ واو اول امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے لہذا اسی پر اکتفا کیا جائے گا ضمیر کی ضرورت نہیں ہے اس کی مثال حدیث شریف مذکور میں ہے اور وآدم بين الماء والطين کے جملہ میں اکتفا بالواو کیا گیا ہے اور ربط بـالواو یا واو اور ضمیر دونوں کی ضرورت صرف حال منتقلہ میں ہے بخلاف حال مؤکدہ کے کہ اس میں ربط بـالواو جائز نہیں ہے اس کی مثال میں هو الحق لا شك فيه بغیر واو کے کہا جاتا ہے ولا شك فيـــه واو کے ساتھ نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ واو درمیان مؤکدہ اور مؤکدہ کے داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ درمیان مؤکدہ اور

مؤکدہ کے شدت انفصال ہے۔

فائدہ: حال مؤکدہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے ذوالحال سے غالبًا منفک نہ ہو جیسے زید أبوك عطوفاً میں أب کی عطوفت منفک نہیں ہوتی ہے اور حال منتقلہ اس کو کہتے ہیں جو غالبًا اپنے ذوالحال سے منفک ہو سکے جیسے هذا زید قائماً میں زید کے قیام کا انفکاک اس سے ممکن ہے۔

أو بالضمير وحده على ضعف لأن الضمير لا يجب أن يقع في الابتداء فلا يدل على الربط في أول الأمر نحو: كلمته فوه إلى في فلا بد من الواو على الصحيح۔

اس میں شارح اكتفاء بالضمير وحده على ضعف کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ جملہ اسمیہ حالیہ میں اکتفا بالضمیر بھی کر سکتے ہیں لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ ضمیر کا ابتدا میں واقع ہونا واجب نہیں جس سے ربط پر اول امر میں دلالت ممکن ہو سکے جیسے مثال مذکور میں فوه إلى في بغیر واو کے بھی کہہ سکتے ہیں لیکن استعمال صحیح میں واو کی ضرورت ہے یعنی وفوه إلى في صحیح ہے۔

والمضارع المثبت أي الجملة الفعلية التي يكون الفعل فيها مضارعا مثبتا متلبسة۔

اس میں شارح نے متلبسة کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ بالضمیر جار و مجرور کا متعلق یہ متلبسة کا لفظ محذوف ہے یعنی وہ جملہ فعلیہ جس میں فعل، فعل مضارع مثبت واقع ہو وہ متلبس بضمير ہوگا یعنی اس کا رابطہ صرف ضمیر ہوگی۔

بالضمير وحده لمشابهته لفظاً أو معنى لاسم الفاعل المستغني عن الواو نحو: جاء ني زيد يسرع۔

یعنی جملہ فعلیہ مضارعیہ مثبتہ میں اکتفا بالضمیر اس لئے ضروری ہے کہ فعل مضارع اسم فاعل کے لفظا یا معنی میں مشابہ ہے اور اسم فاعل واو سے مستغنی ہوتا ہے اسی طرح جملہ فعلیہ مضارعیہ مثبتہ بھی واو سے مستغنی ہوگا تا کہ درمیان مشبہ اور مشبہ بہ کے مطابقت حاصل ہو اس کی مثال جاء ني زيد يسرع ہے کہ اس میں ويسرع کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور مضارع کے اسم فاعل سے لفظی مشابہت تو ظاہر ہے تشریح کا محتاج نہیں ہے اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ اس کی جگہ اسم فاعل واقع ہوتا ہے یعنی یسرع کی جگہ سارع بھی کہہ سکتے ہیں۔

وما سواهما أي ما سوى الجملة الاسمية والفعلية المشتملة على المضارع المثبت

من الجمل المشتملة علی المضارع المنفی أو الماضی المثبت أو المنفی۔

اس میں شارح ھما کا مرجع بتاتے ہیں کہ اس کا مرجع جملہ اسمیہ اور فعلیہ ہے جو مشتمل بر مضارع مثبت ہو اور من الجمل سے ما موصولہ کا بیان کرتے ہیں کہ ماسوائے جملہ اسمیہ وفعلیہ کے وہ جملے ہیں جو مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی پر مشتمل ہوں ان جملوں کا رابطہ واو اور ضمیر دونوں ہوں گے یا ان میں سے ایک ہوگا۔

بالواو والضمیر معاً أو بأحدهما وحده من غیر ضعف عند الاکتفاء بالضمیر لعدم قوة استقلالها کالاسمیة، فالمضارع المنفی نحو: جاء نی زید وما یتکلم غلامه، أو جاء نی زید ما یتکلم غلامه، أو جاء نی زید وما یتکلم عمرو، والماضی المثبت نحو: جاء نی زید وقد خرج غلامه، أوجاء نی زید قد خرج غلامه، أو جاء نی زید وقد خرج عمرو، والماضی المنفی نحو: جاء نی زید وما خرج غلامه، أو جاء نی زید ما خرج غلامه، أو جاء نی زید وما خرج عمروٌ۔

یعنی جب حال فعل مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی واقع ہو تو اس میں رابطہ واو اور ضمیر دونوں ہوں گے یا ان میں سے ایک ہوگا اور یہاں اکتفاء بالضمیر بغیر ضعف کے درست ہے کیونکہ یہ جملے فعلیہ مذکورہ جملہ اسمیہ کی طرح قوت نہیں رکھتے ہیں اس لئے یہاں ادنی رابطہ کافی ہے قوی رابطہ کی ضرورت نہیں ہے اور مضارع منفی اور ماضی مثبت اور منفی سب کی مثالیں معہ اقسام کے مذکور ہوئیں غور کر کے سمجھنا چاہئے۔

ولا بد فی الماضی المثبت لا المنفی من دخول لفظة قد المقربة زمان الماضی إلی الحال لغة علی الماضی المثبت الواقع حالاً لیدل بها علی قرب زمانه إلی زمان صدور الفعل من ذی الحال أو وقوعه علیه تجوزا لأن المتبادر من الماضی المثبت إذا وقع حالا أن مضیه إنما هو بالنسبة إلی زمان العامل فلا بد من قد حتی تقربه إلیه فیقارنه وهذا بخلاف مذهب الکوفیین فإنهم لا یوجبون قد ظاهرة ولا مقدرة۔

یعنی جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس میں قد کے لفظ کا داخل کرنا ضروری ہے بخلاف فعل ماضی منفی کے کہ یہ اگر حال واقع ہو تو اس میں لفظ قد کے داخل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس میں لفظ قد کا داخل ہونا اس لئے ضروری ہے کہ قد کا لفظ ماضی کے زمانہ کو زمانہ حال کے قریب تر کر دیتا ہے لہذا اگر ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس کے لئے دخول قد موضوع ہے، تاکہ اس قد کے ذریعہ سے ذوالحال کے صدور فعل یا وقوع

فعل کے زمانہ کے قرب پر مجازاً دلالت کر سکے کیونکہ ماضی مثبت سے جو حال واقع ہو اس میں متبادر یہ ہے کہ اس کا ماضی ہونا بہ نسبت عامل کے زمانہ کے ہوگا لہذا یہاں قد کی ضرورت ہے تا کہ وہ ماضی زمانہ کو عامل کے زمانہ کے قریب کرے لیکن یہ دخول قد بصریین کا مذہب ہے بخلاف کوفیین کے کہ وہ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ دخول قد خواہ لفظی ظاہری ہو خواہ مقدر واجب نہیں مانتے ہیں بخلاف بصریوں کے وہ واجب سمجھتے ہیں۔

سواء كانت ظاهرة.

اس سے مقدم شارح نے سواء كانت کا جملہ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ یہ كانت مقدر کی خبر ہے، اس لئے منصوب ہے۔

في اللفظ نحو جاء ني زيد قد ركب غلامه۔

یعنی بصریین کے نزدیک قد کا داخل ہونا ضروری ہے خواہ وہ لفظ میں ظاہر ہو جیسے مثال مذکور میں ہے۔

أو مقدرة منوية نحو قوله تعالى: ﴿جاؤكم حصرت صدورهم﴾ أي قد حصرت وهذا بخلاف مذهب سيبويه والمبرّد، فإنهما لا يجوزان حذف قد فسيبويه يؤوّل قوله تعالیٰ ﴿حصرت صدورهم﴾ بقوماً حصرت صدورهم فتكون جملة حصرت صدورهم صفة موصوف محذوف وهو الحال والمبرد يجعله جملة دعائية وإنما لم يشترط ذلك في المنفي لاستمرار النفي بلا قاطع فيشمل زمان الفعل۔

یعنی خواہ لفظ میں قد ظاہر نہ ہو بلکہ مقدر معنوی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں ہے کہ اس میں حصرت کے جملہ سے مقدم قد کا لفظ مقدر اور محذوف ہے لیکن اس آیت شریفہ کے قد کے لفظ کے مقدر اور محذوف ماننے میں سیبویہ اور مبرد اختلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ یہاں قد کے حذف کو جائز نہیں مانتے بلکہ اس کے تلفظ اور اظہار کو ضروری تصور کرتے ہیں چونکہ قد آیت کریمہ میں ملفوظ نہیں ہے۔ اس لئے سیبویہ حصرت صدورهم کے جملہ کو قوم سے مؤول کرتے ہیں اور اس جملہ کو موصوف محذوف کی صفت قرار دیتے ہیں یعنی موصوف وصفت دونوں ملا کر حال ٹھہراتے ہیں اس لئے یہاں قد ملفوظ نہیں ہے گویا یہاں سیبویہ کے نزدیک ماضی مثبت حال واقع نہیں ہے بلکہ حال موصوف محذوف قوم کا لفظ ہے اور مبرد اس جملہ کو جملہ دعائیہ قرار دیتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ جملہ دعائیہ اعراب کا محل نہیں رکھتا یعنی مبرد اس جملہ کو جملہ حالیہ نہیں مانتے ہیں، اس لئے اس میں قد ملفوظ نہیں ہے اور ماضی منفی میں دخول قد کو ضروری اور

شرط اس لئے نہیں مانا ہے کہ نفی میں بلا قاطع کے استمرار مقصود ہوتا ہے چونکہ یہ فعل کے زمانہ کو شامل ہے اس لئے اس میں قد کے دخول کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ویجوز حذف العامل فی الحال لقیام قرینة حالیة۔

یعنی حال کے عامل کا حذف جائز ہے لیکن یہ جب کہ حذف کا قرینہ موجود ہو اور قرینہ کی دو قسمیں ہیں اول قرینہ حالیہ، دوم قرینہ مقالیہ۔

کقولک للمسافر أی الشارع فی السفر أو المتهيء له۔

اس میں میں شارح کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہاں مسافر سے مراد وہ شخص ہے جو سفر کو شروع کرے یا وہ شخص ہے جو سفر کی تیاری کرے۔ مصنف کافیہ نے باعتبار مایؤول کے مسافر کہہ دیا ہے، حقیقی مسافر مراد نہیں ہے۔

راشداً مهدیّاً أی سر راشداً مهدیّاً بقرینة حال المخاطب وقوله مهديا إما صفة لراشداً أو حال بعد حال۔

یہ قرینہ حالیہ کی مثال ہے یعنی اس کا عامل سر محذوف ہے اور قرینہ اس کا مخاطب کا حال ہے، مخاطب کے حال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راشداً کا عامل یہاں سر ہے اور مهدیاً کا لفظ راشداً کے لفظ کی صفت ہے یا حال بعد حال ہے۔

أو مقالية كقولك: راكباً لمن يقول: كيف جئت؟ أي جئت راكباً بقرينة السوال، ومنه قول الله تعالىٰ: ﴿أيحسب الإنسان أن لن نجمع عظامه بلىٰ قادرين﴾ أي بلى نجمعها قادرين۔

اس میں شارح نے قرینہ مقالیہ کی مثال دی ہے کہ ترکیب مذکور میں راکباً کا عامل جئت محذوف ہے اور قرینہ مقالیہ اس کا سائل کا سوال ہے اور آیت کریمہ مذکورہ بھی قرینہ مقالیہ کی مثال ہے یعنی قادرین کا عامل نجمعها مقدر ہے۔

ویجب حذف العامل۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یجب کا فاعل حذف العامل کا لفظ ہے۔

فی بعض الأحوال۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ حال کے

عامل کے حذف کا قاعدہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿شهد الله أنه لا إله إلا هو والملائكة وأولوا العلم قائما بالقسط﴾ سے منقوض ہے کیونکہ یہ حال مؤکدہ ہے اور باوجود اس کے اس میں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حال مؤکدہ سے مراد بعضے احوال مؤکدہ ہیں۔ کیوں کہ حال مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں، اول یہ کہ جملہ فعلیہ کے مضمون کا مقرر ہو۔ ثانی یہ کہ جملہ اسمیہ کے مضمون کا مقرر ہو۔ وجوب حذف عامل حال قسم ثانی میں ہے، اول قسم میں حذف واجب نہیں ہے۔

المؤكدة وهي أي الحال المؤكدة مطلقاً هي التي لا تنتقل من صاحبها ما دام موجودا غالباً بخلاف المنتقلة، والمنتقلة قيد للعامل بخلاف المؤكّدة۔

اس میں شارح حال مؤکدہ بتاتے ہیں کہ حال مؤکدہ مطلقاً یعنی خواہ اس کے عامل کا حذف جائز ہو خواہ واجب اس کو کہتے ہیں جس ذوالحال کی موجودگی میں غالباً اپنے ذوالحال سے منتقل ہونا ناممکن ہو، جیسے جاء نی زید راکباً میں رکوب زید سے غالباً منتقل ہوسکتا ہے بخلاف مؤکدہ کے کہ وہ عامل کی قید نہیں ہوتی ہے اس لئے وہ ذوالحال سے غالباً منفک نہیں ہوگا۔

مثل زيد أبوك عطوفا فإن العطوفية لا تنتقل عن الأب في غالب الأمر۔

یہ حال مؤکدہ کی مثال ہے کیونکہ اس میں عطوفت غالب امر میں اب سے منفک نہیں ہوتی ہے۔

أي أحقه بفتح الهمزة أو ضمها من حققت الأمر بمعنى تحققته، أوصرت منه على يقين۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ احقه کا لفظ دو حالتوں سے خالی نہیں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے یا ضمہ کے ساتھ۔ اگر بفتحہ ہمزہ ہو تو اس صورت میں یہ ثلاثی مجرد سے فعل مضارع متکلم کا صیغہ مانا جائے گا۔ یہ مبالغہ پر دلالت نہیں کرتا اور یہاں مقصود مبالغہ ہے اور اگر بضمہ ہمزہ ہو تو اس تقدیر پر یہ باب افعال سے فعل مضارع متکلم کا صیغہ ہوگا، پس یہ احقاق پر دلالت کرے گا، نہ کہ تحقیق پر اور یہاں مقصود تحقیق ہے احقاق مقصود نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ بفتحہ ہمزہ ہے یا بضمہ ہمزہ حققت سے بمعنی تحققت کے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مجھ کو یقین ہوگیا۔

أو من أحققت الأمر بهذا المعنى بعينه أو بمعنى اثبته أى تحققت أبوته لك وصرت منها على يقين أو أثبتها لك عطوفا وقال صاحب المفتاح: أحق التقديرات عندى أن يقدر يحنى عطوفاً۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا یہ صیغہ باب افعال احققت سے بمعنی تحقق یا بمعنی اثبته کے ہے پس یہ مجاز لفظی ہے جس کی تقدیر پر مثال مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے تیرے باپ کی ابوۃ تیرے لئے متحقق اور ثابت کی اور اس کا مجھ کو یقین ہوا کہ تیرا باپ مہربان ہے اور صاحب مفتاح نے کہا ہے کہ مثال مذکور میں حال کا عامل میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یحنی کا لفظ محذوف اور مقدر ہو۔ یہ سب تقدیرات سے بہتر تقدیر ہے۔

وشرطها أى شرط وجوب حذف عاملها۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ شرطها کی ضمیر مجرور حال کی طرف راجع ہے یعنی حال کے عامل کے حذف کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ جملہ کے مضمون کا مقرر ہو۔

أن تكون مقررة أى مؤكدة۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے اشارہ کیا کہ مقررۃ کے معنی یہاں مؤکدۃ کے ہیں۔

لمضمون جملة احترز به عما يؤكد بعض أجزائها كالعامل فى قوله تعالى: ﴿إنا أرسلناك للناس رسولاً﴾ فإنه لا يجب حذفه۔

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ مصنف کا قول لمضمون جملة قید احترازی ہے اس کی بنا پر اس حال سے احتراز ہوا جو کہ جملہ کے بعض اجزاء کی تاکید کرے جیسے آیت کریمہ مذکورہ میں حال کا عامل ہے کہ یہاں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں ہے۔

اسمية احترز بها عما إذا كانت فعلية فإنه لا يجب حذف عاملها كما قال صاحب الكشاف فى قوله تعالى: ﴿قائما بالقسط﴾ أنه حال مؤكدة من فاعل شهد ولا بد ههنا من قيد آخر وهو أن يكون عقد تلك الاسمية من اسمين لا يصلحان للعمل فيها وإلا لكان عاملها مذكوراً فكيف يكون حذفه واجباً نحو: الله شاهدٌ قائماً بالقسط؟

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ اوپر والا قاعدہ مذکورہ اللہ شاھد الخ کے قول مذکور سے منقوض ہے کیونکہ اس میں حال جملہ کے مضمون کا مؤکد ہے اور باوجود اس کے اس میں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جملہ اسمیہ سے مراد یہاں وہ جملہ اسمیہ ہے جو ایسے اجزا سے مرکب ہو جس کے اجزا عمل کی صلاحیت نہ رکھیں اور یہاں جز ثانی شاہد عمل کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے یہاں حذف واجب نہیں یعنی اسمیہ کی قید سے اس سے احتراز ہوا جو کہ جملہ فعلیہ ہو کیوں کہ یہاں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں ہوگا جیسا کہ صاحب کشاف نے اللہ تعالیٰ کے ﴿قائماً بالقسط﴾ کے قول کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قائما شہد کی ضمیر فاعل سے حال مؤکدہ ہے اور یہاں ایک دوسری قید کی بھی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ دو ایسے اسموں سے مرکب ہو جو عمل کے صالح نہ ہوں ورنہ حال کا عامل مذکور ہوگا۔ پس کیوں کر اس کا حذف واجب ہو سکے گا جیسے اللہ شاهد قائماً بالقسط میں ہے۔ اور سوال مقدر مذکور بالا کا جواب شارح نے ولا بد هنا من قيد آخر إلخ کی عبارت سے شروع کیا ہے جس کی تشریح اوپر بیان ہو چکی ہے خوب ملاحظہ کریں۔

التمييز ما أي الاسم الذي۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تمیز کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں قطع رزقه أي مات کی ترکیب کے مات کا لفظ داخل ہوا کیونکہ یہ بھی معنی موضوع لہ کے ابہام کا رفع کرتا ہے اور باوجود اس کے یہ تمیز نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں کلمۂ ما اسم سے عبارت ہے اور ترکیب مذکور میں مات اگر چہ رفع ابہام کرتا ہے لیکن یہ فعل ہے لہذا تمیز کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

يرفع الإبهام واحترز به عن البدل فإن المبدل منه في حكم التنحية فهو ليس يرفع الإبهام عن شيء بل هو ترك مبهم وإيراد معين۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ يرفع الابهام کا قول قید احترازی ہے اس کی بنا پر بدل سے احتراز ہوا کیونکہ اس کا مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے لہذا وہ معنی موضوع لہ کے رفع ابہام نہیں کرتا بلکہ یہ مبہم کا ترک کرنا ہے اور معین کا لانا مقصود ہے یعنی بدل میں بدل مقصود بہ نسبت ہوتا ہے مبدل منہ نہیں ہوتا۔

المستقرّ أی الثابت الراسخ فی المعنی الموضوع له من حیث أنه موضوع له فإن المستقر وان کان بحسب اللغة هو الثابت مطلقا لکن المطلق منصرف إلی الکامل وهو الوضعی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مستقر کے لفظ کے لغوی معنی مطلق ثابت کے ہیں اور یہاں رفع ابہام سے مراد رفع ابہام وضعی لیا گیا ہے پس یہ مجاز ہوا اور مجاز میں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے یہاں اس کا قرینہ کیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مستقر سے مراد ثابت وراسخ فی المعنی الموضوع له ہے اس حیثیت کی بنا پر کہ وہ موضوع لہ ہے اور اس کا قرینہ علماء کا ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب شئی کا ذکر مطلق ہو تو اس کا رخ کامل کی طرف کر دیتے ہیں اور کامل یہاں رفع ابہام وضعی ہے لغوی نہیں لہذا یہ مستقر کا لفظ باعتبار لغت کے اگر چہ مطلق ثابت پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ مطلق یہاں منصرف إلی الکامل ہے اور وہ رفع ابہام وضعی ہے۔

واحترز به عن نحو: رأیت عینا جاریةً، فإن قوله جاریةً یرفع الإبهام عن قوله عینا لکنه غیر مستقر بحسب الوضع بل نشأ فی الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع له وکذا یقع به الاحتراز عن أوصاف المبهمات نحو: هذا الرجل فإن هذا مثلا إما موضوع لمفهوم کلی بشرط استعماله فی جزئیاته أو لکل جزئی جزئی منه ولا إبهام فی هذا المفهوم الکلی، و لا فی واحد من جزئیاته، بل الإبهام إنما نشأ من تعدد الموضوع له أو المستعمل فیه فتوصیفه بالرجل یرفع هذا الإبهام لا الإبهام الواقع فی الموضوع له من حیث أنه موضوع له وکذا یقع به الاحتراز عن عطف البیان فی مثل قولك: أبو حفصٍ عمر فإن کل واحد من أبی حفص وعمر موضوع لشخص معین لا إبهام فیه لکن لما کان عمر أشهر زال بذکره الخفاء الواقع فی أبی حفص لعدم الاشتهار لا الإبهام الوضعی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تمیز کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں مشترک کا لفظ داخل ہوا جیسے رأیت عیناً جاریة کی ترکیب میں جاریة کا لفظ ہے کہ یہ لفظ معنی موضوع لہ کے رفع ابہام کرتا ہے اور باوجود اس کے یہ تمیز نہیں ہے اور اسی طرح اس تعریف میں مبہمات کے اوصاف داخل ہوئے کیونکہ یہ

بھی رافع ابہام ہیں حالانکہ یہ تمییز نہیں اوراسی طرح اس میں عطف بیان داخل ہوا کیونکہ یہ رافع ابہام ہے اور باوجود اس کے یہ تمییز نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد ابہام سے وہ ہے جو ثابت اور کائن معنی موضوع لہ میں ہو۔ لہذا اس حیثیت کی بناپر رأیت عیناً جارية کی ترکیب کے جارية کالفظ تمییز کی تعریف سے خارج ہوا کیونکہ جارية کالفظ اگرچہ عیناً کے لفظ کا رفع ابہام کرتا ہے لیکن یہ بحسب وضع مستقر نہیں ہے بلکہ یہ باعتبار تعدد موضوع لہ کے استعمال کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اوراسی طرح اس تعریف سے مبہمات کے اوصاف بھی خارج ہوئے کیونکہ هذا الرجل کی ترکیب میں مثلاً هذا کالفظ ایک مفہوم کلی کے لئے موضوع ہے جو مستعمل فی الجزئیات ہوتا ہے یا مفہوم کلی کے ہرایک جزئی کے لئے موضوع ہے اوراس مفہوم کلی میں کوئی ابہام نہیں، نہ اس کے جزئیات کے ایک ایک فرد میں کوئی ابہام پایا جاسکتا ہے بلکہ یہ ابہام صرف موضوع لہ کے تعدد سے پیدا ہوا ہے۔ یہ متاخرین کے نزدیک ہے یا تعدد استعمال سے پیدا ہوا ہے بنابر مذہب متقدمین کے پس الرجل سے اس کے موصوف ہونے کی بناپر صرف وہی ابہام رفع ہوا ہے جو تعدد موضوع لہ یا تعدد استعمال سے پیدا ہوا تھا نہ وہ ابہام وضعی جو معنی موضوع لہ میں واقع ہو اوراسی طرح اس تعریف سے عطف بیان بھی خارج ہوا کیونکہ أبو حفص عمر کی ترکیب میں یہ أبو حفص اور عمر دونوں الفاظ ایک شخص معین کے لئے موضوع ہیں اس میں کوئی ابہام نہیں ہے لیکن چونکہ عمر کالفظ مشہور تھا اس لئے اس کے ذکر کرنے سے وہ خفا جو أبو حفص میں بوجہ اس کی عدم شہرت کے واقع ہوا تھا رفع ہوا اس میں ابہام وضعی کا رفع مقصود نہیں ہے لہذا اب اس تقدیر پر تمییز کی تعریف بالکل مانع ثابت ہوئی۔

عن ذات لا عن وصف واحترز به عن النعت والحال فإنهما يرفعان الإبهام المستقر الواقع في الوصف لا في الذات وتحقيق ذلك أن الواضع لما وضع الرطل مثلا لنصف مَنٍّ فلا شك أن الموضوع له معنى معين متميّز عما هو أقل من النصف كالربع وعما هو أكثر منه كمَنّ ومنين ولا إبهام فيه إلا من حيث ذاته أى جنسه فإنه لا يعلم منه بحسب الوضع أنه من جنس العسل أو الخلّ أو غيرهما وإلا من حيث وصفه فإنه لا يعلم منه بحسب الوضع أنه بغدادى أو مكى فإذا اريد رفع الإبهام الوصفى الثابت فيه بحسب الوضع اتبع بصفة أو حال فيقال: رطل بغدادى وإذا أريد رفع الإبهام الذاتى قيل زيتاً، فزيتاً يرفع الإبهام المستقر عن الذات لا النعت

والحال فإنهما يرفعان الإبهام عن الوصف۔

اس میں شارح صرف یہ بتاتے ہیں کہ ذات کا قول قید احترازی ہے یعنی اس قید سے وصف اور حال سے احتراز ہوا کیونکہ نعت اور حال اس ابہام کو رفع کرتے ہیں جو وصف میں واقع ہو، ابہام ذاتی کو رفع نہیں کرتے۔ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ مثلاً واضع نے رطل کے لفظ کو آدھے من کے لئے وضع کیا ہے پس اس میں شک نہیں کہ اس کا معنی موضوع لہ ایک معنی معین ہے اور ممتاز ہے اس سے جو نصف سے اقل ہو جیسے ربع اور ممتاز ہے اس سے جو اس سے اکثر ہو جیسے ایک من یا دو من اور اس میں ابہام صرف ذاتی یعنی جنسی ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ رطل شہد کا ہے یا سرکہ کا یا ان کے سوا کا۔ یا یہ ابہام وصفی ہوگا کیونکہ اس سے بحسب وضع یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ رطل بغدادی ہے یا مکی۔ پس اگر ابہام وصفی کا رفع مقصود ہو تو اس کے بعد صفت یا حال لایا جائے گا اور رطل بغدادی مستعمل کریں گے اور ابہام ذاتی کا رفع مراد ہو تو اس صورت میں اس کے بعد زیتا کہا جائے گا پس یہ زیتا کا لفظ اس ابہام ذاتی مستقر فی الذات کا رفع کرے گا بخلاف نعت اور حال کے کہ یہ ابہام وصفی کو رفع کرتے ہیں ذاتی کو نہیں۔

مذكورة أو مقدرة صفتان للذات إشارة إلى تقسيم التمييز فالمذكورة نحو رطل زيتا والمقدرة نحو: طاب زيد نفسا، فإنه في قوة قولنا طاب شيء منسوبٌ إلى زيد، ونفساً يرفع الإبهام عن ذلك الشيء المقدر فيه۔

یعنی مذکورۃ اور مقدرۃ کے الفاظ ذات کی صفات ہیں اور اس میں تمیز کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے یعنی تمیز کی دو قسمیں ہیں اول وہ ہے جو رفع ابہام ذات مذکورہ کا کرے۔ دوم وہ جو رفع ابہام ذات مقدرہ کا کرے۔ اول کی مثال رطل زیتا ہے اور دوم کی مثال طاب زید نفساً ہے کہ یہ طاب شيء منسوب إلى زيد کے حکم میں ہے پس مثال مذکور میں تمیز یعنی نفساً کا لفظ اس شیء مقدر سے رفع ابہام کرتا ہے۔

فالأول أي القسم الأول من التمييز وهو ما يرفع الإبهام عن ذات مذكورة يرفعه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ أول کا لفظ ترکیب میں صفت ہے اور موصوف اس کا قسم کا لفظ محذوف ہے یعنی تمیز کی اول قسم اور وہ یہ ہے جو ذات مذکورہ کا رفع ابہام کرے یعنی اس ابہام کو رفع کرے جو ذات مذکورہ میں واقع ہو۔

عن مفرد يعني به ما يقابل الجملة وشبهها والمضاف۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں مفرد سے مراد وہ ہے جو جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف کے مقابل ہو۔

مقدارٍ صفة لمفرد هو ما يقدر به الشيء أي يعرف به قدره ويبين۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ مقدار کا لفظ مفرد کی صفت ہے اور مقدار سے یہاں مراد وہ ہے جس سے شیء کا اندازہ لگایا جاتا ہے یعنی جس سے شیء کی قدر معلوم ہوتی ہے اور مقادیر اشیاء پانچ ہیں کسی شاعر نے فارسی نظم میں جمع کئے ہیں

پنج اند جان من تو مقادیر را شناس
کیل است ووزن وعدد ذراع است ہم قیاس

غالباً أي في غالب المواد وأكثرها أي رفع الإبهام مطلقا يتحقق في ضمن هذا الرفع الخاص في أكثر المواد وذلك لأن الإبهام فيه أكثر والمقدار۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ غالباً کا لفظ منصوب بنا بر نزع خافض ہے یعنی اس مفرد مقداری کا رفع ابہام مطلق اکثر مواضع استعمال میں اس خاص رفع کے ضمن میں متحقق ہوگا اور یہ ضروری اور لازمی بات ہے کہ اس مفرد مقداری میں ابہام اکثر مستعمل ہوا کرتا ہے۔

إما متحقق في ضمن۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ عدد کی ظرفیت مقدار کے لئے، ظرفیت خاص کی عام کے لئے ہے یا ظرفیت جزئی کلی کے لئے ہے۔

عددٍ نحو عشرون درهما وسيأتي ذكر تمييز العدد وبيانه في باب أسماء العدد۔

یعنی وہ مفرد مقداری عام ہے خواہ عدد ہو جیسے مثال مذکور میں ہے اور عدد کے تمییز کا ذکر اور اس کا پورا بیان اسمائے عدد کے باب میں آئے گا۔

وإما في ضمن غيره أي غير العدد كالوزن۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ غیرہ کی ضمیر مجرور عدد کی طرف راجع ہے اور ضمن کے لفظ کے بڑھانے کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے اور غیر عدد وزن ہے۔

نحو: رطل زيتاً فان الرطل نصف مَنٍّ ونحو منوان سمنًا وكالكيل نحو: قفيزان

براً وکالذراع نحو ذراع ثوبا وکالمقیاس نحو علی التمرة مثلها زبداً۔

یہ مقادیر کی امثال ہیں رطل زیتاً وزن کی مثال ہے کیونکہ رطل نصف من کو کہتے ہیں۔ قفیزان براً کیل کی مثال ہے۔ذراع ثوبا ذراع کی مثال ہے۔ علی التمرة مثلها زبداً مقیاس کی مثال ہے اور شارح نے منوان سے قبل نحو کا لفظ بڑھایا اور اسی طرح کیل کے لفظ سے قبل کاف تشبیہ بڑھایا اور اسی طرح علی التمرة سے پہلے نحو کا لفظ بڑھایا ہے اس سے عطف کا اشارہ کیا ہے۔ یہ عدد کے ساتھ پانچ مقادیر ہو گئے۔

والمراد بالمقادیر فی هذه الصور هو المقدرات لأن قولك عندی عشرون درهماً ورطل زیتاً وقفیزان براً وذراع ثوباً وعلی التمرة مثلها زبداً المراد بها المعدود والموزون والمکیل والمذروع والمقیس لا غیر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تمیز ذات کے ابہام کو رفع کرتی ہے اوران مقادیر مذکورہ میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مقادیر سے مراد یہاں ان مذکورہ صورتوں میں مقدرات ہیں کیونکہ مذکورہ امثال میں مقادیر سے مراد معدود اور موزون اور مکیل اور مذروع اور مقیس ہی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اشیائے مقدرات میں ابہام موجود ہے لہذا اس کے رفع کرنے کے لئے یہاں تمیز مقدرات مذکور کی آئی ہے۔

وإنما اقتصر المصنف علی الأمثلة الثلثة لأنه کان مطمح نظره التنبیه علی بیان ما یتم به المفرد، وهو التنوین کما فی رطل زیتاً، أو النون کما فی منوان سمناً، أو الإضافة کما فی علی التمرة مثلها زبدا، ولهذا لم یستوف أقسام المقادیر، وکرر بعضها، ومعنی تمام الاسم أن یکون علی حالة لایمکن إضافته معها والاسم مستحیل الإضافة مع التنوین ونونی التثنیة والجمع ومع الإضافة لأن المضاف لا یضاف ثانیا فإذا تم الاسم بهذه الأشیاء شابه الفعل إذا تم بالفاعل وصار به کلاماً تاما فیشابه التمییز الآتی بعده المفعول لوقوعه بعد تمام الاسم کما أن المفعول حقه أن یقع بعد تمام الکلام فینصبه ذلك الاسم التام قبله لمشابهته الفعل التام بفاعله، وهذه الأشیاء إنما قامت مقام الفاعل لکونها فی آخر الاسم کما کان الفاعل عقیب الفعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مقادیر پانچ ہیں اور مصنف کافیہ

نے بعض کوذکر کیا اور بعض کو چھوڑ دیا اور بعض کو مع الأمثلة مکرر ذکر کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ نے اشیائے ثلاثہ کی مثالوں پر اکتفا کر کے بعضے مقادیر کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ مطمح نظر مصنف مقادیر کا بیان نہیں بلکہ اس کے مطمح نظر اس چیز کو بیان کرنا ہے جس سے مفرد مقداری تمام ہو سکے اور وہ تنوین ہے جیسے رطل زیتاً میں ہے۔ یا نون ہے جیسے منوان سمنا میں ہے۔ یا اضافت ہے جیسے علی التمرة مثلها زبداً کی مثال میں ہے اور اسی وجہ سے مصنف کافیہ نے مقادیر کی اقسام کو پورا بیان نہیں کیا اور بعضے کو مکرر لایا ہے اور اسم مفرد مقداری کے تمام ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسی حالت میں ہو جس کے ساتھ اس کی اضافت ممکن نہ ہو اور یہ معلوم ہے کہ اسم، تنوین، نون تثنیہ، جمع اور اضافت کے ساتھ مستحیل الاضافت ہوا کرتا ہے اور اسم کا تنوین، نون تثنیہ اور جمع کے ساتھ مستحیل الاضافت ہونا ظاہر ہے اور اضافت کے ساتھ اس لئے مستحیل الاضافت ہے کہ مضاف دوبارہ مکرر مضاف نہیں ہوتا پس جب اسم مفرد مقداری ان اشیائے مذکورہ سے تمام ہو جائے تو یہ فعل کے مشابہ ہو جائے گا یعنی جس طرح فعل فاعل سے مل کر تمام ہوتا اور کلام تام ہو جاتا ہے اسی طرح وہ تمییز جو اس اسم تام کے بعد آئے گی مفعول کے مشابہ ہو گی کیونکہ جس طرح مفعول فعل کے تمام ہونے کے بعد واقع ہو گی تو جس طرح مفعول کا حق یہ ہے کہ فعل کے فاعل سے تمام ہونے کے بعد منصوب واقع ہوتا ہے اسی طرح یہ تمییز بھی اس اسم کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے اسی طرح یہ اسم تام بھی جو فعل سے مشابہ ہے اس تمییز کو نصب دے گا اور یہ اشیائے مذکورہ فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں کہ جس طرح فاعل فعل کے بعد واقع ہوتا ہے اسی طرح یہ اشیائے مذکورہ بھی اسم کے آخر میں واقع ہوتے ہیں اور اشیائے مذکورہ سے مراد تنوین، نون تثنیہ، جمع اور اضافت ہیں۔

ألا ترى أن لام التعريف الداخلة على أول الاسم وإن كان يتم بها الاسم فلا يضاف معها لا ينتصب التمييز عنه فلا يقال عندي الراقود خلا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفرد مقداری جس طرح اشیائے اربعہ مذکورہ سے تمام ہوتا ہے اسی طرح الف ولام سے بھی تمام ہوتا ہے کیونکہ اسم کے تام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ امور اربعہ مذکورہ کے ساتھ مستحیل الاضافت ہوتا ہے تو جس طرح یہ امور اربعہ مذکورہ کے ساتھ مستحیل الاضافت ہے اسی طرح الف ولام کے ساتھ بھی اس کی اضافت محال ہے پس جب یہ اسم اس اسم کے بعد واقع ہو جو الف ولام سے تمام ہو تو چاہئے کہ یہ منصوب بنا بر تمییز ہو جیسے عندي الراقود خلاً کی مثال میں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ متم سے مراد یہاں مطلق متم نہیں بلکہ وہ متم مراد ہے جو فاعل سے مشابہ ہو اور الف ولام فاعل سے مشابہ نہیں کیونکہ فاعل فعل کے بعد واقع ہوتا ہے اور الف ولام تعریفی اسم پر مقدم ہوتے ہیں لہذا الف ولام سے اگرچہ اسم تمام ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ مضاف نہیں ہوگا اس لئے الف ولام سے تمیز منصوب نہیں آئے گی پس عندی الراقود خلاً کی مثال میں خلاً کا لفظ منصوب بنا بر تمییز نہیں پڑھا جائے گا۔

فیفرد أی التمییز وإن کان الاسم التام مثنی أو مجموعاً۔

یہ اوپر کے قول پر تفریع ہے یا جزائے مقدم شرط مؤخر کی ہے یعنی تمیز مفرد لائی جائے گی اگر چہ اسم تام تثنیہ ہو یا جمع لہذا عندی رطل زیتاً ورطلان زیتاً وأرطال زیتاً پڑھا جائے گا ہر حالت میں مفرد ہی پڑھا جائے گا۔

إن کان أی التمییز۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ کان کا اسم التمییز ہے۔

جنساً وهو ما یتشابه أجزاؤه ویقع مجردا عن التاء علی القلیل والکثیر فلا حاجة إلی تثنیته وجمعه کالماء والتمر والزیت والضرب بخلاف رجل وفرس۔

اس میں شارح جنس کے معنی بتاتے ہیں کہ جنس اس کو کہتے ہیں کہ جس کے اجزا متشابہ یعنی متشارک ہوں یعنی جس طرح جنس کا اطلاق کل پر ہوتا ہے اسی طرح ہر ایک جز پر بھی ہوتا ہے اور یہ جنس تاء سے خالی اور مجرد واقع ہوگا اور اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے لہذا اس کے تثنیہ اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ جنس کی امثال ماء، تمر، زیت اور ضرب کے الفاظ ہیں کہ یہ قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتے ہیں۔ بخلاف رجل اور فرس کے کہ یہ الفاظ اسمائے اجناس ہیں جنس نہیں۔ اور فرق درمیان جنس اور اسم جنس کے یہ ہے کہ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور اسم جنس کا اطلاق صرف واحد پر ہوتا ہے جیسے رجل اور فرس کے الفاظ ہیں۔

إلا أن تقصد الأنواع أی ما فوق النوع الواحد فیشمل المثنی أیضاً لأنه لا یدل لفظ الجنس مفردا علیها فلا بد من أن یثنی أو یجمع۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب دو نوعین مقصود ہوں تو اس صورت میں بھی تثنیہ اور جمع میں مطابقت ضروری ہے لہذا انواع بصیغہ جمع ذکر کرنا درست نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں انواع سے مراد جمع نہیں بلکہ مافوق الواحد ہے پس اس تقدیر پر یہ

تثنیہ کو بھی شامل ہوا اور اگر مقصود انواع ہوں تو اس صورت میں تمیز کا تثنیہ کے لئے تثنیہ اور جمع کے لئے جمع کر دینا اس لئے ضروری ہے کہ جنس کا لفظ اس وقت کہ مفرد نہ ہو انواع پر دلالت نہیں کر سکتا، لہذا ضروری اور لازمی ہے کہ اس کو تثنیہ کے لئے تثنیہ اور جمع کے لئے جمع کر دیا جائے۔

قیل: وفی تخصیص قصد الأنواع بالاستثناء نظر لأنه كما جاز أن يقال طاب زيد جِلستين للنوع جاز أن يقال طاب زيد جَلستين للعدد۔

یہ اوپر إلا أن تقصد الأنواع کی عبارت پر ایک سوال ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ تمیز جس طرح قصد انواع کی بنا پر تثنیہ اور جمع ہوتی ہے اسی طرح قصد اعداد کی بنا پر بھی تثنیہ اور جمع ہو کر آتی ہے پس مصنف نے قصد انواع کو استثنا کے لئے کیوں خاص کیا اور اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیونکہ جس طرح طاب زید جلستین نوع کے لئے پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح طاب زید جلستین عدد کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

ويمكن أن يجاب عنه بأن المراد بالأنواع حصص الجنس سواء كانت بالخصوصيات الكلية أو الشخصية۔

یہ اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یہاں انواع سے مراد جنس کے حصص ہیں خواہ وہ خصوصیات کلیہ ہوں یا شخصیہ لہذا اب اس تقدیر پر قصد انواع کی استثنا کی تخصیص صحیح اور درست ہوئی۔

ويجمع أى يورد التمييز على ما فوق الواحد جوازاً حيث لم يقصد الواحد۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یجمع کا فاعل التمیز ہے اور یہاں بھی جمع سے مراد مافوق الواحد ہے یعنی اگر مقصود واحد ہو تو تمیز مافوق الواحد کر کے لائے جائے گی یعنی تثنیہ اور جمع کی لائی جائے گی۔

في غيره أى في غير الجنس نحو عندي عِدلٌ ثوبين أو أثواباً۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ غیرہ کی ضمیر مجرور جنس کی طرف راجع ہے یعنی اگر تمیز سے جنس مقصود نہ ہو تو اس صورت میں تمیز تثنیہ و جمع لائی جائے گی جیسے مثال مذکور میں ثوبین اور أثوابا کے الفاظ ہیں۔

ثم إن كان أى المفرد المقدار تاما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سیاق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ کان کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے جس کی تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اگر تمیز متلبس بتوین یا

متلبس بنون تثنیہ اور جمع ہو تو اس صورت میں اس کی اضافت جائز ہوگی اور یہ معنی درست نہیں کیونکہ اس تقدیر پر خروج بحث سے لازم آتا ہے کیونکہ بحث مفرد مقداری کی تنوین کی ہے تمییز کی تنوین کی نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کـــان کی ضمیر مفرد مقداری کی طرف راجع ہے، تمییز کی طرف نہیں۔ لہذا خروج بحث سے لازم نہیں آیا۔ لیکن یہ سیاق کلام کے مخالف ہے۔

بتنوين أو بنون التثنية أو المعنى إن وجد التمييز متلبسا بتنوين المفرد أو بالنون التي للتثنية فإنه لما تم الاسم بهما اقتضى التمييز۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ چونکہ کان کی ضمیر مفرد مقداری کی طرف راجع کر دینے کی صورت میں سیاق کلام کے مخالف ہوتی ہے اس لئے اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ اس کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ اگر تمییز متلبس بتنوین مفرد، متلبس بنون تثنیہ ہو تو اس تقدیر پر جب اسم کی تمامیت تنوین مفرد اور نون تثنیہ سے مانی جائے تو یہ اسم اس وقت تمییز کو ضرور بالضرور چاہے گا گویا اس صورت میں تمییز حکماً متلبس بتنوین مفرد اور متلبس بنون تثنیہ ہوگی اس جواب کی بنا پر کـــان کی ضمیر تمییز کی طرف راجع ہوگی اور یہ کان تامہ ہے۔

جازت الإضافة أي إضافة المفرد المقدار إلى التمييز إضافةً بيانيةً بإسقاط التنوين ونون التثنية جوازاً شائعاً كثيراً لحصول الغرض وهو رفع الإبهام بذلك مع التخفيف نحو رطل زيتٍ ومنوا سمنٍ۔

یعنی اگر مفرد مقداری اسم تنوین یا نون تثنیہ سے تمام ہو تو اس صورت میں اس کی اضافت تمییز کی طرف جائز ہے لیکن یہ اضافت بیانیہ ہوگی اور اس کی اضافت کی صورت یہ ہے کہ اس کی تنوین اور نون تثنیہ کو ساقط کر دیا جائے کیونکہ اضافت کے ساتھ تنوین اور نون تثنیہ جمع نہیں ہو سکتا اور یہ اضافت استعمال میں جائز اور بہت شائع ہے کیونکہ اس اضافت سے بھی وہ غرض جو رفع ابہام ہے حاصل ہوتی ہے علاوہ ازیں اس کے ساتھ لفظ میں تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے جیسے امثلہ مذکورہ میں موجود ہے۔

وإلا أي وإن لم يكن بتنوين أو بنون التثنية بأن يكون بنون الجمع أو الإضافة۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ ثم إن كان بتنوين الخ کے جملہ پر عطف اور اسی سے استثنا

ہے یعنی اگر وہ مفرد مقداری تام بتنوین اور نون تثنیہ نہ ہو بلکہ تام بنون جمع یا اضافت ہو تو اس صورت میں اس کی اضافت تمییز کی طرف درست نہ ہوگی۔

فلا تجوز الإضافة إلا بقِلَّة في نون الجمع نحو عشرو درهمٍ، أما في الإضافة فلئلا تلزم إضافة المضاف، وأما في نون الجمع فلأنه جاز أن يضاف إلى غير المميز نحو عشريك وعشري رمضان بالاتفاق لكثرة الحاجة إليه فلو أضيف إلى المميز لزم الالتباس في بعض الصور؛ لأنه لا يعلم مثلا عند إضافة عشرين إلى رمضان أنه أراد عشرين رمضان أو أراد اليوم العشرين من رمضان، فلا يضاف في غير صورة الالتباس أيضاً إلا على قلة ليكون الباب أقرب إلى الاطراد۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فلا کا منفی فعل تجوز مقدر ہے یعنی اگر وہ مفرد مقداری تام بتنوین اور نون تثنیہ نہ ہو اس تقدیر پر اس کی اضافت تمییز کی طرف جائز نہیں مگر نون جمع کے ساتھ قلت کے ساتھ جائز ہے جیسے عشر درهم میں ہے اور اضافت کے ساتھ اس کی اضافت اس لئے جائز نہیں کہ اس سے مضاف کا دوبارہ مکرر مضاف ہونا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے اور نون جمع کی صورت میں اضافت درست اس لئے نہیں کہ جائز ہے کہ یہ مفرد مقداری غیر تمییز کی طرف مضاف ہو جیسے عشريك اور عشري رمضان کی امثال میں بالاتفاق اضافت غیر تمییز کی طرف ہوئی ہے کیونکہ اکثر غیر تمییز کی طرف بھی اضافت کی ضرورت ہوتی ہے پس اگر ایسی صورت میں تمییز کی طرف اضافت ہو جائے تو اس سے بعض صورتوں میں التباس لازم آجائے گا کیونکہ مثلاً عشرين کی اضافت رمضان کی طرف ہو تو اس سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس سے مراد عشرين رمضان ہیں یا رمضان المبارک کے عشرين ايام ہیں۔ لہذا اس التباس کی بنا پر اس کی اضافت صورت غیر التباس میں بھی جائز نہیں ہوگی سوائے اسی قلت کی صورت کے جس کی مثال اوپر مذکور ہو چکی ہے اور صورت غیر التباس میں اس کی اضافت اس لئے جائز نہیں کہ باب کا اطراد سے قرب حاصل ہو یعنی صورت غیر التباس میں یہ عدم جواز اضافت طرد اًللباب ہے۔

وعن غير مقدار عطف على قوله عن مفرد مقدار أي الأول كما يرفع الإبهام عن مفرد مقدار كذلك يرفعه عن مفرد غير مقدار أي ما ليس بعدد ولا وزن ولا ذراع ولا كيل ولا مقياس۔

یعنی یہ عــن مفرد مقدار کے قول پر عطف ہے یعنی جس طرح اول متم تمیز مفرد مقداری کے ابہام کو رفع کرتی ہے اسی طرح مفرد غیر مقداری کے ابہام کو بھی رفع کرے گی اور مفرد غیر مقداری اس کو کہتے ہیں جو کہ عدد، وزن، ذراع اور کیل اور مقیاس نہ ہو۔ یہ چیزیں مقداری ہیں۔

نحو: خاتم حديداً فإن الخاتم مبهم باعتبار الجنس تام بالتنوين فاقتضى تمييزاً۔

اس میں مفرد غیر مقداری کی مثال ہے اس میں خــاتـم کا لفظ مفرد غیر مقداری باعتبار جنس کے مبہم تام بالتنوین ہے اس لئے یہ تمیز کو چاہتا ہے یعنی یہ معلوم نہیں تھا کہ خــاتـم کس چیز کا ہے حــديداً کے لفظ نے اس کے اس ابہام کو رفع کردیا۔

والخفض أى خفض التمييز بإضافة غير المقدار إليه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے خـفـض کے لفظ کا مضاف الیہ تـمـیـیـز کا لفظ محذوف ہے اور محذوف کے عوض میں مضاف پر الف ولام داخل کردیا ہے۔

أكثر استعمالا لحصول الغرض مع الخفة ولقصور غير المقدار عن طلب التمييز لأن الأصل فى المبهمات المقادير وغيرها ليس بهذه المثابة۔

یعنی تمیز کا مجرور ہونا بھی باعتبار اضافت مفرد غیر مقداری کے بہت مستعمل ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں بھی وہی غرض جو رفع ابہام ہے مع صفت حاصل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں مفرد غیر مقداری تمیز کی طلب سے قاصر ہے اس لئے کہ مبہمات میں اصل مقادیر ہیں اور غیر مقادیر اس درجہ کے نہیں ہیں یعنی جب مفرد غیر مقداری کی اضافت تمیز کی طرف کی جائے گی تو اس میں جر اکثر مستعمل ہوگا کیونکہ مفرد غیر مقداری تمیز کی طلب سے قاصر ہے لہذا تمیز کا منصوب ہونا ضروری نہیں ہوگا۔

والثانى أى القسم الثانى من التمييز وهو ما يرفع الإبهام عن ذاتٍ مقدرة يرفعه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الثـانـی کا لفظ ترکیب میں صفت ہے اور یہ معلوم ہے کہ صفت بلا موصوف کے نہیں ہوتی ہے اور یہاں صفت موجود ہے اور موصوف ندارد، لہذا مصنف کی عبارت میں نقص واقع ہوا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس صفت کا موصوف قســـم کا لفظ محذوف ہے لہذا مصنف کی عبارت نقص

سے مبرا ثابت ہوئی یعنی قسم ثانی تمیز کی وہ ہے جو کہ ذات مقدرہ کے ابہام کو رفع کرے۔

عن نسبة كان الظاهر أن يقول عن ذات مقدرة فى نسبةٍ فى جملة لكن لما كان الإبهام فى طرف النسبة يستلزم الإبهام فيها ورفعه عنها يستلزم الرفع عنه قال عن نسبة مقتصراً عليها تنبيهاً على أن مقابلة ما فى هذا القسم للمفرد المذكور فى القسم الأول إنما هى بمجرد النسبة لا غير۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں درمیان اجمال اور تفصیل کے مخالفت لازم آئی کیونکہ اجمال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم ثانی تمیز کی وہ ہے جو ذات مقدرہ کے ابہام کو رفع کرے اور تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم ثانی تمیز کی وہ ہے جو جملہ اور شبہ جملہ کے ابہام کو رفع کرے اور یہ معلوم ہے کہ درمیان اجمال اور تفصیل کے مطابقت ضروری اور لازمی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر چہ ظاہر یہی ہے کہ رفع الإبهام عن ذات مقدرة فى نسبةٍ فى جملة کہتے لیکن چونکہ نسبت کی طرف کا ابہام نفس نسبت کے ابہام کو بھی مستلزم ہے اس لئے مصنف نے نسبت پر اقتصار کر کے عن نسبةٍ کہہ دیا اس سے اس بات پر تنبیہ کی کہ مقابلہ تمیز کی ہر دو قسموں کے درمیان باعتبار تقدیر ذات اور تذکیر کے نہیں بلکہ باعتبار ذات اور نسبت کے ہے پس اگر تمیز رافع ابہام ذات ہو تو یہ قسم اول ہے خواہ ذات مذکور ہو جیسے رطل زيتا میں ہے خواہ مقدر جیسے نعم رجلاً میں ہے اور اگر تمیز رافع ابہام نسبت ہو تو قسم ثانی ہے خواہ ذات مذکور ہو جیسے طاب زيد نفساً میں ہے خواہ مقدر ہو جیسے طاب زيد أباً میں ہے۔

فى جملة أى نسبة كائنة فى جملة **أو ما ضاهاها** أى ما شابهها عطف على جملة وهو اسم الفاعل نحو الحوض ممتلى ماء أو اسم المفعول نحو الأرض مفجرة عيوناً أو الصفة المشبهة نحو زيد حسن وجهاً أو اسم التفضيل نحو زيد أفضل أباً أو المصدر نحو أعجبنى طيبه أبا وكذا كل ما فيه معنى الفعل نحو حسبك زيد رجلاً۔

یعنی تمیز کی ثانی قسم وہ ہے جو ذات مقدرہ کے اس ابہام کو رفع کرے جو جملہ یا شبہ جملہ میں نسبت سے پیدا ہوا ہو اور ما ضاهاها کا جملہ فى جملة کے لفظ پر عطف ہے جس کے معنی مشابہت کے ہیں اور شبہ جملہ فعل کے جملہ مشتقات کو کہتے ہیں جیسے اسم فاعل ہے جس کی مثال مذکور ہے۔ یا اسم مفعول اس کی مثال بھی شرح میں شارح نے ذکر کی

ہے۔ یا صفت مشبہ اس کی بھی مثال شرح میں موجود ہے۔ یا اسم تفضیل ہے جس کی مثال شارح نے دی ہے۔ یا مصدر ہے اس کی مثال بھی شارح نے ذکر کی ہے اور اسی طرح جس میں فعل کے معنی پائے جائیں وہ بھی شبہ جملہ کہلاتا ہے جیسے حسبك زيد رجلاً میں ہے۔ یہ سب شبہ جملے ہیں ان جملوں میں جو نسبت ہے اس سے ابہام پیدا ہوا، اس کے رفع کرنے کے لئے تمیز آئی ہے اور یہ نسبت والی تمیز باعتبار منتصب عنہ کے تین قسموں پر منقسم ہے، اول وہ جو منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو۔ ثانی وہ جو منتصب عنہ کے متعلق سے خاص ہو۔ ثالث وہ جو دونوں کی صلاحیت رکھے۔

نحو: طاب زيد نفساً مثال للجملة والتمييز فيه خاص بالمنتصب عنه۔

یہ جملہ کی مثال ہے اور تمیز اس میں منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے یعنی یہاں نفس سے مراد خاص زید کا نفس ہے، کسی دوسرے شخص کا نفس مراد نہیں ہے۔

وزيد طيب اباً مثال لما يشبه الجملة والتمييز فبه يصلح أن يكون لما انتصب عنه ولمتعلقه۔

یہ شبہ جملہ کی مثال ہے اور تمیز اس میں منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے صلاحیت رکھتی ہے یعنی اباً سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ عین زید ہو اور یہ بھی کہ زید کا باپ مراد ہو۔

وحيث لا فرق في التمييز بين الجملة وما ضاهاها فهذان المثالان في قوة أربعة أمثلةٍ فكأنه قال: طاب زيد وزيد طيب نفساً وأباً فقوله:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مثال اول میں تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور ثانی مثال میں منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے صلاحیت رکھتی ہے تو اس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نفس جملہ کے ساتھ خاص ہے اور اب شبہ جملہ سے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تمیز میں درمیان ان دو مثالوں کے کچھ بھی فرق نہیں کیونکہ تمیز جس طرح جملہ میں جاری ہوتی ہے اسی طرح شبہ جملہ میں بھی جاری ہوتی ہے اور شبہ جملہ کی تمیز جس طرح شبہ جملہ میں جاری ہوتی ہے اسی طرح جملہ میں بھی جاری کی جاسکتی ہے لہذا اس تقدیر پر یہ دو مثالیں چار مثالوں کی قوت میں ہیں گویا مصنف نے طاب زيد وزيد طيب نفساً وأباً کہہ دیا ہے پس اس تقدیر کی بنا پر مصنف کا یہ آگے قول بحسب معنی نفساً وأباً کے الفاظ پر عطف ہے۔

وأبوةً وداراً وعلما عطف على نفساً وأباً بحسب المعنى فهو ناظر إلى كل من المثالين المذكورين غير مختص بالأخير فهو بحسب الحقيقة أورد لكل من التميز الواقع في الجملة أو ماضاهاها خمسة أمثلة فالنفس عين غير إضافي خاص بالمنتصب عنه، والدار عين غير إضافي وهو متعلق بالمنتصب عنه، والأب عين إضافي محتمل لهما، والأبوة عرض إضافي، والعلم عرض غير إضافي، وكل واحد منهما متعلق بالمنتصب عنه:

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کی غرض سے لائی جاتی ہے اور ممثل کی توضیح ایک ہی مثال سے ہوسکتی ہے پس امثال کے تعدد کی کیا حاجت اور کیا ضرورت ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تعدد امثال باعتبار تعدد ممثلات کے ہوتا ہے، یہاں ممثلات متعدد ہیں، اس لئے تعدد امثال کی ضرورت پڑی یعنی یہ أبوةً اور داراً اور علماً کے الفاظ نفساً اور اباً کے الفاظ پر عطف ہے لیکن یہ عطف باعتبار معنی کے ہے، باعتبار لفظ کے نہیں کیونکہ باعتبار لفظ کے صرف أباً کے لفظ پر مانا جائے گا اور یہ الفاظ مذکورہ مثالیں مذکورین میں سے ہر ایک مثال کے لئے مثال بن سکتے ہیں آخری مثال کے ساتھ اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ پس گویا مصنف کافیہ نے جملہ اور شبہ جملہ کے ہر ایک کی تمیز کے لئے پانچ مثالیں وارد کی ہیں اور نسبت کی تمیز کی چار قسمیں ہیں: اول عین اضافی۔ دوم عین غیر اضافی۔ سوم عرض اضافی۔ چہارم عرض غیر اضافی۔

پس نفس عین غیر اضافی منتصب عنہ سے خاص ہے اور عین غیر اضافی اس کو کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں غیر کی طرف اضافت معتبر نہ ہو جیسے نفس و دار ہے اور دار عین غیر اضافی منتصب عنہ سے متعلق ہے اور اب عین اضافی منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کا محتمل ہے اور عین اضافی اس کو کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں غیر کی طرف اضافت معتبر ہو جیسے أب ہے۔ اور أبوة عرض اضافی ہے اور عرض اضافی وہ ہے جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں غیر کی طرف اضافت معتبر ہو جیسے ابوة ہے اور علم عرض غیر اضافی ہے اور عرض غیر اضافی اس کو کہتے ہیں جو قائم مقام بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت غیر کی معتبر نہ ہو جیسے علم ہے اور عرض اضافی اور غیر اضافی دونوں منتصب عنہ سے متعلق ہوتے ہیں۔

أو في إضافة عطف على قوله في جملة أو ما ضاهاها۔

یہ في جملة وماضاهاها کے اوپر عطف ہے یعنی ثانی قسم تمیز کی وہ ہے جو ذات مقدرہ کے ابہام کو رفع

کرے خواہ وہ ابہام جملہ یا شبہ جملہ کی نسبت سے پیدا ہوا ہو خواہ اضافت سے۔

مثل: يعجبني طيبه نفساً وتركه لأنه أظهر التمييزات ولا خفاء به۔

یہ اضافت کی مثال ہے طیب کے لفظ کی اضافت سے ابہام پیدا ہوا ہے اس کو نفساً کے لفظ نے رفع کیا ہے اور مصنف کافیہ نے یہاں نفساً کا لفظ مثال میں اس لئے ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ اظهر التمييزات ہے اس کے سمجھنے میں کوئی خفا نہیں ہے۔

وأباً وأبوة وداراً وعلماً أورد هذه الأمثلة على وفق ما سبق وزاد عليه قوله:

یعنی مصنف نے یہ مثالیں مطابق ماسبق کے وارد کی ہیں صرف اس پر ولله دره فارساً کے قول کو مزید بڑھایا ہے۔ ماسبق پر یہ سب مثالیں غور کر کے چسپاں کر دینی چاہئیں اوپر خوب تشریح ہو چکی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ولله دره فارساً إشارة إلى أن التمييز قد يكون صفة مشتقة۔

اس کے بڑھانے سے مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل کی توضیح کے لئے لائی جاتی ہے اور توضیح ایک ہی مثال سے ہو سکتی ہے لہذا دو مثالوں کا لانا بیکار اور بے ضرورت ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کافیہ نے دو مثالیں اس لئے ذکر کی ہیں کہ اس سے اس بات پر تنبیہ اور اشارہ کیا ہے کہ یہ تمیز نسبتی جس طرح جامد ہوتی ہے اسی طرح صفت مشتقی بھی ہوتی ہے۔

وأيضاً لما أورده صاحب المفصل مثالاً لتمييز المفرد على أن يكون الضمير فيه مبهما كضمير ربه رجلاً ويكون فارساً تمييزا عنه أراد أن ينبه على أنه يصلح أن يكون تمييزاً عن نسبة على أن يكون الضمير فيه معيناً معلوما والإبهام يكون في نسبة الدر إليه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صاحب مفصل نے اس مثال کو اول قسم کے لئے ذکر کیا ہے اور مصنف کافیہ نے صاحب مفصل کی مخالفت کر کے اس کو قسم ثانی کی مثال ٹھہرائی ہے، باوجود اس کے کہ مصنف کی کتاب کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے لہذا اس مخالفت کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہئے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے کہ جس طرح مصنف نے اس مثال مذکور کو تمیز کی قسم ثانی کے لئے ذکر کیا ہے، اسی طرح صاحب مفصل نے بھی اس کو قسم اول تمیز مفرد مقداری کی مثال ٹھہرائی ہے لیکن صاحب مفصل نے

یہ خیال کیا ہے کہ جس طرح ربہ رجلا کی ترکیب میں ربہ کی ضمیر مبہم ہے اور رجلاً اس کے ابہام کو رفع کرنے کے لئے تمیز منصوب آئی ہے اسی طرح مثال مذکور میں درہ کی ضمیر مبہم ہے اور فارساً اس کے ابہام کو رفع کرنے کے لئے تمیز آئی ہے اور اس مثال کے لانے سے مقصد مصنف کافیہ کا یہ ہے کہ اس مثال میں تمیز فارساً کا لفظ بنا بر معلومیت ضمیر درہ کی نسبت سے بھی تمیز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ابہام صرف در کی نسبت کی بنا پر ہے یعنی درہ کی ضمیر دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگی۔ معلوم کی طرف ہوگی یا غیر معلوم کی طرف۔ اگر معلوم کی طرف ہو تو اس صورت میں تمیز رافع نسبت در کے ہوگی لہذا اس تقدیر پر یہ قسم ثانی کی مثال ہوگی جیسا کہ مصنف کا مذہب ہے۔ اور اگر غیر معلوم ہو تو اس صورت میں تمیز صرف ضمیر درہ کے ابہام کا رفع کرے گی لہذا اس تقدیر پر یہ تمیز کی قسم اول مثال ٹھہرے گی۔ گویا صاحب مفصل نے درہ کی ضمیر کے ابہام کو مدنظر رکھ کر اس کو قسم اول کی مثال بنایا ہے اور مصنف کافیہ نے درہ کی ضمیر کی معلومیت پر غور کر کے اس کو قسم ثانی کی مثال ٹھہرایا ہے لہذا مصنف کافیہ نے جو صاحب مفصل کی مخالفت کی ہے اس کی معقول وجہ یہ ہوئی جس کو تشریح کے ساتھ فقیر نے بیان کیا۔

والدر فی الأصل اللبن وفیه خیر کثیر للعربِ فأرید به الخیر أی لله خیره فارساً والفارس اسم الفاعل من الفراسة بالفتح مصدر فرس بالضم أی حذق بأمر الخیل وأما الفراسة بالکسر فمن التفرس۔

اس سے شارح کا مقصد در اور فارس کے الفاظ کی لغوی تحقیق کرنا ہے یعنی در لغت میں دودھ کو کہتے ہیں چونکہ دودھ میں عرب کے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں اس لئے اس سے یہاں مجازاً خیر کثیر مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے فارس ہونے کا خیر کثیر ملے گا اور فارس بصیغہ اسم فاعل فراسة بالفتح سے ماخوذ ہے جو فرس بالضم کے مصدر مانا گیا ہے جس کے معنی اس شخص کے ہیں جو گھوڑوں کے امر کا حاذق اور ہوشیار ہو اور اگر اس کو فراسة بالکسر سے ماخوذ مانا جائے تو اس صورت میں یہ تفرس سے ہوگا جس کے معنی عقلمندی کے ہوں گے۔

ثم إن کان ای التمییز بعد ما لم یکن نصا فی المنتصب عنه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ طاب زید نفساً کی ترکیب کے نفساً کے لفظ سے منقوض ہے کیونکہ یہ اسم ذاتی ہے اور منتصب عنہ کے لئے اس کا ٹھہرانا بھی درست ہے اور باوجود اس کے اس کا منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے واسطے ٹھہرانا جائز نہیں بلکہ یہ

منتصب عنہ ساتھ کے خاص ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد اسم ذاتی سے یہاں وہ ہے جس کا منتصب عنہ کے لئے ٹھہرانا درست ہو اور اس کی منتصب عنہ کے واسطے خصوصیت بھی نہ ہو اور مثال مذکور میں نفس کا لفظ منتصب عنہ کے لئے خاص ہے اس لئے منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے واسطے اس کا مقرر کرنا جائز نہیں لہذا قاعدہ کلیہ مصنف کا درست ثابت ہوا یعنی اگر تمیز منتصب عنہ کے لئے نص نہ ہو اور وہ اسم ذاتی ہو، صفتی نہ ہو تو اس صورت میں اس کا منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے مقرر کرنا جائز ہے۔

اسما لا صفة۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ اسم سے یہاں یہ مراد وہ اسم ہے جو مقابل صفت کے ہو، نہ کہ وہ اسم جو مقابل فعل اور حرف کے ہو۔

یصح جعله لما انتصب عنه والمراد بجعله له إطلاقه عليه والتعبير به عنه۔

یعنی اس اسم ذاتی کے منتصب عنہ کے لئے گردانے سے مراد اس کا اس پر اطلاق اور تعبیر کا درست ہونا ہے یعنی اس کا منتصب عنہ پر اطلاق ہو سکے اور اس کی تعبیر بھی اس سے صحیح ہو۔

جاز أن يكون ذلك التمييز تارة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یکون کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے۔

له أي للمنتصب عنه بأن يكون تمييزاً يرفع الابهام عنه وتارة۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ لہ کی ضمیر مجرور منتصب عنہ کی طرف راجع ہے یعنی صورت مذکورہ میں جائز ہے کہ وہ اسم کبھی منتصب عنہ کے لئے ہو، اس طرح کہ یہ اس سے تمیز واقع ہو اور اس کے ابہام کو رفع کرے اور کبھی اس کے متعلق کے لئے ہو۔

لمتعلقه بأن يكون تمييزاً يرفع الإبهام عن متعلقه وذلك بحسب القرائن والأحوال مثل: أبا في طاب زيد أبا، فإنه يصح أن يجعل عبارةً عن زيد فجاز أن يكون تارةً تمييزاً عن زيد إذا أريد إسناد الطيب إليه باعتبار أنه أبو عمرو، وجاز أن يكون تارةً تمييزاً عن متعلقه باعتبار أن الطيب مسند إلى متعلقه وهو أبوه۔

یعنی اس اسم کے منصب عنہ کے متعلق کے لئے ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم ذاتی تمییز واقع ہو اور منصب عنہ کے متعلق سے ابہام کو رفع کرے اور اس اسم کا کبھی منصب عنہ کے لئے ہونا اور کبھی اس کے متعلق کے لئے ہونا بحسب احوال وقرائن کے ہوگا مثلاً طاب زید اباً کی ترکیب میں اباً کا لفظ صحیح ہے کہ زید کی ذات ہی سے عبارت کر دیا جائے پس اس صورت میں یہ لفظ زید سے تمییز واقع ہوگی یہ اس اعتبار سے کہ طیب کی نسبت زید کی طرف مانی جائے اور زید کو عمرو کا باپ ٹھہرایا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو زید کے متعلق یعنی اس کے باپ سے تمییز مانی جائے۔ اس اعتبار سے کہ طیب زید کے متعلق کی طرف مسند کر دیا جائے اور یہاں مثال مذکور میں زید کا متعلق اس کا باپ ہے۔

وإلا أي وإن لم يكن التمييز بعد ما لم يكن نصا في المنتصب عنه اسماً يصح جعله لما انتصب عنه۔

اس سے صرف شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ وإلا کا لفظ ثم إن كان الخ کے جملہ سے استثناء ہے اور اسی پر عطف ہے یعنی اگر تمییز ایسا اسم نہ ہو جس کا منصب عنہ کے لئے ٹھہرانا درست ہو تو وہ اس صورت میں منصب عنہ کے متعلق کے لئے خاص مانا جائے گا۔

فهو لمتعلقه خاصة نحو: طاب زيد أبوة وعلما ودارا، فإن هذه الأسماء ليست نصاً في المنتصب عنه ولا يصح جعلها له بالتعبير عنه بها فهي لمتعلق زيد وهو الذات المقدرة أعني الشيء المنسوب إلى زيد۔

یعنی اگر تمییز ایسا اسم نہ ہو جس کا منصب عنہ کے لئے ٹھہرانا جائز ہو سکے تو اس صورت میں وہ خاص کر منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص مانا جائے گا جیسے امثال مذکورہ میں ابوۃً اور علماً اور داراً کے الفاظ ہیں کہ یہ الفاظ نہ منصب عنہ کے لئے خاص ہیں اور نہ منصب عنہ کے لئے ان کا مقرر کرنا صحیح اور درست ہے اس طرح کہ ان الفاظ کے ساتھ تمییز سے تعبیر کی جائے لہذا یہ الفاظ مذکورہ زید کے متعلق کے لئے مانے جائیں گے اور زید کا متعلق یہاں امثال مذکورہ میں ذات مقدرہ یعنی وہ شیء منسوب الی زید ہے۔

فيطابق التمييز۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فیطابق کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے۔

فيهما أي فيما جاز أن يكون لما انتصب عنه سواء كان نصاً فيه أو محتملا له

ولمتعلقه وفیما تعین لمتعلقه۔

اس میں شارح صرف فیھما کا مرجع بتاتے ہیں کہ اس کا مرجع ایک وہ تمییز ہے جس کا منصب عنہ کے لئے ٹھہرانا جائز ہو خواہ وہ منصب عنہ کے لئے خاص ہو خواہ منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے محتمل ہو اور دوسرا وہ تمییز ہے جو منصب عنہ کے متعلق کے لئے معین اور خاص ہو۔

ما قصد من وحدة التمییز أو تثنیته أو جمعیته سواء کان لموافقة ما انتصب عنه مثل: طاب زید أبا، والزیدان أبوین، والزیدون آباء، أو لمعنی فی نفسه مثل قولك: طاب زید أبا إذا أردت أبا له فقط، وطاب زید أبوین إذا أردت أبا وجداً له، وطاب زید آباءً إذا أردت آباءً وأجداداً له، فعلی کل من التقدیرین إذا قصدت وحدة التمییز أورد مفرداً، و إذا قصدت تثنیته أورد تثنیة، وإذا قصدت جمعیته أورد جمعاً، فإن صیغة المفرد لا تصلح أن تطلق علی المثنی والمجموع۔

یعنی اوپر مذکورہ دونوں صورتوں میں تمییز اپنے ممیز کی وحدت اور تثنیہ اور جمع ہونے میں مطابق ہوگی یعنی اگر ممیز مفرد ہوگا تو یہ تمییز بھی مفرد لائی جائے گی اور اگر ممیز تثنیہ ہوگا تو تمییز بھی تثنیہ لایا جائے گا اور اگر ممیز جمع ہوگا تو تمییز بھی جمع لائے جائے گی اور تمییز کا ممیز کے ساتھ وحدت، تثنیہ اور جمع ہونے میں مطابقت عام ہے خواہ منصب عنہ کی موافقت سے ہو جیسے امثال مذکورہ بالا میں موجود ہے، خواہ منصب عنہ کے ذاتی معنی سے ہو جیسے طاب زید أبا کی ترکیب میں أبا کا لفظ ہے کہ اس میں اگر زید کا صرف ایک باپ مراد ہو تو أبا بصیغہ مفرد پڑھا جائے گا اور اگر باپ اور ایک دادا مراد ہو تو اس صورت میں طاب زید أبوین تمییز بصیغہ تثنیہ استعمال کی جائے گی اور اگر باپ اور اجداد مراد ہوں تو اس تقدیر پر طاب زید آباءً پڑھیں گے لہذا ان دونوں تقدیروں پر یعنی خواہ افراد اور تثنیت اور جمعیت تمییز کی باعتبار موافقت منصب عنہ کے ہو خواہ باعتبار منصب عنہ کے ذاتی معنی کے ہو دونوں تقدیروں کی بنا پر اگر تمییز کی وحدت مراد ہو تو مفرد لائی جائے گی اور اگر اس کا تثنیہ لانا مقصود ہو تو تثنیہ لایا جائے گا اور اگر اس کی جمعیت مقصود ہو تو بصیغہ جمع لائی جائے گی کیونکہ صیغہ مفرد کا تثنیہ اور جمع پر اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

إلا إذا کان التمییز۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کان کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے۔

جنساً يقع على القليل والكثير فإنه إذا قصدت تثنيته أوجمعيته لا يلزم أن يثنى ذلك الجنس أو يجمع بل يكفي أن يؤتى به مفردا لصحة إطلاقه على القليل والكثير فلا حاجة إلى تثنيته وجمعه نحو طاب زيد علما والزيدان علما والزيدون علما۔

اس میں شارح جنس کے اطلاقی معنی بتاتے ہیں کہ جنس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتا ہو یعنی اگر تمییز جنس ہو تو اس صورت میں اس کا تثنیہ اور جمع کرنا لازم نہیں کیونکہ اس کا قلیل اور کثیر دونوں پر اطلاق ہوتا ہے پس اگر تثنیہ یا جمع کرنا مقصود ہو تو اس کی جمعیت اور تثنیہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس کا مفرد ہی ذکر کرنا کافی ہے چونکہ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے اس لئے اس کی جمع اور تثنیہ کرنے کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے جیسے امثال مذکورہ فی الشرح سے واضح اور ظاہر ہے، خوب غور کر کے سمجھ لو۔

إلا أن يقصد بالتمييز الذى هو الجنس الأنواع من حيث امتيازاتها النوعية فإنه لا بد حينئذ من تثنيته أو جمعه نحو: طاب الزيدان علمين والزيدون علوماً إذا أريد أن متعلق الطيب من كل من الزيدَين أو الزيدِين نوع آخر من العلم فإن صيغة المفرد لا تفيد ذلك المعنى۔

یعنی اگر اس تمییز جنسی سے مقصود انواع ہوں اور انواع کی تمییز ٹھہرانے سے مقصود انواع کے امتیاز نوعیہ ہو تو اس صورت میں تمییز کا تثنیہ اور جمع کر دینا ضروری اور لازمی ہے جیسے امثال مذکورہ فی الشرح میں موجود ہے لیکن یہ جب ہوگا جب کہ زیدین بصیغہ تثنیہ یا زیدین بصیغہ جمع کے متعلق طیب سے مراد دوسرا نوع علم کا ہو کیونکہ صیغہ مفرد اس معنی کا فائدہ نہیں دے سکتا ہے یعنی مثلاً علم کے انواع جیسے فقہ، اصول، منطق، ریاضی، فلسفہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم مراد ہوں تو جب تمییز کے تثنیہ اور جمع کر دینے کی ضرورت ہوگی۔

وإن كان أى التمييز۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ کان کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے۔

صفة مشتقة مثل لله دره فارساً۔

یعنی اگر تمییز صفت مشتق ہو تو اس صورت میں یہ صفت مشتق خاص منصب عنہ کے ہوگی۔

أو مؤولة بها نحو كفى زيد رجلا فإن معناه كاملا فى الرجولية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کفی زید رجلاً کی

ترکیب سے منقوض ہے کیونکہ اس میں تمیز اسم جامد ہے اور باوجود اسکے یہ منتصب عنہ سے خاص ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مشتقی عام ہے خواہ صریحی ہو جیسے للّٰہ درہ فارسا کی مثال میں ہے خواہ تاویلی ہو جیسے اس مثال مذکور بالا میں ہے لہذا رجلا کا لفظ اگر چہ صریحی مشتق نہیں لیکن تاویلی مشتق ہے کیونکہ اس کے معنی کامل فی الرجولیت کے ہیں۔

كانت الصفة صفة **له** أي لما انتصب عنه لا لمتعلقه لأن الصفة تستدعي موصوفا والمذكور أولى بموصوفيته، فإذا قيل طاب زيد والدا كان الوالد زيدا ولا يحتمل أن يكون والده بخلاف الاسم نحو: أبا۔

یعنی اگر تمیز صفت مشتقی ہو تو اس صورت میں یہ صفت خاص منتصب عنہ کی ہوگی اس کے متعلق کی صفت نہیں مانی جائے گی کیونکہ صفت موصوف کو چاہتی ہے اور موصوف مذکور موصوفیت کے لئے موصوف مقدر سے اولی ہے پس جب طاب زید والداً پڑھا جائے گا تو اس میں والد سے مراد زید ہی ہوگا زید کا والد مراد لینے کا احتمال نہیں ہوگا بخلاف اسم کے کہ یہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کا احتمال رکھتا ہے جیسے ابا میں ہے۔

وطبقه الواو بمعنى مع والطبق مصدر بمعنى المطابقة أي كانت الصفة صفة له مع مطابقتها إياه أو مطابقته إياها۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ وطبقہ کا قول کان کی خبر پر عطف ہے اور کان کی خبر اس کے اسم پر محمول ہوتی ہے اور یہاں یہ حمل صحیح اور درست نہیں کیونکہ اس سے حمل صرف وصف کا ذات مع الوصف پر لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وطبقہ کا واو عاطفہ نہیں بلکہ بمعنی مع کے ہے اور طبق مصدر بمعنی مطابقة کے ہے یعنی وہ صفت مشتقی منتصب عنہ کی صفت ہو اور یہ صفت منتصب عنہ کے مطابق اور موافق بھی ہو یا منتصب عنہ اس صفت کے مطابق ہو یعنی باب مفاعلہ ہے یہ منتصب عنہ اور صفت دونوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

ويجوز أن يكون بمعنى اسم الفاعل والواو للعطف على خبر كانت أي كانت صفةً له ومطابقة إياه والمراد بالمطابقة الاتفاق في الإفراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث لكونها حاملة لضميره۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ طبق مصدر بمعنی اسم فاعل ہو اور واو کانت کی خبر پر عطف کے لئے ہو یعنی یہ صفت منتصب عنہ کی صفت ہو اور اس کے مطابق اور موافق ہو اور مطابقت سے مراد یہاں افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں اتفاق ہو کیونکہ یہ صفت مشتق منتصب عنہ کی ضمیر کا حامل ہے یعنی اس میں منتصب عنہ کی ضمیر پائی جاتی ہے۔

واحتملت أی الصفة المذکورة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ احتملت کی ضمیر فاعل صفت مذکورہ کی طرف راجع ہے۔

الحال أیضاً لاستقامة المعنی علی الحال نحو: طاب زید فارساً أی من حیث أنه فارسٌ أو حال کونه فارساً۔

یعنی صفت مذکورہ جس طرح تمیز واقع ہونے کا احتمال رکھتی ہے اسی طرح حالیت کا بھی احتمال رکھتی ہے کیونکہ اس کے حالی معنی بھی ٹھیک بنتے ہیں جب مثال مذکور میں تمیزیت اور حالیت دونوں معنی درست ہیں یعنی زید فارسیت کی حیثیت سے پاک ہے یا فارسیت کی حالت کی بنا پر پاکی اس کی صفت ہے۔

لکن زیادة "من" فیها نحو: لله دره من فارس وقولهم عزّ من قائل یؤید التمییز لأن "من" تزاد فی التمییز لا فی الحال وایضاً المقصود مدحه بالفروسیة لا حال الفروسیة إذ قد یمدح حال الفروسیة بغیرها من الصفات۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب کلام کے معنی بنا بر تقدیر تمیز اور حال یعنی دونوں تقدیروں پر صحیح ہیں تو مصنف کافیہ نے حال کو احتمال کے حکم میں کیوں داخل کیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن کلمہ من کے زیادہ ہونے سے تمیز کی جہت کی تائید کی ہوتی ہے جیسے امثال مذکورہ فی الشرح میں ہے کیونکہ من کا کلمہ تمیز میں زیادہ ہوتا ہے حال میں نہیں بڑھایا جاسکتا ہے اور علاوہ ازیں مقصود منتصب عنہ کی فروسیت سے صفت اور مدح ہے، فروسیت کا حال بتانا مقصود نہیں ہے کیوں کہ فروسیت کی حالت میں بغیر اس صفت مشتق کے دوسری صفتوں سے بھی مدح کی جاسکتی ہے گویا أیضاً کے لفظ سے شارح نے سوال مذکور کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے۔

ولا ينتقدم التمييز۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ لا یتقدم کی ضمیر فاعل تمییز کی طرف راجع ہے۔

على عامله إذا كان اسماً تاماً بالاتفاق فلا يقال: عندى درهما عشرون ولا زيتا رطل؛ لأن عامله حينئذٍ اسم جامد ضعيف العمل مشابه للفعل مشابهة ضعيفةً كما ذكرنا فلا يقوى أن يعمل فيما قبله۔

یعنی تمییز جب اسم تام اس کا عامل ہو اپنے عامل پر باتفاق مقدم نہیں ہوگی پس عندی درهماً عشرون اور زیتاً رطل نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس وقت تمییز کا عامل اسم جامد ہوگا اور اسم جامد ضعیف العمل ہوتا ہے اور اس کی مشابہت فعل سے کمزور اور ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے لہذا اس کو یہ قوت حاصل نہیں کہ وہ مقدم معمول میں عمل کر سکے بلکہ یہ صرف معمول متاخر میں عمل کر سکتا ہے۔

والأصح أى أصح المذاهب۔

اس کے بڑھانے سے صرف شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ أصح کا لفظ ترکیب میں مضاف و مضاف الیہ محذوف کے ہے اور محذوف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کر دیا ہے۔

أن لا يتقدم التمييز على ما هو عامل فيه من **الفعل** الصريح أو الغير الصريح لكونه من حيث المعنى فاعلاً للفعل نفسه نحو: طاب زيد أباً أى طاب أبوه۔

یعنی سب مذاہب سے اصح مذہب یہ ہے کہ تمییز فعل صریحی یا غیر صریحی پر جو اس کا عامل ہو مقدم نہیں ہوگی کیونکہ معنی کے اعتبار سے واقع میں تمییز فعل کا فاعل ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں أب کا لفظ معنی میں طاب کا فاعل ہے۔

أو فاعلاً له إذا جعلته لازما نحو: ﴿فجرنا الأرض عيونا﴾ أى انفجرت عيونها أو إذا جعلته متعديا نحو امتلأ الإناء ماءً أى ملأه الماء والفاعل لا يتقدم على الفعل فكذا ما هو بمعنى الفاعل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فجرنا الأرض عيونا﴾ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں عیونا کا لفظ نسبت سے تمییز ہے اور باوجود اس کے یہ فاعل نہیں۔ دوسرے امتلأ الإناء ماء کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں بھی ماء کا لفظ نسبت سے تمییز آئی ہے اور

باوجود اس کے یہ فاعل فعل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل عام ہے خواہ نفس فعل کا فاعل ہو جیسے طاب زید نفساً میں ہے کیونکہ یہ حقیقت میں طاب نفس زید ہے، خواہ فعل کا فاعل ہو بعد اس کے کہ اس کو لازمی کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور میں فجر بمعنی انفجرت عیونہا کو لازمی فعل بنا کر عیون کے لفظ کو اس کا فاعل ٹھہرایا ہے یا فعل کو متعدی بنا کر تمیز کو اس کا فاعل ٹھہرایا جائے جیسے امتلأ الإناء ماءً کو ثلاثی مجرد ملأہ الماء بنا کر تمیز یعنی ماءً کے لفظ کو اس کا فاعل کر دیا گیا ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی فعل پر مقدم نہ ہوگا جو بمعنی فاعل کے ہو یعنی جس طرح فاعل حقیقی فعل پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح فاعل معنوی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوگا اور فاعل معنوی یہاں امثال مذکورہ فی الشرح میں تمیز ہے لہٰذا یہ نتیجہ نکلا کہ تمیز فعل پر مقدم نہیں ہوگی۔

وههنا بحث وهو أن الماء في قولهم امتلأ الإناء ماءً من حيث المعنى فاعل للفعل المذكور من غير حاجة إلى جعله متعديا؛ لأن المتكلم لما قصد ؛سناد الامتلاء إلى بعض متعلقات الإناء ولو على سبيل التجوز وقدره وقع الإبهام فيه لا جرم ميزه بقوله ماءً فهو في معنى امتلأ ماء الإناء، فالماء فاعل معنى وذلك بعينه مثل قولك: ربح زيد تجارة فإن التجارة تمييز يرفع الإبهام عن شيء منسوب إلى زيد وهو التجارة فالفاعل في قصدك هو التجارة لا زيد وإن كان إسناد الربح إليه حقيقة وإليها مجازاً، وبهذا يندفع ما يورد على قاعدتهم المشهورة وهي: أن التمييز عن النسبة إما فاعل في المعنى أو مفعول من أن التمييز في هذا المثال وأمثاله لا فاعل ولا مفعول فلا تطرد تلك القاعدة۔

اس عبارت عربی میں شارح ایک سوال پر تنبیہ کرتے ہیں جو اوپر کے مذکورہ مثال پر وارد ہوا ہے اور اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہاں ایک اعتراض ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ امتلأ الاناء ماءً کے قول میں ماءً کا لفظ من حیث المعنی فاعل فعل مذکور ہے اس کے متعدی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ متکلم نے جب إناء کے بعض متعلقات کی طرف امتلأ کے اسناد کا قصد کیا اگرچہ یہ اسناد بسبیل فرض اور مجاز ہے تو اس میں ابہام واقع ہوا جس کو ماءً کے قول سے رفع کیا پس یہ ترکیب معنی میں اس طرح ہے امتلاء ماء الاناء لہٰذا اس تقدیر پر ماء کا لفظ معنی میں امتلأ کا فاعل ہے اور یہ ترکیب بعینہ ربح زید تجارةً کی ترکیب کے مثل ہے کہ اس میں تجارة کا لفظ تمیز ہے اس شیء کے

ابہام کو رفع کرتی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے اور وہ شی ، منسوب إلى زيد تجارت ہے پس متکلم کے قصد میں فاعل ربح کا تجارت ہی ہے زید نہیں ہے اگر چہ یہاں ربح کا اسناد زید کی طرف حقیقی ہے اور تجارت کی طرف مجازی۔

اور شارح نے جو تمیز کے متعلق تشریح کی ہے اس سے وہ اعتراض دفع ہوا جو نحاۃ کے قاعدہ مشہورہ پر وارد ہوتا تھا اور وہ قاعدہ مع سوال یہ ہے کہ تمیز نسبتی معنی میں فاعل ہوتا ہے یا مفعول اور تمیز مذکور امثال میں نہ فاعل ہے، نہ مفعول لہذا یہ قاعدہ مثال مذکور سے منقوض ہے اور یہ قاعدہ ثابت نہیں ہوا۔

شارح نے اس بحث میں سوال مذکور پر تنبیہ کر کے جواب کی طرف التفات نہیں فرمایا فقیر حقیر اس کا جواب تحریر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس بحث کا سوال یہاں وارد نہیں ہوتا کیونکہ تمیز کے اپنے عامل کے مؤخر ہونے کے وجوب کا راز اور بھید اس کا فاعل حقیقی ہوتا ہے یا مجازی۔ فاعل حقیقی ہونے کی صورت میں فعل مذکور کا متعدی بنانا ضروری ہے اس لئے مثال مذکور میں فعل کو متعدی بنا کر تمیز کو اس کا فاعل ٹھہرایا گیا ہے۔

خلافا للمازني والمبرد فإنهما يجوزان تقديم التمييز على الفعل الصريح وعلى اسمي الفاعل والمفعول نظرا إلى قوة العامل بخلاف الصفة المشبهة واسم التفضيل والمصدر وما فيه معنى الفعل لضعفها في العمل، متمسكيها في هذا التجويز قول الشاعر:

أتهجر سلمى بالفراق حبيبها   وما كاد نفسا بالفراق تطيب

على تقدير تانيث الضمير في تطيب فإنه حينئذٍ يكون في كاد ضمير الشان لتذكيره ويعود ضمير تطيب إلى سلمى ويكون نفسا تمييزاً عن نسبة تطيب إليها مقدما عليه وأما على تقدير تذكير الضمير فضمير كاد للحبيب ونفسا تمييز عن نسبة كاد إليه أي وما كاد الحبيب نفسا يطيب فلا تمسك۔

یعنی مازنی اور مبرد تمیز کے فعل پر مقدم ہونے کے قاعدہ میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ یہ حضرات تمیز کی تقدیم کو فعل صریح، اسم فاعل اور اسم مفعول پر بنظر قوت عامل کے جائز کہتے ہیں یعنی چونکہ فعل صریح اسم فاعل اور اسم مفعول قوی العمل ہیں اس لئے یہ اپنے مقدم معمول میں بھی عمل کر سکتے ہیں بخلاف صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر اور اس کے جس میں معنی فعل کے پائے جاتے ہیں کہ یہ چیزیں بوجہ ضعیف العمل ہونے کے اپنے مقدم معمول میں عمل نہیں کر سکتے ہیں بلکہ مؤخر معمول میں کریں گے اور اس تمیز کی تقدیم کی تجویز میں مازنی اور مبرد کی دلیل شاعر کا قول یعنی شعر

مذکورہ بالا ہے کہ اس میں نفساً تمییز اپنے عامل تطیب پر مقدم ہوگئی ہے لیکن یہ تقدیم اس تقدیر پر ہوگی کہ تطیب کا لفظ بصیغہ مؤنث پڑھا جائے اور اس میں ضمیر فاعل مؤنث سلمی کی طرف مانی جائے پس اس صورت میں کاد کی ضمیر فاعل ضمیر شان مانی جائے گی بوجہ اس کے مذکر ہونے کے اور تطیب کی ضمیر فاعل سلمی کی طرف ٹھہرائی جائے گی اور نفساً کا لفظ تطیب کی نسبت سے تمییز مقدم متصور ہوگی اور تطیب کی ضمیر کی تذکیر کی تقدیر کاد کی ضمیر فاعل حبیب کی طرف راجع مانی جائے گی اور نفساً کا لفظ کاد کی نسبت سے تمییز ہوگی جو حبیب کی طرف کی گئی ہے، اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر وما کاد الحبیب نفساً یطیب ہوگی پس اس صورت میں مازنی اور مبرد کا تمسک اس شعر سے جواز تقدیم تمییز پر نہیں ہوسکتا ہے۔

وما قیل: یحتمل أن یحمل البیت علی تقدیر تانیثه أیضاً علی هذا الوجه بأن یکون تانیث الضمیر الراجع إلی الحبیب باعتبار النفس إذ المعنی وما کادت نفس الحبیب تطیب فتکلف وتعسف غیر قادح فی التمسك۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تطیب واحد مؤنث غائب ہی رہے اور اس کی ضمیر سلمی کے بجائے حبیب کی طرف راجع کی جائے اور حبیب کو نفس کے تاویل میں کرلیا جائے، مطلب یہ ہے کہ حبیب سے مراد ایک نفس ہو۔

شارح علیہ الرحمۃ اس قول کو چونکہ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس میں بلا وجہ کا تکلف اختیار کیا گیا ہے، تطیب میں ضمیر مؤنث کو حبیب کی طرف راجع کیا گیا جو مذکر ہے، اگرچہ اس کو نفس کی تاویل میں کیا گیا، لیکن اس تاویل کے بعد بھی تو مراد مذکر ہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس تاویل سے مازنی اور مبرد کے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس صورت میں وہ اس طرح استدلال کریں گے کہ تطیب کی نسبت جو حبیب کی طرف ہو رہی ہے، اس میں ابہام ہے اور نفساً جو تمییز ہے اس سے یہ ابہام دور ہو رہا ہے اور باوجود تمییز کے ہونے کے اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اگر عامل فعل ہو تو تمییز اس پر مقدم ہوسکتی ہے۔

المستثنی أی ما یصدق علیه لفظ المستثنی فی اصطلاح النحاة علی قسمین۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال کی تشریح یہ ہے کہ مستثنی کے معنی ہیں جس کو نکالا جائے اس اعتبار سے مستثنی متصل کو تو مستثنی کہنا صحیح ہے کیونکہ پہلے وہ متعدد میں داخل تھا بعد میں اس کو متعدد سے نکالا جاتا

ہے لیکن مستثنیٰ منقطع کو مستثنیٰ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ تو متعدد میں داخل ہی نہیں، نکالا تو اس کو جاتا ہے جو داخل ہو، لہذا مستثنیٰ کی یہ تقسیم متصل اور منقطع کی طرف تقسیم إلی الشیء إلی نفسه وإلی غیرہ ہے جو صحیح نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مستثنیٰ کے لغوی معنی مراد نہیں، بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہیں اور اصطلاح کے اعتبار سے مستثنیٰ منقطع کو بھی مستثنیٰ کہا جاتا ہے۔

ولما كان معلوميته بهذا الوجه الغير المحتاج إلى التعريف كافية في تقسيمه قسمه إلى قسمين وعرف كل واحد منهما لأن لكل واحد منهما أحكاماً خاصة لا يمكن أجراؤها عليه إلا بعد معرفته فقال: **متصل ومنقطع**۔

یہاں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی اور بغیر تعریف کے تقسیم شروع کردی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ تقسیم کے لئے تصور بالکنہ ضروری نہیں، تصور بوجہ ما کافی ہے اور مستثنیٰ کی اتنی تعریف "ما يطلق عليه لفظ المستثنى" سے حاصل ہو جاتی ہے جو تقسیم کے لئے کافی ہے۔

اس کے بعد پھر اعتراض ہوتا ہے کہ جب اتنی معرفت تقسیم کے لئے کافی ہے، تو پھر مستثنیٰ کے ہر قسم کی تعریف علیحدہ علیحدہ کیوں کی ہے؟

تو اس کا جواب "عرف كل واحد منهما الخ" سے دیا ہے کہ ہر قسم کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے دونوں قسموں کی تعریف علیحدہ علیحدہ کرنی پڑی۔

فالمتصل هو المخرج أي الاسم الذي أخرج واحترز به عن غير المخرج كجزئيات المستثنى المنقطع **عن** حكم شيء **متعدد** جزئياته نحو: ما جاء ني أحد إلا زيداً أو أجزاءه نحو: اشتريت العبد إلا نصفه سواء كان ذلك المتعدد **لفظاً** أي ملفوظا نحو: جاء ني القوم إلا زيداً **أو تقديراً** أي مقدراً نحو ما جاء ني إلا زيد أي ما جاء ني أحد إلا زيداً۔

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع، مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو الا اور اس کے اخوات کے ذریعے ایسی شیء سے نکالا جائے جس کی جزئیات متعدد ہوں یا اس کے اجزا متعدد ہوں اور وہ متعدد جس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو۔ اب حسب بیان شارح اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

شارح نے المخرج کے بعد "الاسم الذی أخرج" نکالا، اس سے مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف ولام آتا ہے وہ الــذی کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل کو ماضی معروف یا مضارع معروف کی تاویل میں کیا جاتا ہے اور اسم مفعول کو ماضی مجہول یا مضارع مجہول کی تاویل کیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی بنا پر شارح نے المخرج کی تاویل الذی أخرج کے ساتھ کی ہے۔

المخرج کی قید سے مستثنیٰ منقطع کی تمام جزئیات خارج ہوگئیں جیسے جاء نی القوم إلا حمارا وغیرہ اس واسطے کہ ان کو متعدد سے نہیں نکالا جاتا کیونکہ وہ داخل ہی نہ تھے۔

شارح نے متعدد سے پہلے شیء کو لا کر متعدد کا موصوف بتایا ہے اور شیء سے پہلے حکم لا کر یہ بتایا ہے کہ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ سے نکالنے کا یہ مطلب ہے کہ متعدد کا جو حکم ہے وہ مستثنیٰ کو شامل نہ ہوگا۔ متعدد کے بعد جزئیاته أو أجزاء ہ نکالا ہے اس سے یہ بتایا ہے کہ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ کبھی کلی ہوتا ہے اور کبھی کل ہوتا ہے اگر مستثنیٰ منہ کلی ہے تو اس کی جزئیات متعدد ہوں جیسے ما جاء نی احد الا زید یہاں مستثنیٰ منہ احد ہے وہ کلی ہے اس کی متعدد جزئیات ہیں جن سے آنے کی نفی ہو رہی ہے اس حکم سے زید کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور اس کے لئے آنے کا اثبات ہے اور اگر مستثنیٰ منہ کل ہو تو اس کے اجزا متعدد ہوں جیسے اشتریت العبد الا نصفه اس میں عبد فی نفسه تو متعدد الاجزا نہیں ہے لیکن دوسری تعمیم مستثنیٰ منہ میں یہ ہے کہ لفظوں میں موجود ہو جیسے ما جاء نی القوم الا زید اس میں قوم مستثنیٰ منہ ہے وہ ملفوظ ہے یا مقدر ہو جیسے ما جاء نی الا زید اس میں مستثنیٰ منہ احد مقدر ہے۔

بإلا غير الصفة وأخواتها واحترز به عن نحو جاء نی القوم الا زید وما جاء نی القوم لکن زید جاء۔

الا کے بعد غیر الصفة اس واسطے کہا کہ جو الا صفت کے لئے ہو اس کے بعد جو اسم ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ نہیں کہتے، اخوات سے مراد باقی حروف استثناء ہیں۔ الا اور اس کے اخوات کی قید سے اس اسم سے احتراز ہوگیا جو حروف استثناء کے علاوہ دوسرے حروف کے ذریعہ حکم سے خارج کیا جائے جیسے جاء نی القوم الا زید، و ما جاء نی القوم لکن زید جاء پہلی مثال میں قوم کے لئے آنے کا حکم ثابت ہے اور زید کو اس حکم سے الا کے ذریعہ خارج کیا گیا ہے لیکن زید کو مستثنیٰ نہ کہیں گے۔ دوسری مثال میں قوم کے لئے عدم مجی کا حکم ثابت کیا گیا ہے اور زید کو اس حکم سے لکن کے ذریعہ خارج کیا گیا ہے یعنی زید کے لئے بجائے عدم مجی کے مجی ثابت کیا گیا ہے لیکن ان دونوں مثالوں میں الا اور اس کے اخوات کے ذریعے حکم سے خارج نہیں کیا گیا لہذا ان کو مستثنیٰ نہ کہیں گے۔

والمستثنی **المنقطع هو المذکور بعدها** أی بعد إلا واخواتها **غیر مخرج** عن متعدد، واحترز به عن جزئیات المستثنی المتصل فالمستثنی الذی لم یکن داخلا فی المتعدد قبل الاستثناء منقطع سواء کان من جنسه کقولك: جاء نی القوم إلا زیداً مشیراً بالقوم إلی جماعة خالیة عن زیدٍ لم یکن نحو جاء نی القوم إلا حماراً۔

مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو الا اوراس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن متعدد یعنی مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ جائے کیونکہ وہ پہلے ہی سے خارج ہے داخل نہیں اور نکالا اس کو جاتا ہے جو پہلے داخل ہو اور جو مستثنیٰ استثناء سے پہلے ہی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو اس کو بھی منقطع کہا جائے گا خواہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا کوئی کہے اور قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں تو اس میں زید اگر چہ قوم کی جنس سے ہے لیکن مجی کے حکم میں پہلے سے داخل نہیں اس لئے اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کو قوم کے حکم سے خارج کیا گیا ہے اس لئے یہ مستثنیٰ منقطع کہلائے گا اس کو متصل نہ کہا جائے گا۔

مصنف نے مستثنیٰ متصل اور منقطع کی جو تعریف کی ہے اس کا معیار ماقبل کے حکم سے خارج کرنے اور نہ کرنے پر ہے جو ماقبل کے حکم سے خارج کیا جائے وہ متصل ہے خواہ ماقبل کی جنس سے ہو یا نہ ہو اور جو ماقبل کے حکم سے خارج نہیں کیا کیونکہ وہ پہلے سے داخل نہ تھا تو وہ منقطع ہے خواہ ماقبل کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔

بعض حضرات نے اس طرح تعریف کی ہے کہ جو ماقبل کی جنس سے ہو وہ متصل ہے اور جو ماقبل کی جنس سے نہ ہو وہ منقطع ہے۔ اس صورت میں متصل اور منقطع کا معیار ماقبل کی جنس سے ہونا یا نہ ہونا ہے۔ ماقبل کے حکم سے خارج کرنا یا نہ کرنا معیار نہ ہوگا ان کے نزدیک جاء نی القوم الا زیداً ہر صورت میں مستثنیٰ متصل ہے خواہ قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں یا زید بھی ان افراد میں شامل ہو کیونکہ ان کے یہاں مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے ہو اور زید مثال مذکور میں قوم کی جنس سے ہے۔

و هو ای المستثنی مطلقاً حیث علم أولا بوجه یصحح تقسیمه کما عرفت وثانیا بما یتفطن نه من تعریف قسمیه أعنی المذکور بعد إلا وأخواتها سواء کان مخرجاً أو غیر مخرج ولهذا لم یعرفه علی حدةٍ روماً للاختصار۔

یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ مستثنیٰ کی تقسیم کے بعد اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

اس عبارت میں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ھو ضمیر مستثنیٰ کی طرف راجع ہے اور اس کا علم اس سے قبل ہوا نہیں تو پھر اس کی طرف ضمیر راجع کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

شارح أی المستثنی مطلقاً الخ سے اس کا جواب دے رہے ہیں، جواب یہ ہے کہ ضمیر مطلق مستثنیٰ کی طرف راجع ہے اور اس کا علم دو طرح سے ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ جب لفظ مستثنیٰ ذکر کیا اور اس سے مراد ما یطلق علیه لفظ المستثنی لیا۔ اور یہ بھی علم کی ایک قسم ہے جو تقسیم کی صحت کے لئے کافی ہوتی ہے اس کو تصور بوجه ما کہتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے اس کو بیان کیا گیا ہے اور جب مستثنیٰ کی تقسیم کر کے اس کی ہر قسم کی تعریف علیحدہ علیحدہ بیان کی اور کہا کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو خواہ اس کو خارج کیا گیا ہو جیسا کہ مستثنیٰ متصل۔ یا خارج نہ کیا گیا ہو جیسے مستثنیٰ منقطع تو اس سے بھی مستثنیٰ کا علم ہو گیا تو جب دوبارہ مستثنیٰ کا علم ہو گیا تو پھر اس کی طرف ضمیر راجع کرنے میں کیا قباحت ہے؟

منصوب وجوبا **إذا كان** واقعاً **بعد إلا**، لا بعد غير وسوى وغيرهما **غير الصفة** قيد به وإن لم يكن الواقع بعد إلا التي للصفة داخلا في المستثنى لئلا يذهل عنه، **في كلام موجب** أي ليس بنفي ولا نهي ولا استفهام نحو: جاء ني القوم إلا زيدا واحترز به عما إذا وقع في كلام غير موجب لأنه ليس حينئذ واجب النصب على ما سيجيء۔

اب مصنف مستثنیٰ کا اعراب بیان کر رہے ہیں، پہلے اس کے منصوب ہونے کی صورتیں بیان کر رہے ہیں کیونکہ مستثنیٰ کا اصلی اعراب یہی ہے کہ وہ منصوب ہو اور منصوب ہونے کی پانچ صورتیں ہیں جن کو مصنف نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مستثنیٰ کلام موجب میں الا غیر صفتی کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوگا، کلام موجب ایسے کلام کو کہتے ہیں جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو جیسے جائنی القوم الا زیدا کلام موجب کی قید اس واسطے ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب واجب نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ لفظ الا کی قید اس واسطے ہے کہ اگر مستثنیٰ الا کے بعد نہ ہو بلکہ غیر وسوی کے بعد ہو تو مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ الا کے بعد غیر صفة کی قید لگائی کیونکہ الا اگر استثناء کے لئے نہ ہو بلکہ صفت کے لئے ہو تو اس پر مستثنیٰ کا اعراب جاری نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہوگا اور جو موصوف کا اعراب ہوگا وہی اعراب اس پر آئے گا جیسے ﴿لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا﴾ اس میں لفظ الله پر

نصب نہیں بلکہ آلھة پر جواعراب ہے یعنی رفع وہی اعراب لفظ اللّٰہ پر ہوگا۔

لفظ الا کے بعد غیر صفة کے قید لگانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ الا صفتی کے بعد جو اسم ہوتا ہے وہ مستثنیٰ نہیں ہوتا اور یہاں مستثنیٰ کا اعراب بیان کرنا مقصود ہے لیکن یہ قید اس واسطے لگادی کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ رہے کہ یہ الا صفت کے لئے ہے اس کے بعد مستثنیٰ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہوتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے محض یہ دیکھ کر کہ الا کے بعد ہے اس اسم پر کوئی نصب پڑھ دے۔

و لاحاجة ههنا إلى قيد اخر وهو أن يكون الكلام الموجب تاما بأن يكون المستثنى منه مذكورا فيه ليخرج نحو: قرأت إلا يوم كذا فإنه منصوب على الظرفية لا على الاستثناء لأن الكلام في كونه منصوبا مطلقا لا في كونه منصوبا على الاستثناء بدليل قوله: أو كان بعد خلا وعدا إلا أن يقال الحاجة إلى هذا القيد إنما هو لإخراج مثل: قرئ إلا يوم كذا فإنه مرفوع وجوباً لا منصوب۔

اس عبارت سے شارح ہندی کا رد کر رہے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ مصنفؒ کو چاہئے تھا کہ فی کلام موجب کے بعد تام کی قید کا اضافہ کر دیتے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مستثنیٰ جب کلام موجب تام میں الا غیر صفتی کے بعد ہوتو منصوب ہوگا۔ تام کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوتو پھر الا کے بعد مستثنیٰ کی بنا پر نصب واجب نہ ہوگا بلکہ ظرفیت کی بنا پر نصب ہوگا جیسے قرأت الا یوم کذا میں الا سے پہلے مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اس لئے یوم مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ بواسطہ الا کے یہ قرأت کا ظرف ہے۔

شارح اس کو اس لئے رد کر رہے ہیں کہ یہاں مصنف کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ الا کے بعد جو اسم واقع ہو وہ کن کن صورتوں میں منصوب ہوگا خواہ اس کے نصب کی کوئی بھی وجہ ہو۔ اور مثال مذکور قرأت الا یوم کذا میں الا کے بعد یوم پر نصب ہے اگر چہ وہ نصب ظرف کی بنا پر ہے لیکن ہے تو نصب۔ بس مصنف کا مقصود حاصل ہو گیا اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس وقت مصنف کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ الا کے بعد اسم نصب کن کن صورتوں میں آتا ہے نصب کی وجہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے آگے چل کر یہ کہا ہے او کان بعد خلاف و عدا یعنی خلا اور عدا کے بعد جو اسم واقع ہو اس پر نصب ہوگا حالانکہ ان دونوں کے بعد جو اسم ہوتا ہے اس پر نصب استثناء کی بنا پر نہیں آتا بلکہ وہ مفعول ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کا مقصد اس کے نصب کو بیان کرنا ہے نصب کی وجہ بیان کرنا

مقصود نہیں ہے۔

البتہ شارح ہندی کی حمایت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرأت الا یوم کذا جیسی مثالوں میں اگر موجب کے بعد تام کی قید ضروری نہیں ہے تو قری الا یوم کذا جیسی مثال میں تو بہر حال ضرورت ہے یعنی جہاں الا کے بعد اسم مرفوع ہو وہاں تو اس قید کی ضرورت پڑے گی کیونکہ مصنف کی بیان کردہ سارے قیود اس میں موجود ہیں لفظ یوم الا غیر صفتی کے بعد کلام موجب میں ہے پھر بھی نصب نہیں بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ کلام موجب تام نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ تام کی قید لگادیتے تاکہ اس جیسی مثالوں کے ذریعہ اعتراض نہ وارد ہو۔

اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ کلام موجب سے ظاہر یہ ہے کہ وہ تام ہو اس لئے مصنف نے یہ قید ذکر نہیں کی۔ واللہ أعلم بالصواب

والعامل فی نصب المستثنی إذا کان منصوبا علی الاستثناء عند البصریة الفعل المتقدم أو معنی الفعل بتوسط إلا لأنه شیء یتعلق بالفعل أو معناه تعلقاً معنویاً إذ له نسبة إلی ما نسب إلیه أحدهما وقد جاء بعد تمام الکلام فشابه المفعول۔

اس میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ پر اگر نصب استثناء کی بنا پر آئے تو اس میں عامل کیا ہے؟ شیخ رضی اور عبد القاہر جرجانی کے نزدیک عامل مستثنیٰ منہ ہوگا بواسطہ الا کے اور بصریین کے نزدیک فعل یا معنی فعل عامل ہوگا۔ شارح بصریین کی موافقت کررہے ہیں علی الاستثناء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر مستثنیٰ پر نصب استثناء کی بنا پر نہ ہو بلکہ ظرف کی بنا پر ہو تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب کے نزدیک عامل فعل یا معنی فعل ہوگا اس واسطے کہ جب مستثنیٰ ظرف ہوگا تو اس کو مستثنیٰ کہنا بطور مجاز کے ہوگا کیونکہ لفظ الا کے بعد مذکور ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ کی صورت میں ہے حقیقۃً وہ مستثنیٰ نہیں ہے اور جب وہ مستثنیٰ نہیں ہے تو اس کا کوئی مستثنیٰ منہ نہ ہوگا اس لئے اس صورت میں مستثنیٰ منہ کے عام ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

شیخ رضی اور علامہ جرجانی کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلام میں فعل اور معنی فعل میں سے کوئی بھی نہیں ہوتا اور مستثنیٰ اس وقت بھی منصوب ہوتا ہے جیسے القوم إخوتك الا زیداً یہاں زیداً پر نصب ہے اور فعل یا معنی فعل میں سے کوئی نہیں۔ معلوم ہوا کہ استثناء کی بنا پر نصب ہو تو عامل فعل یا معنی فعل نہ ہوگا بلکہ مستثنیٰ منہ ہوگا۔

بصریین کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ مثال فرضی ہے اس طرح کی مثال کہیں کلام میں نہیں ہے اگر

بالفرض اس مثال کا وجود مان لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں معنی فعل موجود ہے اور وہ انتساب بالأخوة ہے استثناء کی بنا پر مستثنی کے منصوب ہونے کی وجہ شارح نے یہ بیان کی ہے کہ مستثنی کا تعلق مستثنی منہ سے ہے اور مستثنی منہ کی طرف فعل یا معنی فعل کی نسبت ہوتی ہے اس لئے بواسطہ مستثنی منہ کے مستثنی کا بھی معنوی تعلق فعل یا معنی فعل سے ہوگا اور مستثنی کا وقوع کلام کے تام ہونے کے بعد ہے اس لئے یہ مشابہ ہوجائے گا مفعول کے کیونکہ مفعول کا وقوع بھی فعل کے تام ہونے کے بعد ہوتا ہے یعنی جب فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہوجاتا ہے اس کے بعد مفعول واقع ہوتا ہے۔ تو جب مستثنی کو مفعول کے ساتھ مشابہت ہوئی تو جس طرح مفعول منصوب ہوتا ہے مستثنی بھی منصوب ہوگا۔

أو متقدما عطف على قوله بعد إلا أي المستثنى منصوب وجوباً إذا كان المستثنى مقدما **على المستثنى منه** سواء كان في كلامٍ موجب أو غير موجب نحو: جاء ني إلا زيداً القوم وما جاء ني إلا زيدا أحد لامتناع تقديم البدل على المبدل منه۔

اگر مستثنی مقدم ہو مستثنی منہ پر تو اس پر نصب آئے گا خواہ کلام موجب میں مقدم ہو جیسے جاء نی إلا زيد القوم یا کلام غیر موجب میں مقدم ہو جیسے ما جاء نی إلا زيدا احد مقدم ہونے کی صورت میں مستثنی پر نصب اس لئے واجب ہے کہ جہاں کہیں مستثنی پر نصب کے علاوہ کوئی دوسرا اعراب آیا ہے وہ مستثنی منہ سے بدل ہونے کے احتمال پر آیا ہے اور یہاں بدل ہونے کا کوئی احتمال نہیں اس لئے کہ مستثنی مقدم ہے اور بدل اپنے مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوگا کیونکہ بدل تابع ہے اور مبدل منہ متبوع ہے اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا تو جب بدل ہونے کا یہاں احتمال نہیں تو مستثنی ہونا اس کا متعین ہوگیا اور مستثنی کا اعراب نصب ہے اس لئے اس پر صرف نصب آئے گا۔

أو منقطعا أي المستثنى منصوبٌ أيضا وجوباً إذا كان منقطعاً بعد إلا نحو: ما في الدار أحد إلا حماراً **في الأكثر** أي في أكثر اللغات وهي لغات أهل الحجاز فإنهم قبائل كثيرون أو في أكثر مذاهب النحاة فإن أكثرهم ذهبوا إلى اللغة الحجازية فالمنقطع مطلقاً منصوب عندهم إذ لا يتصور فيه إلا بدل الغلط وهو لا يصدر إلا بطريق السهو والغفلة والمستثنى المنقطع إنما يصدر بطريق الرؤية والفطانة۔

مستثنی منقطع پر بھی اکثر لغات یا اکثر مذاہب میں نصب واجب ہوگا۔ اکثر لغات سے مراد اہل حجاز کی لغت ہے کیونکہ اہل حجاز کے قبائل بہت ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر سے مراد اکثر مذاہب ہوں یہ بھی صحیح ہے کیونکہ اکثر نحاۃ نے اہل حجاز کی لغت پر عمل کیا ہے ان کے نزدیک مستثنیٰ منقطع پر نصب اس لئے واجب ہے کہ اس میں مستثنیٰ کے علاوہ کسی درجہ میں اگر احتمال ہے تو بدل غلط کا لیکن بدل غلط کا وقوع سہو اور غفلت کی بناء پر ہوتا ہے اور مستثنیٰ کا وقوع قصد اور فکر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے مستثنیٰ کے ہوتے ہوئے بدل غلط کا بھی تصور نہیں ہوسکتا ہے اور جب مستثنیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں تو مستثنیٰ متعین ہوگا اور اس کا اعراب نصب ہوگا۔

وأما بنو تميم فقد قسموا المنقطع إلى قسمين: أحدهما ما يكون قبله اسم يصح حذفه نحو: ما جاء ني القوم إلا حمارا فههنا يجوزون البدل وثانيهما ما لا يكون قبله اسم يصح حذفه فهم ههنا يوافقون الحجازيين في إيجاب نصبه كقوله تعالى: ﴿**لا عاصم اليوم من أمر الله إلا من رحم**﴾ أي من رحمه الله۔

بنوتمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع پر نصب متعین نہیں بلکہ ان کے یہاں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ سے پہلے جو اسم ہے۔یعنی مستثنیٰ منہ اگر اس کا حذف کرنا صحیح ہو تو اس مستثنیٰ کو ماقبل سے بدل قرار دیکر جو اعراب مبدل منہ کا ہوگا وہی اعراب بدل پر آئے گا، نصب متعین نہ ہوگا جیسے ما جاء نی القوم الا حمارا میں قوم کو حذف کر سکتے ہیں، اس کے حذف کرنے معنی فاسد نہیں ہوتے اس لئے حمار کو مستثنیٰ نہ کہیں گے بلکہ القوم سے بدل قرار دے کر اس پر رفع پڑھیں گے۔

اور اگر مستثنیٰ سے پہلے ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح نہ ہو حذف کرنے سے فساد معنی لازم آئے تو پھر وہ حجازیین کی موافقت کرتے ہیں اور مستثنیٰ پر صرف نصب پڑھتے ہیں جیسے ﴿**لا عاصم اليوم من أمر الله إلا من رحم**﴾ اس میں عاصم مستثنیٰ منہ ہے جس کا حذف جائز نہیں اس لئے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اس کی خبر موجود محذوف ہے اگر اسم کو بھی حذف کر دیا جائے تو اجحاف لازم آئے گا یعنی لائے نفی جنس کا کوئی اثر نہ باقی رہے گا۔ جب عاصم کا حذف جائز نہیں تو من رحم کو اس سے بدل نہیں قرار دے سکتے اس لئے اس کا مستثنیٰ ہونا متعین ہوا اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اس لئے من رحم منصوب ہوگا لیکن اس کا منصوب ہونا محل کے اعتبار سے ہے اس لئے یہ منصوب محلی کہلائے گا۔

شارح نے من رحم کے بعد ای من رحمه الله نکالا اس کی وجہ یہ ہے کہ من موصولہ ہے اور رحم اس کا

صلہ ہے اور صلہ جب جملہ ہو تو اس میں ضمیر ہونی چاہئے جو موصول کی طرف راجع ہو اس لئے شارح نے رحمہ لاکر بتایا کہ ضمیر محذوف ہے اور چونکہ یہ ضمیر ترکیب میں مفعول بہ ہے اور جب موصول کی طرف ضمیر لوٹنے والی ترکیب میں مفعول ہو تو اس کا حذف جائز ہے اس لئے ضمیر کو حذف کر دیا۔

فمن رحمه الله هو المرحوم المعصوم فلا يكون داخلا في العاصم فيكون منقطعا۔

اس میں من رحمہ اللہ کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ من رحمہ اللہ یعنی جس پر اللہ پاک رحم کرے وہ معصوم ہوگا عاصم نہ ہوگا۔ عاصم تو خدا کی ذات ہے اور جب عاصم میں داخل نہیں تو پھر منقطع ہوگا اور منصوب ہوگا۔

أو كان بعد خلا وعدا أي المستثنى منصوب أيضاً وجوباً إذا كان بعد عدا من عدا يعدو عدوا إذا جاوزه مثل: جاء ني القوم عدا زيداً، أو بعد خلا من خلا يخلو خلوا نحو: جاء ني القوم خلا زيداً، وهو في الأصل لازم يتعدى إلى المفعول بمن نحو: خلت الديار من الأنيس۔

مستثنیٰ جب خلا اور عدا کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوتا ہے یہ دونوں کلمے باب نصر سے ہیں اور ناقص واوی ہیں، عدا يعدو عدواً تجاوز کرنا، خلا يخلو خلوا خالی ہونا، عدا متعدی بنفسہ ہے۔ خلا لازم ہے اور من کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے۔

شارح نے خلت الديار من الأنيس مثال دے کر اس کا استعمال بتایا ہے کبھی من کو حذف کر کے من کے مدخول کو فعل سے ملا دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی شکل بھی متعدی بنفسہ جیسی ہو جاتی ہے اس کا نام حذف وایصال ہے کبھی خلا تجاوز کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس وقت وہ متعدی بنفسہ ہوگا۔

والتزموا هذا التضمين أو الحذف والإيصال في باب الاستثناء ليكون ما بعدها في صورة المستثنى بإلا التي هي أم الباب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ خلا لازم ہے اور وہ مفعول کا تقاضہ نہیں کرتا۔ لہذا اس کا مابعد منصوب نہ ہوگا اس لئے یا تو اس میں تضمین مانی جائے کہ وہ تجاوز کے معنی کو متضمن ہے یا "من" کے ذریعہ اس کو متعدی قرار دیا جائے۔ اگر "من" کی وجہ سے متعدی قرار دیا جائے تو اس کا مدخول مجرور ہوگا منصوب نہ ہونا چاہئے۔ وہی تضمین تو وہ بھی کوئی ضروری نہیں کیونکہ امور لازمہ میں سے نہیں ہے جائز ہے، اگر تضمین

ہوئی تو نصب پڑھا جائے گا تضمین نہ ہوئی تو نصب نہ ہوگا لہذا یہ فیصلہ کر دینا کہ "خلا" کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب دے رہے ہیں کہ "من" کے بعد مجرور اس وقت ہوتا ہے جب "من" لفظوں میں موجود ہو اور استثناء میں "من" کا حذف کرنا اور اس کے مابعد کو فعل سے وصل کرنا اس کو نحاۃ نے لازم قرار دیا ہے اسی طرح تضمین کو بھی لازم کیا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں "خلا" کا مابعد مستثنیٰ بالا کا صورت میں ہو جائے اور جو حکم "الا" کے مابعد کا ہے یعنی نصب خلا کے مابعد کا بھی وہی حکم ہو جائے الا کو استثناء کے بارے میں ام الباب اس واسطے کہا جاتا ہے کہ الا کی وضع استثنا کے لئے ہے بخلاف باقی حروف کے کہ ان کے معانی استثناء کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں مثلاً غیر میں مغایرت کے معنی پائے جاتے ہیں، سواء میں ظرفیت کے معنی۔ عدا میں تجاوز کرنے کے۔ خلا میں خالی ہونے کے۔ لیس اور لا یکون میں نفی کے معنی ہیں۔

وفاعلهما ضمير راجع إمّا إلى مصدر الفعل المقدم أو إلى اسم الفاعل منه أو إلى بعضٍ مطلق من المستثنى منه والتقدير جاء نى القوم عدا أو خلا مجيئهم أو الجائى منهم أو بعض منهم زيداً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خلا اور عدا کی ضمیر فاعل دو حالتوں سے خالی نہیں مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہوگی یا امر آخر کی طرف۔ بنا برتقدیر اول درمیان راجع اور مرجع کے مطابقت حاصل نہ ہوگی اور بنا برتقدیر ثانی اضمار قبل الذکر لازم ہوگا اور درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ خلا اور عدا کی ضمیر فاعل فعل مقدم کے مصدر کی طرف یا اسم فاعل کی طرف یا مستثنیٰ منہ کے بعض مطلق کی طرف راجع مانی جائے گی جس کی بنا پر تقدیری عبارت اس طرح ہوگی جاء نی القوم عدا أو خلا مجيئهم أو الجائى منهم أو بعض منهم زيداً۔ یہ صورتوں کی مثال ہے، مجيئهم فعل مقدم کے مصدر مثال ہے أو الجائى اسم فاعل کی اور بعض منهم بعض مطلق کی مثال ہے۔

وهما فى محل النصب على الحالية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خلا اور عدا کے الفاظ افعال ہیں اور مستثنیٰ جو ان کے بعد واقع ہوگا وہ ترکیب میں مفعول بہ ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ فعل فاعل اور مفعول بہ کے ساتھ مل کر

جملہ ہوتا ہے اور جملہ میں محلی اعراب کی ضرورت ہوتی ہے پس یہاں محلی اعراب کیا ہوگا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں خلا اور عدا کا محلی اعراب بنا بر حالیت نصب ہے۔

ولم يظهر معهما قد ليكونا أشبه بإلا التي هي الأصل في باب الاستثناء۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ خلا اور عدا کے الفاظ افعال ماضی ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب فعل ماضی ترکیب میں حال واقع ہو تو اس میں لفظ قد ظاہرہ یا مقدرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں خلا اور عدا میں لفظ قد ظاہر نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں لفظ قد مقدر ہے اور اس کو لفظ میں اس لئے ظاہر نہیں کیا ہے کہ خلا اور عدا کی مشابہت اچھی طرح اس الا سے ثابت ہو جو باب استثناء میں اصل ہے۔

في الأكثر أي النصب بهما إنما هو في أكثر الاستعمالات لأنهما فعلان ماضيان كما عرفت، وقد أجيز الجرّ بهما على أنهما حرفا جرّ، قال السيرافي: لم أعلم خلافا في جواز الجر بهما إلا أن النصب بهما أكثر۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اکثریت باعتبار استعمال کے ہے کیونکہ یہ دونوں الفاظ اصل میں افعال ماضی ہیں جیسا کہ اوپر کی تشریح میں بخوبی معلوم ہوا ہے اور ان الفاظ مذکورہ سے ان کے مدخول کو مجرور کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ اس بنا پر کہ یہ حروف جارہ ٹھہرائے جائیں۔ سیرافی نے کہا ہے مجھ کو ان کے حروف جارہ ہونے اور ان کے ذریعہ سے ان کے مدخول کے مجرور ہونے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے یعنی ان کا مدخول بنا بر حروف جارہ ہونے کے علی الاتفاق مجرور ہوگا البتہ یہ ضروری ہے کہ نصب ان کے مدخول کا افعال ہونے کی وجہ سے اکثر ہے۔

أو ما خلا وما عدا أي المستثنى منصوب أيضاً وجوبا إذا كان بعد ما خلا وما عدا لأن ما فيهما مصدرية مختصة بالأفعال نحو جاء ني القوم ما خلا زيداً وما عدا عمرا، تقديره خلو زيد وعدو عمرٍو بالنصب على الظرفية۔

یہ مستثنیٰ کے منصوب ہونے کا مقام پنجم ہے یعنی اگر مستثنیٰ ما خلا اور ما عدا کے بعد واقع ہو تو یہاں یہ وجوبا منصوب ہوگا کیونکہ ان میں ما کلمہ مصدری افعال سے مختص ہے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ افعال ہیں اور ان کا مدخول بنا بر مفعولیت منصوب ہے جس کی بنا پر مثال مذکور فی الشرح کی تقدیر جاء نی القوم خلو زيد

وعمرو بنابر ظرفیت کے نصب ہے۔

بتقدير مضاف أى وقت خلوهم أو خلو مجيئهم من زيد ووقت مجاوزتهم أو مجاوزة مجيئهم عمراً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ما خلا و ما عدا کا نصب بنابر ظرفیت درست نہیں کیونکہ ظرف مکان ہوتا ہے یا زمان اور ما خلا اور ماعدا کے الفاظ نہ زمان ہیں نہ مکان۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ماخلا اور ماعدا کی ظرفیت باعتبار مضاف مقدر کے ہے جس کی تقدیر شرح میں مذکور ہے کیونکہ ما مصدری جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو فعل کو مؤول بمصدر کر دیتا ہے اور مصادر سے قبل اوقات کی تقدیر مشہور اور شائع ہے لہذا ان الفاظ سے پیشتر وقت کا لفظ مقدر مانا جائے گا۔

أو على الحالية۔

یہ اوپر النصب على الظرفية کے قول پر عطف ہے یعنی ما خلا اور ماعدا کے الفاظ منصوب بنابر ظرفیت ہیں یا منصوب بنابر حالیت ہیں۔

بجعل المصدر بمعنى اسم الفاعل أى جاء وا خاليا بعضهم أو مجيئهم من زيد ومجاوزاً بعضهم أو مجيئهم عمرواً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ما خلا اور ما عدا کا نصب بنابر حالیت صحیح نہیں کیونکہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے اور یہاں حمل درست نہیں ہے کیونکہ اس سے حمل صرف وصف کا ذات پر لازم آتا ہے یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں اس تقدیر پر مصدر بمعنی اسم فاعل کے ہے جس کی تقدیر شرح میں مذکور ہو چکی ہے غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔

وعن الأخفش أنه أجاز الجرّ بهما على أن ما فيهما زائدة۔

یعنی اخفش ما خلا اور ما عدا سے بھی جر مدخول کو جائز کہتے ہیں یہ اس بنا پر کہ ان الفاظ میں ما کے کلمہ کو زائدہ مانتے ہیں اور ان الفاظ مذکورہ کو حروف جر ہی قرار دیتے ہیں۔

ولعل هذا لم يثبت عند المصنف أو لم يعتد به ولهذا لم يقل في الأكثر۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اخفش کے نزدیک الفاظ مذکورہ ما کے ساتھ بھی اپنے مدخول کو جر دے سکتے ہیں تو اس تقدیر پر مصنف کافیہ پر فی الأکثر کی قید کا بڑھانا یہاں بھی ضروری اور لازم تھا حالانکہ انہوں نے یہاں یہ قید نہیں بڑھائی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ شاید مصنف کے نزدیک اخفش کا یہ قول ثابت نہیں ہے یا ان کے نزدیک معتبر نہیں تھا اس لئے یہاں فی الأکثر کی قید نہیں بڑھائی بخلاف خلا اور عدا کے کہ وہاں جر کا قول بھی معتبر اور ثابت تھا اس لئے وہاں فی الأکثر کی قید بڑھائی جس سے جر کے قول کا ثبوت ملتا ہے۔

و کذا المستثنی منصوب بعد لیس۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر کے معطوفات کے معطوف علیہ پر عطف ہے یعنی جس طرح اوپر کے مقامات میں مستثنیٰ کا نصب واجب تھا اسی طرح جب اسم لیس کے بعد واقع ہوگا وجوباً منصوب ہوگا۔

نحو جاء نی القوم لیس زیداً۔

جیسے اس مثال میں زیداً لیس کے بعد منصوب ہے۔

وبعد لا یکون نحو سیجیء أهلك لا یکون بشراً۔

اس میں شارح نے لا یکون سے مقدم بعد کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ یہ لیس پر عطف ہے یعنی جس طرح لیس کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اسی طرح لا یکون کے بعد بھی منصوب ہوگا جیسے مثال مذکور فی الشرح میں بشراً کا لفظ لا یکون کے بعد منصوب واقع ہے۔

وإنما یکون النصب بعدهما لأنهما من الأفعال الناقصة الناصبة للخبر۔

اس میں شارح لیس اور لا یکون کے مدخول کے نصب کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ان کے بعد یعنی ان کے مدخول کا نصب اس لئے واجب ہوگا کہ یہ الفاظ افعال ناقصہ میں سے ہیں اور افعال ناقصہ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں اور ان کے بعد جو اسم واقع ہوگا وہ مشابہ مفعول کے ہوگا اس لئے منصوب مانا جائے گا یہ مستثنیٰ کے منصوب ہونے کا مقام ششم ہے۔

ویلزم إضمار اسمیهما فی باب الإستثناء وهو ضمیر راجع إلی اسم الفاعل من الفعل المذکور أو إلی بعض من المستثنی منه مطلقا وهما فی التراکیب فی محل النصب علی

الحالية۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لیس اور لا یکون افعال ناقصہ میں سے ہیں اسم مرفوع اور خبر منصوب کو چاہتے ہیں پس ان کی خبر تو وہ اسم ہے جو ان کے بعد واقع ہے لیکن ان کے اسماء کیا ہوں گے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ان کے اسماء کا اضمار اور تقدیر استثناء کے باب میں ضروری اور لازمی ہے یہاں ان کے اسماء ضمائر ہیں جو ان میں مستتر ہیں اور وہ فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف راجع ہیں یا مستثنیٰ منہ کے بعض مطلق کی طرف راجع ہیں جس کی تقدیر اوپر کی تشریح میں مذکور ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں وہاں سے معلوم کریں اور یہ لیس اور لا یکون بھی یہاں بنا بر حالیت محلی نصب رکھتے ہیں یعنی امثال مذکورہ فی الشرح میں یہ افعال بنا بر حالیت محلاً منصوب ہیں۔

واعلم أنه لا تستعمل هذه الأفعال إلا في المستثنى المتصل الغير المفرغ ولا يتصرف فيها لأنها قائمة مقام إلا وهي لا يتصرف فيها۔

اس میں شارح ان افعال مذکورہ بالا کے عدم تصرف کی تحقیق کرتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ یہ افعال مذکورہ بالا مستثنیٰ متصل غیر مفرغ ہی میں مستعمل ہوتے ہیں اور ان میں کوئی تصرف اور تغیر وتبدل بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ معنی میں الا کے قائم مقام اور مشابہ ہیں لہذا جس طرح الا حرف ہے اس میں کوئی تصرف نہیں اسی طرح ان افعال مذکورہ میں بھی کوئی تصرف اور تغیر وتبدل واقع نہیں ہوگا۔

ويجوز فيه أي في المستثنى۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ فیہ کی ضمیر مجرور مستثنیٰ کی طرف راجع ہے۔

النصب على الإستثناء۔

یعنی مستثنیٰ کا نصب بنا بر استثناء جائز ہے۔

ويختار البدل عن المستثنى منه فيما بعد إلا۔

اور جب مستثنیٰ الا کے بعد واقع ہو تو اس صورت میں بنا بر بدل از مستثنیٰ منہ اس کا رفع مختار ہوگا۔

حال من الضمير المجرور أي حال كون المستثنى واقعاً في محل يكون متاخراً عن إلا

احتراز عما إذا كان بعد سائر أدوات إلاستثناء مثل عدا وخلا وغيرهما.

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ فیما بعد الا کا جملہ ظرفیہ ترکیب میں فیہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوا ہے یعنی درآنحالیکہ مستثنیٰ ایسے محل میں واقع ہو جو إلا سے متاخر ہو تو اس صورت میں بنا بر بدل اس کا اعراب رفع مختار ہوگا اور فیما بعد إلا کا لفظ قید احترازی ہے اس قید کی بنا پر اس مستثنیٰ سے احتراز کیا جو باقی حروف استثناء کے بعد واقع ہو جیسے عدا و خلا و غیرهما کے الفاظ ہیں کہ یہاں بدل مختار نہیں ہوگا۔

فی کلام غیر موجب احتراز عما إذا وقع فی کلام موجب فإنه منصوب وجوبا كما مر.

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مصنف کافیہ کا فی کلام غیر موجب کا قول احترازی ہے اس میں اس مستثنیٰ سے احتراز ہوا جو کلام موجب میں واقع ہو کیوں کہ وہ اس صورت میں وجوبا منصوب ہوگا جیسا گزرا ہے۔

والحال أنه **قد ذکر المستثنی منه.**

شارح نے الحال کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ واو حالیہ ہے اور قد کی قید بڑھانے سے یہ اشارہ کیا کہ یہ جملہ ماضیہ حال واقع ہوا ہے اور جب جملہ ماضیہ حال واقع ہو تو اس میں قد لفظی یا تقدیری کی ضرورت ہوتی ہے یہاں قد تقدیری ہے۔

احتراز عما إذا لم يذكر المستثنى منه فإنه حينئذٍ يعرب على حسب العوامل وفي بعض النسخ ذكر المستثنى منه بغير واو على أنه صفة لكلام غير موجب أي كلام غير موجب ذكر فيه المستثنى منه ولم يشترط أن لا يكون منقطعاً ولا مقدما على المستثنى منه لأن حكمهما قد علم فيما سبق فاكتفى بذلك.

اس میں شارح کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ذکر المستثنی منه کا لفظ قید احترازی ہے یعنی اس قید کی بنا پر اس مستثنیٰ سے احتراز ہوا جس کے ساتھ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کیونکہ وہ اس تقدیر پر حسب عوامل معرب ہوگا اور بعضے نسخوں میں ذکر المستثنی منه کا لفظ بغیر واو کے واقع ہے بنا بر اس نسخہ یہ جملہ کلام غیر موجب کی صفت مانی جائے گی یعنی ایسا کلام غیر موجب جب کے ساتھ میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور یہاں یہ شرط نہیں بڑھائی کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مستثنیٰ منقطع نہ ہو اور نہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو کیوں کہ ان دو صورتوں کا حکم سابق میں معلوم ہو چکا ہے اس لئے اس پر اکتفا کر کے یہاں ان دو

صورتوں کا حکم نہیں بتایا۔

نحو: ﴿ما فعلوه إلا قليل﴾ بالرفع على البدلية ﴿وإلا قليلا﴾ بالنصب على الاستثناء ونحو: ما مررت بأحدٍ إلا زيد بالجر على البدلية وإلا زيداً بالنصب على الاستثناء، وما رأيت أحدا إلا زيداً بالنصب إما بطريق البدلية وهو المختار أو بطريق الاستثناء وهو جائز غير مختار۔

یعنی آیت کریمہ اس مستثنیٰ کی مثال ہے جو الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہوا اور اس کے ساتھ میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو پس اس تقدیر پر آیت کریمہ میں قلیل کے لفظ کو بنا بر بدل از مستثنیٰ منہ مرفوع پڑھنا مختار ہے اور منصوب بنا بر استثناء پڑھنا جائز غیر مختار ہے اسی طرح باقی امثال مذکورہ فی الشرح کا حکم ہے کہ مثال اول میں زید کے لفظ کو بنا بر بدل منصوب پڑھنا مختار ہے اور بنا بر استثناء جائز غیر مختار ہے۔

وإنما اختاروا البدل في هذه الصور لأن النصب على الاستثناء إنما هو بسبب التشبيه بالمفعول لا بالإصالة وبواسطة إلا وإعراب البدل بالإصالة وبغير واسطة۔

اس میں شارح بدل کے مختار ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ان مذکورہ صورتوں میں بدل کو اس لئے مختار کیا ہے کہ نصب بنا بر استثناء بسبب تشبیہ مفعول کے اور بواسطہ الا کے ہوتا ہے بالاصل نہیں ہوتا اور بدل کا اعراب بالاصل اور بغیر واسطہ الا کے ہوتا ہے۔

ويعرب أي المستثنى۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یعرب کی ضمیر فاعل مستثنیٰ کی طرف راجع ہے۔

على حسب العوامل أي بما يقتضيه العامل من الرفع والنصب والجر۔

یعنی جیسا عامل ہوگا ویسا ہی اس کا عمل ہوگا اگر عامل رافع ہو تو رفع دے گا اور اگر ناصب ہو تو وہ نصب دے گا اور عامل جار ہو تو وہ جر کا عمل کرے گا۔

إذا كان المستثنى منه غير مذكور ويختص ذلك المستثنى باسم المفرغ لأنه فرغ له العامل عن المستثنى منه۔

یعنی اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع اور مستثنیٰ منہ اس کے ساتھ میں مذکور نہ ہو تو اس صورت میں یہ مستثنیٰ

اپنے عوامل کے مطابق معرب ہوگا یعنی اگر اس کا عامل رافع ہوتو وہ رفع دے گا اور اگر ناصب ہوتو وہ نصب کرے گا اور اگر عامل جارہ ہوتو وہ اس میں جر کا عمل کرے گا اور اس مستثنیٰ کا نام مفرغ ہے کیونکہ اس میں عامل مستثنیٰ منہ کے عمل سے فارغ ہوکر مستثنیٰ کے عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام خاص کر مفرغ قرار پایا ہے۔

فالمراد بالمفرغ المفرغ له كما يراد بالمشترك المشترك فيه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ سے عامل فارغ ہوا ہے تو اس تقدیر پر مناسب ہے کہ اس کا نام مفرغ له رکھا جائے نہ کہ مفرغ۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہی ہے یعنی جس طرح مشترك سے مراد مشترك فيه ہوتا ہے اسی طرح یہاں مفرغ سے مراد مفرغ له ہے۔

وهو أى والحال أن المسسى واقع۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہاں واو حالیہ ہے یعنی درآنحالیکہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو۔

في غير الكلام الموجب۔

اس میں شارح نے الکلام کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ الموجب کا لفظ ترکیب میں صفت موصوف محذوف الکلام کے ہے۔

واشترط ذلك۔

یعنی صورت مذکورہ میں مستثنیٰ کا کلام غیر موجب میں واقع ہونا اسلئے شرط ٹھہرایا گیا ہے کہ کلام فائدہ تام کا مفید ہوجائے۔

ليفيد فائدة صحيحة مثل: ما ضربني إلا زيدٌ۔

یہ اس مستثنیٰ کی مثال ہے جو کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ اس کے ساتھ مذکور نہ ہو اور حسب عوامل معرب ہو۔

إذ يصح أن لا يضرب المتكلم أحدٌ إلا زيد بخلاف ضربني إلا زيد إذ لا يصح أن يضرب كل واحد المتكلم إلا زيد۔

اس میں شارح صورت مذکورہ میں مستثنیٰ کے کلام غیر موجب میں واقع ہونے کی شرط کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ کلام غیر موجب میں مستثنیٰ کا واقع ہونا اس لئے شرط ہے کہ سوائے زید کے ہر شخص کا متکلم کو نہ مارنا درست اور صحیح ہے کیونکہ اس سے محالیت لازم نہیں آتی ہے بخلاف ضربني إلا زيد کی ترکیب کے کہ اس میں سوائے زید کے ہر شخص کا متکلم کو مارنا درست نہیں کیوں کہ اس سے محالیت لازم ہوتی ہے۔

إلا أن يستقيم المعنى بأن يكون الحكم مما يصح أن يثبت على سبيل العموم نحو: قولك كل حيوان يحرك فكه الأسفل عند المضغ إلا التمساح أو تكون هناك قرينة دالة على أن المراد بالمستثنى منه بعض معين يدخل فيه المستثنى قطعاً۔

اوپر مصنف کافیہ نے یہ قاعدہ کلیہ باندھا تھا کہ جب مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو تو اس صورت میں کلام مفید صحیحہ کا ہوگا اور وہ فائدہ بسبیل شمول کے حکم کی صحت ہے تاکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہو اور پھر الا کے ذریعہ مستثنیٰ منہ سے خارج ہو سکے تو اس پر یہاں ایک اعتراض وارد ہوا جس کا مصنف نے خود ہی جواب دیا ہے۔

اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرأت إلا يوم كذا کی ترکیب سے منقوض ہے کیوں کہ اس میں مستثنیٰ مفرغ ہے اور باوجود اس کے یہ مستثنیٰ یہاں کلام موجب میں واقع ہوا ہے۔

مصنف نے خود ہی اس کا جواب دیا کہ یہ قاعدہ کلیہ جب ہے جب کہ کلام کے معنی درست نہ ہوں اور اگر کلام کے معنی درست ہوں اس طرح کہ حکم بسبیل عموم ثابت ہو سکے جیسے مثال مذکور فی الشرح میں تحرك فك اسفل کا حکم بہ سبیل عموم سوائے مگرمچھ کے ہر حیوان پر لگانا درست ہے یا کلام میں کوئی قرینہ ایسا ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ سے مراد وہ بعض معین ہے جس میں مستثنیٰ یقیناً داخل ہو تو ان صورتوں میں مستثنیٰ مفرغ کا کلام غیر موجب میں واقع ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے۔

مثل: قرأت إلا يوم كذا أي أوقعت القراءة كل يوم إلا يوم كذا لظهور أنه لا يريد المتكلم جميع أيام الدنيا بل أيام الأسبوع أو الشهر أو مثل ذلك۔

یعنی میں نے سوائے فلانے روز کے ہر ایک روز میں قرأت واقع کی ہے یہاں یہ ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد دنیا بھر کے تمام دنوں میں قرأت کا واقع کردینا نہیں ہے بلکہ یہاں متکلم کا مقصد ہفتوں کے ایام یا مہینوں کے اور سال کے ایام میں قرأت کا واقع کردینا ہے جو مستثنیٰ منہ کے بعضے معین افراد ہیں اس لحاظ سے یہاں مستثنیٰ کلام موجب میں واقع

ہوا ہے۔

ولقائل أن يقول كما لا يستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه في الموجب في بعض الصور فربما لا يستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه في غير الموجب أيضاً نحو: ما مات إلا زيد فينبغي أن يشترط في غير الموجب أيضاً استقامة المعنى وأيضاً لا يصح مثل قرأت إلا يوم كذا إلا بعد أن يخصص اليوم بأيام الأسبوع مثلاً فيجوز مثل هذا التخصيص في ضربني إلا زيد بأن تخصيص المستثنى منه بكل واحدٍ من جماعة مخصوصين إذا كان هناك قرينة دالة فلا فرق بين هاتين الصورتين في كون كل واحدة منهما جائزة مع القرينة وغير جائزةٍ بدونها۔

اس عبارت عربی میں شارح دوسوالوں پر تنبیہ کرتے ہیں سوال اول مصنف کے ویعرب علی حسب العوامل الخ کے قول پر وارد ہوتا ہے اور سوال دوم اس شخص پر وارد ہوتا ہے جو ضربنی إلا زید اور قراءت إلا یوم کذا کے قولوں میں فرق کرتا ہے۔

سوال اول کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح بنا بر تقدیم عموم مستثنیٰ منہ کے کلام موجب میں بعضے صورتوں میں کلام کے معنی مستقیم نہیں ہوتے اسی طرح کلام غیر موجب میں بھی بنا بر تقدیر عموم مستثنیٰ منہ کلام کے معنی بعضے صورتوں میں مستقیم نہیں ہوتے ہیں جیسے ما مات إلا زید کی ترکیب میں ہے پس مناسب ہے کہ استقامت معنی دونوں کلاموں میں شرط مانی جائے۔

اور سوال دوم کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح قرأت إلا یوم کذا کی ترکیب درست اور صحیح ہے جب کہ ایام سے مراد ایام اسبوع، شہور اور سال کے ہوں اسی طرح ضربنی إلا زید کی ترکیب بھی درست ہونی چاہئے جب کہ اس میں مستثنیٰ منہ سے مراد بواسطہ قرائن کے جماعت مخصوصہ ہو یعنی کوئی سائل یہاں یہ سوال کرسکتا ہے کہ جس طرح بعضے صورتوں میں بنا بر تقدیر عموم مستثنیٰ منہ کے کلام موجب میں کلام کے معنی مستقیم نہیں ہوتے اسی طرح کلام غیر موجب میں بھی بتقدیر عموم مستثنیٰ منہ کلام کے معنی مستقیم نہیں ہوتے ہیں جیسے ما مات إلا زید کی مثال میں ہے پس مناسب ہے کہ کلام غیر موجب میں بھی استقامت معنی شرط ٹھہرائی جائے اور اسی طرح قرأت إلا یوم کذا کی ترکیب جب صحیح ہوگی جب کہ مثال مذکور میں ایام کی تخصیص ہفتوں اور شہور اور سالوں کے ایام سے کی جائے پس اس قسم کی تخصیص ضربنی

إلا زید کی مثال میں بھی جائز ہو جائے گی اس طرح کہ مستثنیٰ منہ کو مخصوص جماعت کے ہر ایک فرد سے مخصوص کیا جائے جب کہ یہاں تخصیص کا کوئی قرینہ دالہ پایا جائے پس ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں رہا اس لئے کہ ہر ایک صورت ان میں سے قرینہ کے ساتھ جائز ہے اور بغیر قرینہ کے جائز نہیں۔

وأجيب بأن المعتبر هو الغالب، والغالب في الإيجاب عدم استقامة المعنى على العموم وفي النفي عكسه؛ لأن اشتراك جميع أفراد الجنس في انتفاء تعلق الفعل بها ومخالفة واحد إياها في ذلك مما يكثر ويغلب وأما اشتراكها في تعلق الفعل بها ومخالفة واحد بها في ذلك فمما يقل كما في المثال المذكور وبأن الفرق بين قولك قرأت إلا يوم كذا، وضربني إلا زيد ليس إلا بظهور قرينة دالة على بعض معين من المستثنى منه مقطوع دخوله فيه في الأول وعدم ظهورها في الثاني فلو قام في الثاني أيضاً قرينة ظاهرة الدلالة على بعض معين كما إذا قيل من ضربك من القوم؟ أي القوم الداخل فيهم زيد فقلت ضربني إلا زيد فالظاهر أن ذلك أيضاً مستقيم فيه المعنى، لكن الغالب عدم وجدان قرينة كذلك في الموجب فالغالب فيه عدم استقامة المعنى۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوالات مذکورہ کے جوابات دیئے ہیں:

جواب اول کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ معنی کے استقامت میں معتبر غالبیت ہے اور کلام موجب میں غالب یہ ہے کہ بنا بر تقدیر عموم مستثنیٰ منہ کلام کے معنی مستقیم نہیں ہوں گے۔ بخلاف کلام غیر موجب کے کہ اس میں غالبًا کے معنی صحیح اور درست ہوں گے کیونکہ جنس کے تمام افراد کا فعل کے تعلق کے انتفاء میں مشترک ہونا اور ایک فرد کا افراد جنس سے تعلق مذکور میں مخالف ہو جانا قلیل اور نادر ہے جیسے مثال مذکور فی الشرح ما ضربني إلا زيد میں موجود ہے۔

اور جواب دوم کی تشریح یہ ہے کہ قرأت إلا يوم كذا اور ضربني إلا زيد کے قولوں کے درمیان فرق صرف بنا بر ظہور قرینہ دالہ کے ہے جو مستثنیٰ منہ کے بعضے معین افراد پر دلالت کرے جس کا دخول مستثنیٰ منہ میں بنا بر مثال اول قرأت إلا يوم كذا کے یقین ہے اور عدم ظہور بنظر غالبیت کے مثال ثانی ضربني إلا زيد میں پایا جاتا ہے پس اگر ثانی مثال میں بھی قرینہ ظاہر الدلالت مستثنیٰ منہ کے بعضے معین افراد پر قائم کیا جائے جیسا کہ من ضربك من

القوم؟ کہا جائے اور قوم سے مراد بقرینہ سوال کے وہ قوم ہو جس میں زید داخل ہو تو اس صورت میں ضربنی إلا زید بولا جائے گا، لہٰذا اس تقدیر پر ظاہر یہ ہے کہ جس طرح کلام غیر موجب کے معنی درست ہوتے ہیں اسی طرح یہاں اس کلام موجب میں بھی معنی درست اور مستقیم مانے جائیں لیکن چونکہ کلام موجب میں غالباً ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا اس لئے اس میں غالباً معنی کی استقامت نہ ہوگی، لہٰذا اس تقدیر پر صور مذکورہ میں فرق حاصل ہوا۔

ومن ثم أي ومن أجل أن المفرغ لا يكون في الموجب إلا أن يستقيم المعنى۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مـــن کا لفظ اجلیہ مفید معنی علت کے ہے یعنی چونکہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں بغیر استقامت معنی کے نہیں آتا اس لئے آنے والی ترکیب جائز نہیں ہے۔

لم يجز مثل: ما زال زيد إلا عالماً إذ معنى ما زال ثبت لأن نفي النفي إثبات فيكون المعنى ثبت زيد دائما على جميع الصفات إلا على صفة العلم فلا يستقيم۔

یعنی مثال مذکور جائز نہیں کیوں کہ ما زال کے معنی ثبت کے ہیں اس لئے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب نفی نفی پر داخل ہوتی ہے تو اس وقت اس کے معنی اثبات کے ہوجاتے ہیں پس اس تقدیر پر مثال مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ زید سوائے صفت علم کے جمیع صفات پر دائما موصوف ہے حالانکہ یہ معنی مستقیم اور درست نہیں کیوں کہ اس سے اجتماع اضداد کی محالیت لازم ہوتی ہے۔

وقال الشارح الرضي: "يمكن أن تحمل الصفات على ما يمكن أن يكون زيد عليها مما لا يتناقض، ويستثنى من جملتها العلم، أو يحمل ذلك على المبالغة في نفي صفة العلم كأنك قلت: أمكن أن يحصل فيه جميع الصفات إلا صفة العلم، وعلى تقديرين يندرج في صورة الاستقامة۔"

اس میں شارح ایک سوال پر تنبیہ کرتے ہیں جس کو شارح رضی نے مثال مذکور کے عدم استقامت پر وارد کیا ہے تشریح سوال مذکور یہ ہے کہ شارح رضی نے کہا ہے ممکن ہے کہ صفات سے مراد وہ صفات ہوں جس پر زید موصوف ہوسکے اور وہ صفات آپس میں متناقض بھی نہ ہوں اور ان کے جملہ میں سے علم کی صفت کو مستثنیٰ کردیا جائے یا زید کا جمیع صفات پر موصوف ہونے سے مقصد مبالغہ ہو علم کی نفی میں گویا مثال مذکور کے معنی یہ ہوئے کہ زید کا سوائے علم کی صفت کے جمیع صفات پر موصوف ہونا ممکن ہے اور دونوں تقدیروں کی بنا پر مثال مذکور کے معنی استقامت کی صورت میں مندرج

ہو جاتے ہیں لہذا مصنف کافیہ کا لم يجز ما زال زيد إلا عالماً کہنا درست نہیں ہوا۔

ولا يخفى على المتفطن أنه يمكن بمثل هذه التاويلات إرجاع جميع المواد الإيجابية عند الاستثناء إلى صورة الاستقامة كما يقال مثلاً في قولك: ضربني إلا زيد المراد كل من يتصور منه الضرب من معارفك أو المقصود منه المبالغة في غلو المجتمعين على ضربك۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے جواب پر لا يخفى سے تنبیہ کی ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ذکی اور ہوشیار پر مخفی نہیں کہ اس قسم کے تاویلات کی بنا پر جمیع مواد کلام موجب کو استثناء کے وقت استقامت معنی کی صورت کی طرف راجع کر دینا ممکن ہے جیسا کہ ضربني إلا زيد کی مثال میں مثلاً یہ تاویل کر کے کہا جائے کہ مستثنیٰ منہ سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو مخاطب کے جان پہچان کے ہوں جن سے ضرب متصور ہو سکے یا اس سے مقصود متکلم کے مارنے پر مجتمعین کا مبالغہ ہے غلو میں اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہذا مصنف کافیہ کا لم يجز ما زال زيد إلا عالما کہنا درست ثابت ہوا اور شارح رضی کا اعتراض بالافضول اور بیجا ٹھہرا۔

ماسبق میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کے ساتھ مذکور اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو تو اس میں نصب جائز اور بدل مختار ہے۔ یہاں اس قاعدہ کلیہ پر ایک نقض وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ما جاء ني من أحد إلا زيد، ولا أحد فيها إلا عمرو، وما زيد شيئا إلا شئ لا يعبا به کی امثال سے منقوض ہے۔ کیونکہ ان مثالوں میں مستثنیٰ منہ کلام غیر موجب میں مذکور ہے اور باوجود اس کے یہاں بدل مختار نہیں، اس لئے کہ اگر بدل مختار مانا جائے تو مثال اول میں مستثنیٰ مجرور اور مثالین آخرین میں منصوب ہو جائے گا، حالانکہ یہاں مستثنیٰ تمام مثالوں میں مرفوع ہے۔ آگے چل کر اس کا مصنف کافیہ رحمہ اللہ خود ہی إذا تعذر البدل إلخ کے قول میں جواب دیں گے۔

وإذا تعذر البدل من حيث حمله **على اللفظ** أي لفظ المستثنىٰ منه۔

اس کے بعد بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللفظ ترکیب میں مضاف اور مضاف الیہ اس کا المستثنىٰ منه کا لفظ محذوف ہے اور محذوف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کر دیا گیا ہے۔

فعلى الموضع أي يحمل على موضع المستثنىٰ منه لا على لفظه عملا بالمختار على قدر الإمكان۔

یعنی اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کر کے بدل نہیں لایا جاسکے تو اس تقدیر پر مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کیا جائے گا تاکہ حتی الامکان مختار پر عمل ہو سکے۔

مثل: ما جاء نی من أحدٍ إلا زید فزید بدل مرفوع محمول علی موضع أحدٍ لا مجرور محمول علی لفظه۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مثال مذکور فی المتن میں زید کا لفظ بنابر بدل از مستثنیٰ منہ مرفوع ہے اور احد مستثنیٰ منہ کے محل پر محمول ہے کیونکہ اس کا محل بنابر فاعلیت رفع ہے مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کر کے مجرور نہیں پڑھا جائے گا اگرچہ یہ جواز کے درجہ میں ہے مگر یہاں رفع ہی متعین ہے۔

ومثل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے صرف یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر کی مثال پر عطف ہے۔

لا أحد فیها أی فی الدار۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فیہا کی ضمیر مجرور دار کی طرف راجع ہے۔

إلا عمرو فعمرو مرفوع محمول علی محل أحد لا علی لفظه۔

پس عمرو کا لفظ أحد کے محل پر محمول ہو کر مرفوع ہے کیونکہ احد کا محل بنابر ابتدائیت رفع ہے احد کے لفظ پر حمل کر کے مفتوح بنابر اسم لا نہیں ہوگا۔

ومثل:

اس کے بڑھانے سے بھی مقصد شارح کا یہ ہے کہ یہ اوپر کی مثال پر عطف ہے۔

ما زید شیئاً إلا شیء لا یعبأ به أی لا یعتد به فشیء مرفوع محمول علی محل شیئا لا منصوب محمول علی لفظه وقوله لا یعبأ به لیس فی کثیر من النسخ۔

یعنی اس مثال میں بھی شیء کا لفظ شیئا کے محل پر حمل کر کے مرفوع ہے لفظه پر حمل کر کے منصوب نہیں ہے اور لا یعبأ به کا قول اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔

وعلی ما وقع فی بعضها فهو صفة شیء المستثنی۔

اور بنابراس نسخہ کے جو بعض نسخوں میں کافیہ کے واقع ہوا ہے یہ لا یعبأ به کا قول شیء مستثنیٰ کی صفت ہے۔

قیل: إنما وصفه به لئلا یلزم استثناء الشيء من نفسه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لا یعبأ به کا قول مثال سے زائد ہے اس کا ذکر کرنا بیکار ہے۔

شارح نے قیل سے اس کا جواب دیا کہ یہ قول بیکار نہیں ہے بلکہ اس کو شیء مستثنٰی کی توصیف کے لئے بڑھا کر ذکر کیا ہے تاکہ ترکیب مذکور میں استثناء الشيء عن نفسه لازم نہ ہو۔

ولا یخفی أنه لو جعل المستثنی منه شیئا أعم من أن یزید علیه صفة غیر الشیئیة أو لا وخص المستثنی بما لا یزید علیه صفة غیر الشیئیة لکان أدق وألطف۔

اس میں شارح نے إنما وصفه به کے قول پر ایک اعتراض وارد کیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اگر مصنف مستثنٰی منہ کو شیء اعم ٹھہراتے خواہ غیر شیئیت کی صفت اس پر بڑھائی جائے خواہ نہیں اور مستثنٰی کو اس سے مخصوص کیا جائے جس پر غیر شیئیت کی صفت نہ بڑھائی جائے تو یہ اس صورت میں نہایت دقیق اور لطیف ہوگا۔

وإنما تعذر البدل علی اللفظ في الصورة الأولی۔

اس عبارت عربی کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یہ مصنف کافیہ کے لأن من لا تزاد الخ کے قول کا مدعی مقدر ہے یعنی صورت اول میں لفظ پر حمل کر کے بدل اس لئے متعذر ہے کہ اثبات کے بعد من استغراقی نہیں بڑھایا جاتا۔

لأن من الاستغراقیة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہاں من سے من مطلق مراد نہیں بلکہ استغراقیہ مقصود ہے۔

لا تزاد اتفاقاً۔

اتفاقا کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ بعد اثبات کے من استغراقی کا عدم زیادت اتفاقی ہے۔

بعد الإثبات أي بعد ما صار الکلام مثبتا لانتقاض النفي بإلا لأنها لتاکید النفي ولا نفي بعد الانتقاض فلو أبدل علی اللفظ وقیل ما جاء ني من أحد إلا زیدٍ بالجر، لکان في قوة قولنا جاء ني من زید فلزم زیادة من في الإثبات وذلك غیر جائز۔

یعنی چونکہ الا کے حکم سے نفی ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ الا کا کلمہ نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے اور نفی کے انتقاض کے بعد نفی نہیں رہتی اس لئے اس صورت میں کلام مثبت ہو جاتا ہے پس اگر لفظ پر حمل کر کے بدل ٹھہرایا جائے اور ما جاء نی من أحدٍ إلا زیدٍ کی ترکیب میں زید کے لفظ کو مجرور پڑھا جائے تو یہ اس تقدیر پر جاء نی من زید کے قول کی قوت وحکم میں ہو جائے گا پس اس سے کلام مثبت میں من کا زیادہ ہونا لازم ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

وفی الصورتین الأخیرتین لأنه لو أبدل المستثنی علی اللفظ وقیل: لا أحد فیها إلا عمراً بالنصب لأن فتحته شبیهة بالحرکة الإعرابیة لأنها حصلت بکلمة لا فهی کالنصب الحاصل بالعامل فلا بد حینئذ من تقدیر لا حقیقة أو حکما لتعمل فیه هذا العمل۔

یہ اوپر فی الصورة الأولی کے قول پر عطف ہے یعنی جس طرح صورت اول میں لفظ پر حمل کر کے بدل متعذر ہے اسی طرح صورتین آخرین میں بھی متعذر ہے کیونکہ اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کر کے مستثنیٰ کو بدل لایا جائے اور لا أحد فیها إلا عمراً کی ترکیب میں عمر کے لفظ کو منصوب پڑھا جائے کیونکہ یہ فتحہ حرکت اعرابی کے مشابہ ہے اس لئے کہ یہ فتحہ لا کے حکم سے حاصل ہوا ہے پس گویا یہ مثل اس نصب کے ہے جو عامل ناصب سے حاصل ہو پس اس تقدیر پر لا حقیقی یا حکمی کا مقدر ماننا ضروری ہوگا تا کہ وہ اس میں یہ عمل مذکور کر سکے۔

وکذا فی قوله: ما زید شیئا إلا شیء لوحمل المستثنی علی لفظ المستثنیٰ منه لا بد حینئذ من تقدیر ما کذلك لتعمل فیه۔

یہ اوپر کے مثال پر عطف ہے جس طرح اوپر کی مثالوں میں بدل لفظ پر حمل کر کے متعذر ہے اسی طرح ما زید شیئا إلا شیء کی مثال میں بھی بدل متعذر ہے کیونکہ یہاں اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کر کے بدل لایا جائے تو اس صورت میں کلمہ ما کا مقدر ماننا ضروری اور لازمی ٹھہرایا جائے گا تا کہ وہ بھی یہاں یہ عمل مذکور کر سکے۔

وما ولا لا تقدران لا حقیقة إذا لم یکن البدل إلا بتکریر للعامل ولا حکماً إذا اکتفی بدخوله علی المبدل منه واعتبر سرایة حکمه إلیه فإنه فی قوة التقدیر حال کونهما۔

یعنی ما اور لا کے کلمے نہ حقیقۃً مقدر ہوتے ہیں جب کہ بدل صرف تکریر عامل سے مانا جائے اور نہ حکماً جب کہ عامل کا دخول صرف مبدل منہ پر اکتفا کر کے ٹھہرایا جائے اور عامل کی سرایت کا حکم بالتبع بدل کی طرف معتبر مانی جائے کیونکہ یہ سرایت کا حکم تقدیر کی قوت اور حکم میں ہے یعنی ما اور لا کے الفاظ درآنحالیکہ عامل ہوں نہ حقیقۃً مقدر ہوں

گے نہ حکماً اور آخر میں حال کا لفظ بڑھا کر شارح نے یہ اشارہ کیا کہ عاملتین کا لفظ لا تقدران کی ضمیر مرفوع سے حال واقع ہوا ہے۔

عاملتين في المستثنى المحمول على البدل۔

یعنی جب ما اور لا کے الفاظ اس مستثنیٰ میں عامل مانے جائیں جو بدل پر محمول ہو تو اس تقدیر پر یہ کلام میں مقدر نہیں ہوں گے۔

بعده أي بعد الإثبات يعني بعد ما صار الكلام مثبتا لانتقاض النفي بإلا۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ بعدہ کی ضمیر مجرور اثبات کی طرف راجع ہے یعنی الا کی وجہ سے نفی ٹوٹ جاتی ہے اور کلام مثبت بن جاتا ہے۔ اثبات کے بعد ما اور لا کے الفاظ اس لئے مقدر نہیں ہو سکتے کہ

لأنهما أي ما ولا۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے صرف یہ اشارہ کیا ہے کہ ھما کی ضمیر ما اور لا کے الفاظ کی طرف راجع ہے۔

عملتا للنفي وقد انتقض النفي بإلا۔

یعنی یہ دو الفاظ نفی کا عمل کرتے ہیں اور نفی الا سے ٹوٹ جاتی ہے کلام مثبت ہو جاتا

وحيث تعذر في هاتين الصورتين البدل على اللفظ حمل على المحل فعمرو مرفوع على أنه محمول على محل أحد، وهو الرفع بالابتداء وشيء مرفوع على أنه محمول على شيئا وهو الرفع بالخبرية۔

یعنی جب ان دو مذکورہ صورتوں میں لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کر کے بدل متعذر ٹھہرا تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کیا جائے گا پس امثال مذکورہ میں عمرو کا لفظ أحد کے محل پر حمل کر کے مرفوع ہے اور أحد کا محل رفع ہے بنا برابتدا اور شیء کا لفظ شیئا کے محل پر حمل کر کے مرفوع پڑھا جائے گا اور شیئا کے لفظ کا محل بنا بر خبریت مارفع ہے۔

فإن قلت: لأحد في هذا المثال محلان من الإعراب محل قريب وهو نصبه بكلمة لا ومحل بعيد وهو رفعه بالابتداء فَلِمَ اعتبروا حمله على محله البعيد لا القريب؟

اور پر مصنف علیہ الرحمۃ نے لا أحد فيها إلا عمرو کی مثال میں عمرو کے لفظ کو أحد کے محل بعید پر حمل کر

کے مرفوع بتایا تھا۔ یہاں اس پر ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ اس مثال مذکور میں أحد کے لفظ کے اعراب کے محل دو ہیں، ایک محل قریب اور وہ لا کے کلمہ سے اس کا نصب ہے، دوسرا محل بعید اور وہ اس کا رفع ہے بنا بر ابتدا، پس عمرو کو أحد کے محل بعید پر حمل کر کے مرفوع کیونکر معتبر کیا ہے، محل قریب پر حمل کر کے منصوب کیوں نہیں مانا؟

قلت: لأن محله القريب إنما هو لعمل لا فيه بمعنى النفي وقد انتقض بإلا بخلاف محله البعيد فإنه لا دخل لعمل لا فيه۔

اس میں شارح نے اوپر مذکور اعتراض کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ عمرو کو أحد کے محل بعید پر حمل کر کے مرفوع اس لئے پڑھا ہے کہ نصب عمرو کا أحد کے محل قریب پر حمل کر کے لائے نافیہ کے عمل کی وجہ سے ٹھہرایا جا سکتا تھا اور لا کی نفی کا عمل الا کی وجہ سے ٹوٹ چکا ہے بخلاف محل بعید کے کہ اس میں لا کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے اس لئے اس کے محل بعید پر حمل کو معتبر کیا۔

اس قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا جواب خود ہی مصنف کافیہ آگے چل کر بخلاف ليس إلخ کے قول میں دیں گے۔

اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ليس زيد شيئا إلا شيئا کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ نفی یہاں بھی الا سے ٹوٹ گئی ہے اور باوجود اس کے یہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے لفظ پر محمول ہے محل پر نہیں۔

بخلاف ليس زيد شيئا إلا شيئا مع أنه انتقض النفي فيه أيضاً بإلا۔

یعنی بخلاف ليس زيد شيئا إلا شيئا کی مثال کے کہ اس میں باوجود اس کے کہ اس میں بھی الا سے نفی ٹوٹ گئی ہے مگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کر کے مستثنیٰ کو منصوب پڑھا گیا ہے اس لئے کہ

لأنها أي ليس۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ لانها کی ضمیر واحد مؤنث ليس کی طرف راجع ہے۔

عملت للفعلية لا للنفي فلا أثر لنقض معنى النفي في عملها لبقاء الأمر العاملة هي أي ليس لأجله أي لأجل ذلك الأمر وهو الفعلية۔

یہ اوپر کے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں لفظ پر حمل اس لئے کیا ہے کہ لیس فعل ناقص ہے

فعلیت کا عمل کرتا ہے نفی کا عمل نہیں کرتا اس لئے یہاں اگر چہ نفی کے معنی الا سے ٹوٹ گئے ہیں مگر اس کے نقض کا کوئی اثر نہیں لہذا یہاں لیس کی فعلیت کا عمل باقی رہے گا اور لفظ پر حمل معتبر سمجھا جائے گا۔

ومن ثم أی ومن أجل أن عمل لیس للفعلیة لا للنفی وعمل ما ولا بالعکس۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں من کا لفظ اجلیہ علت کے معنی دیتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ لیس فعل ناقص فعلیت کا عمل کرتا ہے نفی کا عمل نہیں کرتا بخلاف ما اور لا کے کہ ان کا عمل بالعکس ہے۔

جاز لیس زید إلا قائماً بإعمال لیس فی قائماً وإن انتقض نفیها بإلا لبقاء فعلیتها۔

یعنی چونکہ لیس فعل ناقص فعلیت کا عمل کرتا ہے اس لئے یہ ترکیب مذکور جائز ہے کیونکہ اس میں اگر چہ نفی الا سے ٹوٹ گئی ہے لیکن اس کی فعلیت باقی ہے اس لئے قائماً میں نصب کا عمل کیا ہے۔

وامتنع ما زید إلا قائماً بإعمال ما فی قائما لأن عملها فیه إنما هو للنفی وقد انتقض النفی بإلا۔

اور ما زید إلا قائما کی ترکیب درست نہیں کیونکہ قائما میں ما بسبب نفی کے عمل کرتا تھا اور وہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی اس لئے اب وہ قائماً میں نصب کا عمل نہیں کر سکتا بخلاف لیس کے کہ وہ بوجہ بقائے فعلیت کے نصب کا عمل کر سکتا ہے۔

والمستثنی مخفوض أی مجرور بعد غیر وسوی مع کسر السین أوضمها مع القصر۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ سوی کا لفظ بالف مقصورہ ہے اور اس کے سین کو مکسور اور مضموم دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وسواء بفتح السین أو کسرها مع المد لکونه مضافا إلیه۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ سواء کا لفظ بالف ممدودہ ہے اور مفتوح السین اور مکسور السین دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں یعنی مستثنی اگر غیر اور سوی اور سواء کے الفاظ کے بعد واقع ہوگا تو وہ بنابر مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہوگا، کیونکہ الفاظ مذکورہ مضاف واقع ہوتے ہیں اور ان کا مدخول مضاف الیہ واقع ہوگا اس لئے مجرور ہوگا۔

وبعد حاشا فی الأکثر لکونها حرف جر فی أکثر استعمالاتهم وأجاز بعضهم

النصب بها على أنها فعل متعد فاعله مضمر ومعناها تبرية المستثنى عما نسب إلى المستثنى منه نحو: ضرب القوم عمراً حاشا زيداً أي برأه الله عن ضرب عمرو۔

یعنی اگر مستثنیٰ بعد حاشا کے واقع ہوتو وہ اکثر استعمال میں یہاں بھی مجرور ہوگا کیونکہ اس کو اکثر استعمالات میں حرف جر مانتے ہیں اور حرف جر اپنے مجرور کو جر دیتا ہے اور بعضے اس کو فعل متعدی مانتے ہیں اس لئے اس کے مدخول کو منصوب پڑھتے ہیں اور اس میں جو ضمیر مستتر ہے اس کو اس کا فاعل قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی مستثنیٰ کے تبریہ کے ہیں اس سے جس کی مستثنیٰ منہ کی طرف نسبت ہو جیسے مثال مذکور فی الشرح میں موجود ہے جس کے معنی برأه الله عن ضرب عمرو کے ہیں۔

وإعراب غير فيه أي في الاستثناء دون الصفة إذ هو حينئذٍ بإعراب موصوفه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فیہ کی ضمیر مجرور استثناء کی طرف راجع ہے یعنی غیر کا لفظ جب استثناء میں واقع ہو اور وہ استثناء کے معنی کا فائدہ دیتا ہو تو اس صورت میں اس لفظ کا اعراب بعینہ وہی اعراب ہوگا جو مستثنیٰ بالا کا ہوگا بخلاف غیر صفتی کے کہ وہ اس وقت اپنے موصوف کے اعراب کے مطابق معرب ہوگا۔

فائدہ: غیر کے لفظ کی دو قسمیں ہیں اول استثنائی دوم صفتی۔ استثنائی کا اعراب مستثنیٰ بالا کا اعراب ہوگا اور صفتی کا اعراب اپنے موصوف کے اعراب کے موافق ہوگا۔

كإعراب المستثنىٰ بإلا على التفصيل المذكور فيما سبق فكأنه لما انجرّ به المستثنىٰ للإضافة انتقل إعرابه إليه۔

یعنی غیر کے لفظ کا اعراب مستثنیٰ بالا کے مثل ہے اسی تفصیل پر جس کا ذکر سابق میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اور وہ وجوب مستثنیٰ ہے جو کلام موجب میں ہو اور منقطع و مستثنیٰ مقدم میں بھی نصب واجب ہے اور کلام غیر موجب میں جواز اور اختیار بدل اور کلام موجب میں على حسب العوامل معرب ہوتا ہے چونکہ بوجہ اضافت ضمیر کے مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ اس لئے اس تقدیر پر گویا مستثنیٰ کا اعراب اس غیر کے لفظ کی طرف منتقل ہوا اور یہ مستثنیٰ بالا کے حکم میں داخل ہوا۔

وغير أي كلمة غير في الأصل صفة لدلالتها على ذات مبهمة باعتبار قيام معنى المغائرة بها فالأصل فيها أن تقع صفة كما تقول: جاء ني رجل غير زيد واستعمالها على هذا

الوجه كثير فی كلام العرب لكنها۔

یعنی غیـر کا کلمہ اصل میں صفت کے لئے موضوع ہے کیوں کہ جس طرح صفت ذات مبہم پر دلالت کرتی ہے اسی طرح یہ غیـــر کا کلمہ بھی باعتبار قیام معنی مغائرت کے ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے پس اصل اس میں یہ ہے کہ صفت واقع ہو جیسے جاء نی رجل غير زيد کی مثال میں صفت واقع ہوئی ہے اور اس کا استعمال اس صفت کے معنی میں عرب کے کلام میں بہت کثرت سے ہے لیکن یہ استثناء میں الا پر محمول ہو کر استثناء کے معنی کا فائدہ دے گا۔

حملت على إلا واستعملت مثلها **في الاستثناء** على خلاف الأصل وذلك لاشتراك كل منهما في مغائرة ما بعده لما قبله۔

یعنی غیر مثل الا کے استثناء میں خلاف اصل مستعمل ہوگا اور غیر کا الا پر حمل کر کے استثناء میں استعمال اس لئے ہوگا کہ مغائرت کے معنوں میں یہ دونوں الفاظ مشترک ہیں یعنی جس طرح الا کا کلمہ اپنے مابعد کے ماقبل سے مغائرت کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اسی طرح غیر کا کلمہ بھی مغائرت کے معنی کا فائدہ دیتا ہے اسی مناسبت سے ان الفاظ میں ایک کا حمل دوسرے پر جائز ہے۔

كما حملت إلا عليها ای على كلمة غير **في الصفة** لكن لا تحمل إلا عليها في الصفة غالباً إلا۔

یعنی جس طرح إلا کا کلمہ غیـر کے کلمہ پر محمول ہو کر صفت کے معنی کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح غیـر کا کلمہ إلا پر محمول ہو کر استثناء کا فائدہ دیتا ہے لیکن إلا کا حمل غیـر پر صفت میں غالباً نہیں ہوتا بخلاف غیـر کے کہ اس کا حمل إلا پر اغلب اور اکثر ہے۔

إذا كانت أي إلا۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ کانت فعل ناقص کا اسم إلا ہے۔

تابعة لجمع أي واقعةً بعد متعدد فوجب أن يكون موصوفها مذكوراً لا مقدراً كما قد يكون مقدراً في غير مثل جاء ني غير زيد وبعد ما كان مذكورا يكون متعدداً ليوافق حالها صفة حالها أداة استثناء؛ إذ لا بد لها في الإستثناء من مستثنى منه متعددٍ، فلا تقول في الصفة: جاء ني رجل إلا زيد۔

یعنی یہ مذکور حکم جب ہوگا جب کہ الا کا کلمہ جمع کا تابع واقع ہو یعنی مستثنیٰ منہ متعدد کے بعد واقع ہو پس اس تقدیر پر واجب ہے کہ الا کا موصوف مذکور ہو مقدر نہ ہو جیسا کہ غیر میں کبھی کبھی مقدر ہوتا ہے جیسے مثال مذکور فی الشرح میں موصوف غیر کا مقدر ہے اور وہ قوم کا لفظ ہے اور جب الا کا موصوف مذکور ہوگا تو وہ متعدد بھی ہوگا تا کہ اس کا حال صفت کی حالت میں استثناء کے حروف کے حال کے موافق ہو جائے کیونکہ اس کے لئے استثناء میں مستثنیٰ منہ متعدد کی ضرورت ہے۔ پس اس صورت میں جاء نی رجل الا زید صفت کے معنی کا لحاظ کر کے نہیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ غیر زید پڑھیں گے۔

والمتعدد أعم من أن يكون جمعاً لفظا كرجال أو تقديرا كقوم ورهط وأن يكون مثنى فدخل فيه نحو ما جاء نی رجلان إلا زيد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا قوم اور رهط اور ما جاء نی رجلان الا زید کی ترکیب سے منقوض ہے کیونکہ یہاں الا صفتی ہے اور باوجود اس کے یہاں مستثنیٰ منہ جمع متعدد نہیں بلکہ تثنیہ اور مفردات ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ متعدد عام ہے خواہ جمع لفظی ہو جیسے رجال کا لفظ ہے خواہ تقدیری ہو جیسے قوم اور رهط کے الفاظ ہیں اور خواہ وہ متعدد تثنیہ ہو پس اس تقدیر پر اس حکم میں ماجاء نی رجلان الا زید کی ترکیب کا مستثنیٰ منہ رجلان بھی داخل ہوا کیونکہ تثنیہ بھی متعدد حکمی اور تقدیری ہے۔

منكور أى منكر لا يعرف باللام حيث يراد به العهد أو الاستغراق، فيعلم التناول قطعاً على تقدير الاستغراق، وعلى تقدير أن يشار به إلى جماعة يكون زيد منهم، فلا يتعذر الاستثناء المتصل أو عدم التناول قطعاً على تقدير أن يشار به إلى جماعة لم يكن زيد منهم فلا يتعذر المنقطع۔

یہ جمع کی صفت اول ہے اور شارح نے منکور کی شرح منکر سے کر کے یہ اشارہ کیا کہ منکر معلوم ہے اور منکور غیر معلوم ہے گویا غیر معلوم کی تفسیر معلوم سے کی ہے یعنی جمع منکر معرفہ باللام نہ ہو کیونکہ اگر معرفہ باللام ہو تو اس صورت میں اس کا الف لام دو حالتوں سے خالی نہیں۔ استغراقی ہوگا یا عہدی۔ بنا بر تقدیر اول مستثنیٰ متصل متعذر نہیں ہوگا اور بنا بر تقدیر ثانی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا اس سے اس جماعت کی طرف اشارہ مقصود ہوگا جس میں مستثنیٰ

یعنی زید داخل ہو قطعاً یا اس جماعت کی طرف اشارہ ہوگا جس میں مستثنیٰ یعنی زید قطعاً داخل نہ ہو بلکہ خارج ہو۔ اگر اول صورت مراد ہے تو اس صورت میں بھی مستثنیٰ متصل متعذر نہیں ہوگا اور اگر ثانی صورت مقصود ہے تو مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہوگا اور اس حکم میں یہ شرط ہے کہ الا بمعنی غیر کے ہو۔

غير محصور والمحصور نوعان: إما الجنس المستغرق نحو ماجاء نی رجل أو رجال، وإما بعض منه معلوم العدد نحو له علی عشرة دراهم أو عشرون، وإنما اشترط أن يكون غير محصورٍ لأنه إن كان محصوراً علی أحد الوجهين وجب دخول ما بعد إلا فيه فلا يتعذر الاستثناء نحو: كل رجل إلا زيداً جاء نی وله علی عشرة إلا درهما۔

اس میں غیر محصور کالفظ ترکیب میں لجمع کی صفت ثانی واقع ہوا ہے اور جمع محصور کی دو قسمیں ہیں اول جنس مستغرق جیسے ما جاء نی رجل أو رجال میں ہے۔ دوم قسم مستغرق کا بعض معلوم العدد ہے جیسے: له علی عشرة دراهم او عشرون میں ہے اور جمع میں اس کا غیر محصور ہونا شرط اس لئے ٹھہرایا ہے کہ اگر بنا برایک وجہ وجہین مذکورین کے جمع محصور مانی جائے تو اس صورت میں مابعد الا کا اس میں داخل ہونا واجب ہو جائے گا پس مستثنیٰ کا تعذر یہاں بھی نہیں ہوگا جیسے امثال مذکورہ فی الشرح میں ہے۔

وإنما يصار عند وجود هذه الشرائط إلی حمل إلا علی غير۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ مصنف کافیہ کا قول لتعذر الاستثناء مدعی مقدر کی دلیل ہے یعنی ان شرائط مذکورہ کے پائے جانے کی بنا پر غیر پر الا کے حمل کی ضرورت اس لئے ہے کہ شرائط مذکورہ کی موجودگی میں استثناء متعذر رہوتی ہے۔

لتعذر الاستثناء عند وجودها فيضطر إلی حملها علی غير۔

یعنی چونکہ شرائط مذکورہ بالا کے پائے جانے کی بنا پر استثناء متعذر ہے اس لئے الا کا حمل غیر پر بدرجہ مجبوری کیا جائے گا۔

وإنما قلنا فی صدر هذا الكلام: إن إلا لا تحمل علی الصفة غالباً فقيدناه بقولنا غالباً لأنه قد يتعذر الاستثناء فی المحصور نحو: جاء نی مائة رجل إلا زيدٍ وقد لا يتعذر فی غير المحصور نحو: ما جاء نی رجلا إلا واحداً وإلا رجال وإلا حماراً ولكن لما كان ذلك نادراً لم

يلتفت المصنف إليه فی بيان هذه القاعدة۔

اس میں شارح اپنے غالباً قید کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے اس کلام کے شروع میں غالباً کی قید بڑھا کر یہ کہا ہے کہ الا کا حمل غیر صفتی پر غالباً نہیں ہوتا، یہ اس لئے کہ کبھی کبھی مستثنیٰ محصور میں استثناء متعذر رہوتی ہے، جیسے جاء نی مائة رجل إلا زيد کی مثال میں زید کی استثناء مائة رجل سے متعذر ہے کیونکہ زید مائة رجل میں داخل نہیں ہے اور کبھی کبھی مستثنیٰ غیر محصور میں استثناء متعذر نہیں ہوتی جیسے ما جاء نی رجال إلا واحداً وإلا رجلاً وإلا حماراً کی مثال میں موجود ہے کہ یہاں استثناء متعذر نہیں ہے لیکن چونکہ یہ شاذ و نادر تھا اس لئے مصنف کافیہ نے قاعدہ کلیہ مذکورہ کے بیان میں اس کی طرف التفات نہیں کیا گویا شارح نے وإنما قلنا فی صدر هذا الكلام إلخ کی عبارت میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ غیر صفتی پر إلا کے حمل کا دارومدار استثناء کا تعذر ہے اور قاعدہ مذکورہ بالا سے تعذر لازم نہیں آتا اور اس کے منتفی ہونے سے عدم تعذر واجب نہیں ہوتا ہے لہذا قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا جامع اور مانع ثابت نہیں ہوا پس مصنف پر لازم تھا کہ لجمعٍ غير معلوم کہتے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن یہ شاذ اور نادر ہے اس لئے مصنف کافیہ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔

نحو: لو كان فيهما أی فی السماء والأرض۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ فيهما کی ضمیر مجرور سماء اور أرض کی طرف راجع ہے۔

آلهة جمع إلهٍ ولا دلالة فيها على عدد محصور۔

اس میں شارح صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ الهة کا لفظ إلـــه کی جمع ہے اور آیت شریفہ میں کسی عدد محصور پر دلالت نہیں ہے۔

إلا الله أی غير الله۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصود یہ ہے کہ یہاں الا صفتی بمعنی غیر کے ہے۔

لفسدتا أی لخرجتا عن الانتظام فإلا فی الآية صفة لأنها تابعة لجمع منكور غير محصور وهی آلهة ويتعذر الاستثناء لعدم دخول الله تعالى فی آلهة بيقين فلم يتحقق شرط

صحة الاستثناء وفي الآية مانع آخر عن حمل إلا على الاستثناء، وهو أنه لو حملت عليه صار المعنى: لو كان فيهما آلهة مستثنى عنها الله تعالى لفسدتا، وهذا لا يدل إلا على أنه ليس فيهما آلهة مستثنى عنها الله تعالى وبهذا لا يثبت وحدانيته تعالى بجواز أن يكون حينئذ فيهما آلهة غير مستثنى عنها الله تعالى بخلاف ما إذا كانت للصفة بمعنى غير فإنه يدل على أنه ليس فيهما آلهة غير الله تعالى وإذا لم يكن فيهما آلهة غير الله تعالى يجب أن لا تتعدد الآلهة لأن التعدد يستلزم المغايرة۔

یعنی اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے اور خدا ہوتے تو یہ زمین اور آسمان دونوں اپنے انتظام مشاہدہ سے خارج ہو جاتے کیونکہ خداؤں کا آپس میں تمانع اور جھگڑا ہوتا جس سے عالم کا انتظام درہم برہم ہو کر فاسد ہو جاتا اس آیت کریمہ میں جمع منکر غیر محصور کی مثال ہے اور الا کا کلمہ اس میں صفتی بمعنی غیر کے ہے کیونکہ یہ جمع منکور غیر محصور کا تابع ہے اور یہاں جمع منکور غیر محصور آلھة کا لفظ ہے اور یہاں اللہ کا مستثنیٰ ہونا آلھة سے اس لئے متعذر ہے کہ اللہ تعالیٰ آلھة میں یقیناً داخل نہیں اور یہی استثناء کی صحت کی شرط تھی لہذا استثناء کی صحت کی شرط متحقق نہیں ہوئی اس لئے بدرجہ مجبوری یہاں الا کا لفظ صفتی بمعنی غیر مانا جائے گا اور علاوہ ازیں اس آیت شریفہ میں الا کے استثناء پر حمل کرنے کا ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر الا کا لفظ یہاں استثناء کے معنی پر محمول کر دیا جائے تو اس صورت میں آیت مبارکہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر زمین و آسمان میں وہ خدا ہوتے جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے تو نظام عالم بگڑ جاتا اور یہ معنی صرف اس پر دلالت کریں گے کہ زمین و آسمان میں وہ خدا نہیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت جائز ہے کہ زمین و آسمان میں وہ خدا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ نہیں ہے اور یہ اس تقدیر پر کہ الا کو یہاں استثناء کے معنی پر محمول کر دیا جائے بخلاف اس کے کہ الا صفتی بمعنی غیر کے ہو کہ اس تقدیر پر آیت مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ زمین و آسمان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی خدا نہیں اور جب زمین و آسمان میں غیر خدا کوئی دوسرا خدا نہیں تو اس سے یہ لازم اور واجب آیا کہ زمین و آسمان میں تعدد الہ نہیں ہے کیونکہ تعدد الہ سے مغایرت لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے لہذا اس کے ملزوم یعنی الا کے لفظ کا یہاں استثناء پر حمل کرنا اور مستثنیٰ منہ یعنی آلھة کا متعدد ماننا اور اللہ تعالیٰ کا اس سے مستثنیٰ ٹھہرانا بھی باطل ہے۔

وضعف حمل إلا على غير **في غيره** أي في غير جمع منكور غير محصور لصحة

الاستثناء حینئذ۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ غیرہ کی ضمیر مجرور جمع منکور کی طرف راجع ہے یعنی غیر پر إلا کا حمل سوائے جمع منکور کے صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے کیونکہ جمع منکور غیر محصور کے علاوہ میں استثناء صحیح ہوتی ہے۔

ومذهب سيبويه جواز وقوع إلا صفةً مع صحة الاستثناء قال: يجوز في قولك ما أتاني أحد إلا زيد أن يكون إلا زيد صفة وعليه أكثر المتأخرين تمسكا بقوله شعر:

وكل أخ مفارقه أخوه لعمر أبيك إلا الفرقدان

فالفرقدان صفة لكل أخٍ لا استثناء منه وإلا وجب أن يقال الفرقدين بالنصب وحمل المصنف ذلك على الشذوذ وقال في البيت شذوذان آخران أحدهما وصف كل دون المضاف اليه والمشهور وصف المضاف إليه إذ هو المقصود وكل لإفادة الشمول فقط وثانيهما الفصل بالخبر بين الصفة والموصوف وهو قليل۔

سیبویہ کے مذہب میں مع صحت استثناء الا کا صفتی بمعنی غیر واقع ہونا جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ ما جاء نی أحد إلا زید کی ترکیب میں إلا کا صفتی واقع ہونا جائز ہے اور اسی پر اکثر علماء متاخرین بھی ہیں، سیبویہ شعر مذکور فی الشرح سے دلیل لیتے ہیں کہ اس میں فرقدان کا لفظ کل أخٍ کی صفت واقع ہوئی ہے اس سے استثناء نہیں کیونکہ اگر یہ اس سے استثناء ہوتی تو واجب ہے کہ فرقدان کا لفظ منصوب بنا بر استثناء فرقدین پڑھا جائے حالانکہ شاعر نے منصوب نہیں پڑھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء نہیں ہے۔

اور مصنف کافیہ نے شعر مذکور کو ضعف اور شذوذ پر محمول کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس شعر میں دو شذوذ اور بھی ہیں اول کل کے لفظ کا وصف بغیر مضاف الیہ کے، حالانکہ مشہور مضاف الیہ کا وصف ہوتا ہے کیونکہ یہی مقصود ہوتا ہے اور کل کا لفظ صرف شمول کے افادہ کے لئے آتا ہے، دوم درمیان صفت اور موصوف کے فصل بالخبر اور یہ بہت قلیل ہے۔

وإعراب سوى وسواء النصب على الظرف أي بناءً على ظرفيتهما لأنك إذا قلت: جاء ني القوم سوى أو سواء زيد فكأنك قلت مكان زيد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سوی اور سواء کے الفاظ کی ظرفیت درست نہیں کیونکہ ظرف مکان ہوتا ہے یا زمان اور یہ الفاظ نہ مکان ہیں نہ زمان۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ مذکورہ اصل میں مکان کی صفت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿مکاناً سوی﴾ میں ہے پس یہ الفاظ باعتبار اپنے موصوف کے مکان ٹھہرے لہذا ان کی ظرفیت درست ثابت ہوئی یعنی یہ الفاظ منصوب بنابر ظرفیت ہیں کیونکہ جب جاء نی القوم سوی یا سواء زید پڑھا جائے تو گویا مکان زید پڑھا گیا۔

على المذهب الأصح.

شارح نے المذہب کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ صحت باعتبار مذہب کے ہے باعتبار استعمال کے نہیں۔

وهو مذهب سيبويه فهما عنده لازما الظرفية وعند الكوفيين يجوز خروجهما عن الظرفية والتصرف فيهما رفعاً ونصباً وجراً كغير متمسكين بقول الشاعر شعر:

ولم يبق سوى العدوا ... ن دنّاهم كما دانوا

وزعم الأخفش أن سواء إذا أخرجوه عن الظرفية أيضاً نصبوه استنكاراً لرفعه فيقولون: جاء نى سواءك وفى الدار سواءك ومثل هذا فى استنكار الرفع فيما غلب انتصابه على الظرفية قوله تعالىٰ: ﴿لقد تقطع بينكم﴾ بالنصب۔

یعنی یہ مذہب اصح سیبویہ کا مذہب ہے پس یہ الفاظ مذکورہ بالا سیبویہ کے نزدیک لازم الظرفیت ہیں اس لئے یہ منصوب بنابر ظرف ہوں گے اور علماء کوفہ کے نزدیک ان الفاظ مذکورہ کا ظرفیت سے اخراج اور ان میں تصرف رفعی، نصبی، جری مثل غیر کے جائز ہے اور کوفیین شاعر کے قول مذکور سے دلیل اور تمسک لیتے ہیں اس میں سوی کا لفظ معرب ہے۔ اور اخفش کا زعم یہ ہے کہ سواء کے لفظ کو بھی ظرفیت سے خارج کر کے بوجہ استنکار رفع منصوب پڑھتے ہیں۔ پس جاء نی سواءك و فی الدار سواءك کی امثال میں حالت رفعی اور حالت جری میں بھی سواء کے لفظ کو منصوب پڑھتے ہیں اور مثل اس کے اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہے کہ یہاں اگرچہ بینکم کا لفظ بنابر فاعلیت مرفوع ہونا چاہئے لیکن یہ بوجہ استنکار رفع بنابر ظرفیت اغلب اور اکثر منصوب پڑھا جاتا ہے اگرچہ بعض قاری مرفوع بھی پڑھتے ہیں۔

مصنف مستثنیٰ کے احوال کے بیان سے فارغ ہو کر آگے چل کر کان اور اس کے أخوات کی خبر کے احوال شروع کریں گے۔

خبر كان وأخواتها وستعرفها فى قسم الفعل إن شاء الله تعالىٰ۔

یعنی کان اور اس کے اخوات کی خبر بھی منصوبات میں سے ہے اور کان کی اخوات کا بیان فعل کی قسم میں

عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ جس کی تحقیق کوتو خود معلوم کرلے گا۔

هو المسند بعد دخولها أي دخول كان أو إحدى أخواتها.

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ دخولها کی ضمیر مجرور کان یا اس کے اخوات میں سے ایک اخت کی طرف راجع ہے۔

والمراد ببعدية المسند لدخولها أن يكون إسناده إلى اسمها واقعا بعد دخولها على اسمها وخبرها ولا شك أن ذلك إنما يتصور بعد تقرر الاسم والخبر فالإسناد الواقع بين أجزاء الخبر المقدم على تقرره لا يكون بعد دخولها بل يكون قبله فلا ينتقض التعريف بمثل كان زيدٌ يضرب أبوه ولا بمثل كان زيد أبوه قائم بأن يقال يصدق على يضرب وقائم في هذين المثالين المعرف، وليسا من أفراد المعرف.

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کان کی خبر کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں کان زيد يضرب أبوه اور كان زيد أبوه قائم کی مثالوں کے یضرب اور قائم کے الفاظ داخل ہوگئے کیونکہ یہ بھی مسند ہے حالانکہ یہ خبر نہیں بلکہ جملے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مسند کی بعدیت سے مراد یہ ہے کہ اس کا اسناد کان اور اس کے اخوات کے اسم وخبر پر داخل ہونے کے بعد اسم کی طرف واقع ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ اسناد اسم اور خبر کے تقرر کے بعد ہی متصور ہوتا ہے پس وہ اسناد جو اسم وخبر کے تقرر پر مقدم درمیان اجزائے خبر کے واقع ہوگا وہ کان اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد نہیں ہوگا بلکہ اس کے قبل ہوگا لہذا اب اس تقدیر پر خبر کی تعریف امثال مذکورہ سے منقوض نہیں ہوئی اور یہ جمل مذکورہ بتاویل مفرد ہوکر کان کی خبر واقع ہوئے ہیں۔

ويمكن أن يقال في جواب هذا النقض: إن المراد بدخولها ورودها للعمل فيما وردت عليه كما سبقت الإشارة إليه في خبر إن وأخواتها.

اس میں شارح نے اوپر کے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ اس نقض مذکور کے جواب میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کان اور اس کے اخوات کے داخل ہونے سے مراد ان کا اسم اور خبر میں عمل کرنے کی بنا پر وارد ہونا ہے جیسا کہ اس کی طرف ان اور اس کے اخوات کے بیان میں اشارہ ہو چکا ہے۔ وہاں

ملاحظہ ہو۔

مثل: كان زيد قائما وأمره أى أمر خبر كان وأخواتها۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ أمره کی ضمیر مجرور کان اور اس کے اخوات کی خبر کی طرف راجع ہے۔

كأمر خبر المبتدأ فى أقسامه وأحكامه وشرائطه على ما سبق فى بحث المبتدأ والخبر۔

یعنی کان کی خبر اقسام، احکام اور شرائط میں مثل مبتدا کی خبر کے ہے جیسا کہ مبتدا اور خبر کی بحث میں مذکور ہوا ہے اور مبتدا کی خبر کے اقسام تین ہیں:۔

اول یہ کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جملہ، معرفہ اور نکرہ واقع ہوتا ہے اسی طرح کان کی خبر بھی مفرد اور جملہ، معرفہ اور نکرہ واقع ہوسکتا ہے۔

دوم یہ کہ جس طرح مبتدا کی خبر واحد اور متعدد، محذوف اور مذکور ہوتا ہے اسی طرح کان کی خبر بھی ہوگی۔

سوم یہ کہ جس طرح مبتدا کی خبر جب جملہ واقع ہوتا ہے تو اس میں عائد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کان کی خبر کا بھی حکم ہوگا۔

ولكنه يتقدم على اسمها حال كونه معرفة۔

لیکن کان کی خبر درآنحالیکہ معرفہ ہو اسم پر مقدم ہوگی بخلاف مبتدا کی خبر کے کہ اس کا حکم بالعکس ہے۔

حقيقة أو حكماً كالنكرة المخصصة لاختلاف اسمها وخبرها فى الإعراب فلا يلتبس أحدهما بالآخر، وذلك إذا كان الإعراب فيهما أو فى أحدهما لفظيا نحو كان المنطلق زيداً أو كان هذا زيدا بخلاف المبتدأ والخبر فإن الإعراب فيهما لا يصلح للقرينة لاتفاقهما فيه بل لا بد من قرينة رافعة للبس وكذلك إذا انتفى الإعراب فى اسم كان وخبرها جميعاً ولا قرينة هناك لا يجوز تقديم الخبر نحو كان الفتى هذا۔

اس میں شارح نے حقيقة اور حكماً کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کی خبر کی مخالفت کان کی خبر کے معرفہ ہونے میں مختص نہیں بلکہ کان کی خبر جب نکرہ مخصصہ ہو تو اس صورت میں بھی

اسم پر مقدم ہوگی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معرفہ عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی نکرہ مخصصہ اگر چہ معرفہ حقیقی نہیں لیکن حکمی معرفہ ہے اور یہ تقدیم صورت مذکورہ میں اس لئے ہے کہ کان کا اسم اور اس کی خبر آپس میں مختلف ہیں کیونکہ اسم کا اعراب رفع اور خبر کا نصب ہے پس اس اختلاف اعراب کی وجہ سے ایک کا دوسرے سے التباس نہیں ہوتا اور یہ جب کہ اعراب دونوں کا ایک یا ایک کا لفظی ہو جیسے کان المنطلق زیدا میں لفظی اور کان هذا زیدا میں اس کا اعراب محلی اور خبر کا لفظی ہے بخلاف مبتدا اور خبر کے کہ ان میں اعراب قرینہ کا صالح نہیں ہوتا کیونکہ مبتدا اور خبر دونوں اعراب میں متفق ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایسا قرینہ ضرور ہونا چاہئے جس سے التباس رفع ہو سکے اور اسی طرح جب کان کا اسم اور خبر دونوں اعراب میں منفی ہو اور یہاں قرینہ بھی ہو تو اس صورت میں بھی کان کی خبر کی تقدیم اس پر جائز نہیں جیسے کان الفتی هذا کی مثال میں موجود ہے۔

وقد يحذف عامله أي عامل خبر كان وهو كان لا خبر كان وأخواتها لأنه لا يحذف من هذه الأفعال إلا كان وإنما اختصت بهذا الحذف لكثرة استعمالها۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ عامله کی ضمیر مجرور صرف کان کی خبر کی طرف راجع ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر کی طرف راجع نہیں کیونکہ حذف صرف کان ہی ہوتا ہے یعنی کبھی کبھی کان کی خبر کا عامل جو کان ہے محذوف بھی ہوتا ہے اور اس کے اخوات کا حذف نہیں ہوتا کیونکہ اس حذف کے لئے بوجہ کثرت استعمال کان کے صرف کان ہی مختص ہے۔

في مثل: الناس مجزيون بأعمالهم، إن خيراً فخير، وإن شرا فشر، ويجوز في مثلها أي في مثل هذه الصورة وهي أن يجيء بعد إن اسم ثم فاء بعدها اسم۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مثلها کی ضمیر مجرور صورت کی طرف راجع ہے یعنی اس صورت مذکورہ اور اس کی مثل میں چار وجوہ جائز ہیں اور صورت مذکورہ یہ ہے کہ ان کے کلمہ کے بعد اسم آئے پھر اس کے بعد فاء اور اس کے بعد دوسرا اسم واقع ہو تو اس قسم کی ترکیب میں چار وجوہ جائز ہیں۔

أربعة أوجه: نصب الأول ورفع الثاني، وهو أقواها أي إن كان عمله خيراً فجزاؤه خيرٌ، ونصبهما نحو: إن خيراً فخيراً على معنى إن كان عمله خيراً فكان جزاؤه خيراً، ورفعهما

نحو: إن خير فخير أی إن كان فی عمله خير فجزاؤه خيرٌ، وعكس الأول نحو: إن خير فخيراً أی إن كان فی عمله خير فكان جزاؤه خيراً، وقوة هذه الوجوه وضعفها بحسب قلة الحذف وكثرته۔

اس میں شارح وجوہ اربعہ کی تفصیل بتاتے ہیں وجہ اول اسم اول کا نصب اور اسم ثانی کا رفع اور یہ وجہ جملہ وجوہات سے زیادہ قوی ہے نصب اول اس بنا پر ہے کہ یہ کان محذوف کی خبر ہے اور یہ معلوم ہے کہ کان کی خبر منصوبات سے ہوتی ہے اور رفع ثانی اس بنا پر ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور خبر مبتدا مرفوعات سے ہوتی ہے اس صورت میں عبارت کی تقدیر إن كان عمله خيراً فجزاؤه خير ہوگی۔

ثانی وجہ دونوں اسموں کا نصب، یہ اس بنا پر کہ خیراً کا لفظ دونوں جگہوں میں کان محذوف کی خبر مانی جائے جس کی تقدیر عبارت إن كان عمله خيراً فكان جزاؤه خيراً ہوگی۔

وجہ ثالث دونوں اسموں کا رفع، اول کا رفع بنابر اسمیت کان محذوف کے اور ثانی کا رفع بنابر خبریت مبتدا محذوف کے ہوگا اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر یہ ہوگی إن كان فی عمله خير فجزاؤه خير۔

وجہ رابع اول کا رفع اور ثانی کا نصب، اول کا رفع بنابر اسمیت کان محذوف اور ثانی کا نصب بنابر خبریت کان محذوف کے مانا جائے گا جس کی تقدیر یہ ہے إن كان فی عمله خير فكان جزاؤه خيراً۔ یہ اول وجہ کے عکس ہوا اور ان وجوہات کی قوت اور ضعف باعتبار قلت اور کثرت حذف کے ہوگا یعنی جس وجہ میں زیادہ حذف ہوگا وہ ضعیف اور جس میں کم حذف ہوگا وہ قوی مانی جائے گی۔

ويجب الحذف أی حذف عامله يعنی كان۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ الحذف کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ عامله کا لفظ محذوف ہے اور حذف کے عوض میں مضاف پر الف لام داخل کر دیا ہے یعنی کان کی خبر کے عامل کا حذف واجب ہے اور اس کا عامل کان ہی ہے۔

فی مثل: أما انت منطلقاً انطلقت أی لأن كنت منطلقا انطلقت فأصل أما أنت لأن كنت حذفت اللام قياساً ثم حذفت كلمة كان اختصاراً فانقلب الضمير المتصل منفصلا وزيدت لفظة ما بعد أن فی موضع كان عوضاً عنها وأدغمت النون فی الميم وأبقی

الخبر على حاله فصار أما أنت منطلقاً انطلقت، وهذا على تقدير فتح الهمزة وأما على تقدير كسرها فالتقدير إن كنت منطلقاً انطلقت فعمل به ما عمل بالاوّل من غير فرق إلا حذفِ اللام إذ لا لام فيه۔

یعنی اس ترکیب مذکور میں کان کا حذف واجب ہے کیونکہ أما أنت کی اصل لأن کنت ہے اس سے لام قیاس کے موافق حذف ہوا پھر اس کے بعد بنا بر اختصار کان کا کلمہ بھی حذف کر دیا گیا اور ضمیر متصل ضمیر منفصل سے منقلب ہوئی اور کان کے عوض کے مقام میں ان کے بعد ما کا لفظ بڑھایا گیا اور بوجہ تقارب مخرج نون کا میم میں ادغام ہوا اور خبر کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔ پس أما أنت منطلقا انطلقت ہوا اور یہ بنا بر تقدیر فتحہ ہمزہ أما ہے اور بنا بر تقدیر کسرہ ہمزہ عبارت کی تقدیر إن کنت منطلقاً انطلقت ہوگی۔ پس اس تقدیر کی بنا پر بھی وہی عمل کیا جاوے گا بلا تفاوت کے جو تقدیر اول کی بنا پر کیا گیا البتہ یہاں لام کا حذف نہیں کیونکہ اس میں لام نہیں ہے بخلاف تقدیر اول کے کہ وہاں لام کے حذف کا بھی عمل ہے اور یہاں وجوب حذف عامل باعتبار وجود قرینہ اور ساد مسد کے ہے قرینہ معمول کا نصب اور ساد مسد ما کے کلمہ کا کان کے مقام قائم ہونا ہے۔

واقتصر المصنف على الأول لأنه أشهر۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب مثال مذکور بکسرہ ہمزہ بھی درست ہے تو مصنف کافیہ نے اس کو چھوڑ کر فتحہ ہمزہ کی تقدیر پر اختصار کیونکر کیا؟

اس کا شارح نے جواب دیا کہ مصنف کافیہ نے اول تقدیر پر اختصار اس لئے کیا ہے کہ وہ اشہر ہے بخلاف تقدیر ثانی کے کہ یہ مشہور نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

مصنف کان کی خبر کے احوال سے فارغ ہو کر آگے چل کر حروف مشبہ بالفعل کے اسم کا بیان فرمائیں گے۔

اسم إنّ وأخواتها وستعرفها في قسم الحرف إن شاء الله تعالىٰ۔

یعنی انّ کا اسم بھی منصوبات سے ہے اور اسی طرح اس کے اخوات بھی اسم کو منصوب اور خبر کو مرفوع چاہتے ہیں اور إن کے أخوات کا بیان حرف کی قسم میں تفصیل کے ساتھ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ جس کو تو بخوبی معلوم کر لے گا۔

هو المسند إليه بعد دخولها أي بعد دخول إن أو إحدى أخواتها۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ دخولها کی ضمیر مجرور انّ اور اس کے اخوات کی طرف راجع

ہے یعنی ان حروف مشبہ بالفعل کا اسم إن کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوگا۔

مثل: إنّ زيدا قائم وبما عرفت من معنى البعدية والدخول فيما سبق اندفع انتقاض هذا التعريف ههنا أيضاً بمثل أبوه في إن زيداً أبوه قائم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کے جواب پر تنبیہ کی جس کی تشریح کان کی خبر کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے یعنی سابق میں بعدیت اور دخول کے معنی پہچاننے کی بنا پر اس تعریف کا انتقاض إن زيداً أبوه قائم کی ترکیب کے أبوه سے یہاں بھی دفع ہوا کہ یہاں أبوه کا لفظ مبتدا قائم کی خبر سے مل کر بتاویل مفرد ہو کر إن کے اسم کی خبر واقع ہوئی ہے۔

المنصوب بلا التي لنفي الجنس أي لنفي صفة الجنس وحكمه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لائے نفی جنس سے مقصود جنس کی نفی نہیں ہوتی بلکہ جنس کی صفت اور اس کے حکم کی نفی مقصود ہوتی ہے کیونکہ لا غلام رجل کی مثال میں غلام کے جنس کی نفی مطلوب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت بتقدیر مضاف ہے اور وہ صفت کا لفظ ہے۔

وإنما لم يقل: اسم لا لأنه ليس كله ولا أكثره من المنصوبات فلا يصح جعله مطلقاً من المنصوبات لا حقيقة ولا مجازاً بل المنصوب منه أقل مما عداه فلا بد من التعبير عنه بالمنصوب بها بخلاف ماعداه من المنصوبات فإن بعضها وإن لم يكن كله من المنصوبات لكن أكثره منها فأعطى للأكثر حكم الكل فعد الكل منها تجوزاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے المنصوب بلا کہا اور اسم لا نہیں کہا اس کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسم لا اس لئے نہیں کہا کہ لا کا اسم کل اور اکثر منصوبات میں سے نہیں ہے پس اس کا مطلقاً منصوبات میں سے ٹھہرانا نہ حقیقۃً درست ہے نہ مجازاً بلکہ منصوب ماعدائے منصوب کے بہت کم آتا ہے اس لئے منصوب سے تعبیر ضروری ٹھہری بخلاف لا کے اسم کے ماعدا منصوبات کے کہ ان کے بعضے اگر چہ کل منصوبات میں سے نہ ہوں لیکن اکثر منصوبات میں سے ہوتے ہیں پس اکثر کو کل کا حکم دے کر کل کو منصوبات میں سے مجازاً شمار کر لیا۔

ولا يبعد أن يقال اسم لا هو المنصوب بها لفظاً كالمضاف وشبهه أو محلاً كما هو مبنى منه على الفتح وأما ما هو مرفوع فليس اسما لها لعدم عملها فيه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرایہ میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سوال مذکور بالا کے جواب میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لا کا اسم اکثر لا سے لفظ میں منصوب ہوتا ہے جیسے جب مضاف یا شبہ مضاف واقع ہو یا نصب کے محل میں ہوتا ہے جیسے جہاں مبنی برفتحہ ہو اور وہ جو مرفوع ہو وہ حقیقت میں لا کا اسم نہیں کیوں کہ اس میں لا کا عمل ہی نہیں ہے۔

هو المسند إليه بعد دخولها خرج به مثل: أبوه في لا غلام رجل أبوه قائم لما عرفت۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ بعد دخولها کی قید احترازی ہے اس سے لا غلام رجل أبوه قائم کی ترکیب کے أبوه کا لفظ خارج ہوا جیسا کہ سابق میں بعدیت اور دخول کے معنی کی معرفت سے معلوم ہوا ہے یعنی یہاں بھی وہی نقض اور وہی اندفاع کی تشریح سمجھنی چاہئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وهذا القدر كاف في حد اسمها مطلقها، لكنه لما أراد حد المنصوب منه زاد عليه قوله:

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لا کے اسم کی تعریف هو المسند إليه بعد دخولها کے قول سے حاصل ہوئی پس اس تقدیر پر يليها نكرة کے قول کا ذکر کرنا بے فائدہ اور بیکار ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے کہ لا کے اسم کی تعریف کے لئے هو المسند بعد دخولها کا قول کافی ہے، لیکن مصنف کی مراد یہاں منصوب کی تعریف بیان کرنی ہے اس لئے اس پر يليها نكرة کا قول بڑھایا ہے۔

يليها اى يلي المسند إليه لفظة لا أي يقع بعدها بلا فاصلة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ يليها کی ضمیر فاعل المسند إليه کی طرف اور ضمیر مفعول لا کے لفظ کی طرف راجع ہے یعنی لائے نفی جنس کا اسم مسند الیہ لا کے قریب ہوتا ہے یعنی اسم لا کا لا کے بعد بلا فاصلہ کے

واقع ہوگا۔

نكرة مضافا أو مشبهابه أي بالمضاف في تعلقه بشيء هو من تمام معناه۔

یعنی اسم لا مسند الیہ لا کے لفظ کو قریب ہو درآنحالیکہ وہ اسم لا نکرہ مضاف ہو یا مشابہ بالمضاف یعنی جس طرح مضاف حقیقی کا مضاف الیہ سے تعلق ہوتا ہے اور مضاف الیہ کے ذکر کرنے سے اس کے معنی تمام ہوتے ہیں اسی طرح مشابہ مضاف بھی مضاف الیہ سے تعلق رکھتا ہے اور مشابہ مضاف الیہ کے ذکر کرنے سے اس کے معنی تمام ہوتے ہیں۔

هذه أحوال مترادفة من الضمير المجرور في إليه أو الأولى منه أو من الضمير المجرور في دخولها وما بقي من الضمير المرفوع في يليها۔

اس میں شارح يليها نكرة مضافا أو مشبها به کے اقوال اربعہ کی ترکیبی حالت بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اقوال اربعہ کی ضمیر سے احوال مترادفہ ہیں یا اول حال إليه کی ضمیر یا دخولها کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوا ہے اور باقی احوال ثلاثہ يليها کی ضمیر مرفوع سے آئے ہیں اس صورت میں یہ احوال متداخلہ مانے جائیں گے اور احوال مترادفہ وہ ہیں جن کا ذوالحال واحد ہو اور متداخلہ برعکس اس کے ہیں۔

مثل: لا غلام رجل مثال لما يليها نكرة مضافاً وفي بعض النسخ لا غلام رجل ظريف فيها وقد عرفت في المرفوعات تحقيق قوله فيها۔

یہ اس لا کے اسم کی مثال ہے جو لا کے قریب ہو درآنحالیکہ وہ نکرہ مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو اور بعضے نسخوں میں لا غلام رجل ظريف فيها ہے اور فيها کے قول کی تحقیق مرفوعات کی بحث میں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا عشرين درهماً لك مثال لما يليها نكرةً مشبها بالمضاف۔

یہ اس لا کے اسم کی مثال ہے جو لا کے قریب ہو درآنحالیکہ وہ نکرہ مشابہ بالمضاف ہو۔

وقوله: لك على النسخ المشهورة من تتمة المثالين كليهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں لا کے اسم کی مثال عشرين درهماً سے حاصل ہوگی پس لك کے قول کے بڑھانے میں کیا فائدہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بعضے نسخوں میں یہ لك کا قول نہیں ہے لیکن کافیہ کے مشہور نسخوں میں موجود ہے

پس بنابر نسخ مشہورہ یہ لفظ دونوں مثالوں کے تتمہ میں سے ٹھہرا اس کے بڑھانے کا یہی فائدہ ہے۔

فإن كان أى المسند إليه بعد دخولها غير واقع على الأحوال المذكورة۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کان کا اسم مسند الیہ ہے یعنی اگر مسند الیہ لا کے داخل ہونے کے بعد احوال مذکورہ بالا پر واقع نہ ہو بلکہ مفرد ہو تو وہ اس صورت میں علامت نصب پر مبنی ہوگا۔

بل كان مفردا بانتفاء الشرط الأخير فقط وهو كونه مضافاً أو مشبها به أى يليها نكرة غير مضافٍ ولا مشبها به ليترتب عليه قوله:

اس میں شارح نے مفرداً کے لفظ سے مقدم کان کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ مفرداً کا لفظ ترکیب میں بنابر خبریت کـــــان مقدر کے منصوب واقع ہوا ہے یعنی اگر لا کا اسم احوال مذکورہ پر واقع نہ ہو بلکہ صرف مفرد واقع ہو بنابر انتفائے شرط آخر کے اور وہ شرط اس کا مضاف یا مشابہ بالمضاف ہونا ہے یعنی درآنحالیکہ وہ اسم لائے نفی جنس کے قریب ہو وہ نہ مضاف ہوگا نہ مشابہ بالمضاف بلکہ مفرد ہوگا اور لا کے اسم کا لا کے قریب ہونا اور اس کا غیر مضاف ہونا اس لئے ضروری اور لازمی ہے کہ اس پر فهو مبنى الخ کا قول مرتب ہو سکے۔

فهو مبنى على ما ينصب به فإنه لو كان مفرداً معرفة أو مفصولاً فحكمه غير ذلك وقوله: على ما ينصب به أى على ما كان ينصب به المفرد قبل دخول لا عليه وهو الفتح فى الموحد نحو: لا رجل فى الدار والكسر فى جمع المؤنث السالم بلا تنوين نحو: لا مسلماتِ فى الدار والياء المفتوح ما قبلها فى المثنى والمكسور ما قبلها فى جمع المذكر السالم نحو: لا مسلمين ولا مسلمين لك ويعنى بالمفرد ما ليس بمضاف ولا مضارع له فيدخل فيه المثنى والمجموع۔

یعنی اگر وہ مفرد معرفہ یا مفعول واقع ہو تو اس صورت میں اس کا حکم اس کے علاوہ دوسرا ہوگا اور مصنف کے على ما ينصب به کے قول کا مقصد یہ ہے کہ جس سے مفرد لا کے داخل ہونے کے قبل منصوب ہوا اس پر مبنی ہوگا اور وہ واحد میں فتحہ ہے جیسے لا رجــل فــى الــدار کی مثال میں ہے اور جمع مؤنث سالم میں بلاتنوین کے کسرہ ہے جیسے لا مسلمات فى الدار کی ترکیب میں ہے اور تثنیہ میں یائے ماقبل مفتوح اور جمع مذکر سالم میں یائے ماقبل مکسور ہے جیسے مسلمَین اور مسلمِین میں واقع ہے اور یہاں مفرد سے مراد مقابل مضاف اور شبہ مضاف ہے مقابل تثنیہ اور جمع مراد

نہیں یعنی وہ اسم مفرد جو نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ بالمضاف پس اس تقدیر پر اس حکم میں تثنیہ اور جمع بھی داخل ہوئے۔

وإنما بنی لتضمنه معنی من إذ معنی لا رجل فی الدار لا من رجل فیها لأنه جواب لمن یقول: هل من رجل فی الدار؟ حقیقة أو تقدیراً فحذف من تخفیفاً وإنما بنی علی ما ینصب به لیکون البناء علی حرکة أو حرف استحقهما النکرة فی الأصل قبل البناء۔

اس میں شارح لا کے اسم کے مبنی برعلامت نصب ہونے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ مبنی برعلامت نصب اس لئے ہوگا کہ یہ اسم لا، من حرف جر استغراقی کے معنی کو شامل ہے کیوں کہ لا رجل فی الدار کے معنی لا من رجل فی الدار ہیں اس لئے کہ یہ اس شخص کا جواب ہے جو هل من رجل فی الدار؟ حقیقة او تقدیرا کا سوال کرے اور جس طرح سوال میں من حرف جر مذکور ہے اسی طرح جواب میں بھی مذکور مانا جائے گا تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو پس من کا کلمہ بغرض تخفیف محذوف ہوا۔ اور یہ معلوم ہے کہ من حرف جر مبنی ہے اسی طرح یہ اسم لا بھی مبنی مانا جائے گا اور مبنی برعلامت نصب اس لئے ہوگا کہ بناء حرکت یا حرف پر واقع ہو جس کو اصل میں نکارت قبل البناء چاہتی ہے یعنی حرکت بنائی حرکت اعرابی کے موافق ہو جائے۔

ولم یبن المضاف و لا المضارع له لأن الإضافة ترجّح جانب الاسمیة فیصیر الاسم بها إلی ما یستحقه فی الأصل أعنی الإعراب۔

؟؟؟ اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے لا اسم مضاف یا مشابہ بالمضاف کو مبنی اس لئے نہیں مانا ہے کہ اضافت اسمیت کے جانب کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ یہ اسم کا خاصہ ہے اس لئے اس اضافت کی وجہ سے اسم اپنے اصلی اعراب کا مستحق ہوگا مبنی نہیں ہوگا۔

فإن کان أی المسند إلیه بعد دخولها۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ کان کا اسم مسند الیہ ہے۔

معرفة بانتفاء شرط النکارة **أو مفصولاً بینه** أی بین ذلك المسند إلیه وبین لا بانتفاء شرط الاتصال علی سبیل منع الخلو سواء کان مع انتفاء شرط کونه مضافاً أو مشبهاً به أو لا وهی ست صور نحو: لا زید فی الدار ولا عمرو، ولا غلام زید فی الدار ولا عمرو، ولا فی الدار رجل ولا امرأة، ولا فی الدار غلام رجل ولا امرأة، ولا فی الدار زید وعمرو، ولا فی الدار

غلام زید ولا عمرو۔

یعنی اگرلائے نفی جنس کا اسم لا کے داخل ہونے کے بعد بنابر انتفائے شرط نکارت کے معرفہ واقع ہو یا درمیان اسم لا اور لا کے ہو بنابر انتفائے شرط اتصال کے بسبیل منع خلو فصل ہو یعنی یہ عام ہے خواہ انتفائے شرط کے ساتھ مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو خواہ نہ ہو اوراس کی چھ صورتیں ہیں: اول یہ کہ لا کا اسم معرفہ مکرر مع تکرار لا ہو۔ دوم لا کا اسم مضاف ہو مع تکرار لا۔ سوم لا کا اسم نکرہ مکررہ مع تکرار لا ہو۔ چہارم لا کا اسم مضاف مع تکرار لا ہو۔ پنجم لا کا اسم معرفہ نکرہ مع تکرار لا ہو۔ ششم لا کا اسم مضاف نکرہ مع تکرار لا ہو یہ سب صورتیں فصل کی ہیں۔

وجب في جميع هذه الصور الست **الرفع** على الابتداء أما في المعرفة فلامتناع أثر لا النافية للجنس فيها وأما في المفصول فلضعف لا عن التاثير مع الفصل۔

یعنی ان چھ جملہ مذکورہ صورتوں میں اس لا کے اسم کا مرفوع ہونا بنابر ابتدا واجب اور ضروری ہے معرفہ میں اس لئے کہ اس میں لائے نافیہ کے عمل کا اثر ممتنع ہے اور مفصول میں اس لئے کہ لائے نفی جنس کا کلمہ بوجہ ضعف کے فصل کے ساتھ اثر نہیں کرسکتا ہے۔

والتكرير أي وجب تكرير اسمه لكن مطلقا لا بعينه أما في المعرفة ليكون كالعوض عما في التنكير من معنى الآحاد وأما في النكرة ليكون مطابقاً لما هو جواب له من مثل قول السائل: في الدار رجل أم امرأة؟ وهذا التعليل جارٍ في المعرفة أيضاً۔

یعنی صور مذکورہ میں لا کے اسم کا مکرر ہونا مطلقا ضروری اور واجب ہے بعینہ نہیں معرفہ کی صورت میں اس لئے کہ یہ تکریر نفی احاد کی تنکیری معنی کے عوض ٹھہرے اور نکارت کی صورت میں تکریر اسم اس لئے ضروری اور لازمی ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو جیسے کوئی سائل في الدار رجل أم امرأة؟ کا سوال کرے تو اس کے جواب میں لا في الدار رجل و لا امرأة کہا جائے گا اور یہی جواب وسوال کی مطابقت کی علت معرفہ میں بھی جاری ہوسکتی ہے غور کر کے اس مقام کو سمجھنا چاہئے۔

سابق میں مصنف کافیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب معرفہ ہو تو اس کا مرفوع ہونا اوراس کی تکریر واجب اور ضروری ہے اب یہاں اس کے قاعدہ کلیہ پر ایک نقض وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ شاعر کے اس قول سے منقوض ہے:

قـــــضية ولا أبــــــــــا حســـــــن لهــــــــا

کیونکہ اس میں لا کا اسم معرفہ بالاضافت ہے اور باوجود اس کے یہ نہ مرفوع ہے نہ مکرر۔ آگے چل کر مصنف خود ہی اس کا جواب دیں گے۔

ونحو: قضية أى هذه قضية۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قـضية کا لفظ کس بنا پر مرفوع ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ بنا برخبریت مبتدا محذوف کے مرفوع ہے اور وہ هذه کا لفظ ہے۔

ولا أبا حسن لها أى لهذه القضية هذا جواب دخل مقدر على قوله وإن كان معرفة وجب الرفع والتكرير فإن الاسم لا فيه معرفة لأن أبا حسن كنية على ولا رفع فيه ولا تكرير بل هو منصوب غير مكرر فأجاب بأنه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ لھـا کی ضمیر مجرور قـضية کی طرف راجع ہے اور یہ اسی اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ اوپر مصنف نے یہ کہا تھا کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو تو اس کا مرفوع اور مکرر ہونا واجب اور ضروری ہے حالانکہ اس قضية میں لا کا اسم معرفہ ہے کیونکہ ابوحسن حضرت جناب علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور باوجود اس کے اس میں نہ رفع ہے نہ تکریر بلکہ یہ منصوب غیر مکرر ہے۔ مصنف نے اس کا جواب دیا کہ یہ قضیہ مؤول بنکرہ ہے۔

متاوّلٌ بالنكرة إما بتقدير المثل أى و لا مثل أبى حسن لها۔

یعنی یہ قضية کا لفظ مؤول بنکرہ ہے یا تو بتقدیر مضاف مثل کے ہے جس کی تقدیر ولا مثل أبى حسن لها ہے۔

فإن مثلاً لتوغله فى الإبهام لا يتعرف بالإضافة إلى المعرفة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ابوحسن شیر خدا کی کنیت ٹھہری تو اس تقدیر پر یہ معرفہ ہوا پس نکرہ کیوں کر بن سکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ مثل کے لفظ میں ابہام کی زیادتی ہے اس لئے یہ معرفہ کی طرف مضاف

ہونے سے معرفہ نہیں ہوتا، لہذا اب یہ نکرہ ہی رہا۔

أو بتأويله بفيصل بين الحق والباطل لاشتهاره بهذه الصفة فكأنه قيل: لا فيصل لها ويقوى هذا التاويل إيراد حسن بحذف اللام لأن الظاهر أن تنوينه للتنكير۔

یہ اوپر إما بتقدير المثل کے جملہ پر عطف ہے یعنی أبا حسن کے لفظ کے مؤول بنکرہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس قضية میں مضاف مثل کا لفظ مقدر مانا جائے۔ دوم یہ کہ یہ حضرت شیر خدا کے وصف مشہور کا کنایہ ہو جائے اور وہ وصف مشہور حضرت شیر خدا کا فیصل بين الحق والباطل ہونا ہے کیونکہ وہ اس صفت مشہورہ سے موصوف تھے پس اس تقدیر پر فیصل کا لفظ مقدر مانا جائے گا گویا لا فيصل لها کہا گیا اور حسن کے لفظ کا غیر معرف باللام آنا اس تاویل کو قوت دیتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس کی تنوین تنکیر کے لئے ہے لہذا اب أبا حسن کا معرفہ ہونا ثابت نہیں ہوا اور قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا مصنف کا درست اور صحیح ٹھہرا۔

وفي: مثل لا حول ولا قوة إلا بالله أي فيما كررت فيه لا على سبيل العطف وكان عقيب كل منهما نكرة بلا فصل۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ترکیب مذکور سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لائے نفی جنس بہ سبیل عطف مکرر رہا ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بلا فصل کے واقع ہوا ہو۔

يجوز خمسة أوجه بحسب اللفظ لا بحسب التوجيه فإنها بحسب التوجيه تزيد عليها۔

مصنف کافیہ کے خمسه أوجه کے قول کے مقدم شارح نے يجوز کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ خمسة اوجه کا قول ترکیب میں بنابر فاعلیت فعل مقدر يجوز کے مرفوع ہے یعنی ترکیب مذکور بالا میں صرف باعتبار لفظ کے پانچ وجوہ اعراب کے جائز ہیں نہ باعتبار توجیہ کے کیوں کہ باعتبار توجیہ کے پانچ وجوہ سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔

الأول فتحهما أي لا حولَ ولا قوةَ إلا بالله على أن تكون لا في كل منهما لنفي الجنس ولا قوة عطفاً على لا حول عطف مفرد على مفردٍ وخبرها محذوف أي لا حول و لا قوة موجود إلا بالله أو عطف جملة على جملة أي لا حول إلا بالله و لا قوة إلا بالله فحذف خبر الجملة الأولى استغناء عنه بخبر الجملة الثانية والثاني فتح الأول ونصب الثاني أي لا حولَ ولا قوةً

إلا بالله أما فتح الأول فلأن لا الأولى لنفي الجنس وأما نصب الثاني فلأن لا الثانية مزيدة لتاكيد النفي والثاني معطوف على الأول فيكون منصوبا حملا على لفظه لمشابهة حركته حركة الإعراب ويجوز أن يقدر لهما خبر واحد وأن يقدر لكل منهما خبر على حدة۔

اس میں شارح وجوہات خمسہ کو بیان کررہے ہیں کہ اول وجہ یہ ہے کہ لائے نفی جنس کے دونوں اسموں کو مفتوح پڑھا جائے اس بنا پر کہ دونوں جگہ لاکلمہ نفی جنس کے لئے مانا جائے اور قوۃ کے لفظ کو حول کے لفظ پر عطف کر دیا جائے اس صورت میں عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا اور لائے نفی جنس کی خبر محذوف موجود کا لفظ مانا جائے گا یا اس میں عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر یہ ہوگی لا حول إلا بالله ولا قوة إلا بالله پس جملہ اول کی خبر کو جملہ ثانی کی خبر سے استغناء کر کے محذوف کر دیا گیا۔ اور وجہ ثانی فتحہ اول اور نصب ثانی ہے جس کی تقدیر لا حول ولا قوة إلا بالله ہے، فتحہ اول اس لئے ہے کہ لائے نفی اول نفی جنس کے لئے اور نصب ثانی اس لئے کہ لائے ثانی مزید نفی کی تاکید کے لئے ہے اور ثانی اول پر معطوف ہے پس یہ بنا بر حمل علی اللفظ منصوب ہوگا کیونکہ اس لا کے اسم کی حرکت، حرکت اعرابی کے مشابہ ہے چونکہ اول کا محل قریب نصب ہے اس لئے ثانی کا بھی محل قریب پر عطف کر کے نصب مانا جائے گا اور جائز ہے کہ دونوں لا کے لئے خبر واحد مقدر مانی جائے جس سے عطف مفرد کا مفرد پر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ خبر مقدر کی جائے اس تقدیر پر عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا۔

والثالث فتح الأول ورفعه أي رفع الثاني نحو: لا حولَ ولا قوةٌ إلا بالله أما فتح الأول فلأن لا الأولى لنفي الجنس وأما رفع الثاني فلأن لا زائدة، والثاني معطوف على محل الأول لأنه مرفوع بالابتداء عطف مفرد على مفرد بأن يقدر لهما خبر واحد أو عطف جملة على جملة بأن يقدر لكل منهما خبر على حدة۔

یعنی ثالث وجہ فتح الأول اور رفع الثاني ہے، فتحہ اول اس لئے ہوگا کہ لائے اول نفی جنس کے لئے ہے اور لائے نفی جنس کا اسم جب مفرد نکرہ ہو تو وہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اور رفع ثانی اس لئے ہے کہ لائے ثانی زائد ہے اور اسم ثانی اول اسم کے محل پر معطوف ہے کیونکہ اول کا محل رفع ہے بنا بر ابتدا اسی طرح یہ ثانی اسم بھی اس کے محل پر عطف کر کے بنا بر ابتدا مرفوع پڑھا جائے گا اور اگر دونوں لا کے لئے خبر واحد مقدر ٹھہرائی جائے تو اس صورت میں عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا اور اگر ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ خبر مقدر کر دیا جائے تو اس تقدیر پر عطف جملہ کا جملہ پر ہو جائے گا۔

والرابع **رفعهما** بالابتداء نحو: لا حولٌ ولا قوةٌ إلا باللّٰه لأنه جواب قولهم: أ بغير اللّٰه حولٌ وقوة؟ فجاء بالرفع فيهما مطابقة للسوال ويجوز الأمران ههنا أيضاً۔

یعنی وجہ رابع دونوں اسموں کا مرفوع ہونا بنابرابتدا ہے کیونکہ یہ أبغیر اللّٰہ حول وقوۃ ؟ کے قول کا جواب ہے چونکہ سوال میں دونوں اسماء مرفوع ہیں اس لئے جواب میں بھی مرفوع پڑھے جائیں گے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو اور یہاں بھی دونوں امر جائز ہیں یعنی یہاں بھی عطف مفرد کا مفرد پر یا عطف جملہ کا جملہ پر جائز ہے۔

والخامس **رفع الأول** على أن لا بمعنى ليس **على ضعف** فإن عمل لا بمعنى ليس قليل **وفتح الثاني** نحو: لا حولٌ ولا قوة إلا باللّٰه على أن تكون لا لنفي الجنس وضعف وجه ضعف رفع الأول بأنه يجوز أن يكون رفعه لإلغاء عمل لا بالتكرير لا لكونها بمعنى ليس لأن شرط صحة إلغائها التكرير فقط وقد حصل ههنا ولا دخل فيها لتوافق الاسمين بعدها في الإعراب فهذا على التوجيه الأول متعين لعطف جملة على جملة أي لا حول إلا باللّٰه ولا قوة إلا باللّٰه، وإلا يلزم أن يكون قوله: إلا باللّٰه منصوبا ومرفوعا وعلى التوجيه الثاني يحتمل أن يكون من قبيل عطف مفرد على مفرد أو عطف جملة على جملة كما لايخفى۔

یعنی خامس وجہ رفع اول ہے اس بنا پر کہ یہ لا بمعنی لیس کے ہے اور لیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے لیکن یہ اول کا مرفوع ہونا بنابر معنویت لیس کے ضعیف ہے کیونکہ لا کا عمل جو بمعنی لیس کے ہو، بہت قلیل ہے اور فتح ثانی اس بنا پر ہے کہ لا کا کلمہ نفی جنس کے لئے ہے اور اس صورت میں رفع اول کے ضعف کی وجہ کو ضعیف ٹھہرایا گیا ہے اس طرح کہ جائز ہے کہ رفع اول بنابر الغاء عمل لا بسبب تکریر کے ہو، نہ اس بنا پر کہ لا بمعنی لیس ہو کیونکہ لا کی الغاء کی صحت کے لئے صرف تکریر ہی شرط ہے اور وہ یہاں حاصل ہے اور اس میں لا کے بعد دونوں اسموں کا توافق اعراب میں ضروری نہیں ہے۔ پس اس ترکیب میں بنابر توجیہ اول عطف جملہ کا جملہ پر متعین مانا جائے گا، ورنہ اس سے إلا باللّٰہ کے قول کا منصوب اور مرفوع ہونا لازم آئے گا کیونکہ لا مشابہ بلیس خبر کے نصب کا مقتضی ہے اور لائے نفی جنس کی خبر مرفوع ہوتی ہے، پس اگر اس ترکیب میں بنابر توجیہ اول عطف مفرد کا مفرد پر مانا جائے تو الا باللّٰہ کے قول میں رفع اور نصب کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس لئے اس میں عطف جملہ علی الجملۃ متعین ٹھہرا اور بنابر توجیہ ثانی اس ترکیب میں عطف مفرد علی المفرد یا عطف جملہ علی الجملۃ دونوں کا احتمال ہوسکتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور

توجیہ ثانی اول میں لائے نفی جنس کا ملغیٰ ہونا اور ثانی میں بھی نفی جنس کے لئے ماننا لیکن عامل ٹھہرانا ہے۔

وإذا دخلت الهمزة على لا التي لنفي الجنس **لم يتغير العمل** أي عمل لا أي تأثيرها في مدخولها إعرابا وبناءً لأن العامل لا يتغير عمله لدخول كلمة الاستفهام۔

یعنی جب لائے نفی جنس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوگا تو وہ لا کے عمل میں کوئی تغیر اور تبدل پیدا نہیں کرسکتا یعنی اس کے مدخول میں تاثیر اعرابی اور بنائی اپنے حالت پر باقی رہے گی کیوں کہ عامل کا عمل استفہام کے کلمہ کے داخل ہونے سے متغیر نہیں ہوتا ہے۔

ومعناها أي معنى الهمزة الداخلة على لا التي لنفي الجنس۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ معناها کی ضمیر مجرور اس ہمزہ کی طرف راجع ہے جو لائے نفی جنس پر داخل ہو۔

إما الاستفهام حقيقة فتقول: ألا رجل في الدار؟ مستفهما۔

یعنی ہمزہ کے معنی یا تو استفہام کے ہیں حقیقۃ جیسے ألا رجل في الدار؟ کی ترکیب میں ہمزہ کے معنی استفہام کے ہیں۔

وإما العرض مثل ألا تنزل عندي؟

اور یا ہمزہ کے معنی عرض کے ہیں جیسے مثال مذکور فی الشرح میں موجود ہے۔

ولم يذكر سيبويه أن حال لا في العرض كحاله قبل الهمزة بل ذكره السيرافي وتبعه الجزولي والمصنف، ورد ذلك الأندلسي وقال: "هذا خطاء، لأنها إذا كانت عرضاً كانت من حروف الأفعال مثل: إن ولو وحروف التحضيض فيجب انتصاب الاسم بعدها نحو إلا زيداً تكرمه۔

اس سے شارح کا مقصد مصنف کافیہ پر ایک اعتراض وارد کرنا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف اکثر سیبویہ کے مذہب کی متابعت کرتے ہیں اور یہاں مخالفت کی کیونکہ یہاں سیبویہ نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ لائے نفی جنس کا حال عرض میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پیشتر تھا بلکہ اس کو سیرافی نے ذکر کیا ہے اور اس کی متابعت میں جزولی اور مصنف کافیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور اندلسی نے اس کو رد کر کے کہا ہے کہ یہ خطا اور غلطی ہے کیونکہ ہمزہ کے معنی

جب عرض کے ہوں گے تو اس صورت میں یہ ان حروف میں سے ہوگا جو افعال پر داخل ہوتے ہیں جیسے إن اور لــــو اور حروف تحضیض ہیں۔ پس اس کے داخل ہونے کے بعد اس اسم کا انتصاب واجب ہوگا جس پر یہ ہمزہ مع لا داخل ہو جیسے ألا زيداً تكرمه؟ میں ہے۔

اعتراض مذکورہ بالا کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ مصنف پر سیبویہ کی متابعت ہر وقت لازم نہیں ہے۔

وإما التمني نحو ألا ماء أشربه حيث لا يرجى ماء۔

یعنی یا ہمزہ کے معنی تمنی کے ہیں جیسے مثال مذکور فی الشرح میں ہے اور یہ مثال وہاں مستعمل ہوتی ہے جہاں پانی نہ پایا جائے۔

وأما قوله:ــه ألا رجلاً جزاه الله خيراً

فهذه عند الخليل ليست لا الداخلة عليها حرف الاستفهام ولكنه حرف موضوع للتحضيض برأسه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا شاعر کے ألا رجلاً جزاه الله خيراً کے قول سے منقوض ہے کیوں کہ یہاں لا کے کلمہ کا عمل بنائی متغیر ہو کر اعرابی عمل ہوا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ شاعر کے قول میں یہ لا کا کلمہ خلیل کے نزدیک وہ لا نہیں جس پر حرف استفہام داخل ہوا ہو بلکہ یہ حرف تحضیض برأسه تحضيض کے لئے موضوع ہے۔

فكأنه قال: ألا ترونني رجلا يعني هلا ترونني رجلا؟ ولذلك نصب ونوّن۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حروف تحضیض افعال پر داخل ہوتے ہیں اور یہ لا کا کلمہ یہاں اسم پر داخل ہوا ہے پس یہ کیوں کر حرف تحضیض برأسه بن سکتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فعل عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری یہاں اگر چہ لفظی فعل نہیں لیکن تقدیری موجود ہے کیوں کہ گویا شاعر نے واقع میں الا ترونني رجلا؟ کہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے مدخول کو منصوب اور منوّن کر دیا ہے۔

وهي عند يونس لا التي دخلت عليها همزة الاستفهام بمعنى التمني فكان القياس ألا رجل ولكنه نوّنه لضرورة الشعر۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال مقدر کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ لا یونس کے نزدیک وہی لائے نفی جنس ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہوتا ہے جس کے معنی یہاں تمنی کے ہیں پس اس تقدیر پر یہاں قیاس یہ ہے کہ الا رجل غیر منون پڑھا جائے لیکن اس کا نصب اور تنوین بوجہ ضرورت شعری کے ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ونعت اسم لا المبنی لا نعت اسمها المعرب احتراز عن نحو: لا غلام رجل ظریفا۔

یعنی لا کے اسم کی صفت اول درآنحالیکہ مفرد ہو مبنی ہوگی بخلاف اسم معرب کے نعت کے کہ وہ معرب ہوگا جیسے مثال مذکور فی الشرح میں ہے مبنی کی قید احترازی ہے۔

الأول بالرفع صفة للنعت أی لا الثانی وما بعده احتراز عن مثل لا رجل ظریف کریم فی الدار۔

اس میں شارح اول کے لفظ کی اعرابی حالت بتاتے ہیں کہ یہ بالرفع نعت کی صفت ہے یعنی صرف صفت اول ہی مبنی ہوگی نہ کہ صفت ثانی اور نہ ثالث ورابع جو اس کے بعد واقع ہو اور یہ الأول کا لفظ بھی قید احترازی ہے اس سے لا رجل ظریف کریم فی الدار کی مثال کی صفت ثانی سے احتراز ہوا۔

مفرداً حال من ضمیر مبنی والعامل فیه مبنی احتراز عن مثل: لا رجل حسن الوجه۔

اس میں شارح مفرداً کے لفظ کی اعرابی حالت بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بنابر حالیت مبنی کی ضمیر مرفوع سے منصوب ہے اور اس میں عامل ناصب وہی مبنی کا لفظ ہے اور یہ مفرداً کا لفظ بھی قید احترازی ہے اس کے اعتبار سے لا رجل حسن الوجه کی مثال سے احتراز ہوا کیوں کہ یہاں نعت مفرد نہیں بلکہ مرکب ہے۔

یلیه حال بعد حال أو صفة مفرداً احتراز عن المفعول نحو لا غلام فیها ظریف۔

اس سے شارح کا مقصد یلیه کے قول کی اعرابی حالت بتانا ہے کہ یہ یا تو مفرد سے حال بعد حال ہے یا اس کی صفت ہے اور یہ بھی احترازی قید ہے اس میں مفعول سے احتراز ہوا جیسے مثال مذکور فی الشرح میں ہے۔

وهذا القید یغنی عن الأول۔

اس میں شارح نے ایک اعتراض کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قید اول کے ذکر کرتے ہوئے

اس کا ذکر کرنا بیکار ہے کیونکہ جو یلیہ کی قید سے خارج ہوتا ہے وہ قید اول سے بھی خارج ہوسکتا ہے لہذا مناسب تھا کہ یا تو اس قید آخر کو ترک کر کے اول پر اکتفا کرتے یا اس کو چھوڑ کر اس پر اکتفا کرتے۔

اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ قید آخر اول کے اس وقت مراد ہوگی جب اس کو بالرفع پڑھیں اور نعت کی صفت ٹھہرائی جائے اور اگر بالجر پڑھا جائے اور مبنی کی صفت مانی جائے تو اس صورت میں یہ اول کے معنی نہیں ہے اسی وجہ سے اس قید آخر کے ذکر کرنے کی ضرورت پڑی۔

مبنیٌ على الفتح حملاً على المنعوت لمكان الاتحاد بينهما والاتصال وتوجه النفي اليه أي إلى النعت حقيقة۔

یہ ترکیب میں نعت کی خبر واقع ہوئی ہے یعنی لائفی جنس کے اسم مبنی کی نعت اول بھی مبنی برفتحہ ہوگی بنابر حمل نعت على المنعوت کیونکہ درمیان نعت اور منعوت کے کمال اتحاد اور اتصال ہوتا ہے دوسرے یہ کہ نفی جب کسی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ حقیقت میں قید ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے پس حقیقت میں نفی کی طرف متوجہ ہوگی۔

والمبني في قوله: ونعت المبني إشارة إلى ما يبنى على الفتح بالإصالة لا بالتبعية فإنه المذكور سابقاً، فلا يرد أنه إذا كرر المبني وبني على الفتح ثم جيء بنعت لا يجوز بناؤه مثل: لا ماء ماء باردا مع أنه يصدق عليه أنه نعت المبني الأول مفردا يليه، فإن باردا في هذا المثال نعت للتابع لا للمتبوع كما هو الظاهر ولو جعل نعتا للمتبوع فليس مما يليه لتوسط التابع بينهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اسم مبنی کا مکرر ذکر ہو تو وہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے لیکن اس کے بعد جو نعت مذکور ہو اس کی بناء جائز نہیں ہے جیسے مثال مذکور میں باردا کا لفظ ہے باوجود اس کے کہ اس پر بھی یہ صادق آتا ہے کہ یہ اسم مبنی کی صفت اول مفرد ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ونعت المبني کے قول میں مبنی سے مراد اور اشارہ اس مبنی کی طرف ہے جو مبنی برفتحہ بالاصالہ ہو، نہ کہ بالتبع کیوں کہ یہی مبنی بالاصالہ سابق میں مذکور ہو چکا ہے۔ لہذا اب اس تقدیر پر سوال مذکور بالا وارد نہیں ہوتا جیسا کہ یہی ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کو متبوع کی نعت قرار دیا جائے تو وہ مما یلیه کے حکم میں بوجہ توسط تابع کے داخل نہیں مانا جائے گا۔

ومعربٌ لأن الأصل في التوابع تبعيتها لمتبوعاتها في الإعراب دون البناء۔

یعنی لا کے اسم کی نعت اول معرب ہوگی کیوں کہ توابع میں اصل یہ ہے کہ وہ صرف اعراب میں اپنے متبوعات کے تابع ہوتے ہیں، بناء میں نہیں۔

رفعا حملا على محله البعيد۔

یعنی اگر اس نعت کو لائے نفی جنس کے اسم کے محل بعید پر حمل کیا جائے تو اس صورت میں اس کا اعراب رفع ہوگا۔

ونصباً حملا على اللفظ أو على محله القريب۔

یعنی اگر اس کا حمل لائے نفی جنس کے اسم کے لفظ یا اس کے محل قریب پر کیا جائے تو اس صورت میں اس کا اعراب نصب ہوگا۔

نحو لا رجل ظريف بالفتح **وظريف** بالرفع **وظريفاً** بالنصب۔

یہ نعت معرب کی مثال ہے اس کو مفتوح اور مرفوع اور منصوب ہر طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وإلا أي وإن لم يكن النعت كذلك۔

یہ اوپر سے استثنا ہے یعنی اگر نعت مذکور قیود مذکورہ پر مقید نہ ہو تو اس صورت میں اس کا حکم صرف اعراب ہی ہوگا۔

فالإعراب أي فحكمه الإعراب لا غير رفعاً حملاً على المحل البعيد ونصباً حملا على اللفظ أو المحل القريب وقد مرت أمثلته في بيان فوائد القيود۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ فالإعراب کا لفظ ترکیب میں خبر مبتدا محذوف کے ہے پس اس کا حکم صرف اعراب ہے بناء نہیں بنا بر حمل على محله البعيد اس کا اعراب رفع اور بنا بر حمل لفظ یا بنا بر محل قریب نصب ہے اور نعت کی قیود مذکورہ کے فوائد کے بیان میں اس کی مثالیں مذکور ہو چکی ہیں ملاحظہ ہوں۔

والعطف على اسم لا المبني إذا كان المعطوف نكرة بلا تكرير لا في المعطوف، فإنه إذا كان المعطوف معرفة وجب رفعه نحو لا غلام لك والفرس۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ لا غلام لك والفرس کی ترکیب سے منقوض ہے کیونکہ اس میں فرس کا لفظ لائے نفی جنس کے اسم پر معطوف ہے اور باوجود اس کے

اس میں رفع متعین ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معطوف سے مراد ہے وہ جونکرہ ہو جس میں لا مکرر نہ ہو اور یہاں معطوف معرفہ ہے اس لئے یہاں رفع متعین ہے۔

وإذا كان لا مكرراً في المعطوف فحكمه ما علم في قوله لا حول ولا قوة فيما سبق بأن يحمل۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ لا حول ولا قوة کی ترکیب سے منقوض ہے کیوں کہ اس میں معطوف نکرہ ہے اور حالانکہ اس میں پانچ وجوہ اعراب جائز ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معطوف سے مراد وہ نکرہ ہے جس میں لائے نفی مکرر نہ ہو اور یہاں اگر چہ معطوف نکرہ ہے، لیکن لائے نفی مکرر ہے اس لئے اس کا حکم وہی ہے، جو لا حول و لا قوة کے قول کی تشریح میں معلوم ہو چکا ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔ یعنی لائے نفی جنس کے اسم پر بنابر حمل على اللفظ اور بنابر حمل على المحل دونوں طرح عطف جائز ہے۔

على اللفظ أى لفظ اسم لا المبنى ويجعل منصوباً۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ اللفظ ترکیب میں مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ اسم محذوف ہے یعنی اگر لائے نفی جنس کے اسم کے لفظ پر عطف کیا جائے تو اس صورت میں وہ منصوب ہوگا۔

وبأن يحمل۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر کے بان کے لفظ پر عطف ہے۔

على المحل ويجعل مرفوعا۔

یعنی لائے نفی جنس کے اسم کے محل پر عطف کر دیا جائے تو اس صورت میں وہ معطوف مرفوع ہوگا۔

جائز ولا يجوز فيه البناء لمكان الفصل بالعاطف ولم يجعل فى حكم المتصل المظنة الفصل بلا المؤكدة إذ المعطوف على المنفي يزاد فيه لا كثيراً نحو لا حول ولا قوة۔

یعنی لائے نفی جنس کے اسم کے لفظ اور محل دونوں پر حمل کر کے عطف جائز ہے اور اس صورت میں وہ معطوف معرب ہوگا بناء اس میں جائز نہیں ہوگی کیونکہ درمیان معطوف اور معطوف علیہ کے عاطف سے فصل ممکن ہے اور اس کو

متصل کے حکم میں داخل کیا نہیں گیا کیونکہ یہاں لائے موکدہ سے فصل کا ظن ہے کیوں کہ جب منفی پر عطف کیا جاتا ہے تو اس میں کثرت سے لائے نفی کا کلمہ بڑھایا جاتا ہے جیسے لا حول و لا قوۃ کی ترکیب میں موجود ہے۔

مثل: لا أب وابناً وابنٌ فی قول الشاعر:

ولا أب وابنا مثل مروان وابنه إذ هو بالمجد ارتدیٰ وتأزرا

وسائر التوابع لا نص عنهم فیها لکن ینبغی أن یکون حکمها حکم توابع المنادیٰ کذا ذکره الأندلسیّ۔

اس میں اس لائے نفی جنس کے اسم کی مثال ہے جس کا حمل لفظ اور محل دونوں پر درست ہو جیسے یہاں مثال مذکور فی الشرح میں ابن کے لفظ کا حمل أب کے لفظ اور محل دونوں پر درست ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ "مثل مروان اور اس کے بیٹے کے نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا کیوں کہ بزرگی کی چادر اور ازار صرف اس نے اوڑھ لی ہے" باقی توابع کے متعلق نحاۃ سے کوئی نص اور تصریح منقول نہیں لیکن مناسب ہے کہ باقی توابع کا حکم مثل حکم توابع منادی مفرد معرفہ کے ہو۔ ایسا ہی اندلسی نے ذکر کیا ہے۔

اوپر مصنف نے یہ ثابت کیا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب نکرہ کے قریب ہو تو وہ اسم مبنی بر فتحہ ہوگا۔ اب یہاں اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ لا ابا له ولا غلامی له سے منقوض ہے کیونکہ اس میں لائے نفی جنس کا اسم نکرہ کے قریب ہے اور باوجود اس کے وہ منصوب ہے مبنی بر فتحہ نہیں ہے آگے چل کر مصنف اس کا جواب دیتے ہیں۔

ومثل: لا أبا له ولا غلامی له أی کل ترکیب یکون فیه بعد اسم لا التی لنفی الجنس لام الإضافة وأجری علی ذلك الاسم أحکام الإضافة من إثبات الألف فی نحو: أب وحذف النون من نحو غلامین۔

اس میں شارح یہ بتاتے ہیں کہ مثال مذکور سے مراد یہ مثال مخصوص نہیں بلکہ اس سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں لائے نفی جنس کے بعد لام اضافت ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری کئے گئے ہوں اور وہ احکام یہاں أب کے لفظ میں الف کا اثبات اور غلامین کے لفظ میں نون کا اضافت کی وجہ سے حذف ہونا ہے۔

جائز یعنی أن الأصل فی مثل هذین الترکیبین أن یقال: لا أب له ولا غلامین له

فیکون اسم لا فیهما مبنیا علی ما ینصب به والجار مع مجروره خبراً لها وقد جاء علی قلة مثل: لا أبا له ولا غلامی بزیادة الألف فی مثل أب وإسقاط النون فی مثل غلامین کما فی حال الإضافة **تشبیها له** أی لاسم لا فی هذین الترکیبین مع أنه لیس بمضاف **بالمضاف** وإجراء لأحکام المضاف علیه بإثبات الألف وحذف النون فیکون معربا وذلك التشبیه إنما هو **لمشارکته** أی مشارکة اسم لا حین یضاف بإظهار اللام بینه وبین ما یضاف إلیه **له** أی للمضاف **فی أصل معناه** أی معنی المضاف من حیث هو مضاف یعنی الإضافة وهو الاختصاص أو المعنی أن مثل: لا أبا له ولا غلامی له جائز تشبیهاً له أی لمثل هذین الترکیبین حیث الإضافة فیه بالمضاف أی بترکیب یشتمل علی الإضافة لمشارکته أی لمشارکة مثل هذین الترکیبین له أی لما یشتمل علی الإضافة فی أصل معناه أی معنی ما یشتمل علی الإضافة وهو الاختصاص إلا أن بین الاختصاصین تفاوتاً فإن الاختصاص المفهوم من الترکیب الإضافی أتم مما یفهم من غیره۔

یعنی لا أبا له ولا غلامی له کی ترکیب اوراس کے امثال جائز ہیں کیونکہ ان دونوں ترکیبوں کی اصل لا أب لـه و لا غلامین لـه ہے پس اس تقدیر پر لائے جنس کا اسم ان دونوں مثالوں میں مبنی برفتحہ ہوگا اور جار اپنے مجرور کے ساتھ لا کی خبر ٹھہرے گی اور یہ مثالیں لا أبا له و لا غلامی له بزیادت الف اور باسقاط نون غلامین بھی بنا برقلت آئی ہیں جیسے اضافت کی حالت میں نون تثنیہ کا اسقاط ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوا ہے اور یہ جواز ترکیبین مذکورین اس لئے ہے کہ ان مذکورہ ترکیبوں میں لائے نفی جنس کا اسم اگر چہ واقع میں مضاف نہیں لیکن مضاف کے مشابہ ہے اور اسی وجہ سے اس پر مضاف کے حکم جاری ہوتے ہیں جو کہ اثبات الف اور حذف نون تثنیہ ہیں پس اس تقدیر پر یہ لائے نفی کا اسم معرب ہوگا اور یہ تشبیہ لائے نفی جنس کے اسم کی جس وقت کہ مضاف ہو ساتھ اظہار لام کے درمیان اس کے اور درمیان اس کے جس کی طرف یہ مضاف ہو صرف مضاف کے اصلی معنی میں ہوگی لیکن یہ اس حیثیت سے کہ مضاف مضاف ہو یعنی مضاف سے مراد اضافت ہے اور وہ اصلی معنی مضاف کے اختصاص کے ہیں یا ان ترکیبوں کے معنی یہ ہیں کہ یہ ترکیبیں اس لئے جائز ہیں کہ ان میں اگر چہ اضافت نہیں لیکن یہ اس ترکیب کے مشابہ ہیں جس میں اضافت حقیقی پائی جاتی ہے لہذا یہ ترکیبیں اضافت کے اصلی معنی میں اس کے مشارک ٹھہرا کر مشابہ

بالمضاف مانی جائیں گی اور اضافت کے معنی اختصاص کے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ درمیان ان دونوں اختصاصوں کے تفاوت اور فرق ہے اور وہ یہ کہ وہ اختصاص جو ترکیب اضافی سے معلوم ہوگا وہ اس سے زیادہ اتم ہوگا جو اس کے غیر سے مفہوم ہوگا۔

ومن ثم أی لأجل أن جواز مثل هذين التركيبين إنما هو بتشبيه غير المضاف بالمضاف في معنى الاختصاص۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کلمہ مــن اجلیت کے معنی کا فائدہ دیتا ہے یعنی مذکورہ ترکیبوں کا جواز باعتبار تشبیہ غیر مضاف کے ساتھ ہے یعنی اختصاص کے معنی میں یہ مذکورہ ترکیبیں مضاف کے مشابہ ہیں اس لئے یہ مذکورہ تراکیب جائز ہوئیں۔

لم يجز تركيب۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لم یجز کا فاعل ترکیب کا لفظ ہے۔

لا أبا فيها أی فی الدار لعدم الاختصاص فإن الاختصاص المفهوم من إضافة الأب إلى شيء إنما هو بأبوية له، وهذا الاختصاص غير ثابت للأب بالنسبة إلى الدار فلا تصح إضافته فی الدار، فكيف يشبه تركيب لا أبا فيها بتركيب يضاف فيه الأب إلى الدار لمشاركته له فی اصل معناه۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فیھا کی ضمیر مجرور دار کی طرف راجع ہے یعنی لا ابا فیھا کی ترکیب اس لئے جائز نہیں کہ یہاں اختصاص کے معنی درست نہیں کیونکہ وہ اختصاص جواب کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے وہ صرف بسبب أبوة أب کے ہوگا اور یہ اختصاص بہ نسبت دار کے أب کے لئے ثابت نہیں ہے پس أب کی اضافت دار کی طرف درست اور صحیح نہیں ہوئی لہذا لا ابا فیھا کی ترکیب اس ترکیب کے مشابہ اور اصل معنی میں مشارک نہیں ہوئی جس میں اب کی اضافت دار کی طرف ہوئی ہو اس لئے یہ ترکیب جائز نہیں ہے۔

وليس أی مثل هذين التركيبين۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لیس کا اسم مثل ھذین الخ کا لفظ ہے۔

بمضاف حقيقة لفساد المعنى المراد المفاد بهما على تقدير الإضافة وهو نفی

ثبوت جنس الأب أو الغلامين لمرجع الضّمير المجرور بالاستقلال من غير احتياج إلى تقدير خبرٍ وهذا المعنى يفسد على تقدير الإضافة من وجهين: إما أولاً فلأن معنى هذين التركيبين على تقدير الإضافة لا أباه ولا غلاميه وهذا لايتم إلا بتقدير خبر أي لا أباه موجود ولا غلاميه موجودان وإما ثانياً فلأن المراد نفي ثبوت جنس الأب أو الغلامين له لا نفي الوجود عن أبيه المعلوم أو غلاميه المعلومين۔

یعنی مذکورہ مثالوں میں مضاف حقیقۃ مضاف کے ثبوت کی نفی ہے کیونکہ ضمیر مجرور کا مرجع مستقل ہے خبر مقدر ماننے کی ضرورت اور حاجت نہیں اور یہ معنی بنا بر تقدیر اضافت کے دووجوں سے فاسد ہیں اول یہ کہ بنا بر تقدیر اضافت ان مذکورہ ترکیبوں کے معنی لا اباہ و غلامیہ کے ہوں گے اور یہ معنی بغیر تقدیر خبر کے تمام نہیں اتمام معنی کے لئے خبر ضرور مقدر مانی جائے گی جس کی تقدیر لا اباہ موجود اور لا غلامیہ موجودان ہوگی ثانی یہ کہ یہاں مراد جنس اب اور غلامین کے ثبوت کی نفی ہے۔اب معلوم یا غلامین معلومین کے نفس وجود کی نفی مقصود نہیں ہے لہذا مذکورہ مثالوں میں مضاف حقیقی مضاف نہیں بلکہ مشابہ بالمضاف ہے۔

خلافا للسيبويه والخليل وجمهور النحاة۔

یعنی مذکورہ حکم میں سیبویہ، خلیل اور جمہور نحاۃ اختلاف کرتے ہیں۔

وإنما خص سيبويه بهذا الخلاف لأنه العمدة فيما بينهم۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب اس اختلاف میں خلیل اور جمہور نحاۃ بھی شریک ہیں پس مصنف کافیہ نے اس اختلاف کے لئے سیبویہ کو کیوں خاص کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ سیبویہ جملہ نحاۃ کے امام ہیں اس لئے اس اختلاف کے لئے صرف سیبویہ ہی کو خاص کیا۔

أو لأن المقصود بيان الخلاف لا تعين المخالفين فمذهب سيبويه والخليل وجمهور النحاة أن مثل هذا التركيب مضاف حقيقةً باعتبار المعنى وإقحام اللام بين المضاف والمضاف إليه تأكيد للام المقدرة وحكم المصنف بفساده لما عرفت۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا

سیبویہ کو اس لئے خاص کیا کہ یہاں مقصود خلاف کا بیان کرنا ہے مخالفین کا تعین مقصود نہیں ہے پس سیبویہ اور خلیل اور جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ اس ترکیب مذکور میں مضاف باعتبار اصلی معنی اضافت کے حقیقی مضاف ہے مشابہ بالمضاف نہیں ہے اور درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے لام مقدرہ کی تاکید کے لئے لام مذکورہ لایا گیا ہے اور مصنف کافیہ نے بوجہ فاسد ہونے معنی مقصود کے اس کے فاسد ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

ویحذف اسم لا حذفا۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یحذف کا فاعل اسم لا ہے اور حذفا کے لفظ کو بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ کثیر کا لفظ موصوف محذوف حذفاً کی صفت ہے۔

کثیراً فی مثل: لا علیک أی لا بأس علیک۔

یعنی لائے نفی جنس کا اسم بکثرت محذوف بھی ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں بـــأس کا لفظ لائے نفی جنس کا اسم محذوف ہے۔

ولا یحذف إلا مع وجود الخبر لئلا یکون إجحافاً۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بعض اوقات بنا بر حذف اسم لا کلام میں اجحاف لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ حذف اسم لائے نفی وہاں ہے جہاں خبر موجود ہو اور اگر خبر موجود نہ ہو تو اس صورت میں لائے نفی جنس کے اسم کا حذف کرنا منع ہے کیونکہ اس سے کلام میں اجحاف لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔

وقولهم: لا کزید إن جعلنا الکاف اسماً جاز أن یکون کزید اسما والخبر محذوفاً أی لا مثله موجود وجاز أن یکون خبراً أی لا أحد مثل زید وإن جعلناه حرفاً فالاسم محذوف أیٔ لا أحد کزید۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بنا بر حذف اسم لائے نفی کے لا کزید کے قول میں اجحاف لازم آیا کیونکہ اس میں کاف حرف ہے اسم اور خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ حرف کلام میں نہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قول مذکور میں کاف اسمی بمعنی مثــــل کے ہے پس اس صورت میں جائز ہے کہ

کزید کالفظ لائے نفی جنس کا اسم ہواور خبر محذوف ہو جس کی تقدیر لا مثله موجود ہوگی اور یہ بھی جائز ہے کہ خبر ہواور اسم محذوف ہو جس کی تقدیر لا أحد مثل زید ہے اور اگر کاف کو حرفی ٹھہرائیں تو اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم محذوف مانا جائے گا اور کزید کالفظ جار مجرور خبر ٹھہرایا جائے گا جس کی تقدیر لا أحد کزید ہوگی۔

خبر ما ولا المشبهتين في النفي والدخول على الجملة الاسمية۔

اس میں شارح ما ولا کی لیس سے مشابہت بتاتے ہیں کہ ما و لا کی لیس سے مشابہت نفی اور دخول جملہ اسمیہ میں ہے یعنی جس طرح لیس فعل ناقص جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر اسم کو مرفوع اور خبر کو منصوب کر دیتا ہے اسی طرح یہ ما ولا کے الفاظ بھی یہی عمل کرتے ہیں۔

بليس هو المسند بعد دخولهما أي دخول ما ولا۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ دخولهما کی ضمیر مجرور ما ولا کے طرف راجع ہے۔

وهي أي خبرية خبر ما ولا لهما وكذا اسمية اسمهما لهما لغة حجازية۔

اس میں شارح کا مقصد یہ ہے کہ ھی کی ضمیر ترکیب میں مبتدا اور لغة حجازية اس کی خبر واقع ہوئی ہے یعنی ما ولا کی خبروں کی خبریت اور اسی طرح ان کے اسموں کی اسمیت بھی لغت حجازی ہے۔

وخص الخبرية بالذكر لأن إعمالهما وجعل اسمهما وخبرهما اسماً وخبراً لهما إنما يظهر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبراً لهما إنما هو في لغة أهل الحجاز وأما بنو تميم فحيث لا يذهبون إلى إعمالهما لا يجعلون الخبر خبرا لهما ولا الاسم اسما لهما بل هما مبتدأ وخبر على ما كانا عليه قبل دخولهما عليهما ولغة أهل الحجاز هي التي جاء عليها التنزيل قال الله تعالىٰ: ﴿ما هذا بشراً﴾ و ﴿ما هن أمهاتهم﴾۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ما ولا کی اسمیت بھی لغت حجازی ہے پس مصنف کافیہ نے خبریت کو خاص کر کے کیوں ذکر کیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنف نے خبریت کو ذکر میں اس لئے خاص کیا ہے کہ ما ولا کا اعمال اور ان کی خبر کا خبر اور اسم کا اسم ٹھہرانا صرف باعتبار خبر کے ظاہر ہوگا، پس ما ولا کی خبر کا خبر ٹھہرانا صرف اہل حجاز کی لغت میں ہے، بخلاف بنی تمیم کے کہ یہ لوگ نہ ما ولا کے اعمال کے قائل ہیں اور نہ ما ولا کی خبر کو ان کی خبر اور اسم کو ان کے اسم

ٹھہراتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ یہ اسم اور خبر جس طرح ما و لا کے داخل ہونے سے پیشتر مبتدا اور خبر تھے، اسی طرح ما و لا کے داخل ہونے کے بعد بھی وہی مبتدا و خبر رہیں گے۔ اور اہل حجاز کی لغت قوی اور درست ہے کیونکہ اسی کے موافق قرآن پاک نازل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ما هذا بشرا﴾ اور ﴿و ما هن أمهاتهم﴾ یہاں لفظ ما نے اپنا عمل کیا ہے کہ خبر کو نصب دیا ہے اور اسم کو رفع۔ اگر ما کا کلمہ بے عمل ہوتا تو اس صورت میں بشرا کا لفظ مرفوع اور أمهاتهم کا لفظ بھی مرفوع پڑھا جاتا، حالانکہ جملہ قراء سبعہ بشرا کو منصوب اور امهاتهم کو مکسور بنا بر خبریت ما کے پڑھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بنی تمیم کی لغت قوی نہیں بلکہ اہل حجاز کی لغت قوی ہے اور یہ لغت اس قابل ہے جس کو قوی اور صحیح کہا جا سکے۔

وإذا زيدت إن مع ما نحو ما إن زيد قائم قيل: إنما اختصت ما بالذكر لأنها لا تزاد مع لا في استعمالهم وهي زائدة عند البصريين ونافية مؤكدة عند الكوفيين۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ما و لا عمل میں متفق ہیں پس مصنف کافیہ نے حکم مذکور میں ما کو خاص کیا ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ حکم مذکور میں ما کو خاص کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان کا کلمہ لا کے ساتھ استعمال عرب میں نہیں بڑھایا جاتا ہے بخلاف ما کے کہ اس کے ساتھ بکثرت بڑھایا جاتا ہے اور یہ ان کا کلمہ بصریین کے نزدیک زائد ہے، نفی کی تاکید کے لئے بڑھایا گیا ہے اور کوفیین کے نزدیک نافیہ نفی کا مؤکد ہے۔

أو انتقض النفي بإلا نحو: ما زيد إلا قائم أو تقدم الخبر على الاسم نحو: ما قائم زيد بطل العمل أي عمل ما إذا كان مع واحد من هذه الأمور الثلاثة؛ أما إذا زيدت إن فلأن ما عامل ضعيف عمل لشبه ليس فلما فصل بينهما وبين معمولها لم تعمل وأما إذا انتقض النفي بإلا فلأن عملها لمعنى النفي فلما انتقض بطل العمل، وأما إذا تقدم الخبر فلتغير الترتيب مع ضعفها في العمل۔

یعنی جب ما کے ساتھ ان کا کلمہ بڑھایا جائے یا نفی الا سے ٹوٹ جائے یا اسم پر خبر مقدم ہو جائے تو ان تینوں صورتوں میں ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے، یعنی امور ثلاثہ میں سے ایک امر کے موجودگی میں ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

اِن کے زیادہ ہونے کی صورت میں ما کا عمل اس لئے باطل ہوگا کہ ما کا کلمہ عامل ضعیف ہے، بسبب مشابہت لیس

کے عمل کرتا ہے، جب اس کے اور اس کے معمول کے درمیان فصل ہو تو یہ اپنا عمل مذکور نہیں کر سکے گا۔ اور الا سے نفی کے ٹوٹنے کی صورت میں مــا بے عمل اس لئے ہوگا کہ اس کا عمل بسبب نفی کے معنی کے تھا، جب نفی ٹوٹ گئی تو اس کا عمل بھی جاتا رہا۔ اور اسم پر خبر کی تقدیم کی صورت میں اس لئے مــا کا عمل باطل ہو جاتا ہے کہ ترتیب میں تغیر آتا ہے اور یہ مــا عمل میں ضعیف ہے تغیر اور تبدل ترکیب کے ساتھ عمل نہیں کر سکتا ہے۔ اور تینوں صورتوں کی مثالیں شرح میں مذکور ہیں، ملاحظہ ہوں۔

وإذا عطف عليه أي على خبرهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ علیه کی ضمیر مجرور ما و لا کی خبر کی طرف راجع ہے۔

بموجب بكسر الجيم أى بعاطف بغير الإيجاب بعد النفي وهو بل ولكن نحو ما زيد مقيماً بل مسافر وما عمرو قائما لكن قاعد۔

اس میں شارح موجب کے لفظ کے لغوی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ لفظ مکسور الجیم بصیغہ اسم فاعل ہے اور اس سے مراد وہ عاطف ہے جو نفی کے بعد ایجاب کا فائدہ دیتا ہے اور وہ عاطف بل اور لکن کے الفاظ ہیں کہ یہ نفی کے بعد ایجاب کے مفید ہوتے ہیں جیسے امثال مذکورہ فی الشرح میں موجود ہے۔

فالرفع أى فحكم المعطوف الرفع لا غير لكونهما بمنزلة إلا في نقض النفي۔

یہ شرط کی جزا ہے یعنی جب مــا و لا کی خبر پر عاطف موجب سے عطف کیا جائے تو معطوف کا حکم صرف رفع ہی ہوگا کیونکہ وہ موجب یعنی بل اور لکن کے الفاظ نفی کے نقض میں بمنزلہ إلا کے ہیں یعنی جس طرح إلا کے نقض سے ما و لا کی خبر مرفوع ہوتی ہے اسی طرح اس کا معطوف بھی مرفوع رہے گا۔

شارح نے فالرفع کے بعد فحكم المعطوف الرفع کی عبارت بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فالرفع کی جزائیت درست نہیں کیونکہ شرط کی جزا جملہ ہوتا ہے اور یہ مفرد ہے جملہ نہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فالرفع کا لفظ مبتدا محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر فحكم المعطوف الرفع ہے، یہ مبتدا محذوف اپنے خبر سے مل کر جملہ ہوا، لہذا اب اس تقدیر پر اس کی جزائیت درست ثابت ہوئی۔

المجرورات

اس کی ترکیبی تحقیق اس فقیر حقیر نے مرفوعات کی تشریح کے ضمن میں خوب تشریح کے ساتھ کی، یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں وہیں ملاحظہ ہو اور مجرورات بصیغہ جمع مرفوعات اور منصوبات کے موافقیت کے لئے ذکر کیا، یا باعتبار تعدد مجرور کے کہ مجرور کی تین قسمیں ہیں:۔ اول مجرور باضافت معنوی۔ دوم مجرور باضافت لفظی۔ سوم مجرور بحرف جر اصلی وزاید، اس اقسامی تعدد کا لحاظ کر کے بصیغہ جمع ذکر فرمایا ہے۔

هو ما اشتمل أی اسم اشتمل لتخرج الحروف الأواخر التی هی محال الإعراب فإنه لا یطلق علیها المرفوعات والمنصوبات والمجرورات اصطلاحا لأنها أقسام الاسم۔

اس میں شارح نے اسم کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مجرور کی تعریف مانع نہیں کیوں کہ اس میں وہ حروف داخل ہوئے جو کہ اعراب کے محل ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی مجرور ہوتے ہیں حالانکہ وہ اصطلاحی مجرور نہیں کہلاتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ما کے کلمہ سے مراد یہاں اسم ہے اب اس تقدیر پر وہ حروف اواخر جو کہ محل اعراب ہوتے ہیں مجرور کی تعریف سے خارج ہوگئے کیونکہ ان حروف پر اصطلاح نحاۃ میں مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات اسم کی اقسام ہیں حروف نہیں لہذا مجرور کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

علی علم المضاف إلیه أی علامة المضاف إلیه من حیث هو مضاف إلیه یعنی الجر سواء کان بالکسرة والفتحة أو الیاء۔

اس میں شارح نے علامة کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حرکات اور حروف پر علم کا اطلاق درست نہیں کیونکہ علم اسم کی اقسام میں سے ہے اور اسم کلمہ کے اقسام میں سے ہے اور کلمہ کے مفہوم میں وضع کا اعتبار ہے اور حروف وحرکات میں وضع نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں علم سے مراد علامت ہے یعنی مضاف الیہ میں مضاف الیہ کی علامت جر ہے اور وہ عام ہے خواہ کسرہ ہو جیسے غلام زید میں ہے خواہ فتحہ ہو جیسے غیر منصرف کی حالت جری میں ہوتا ہے خواہ یاء ہو جیسے جمع اور تثنیہ میں ہے۔

لفظاً أو تقديراً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ جاء نی غلام موسى کی ترکیب سے منقوض ہے کیونکہ موسی کا لفظ مضاف الیہ ہے اور باوجود اس کے مجرور نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مجرور عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے غلام زید میں خواہ تقدیری ہو جیسے مثال مذکور میں ہے لہذا اب قاعدہ مذکورہ بالا درست ثابت ہوا۔

وإنما قلنا من حيث هو مضاف إليه لأن الجر ليس علامة لذات المضاف إليه، بل لحيثية كونه مضافاإليه۔

اوپر شارح نے مضاف الیہ کے ساتھ من حيث هو مضاف اليه کی قید بڑھائی تھی اب یہاں اس کی وجہ اور دلیل بتاتے ہیں کہ ہم نے یہ قید مذکور اس لئے بڑھائی ہے کہ جر مضاف الیہ کی ذات کی علامت نہیں ہوتی بلکہ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے علامت ہوتی ہے۔

والمضاف إليه وإن كان مختصاً بما عرفه به لكن المشتمل على علامته أعم منه ومما هو مشبه به فيدخل في تعريف المجرور مثل بحسبك درهم وكفى بالله۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مجرور کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے بحسبك درهم اور كفى بالله کی امثال کا مجرور خارج ہوا کیونکہ یہ مضاف الیہ نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مضاف الیہ مصنف کافیہ کی تعریف کی بنا پر اگر چہ خاص کر وہی ہے جو مجرور بحرف جر اصلی ہو لیکن وہ مضاف الیہ جو مضاف الیہ ہونے کی علامت پر مشتمل ہو عام ہے جو مجرور بحرف جر اصلی ہو لیکن وہ مضاف الیہ جو مضاف الیہ ہونے کی علامت پر مشتمل ہو عام ہے خواہ حقیقی مضاف الیہ ہو خواہ مشابہ مضاف الیہ پس اس تقدیر پر امثال مذکورہ فی الشرح کا مجرور مصنف کی تعریف میں داخل ہوا اور تعریف جامع ثابت ہوئی کیونکہ امثال مذکورہ کا مجرور اگر چہ حقیقی مضاف الیہ نہیں لیکن مشبہ مضاف الیہ ہے۔

وكذلك المضاف إليه بالاإافة اللفظية ،إن لم يكن داخلا فی تعريفه۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے وہ مضاف الیہ خارج ہوا جو مجرور باضافت لفظی ہو کیونکہ اس میں حرف جر تقدیری ہوتا ہے اور مصنف کے نزدیک مضاف الیہ وہی ہے جو مجرور بحرف جر تقدیری ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جس طرح بحسبك درهم اور كفى بالله کا مجرور تعریف میں داخل ہے، اسی طرح وہ مضاف الیہ بھی داخل ہے جو مجرور باضافت لفظی ہو اگر چہ مصنف کی تعریف کی بنا پر داخل نہیں ہے اور مضاف الیہ مجرور باضافت لفظی کی مثال ضارب زید ہے۔

والمضاف إليه وهو ههنا غير ما هو المصطلح المشهور بينهم، وذهب فی ذلك إلى مذهب سيبويه حيث أطلق المضاف إليه على المنسوب اليه بحرف الجر لفظاً أيضاً۔

یعنی مضاف الیہ سے مراد وہی ہے جو مصنف کے نزدیک ہے وہ مراد نہیں جو قوم کی اصطلاح مشہور میں ہے، قوم کی اصطلاح میں مضاف الیہ خاص کر وہی ہے جس میں حرف جر مقدر ہو اور ان کے نزدیک اضافت لفظی میں حرف جر مقدر ہوتا ہے بخلاف مذہب مصنف کافیہ کے کہ ان کے نزدیک یہاں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے اور مصنف نے اس میں سیبویہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے کہ سیبویہ نے مضاف الیہ کا اطلاق منسوب الیہ بحرف جر لفظی پر بھی کیا ہے۔

كل اسم حقيقة أو حكما يشمل الجمل التی يضاف إليها نحو: ﴿يوم ينفع الصادقين صدقهم﴾ فإنها فی حكم المصادر۔

اس میں شارح نے حکماً کا لفظ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف جامع نہیں کیوں کہ اس سے آیت مبارکہ مذکورہ فی الشرح کا مضاف الیہ خارج ہوا کیوں کہ وہ اسم نہیں، بلکہ فعل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ اسم عام ہے خواہ صریحی حقیقی ہو خواہ تاویلی حکمی ہو پس ینفع کا جملہ اگر چہ اسم صریحی نہیں لیکن اسم تاویلی حکمی ہے کیونکہ یہ مصادر کے حکم میں ہے لہذا اب اس تقدیر پر مضاف الیہ کی تعریف ان جملوں پر بھی صادق ہوئی جن کی طرف اضافت ہوتی ہے جیسے آیت شریفہ مذکورہ فی الشرح میں ہے۔

نسب إليه شیء اسماً كان نحو غلام زيد أو فعلا مثل مررت بزيد۔

اس سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ شے عام ہے خواہ اسم ہو جیسے غلام زید میں ہے خواہ فعل ہو جیسے مررت بزید کی مثال میں ہے۔

بواسطة حرف الجر لفظا أو تقديرا أي ملفوظا كان ذلك الحرف كما في مثال مررت بزيد أو مقدرا۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لفظا أو تقديرا کے الفاظ بنابر خبریت کان مقدر کے منصوب ہیں۔ یعنی مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی شے کی نسبت بواسطہ حرف جر لفظی یا تقدیری کے کی جائے وہ حرف جر عام ہے خواہ ملفوظ ہو جیسے مررت بزید کی مثال میں خواہ مقدر ہو جیسے غلام زید میں ہے اور لفظا اور تقديراً کے الفاظ کے نصب کے سوال وجواب کی تشریح بارہا آ چکی ہے ملاحظہ ہو۔

حال كون ذلك المقدر۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ مراد کے لفظ کا نصب بنابر حالیت ہے جس کا ذوالحال مقدر کا لفظ ہے جو تقديرا کا مؤول ہے۔

مرادا من حيث العمل بإبقاء أثره وهو الجر مثل غلام زيد وخاتم فضة وضرب اليوم بخلاف قمت يوم الجمعة فإنه وإن نسب إليه القيام بالحرف المقدر وهو "في" لكنه غير مراد لو أريد لانجر به۔

یہاں مصنف کی تعریف پر ایک سوال مقدر وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں قمت یوم الجمعة کی ترکیب کا مفعول فیہ داخل ہوا اس لئے کہ اس میں یوم ایک اسم ہے جس کی عطف شے کی نسبت ہوئی ہے اور باوجود اس کے یہ مضاف الیہ نہیں ہے۔

مصنف کافیہ نے مرادا کے قول میں اس کا جواب فرمایا جس کی تشریح یہ ہے کہ حرف جر مقدر سے مراد یہ ہے کہ اس کا عملی اثر باقی رہے اور وہ جر ہے جیسے غلام زید اور خاتم فضة اور ضرب اليوم کی امثال میں موجود اور باقی ہے اضافت کی تین قسمیں ہیں:۔ اول اضافت بتقدیر لام۔ دوم اضافت بتقدیر من۔ سوم اضافت بتقدیر فی۔ اول مثال اول قسم کی ہے اور ثانی ثانی کی اور ثالث ثالث کی ملاحظہ کریں بخلاف قمت یوم الجمعة کے کہ اس میں اگر چہ یوم کی طرف قیام کی نسبت حرف جر تقدیری فی کے واسطے سے ہوئی ہے لیکن یہ مراد نہیں کیوں اگر یہاں حرف جر تقدیری مراد

ہوتاتو یوم کے لفظ کو مجرور کردیتا۔

فالتقدير أي تقدير الحرف۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ التقدیر کا لفظ ترکیب میں مضاف ہے اوراس کا مضاف الیہ الحرف محذوف ہے، محذوف کے عوض میں مضاف پرالف لام داخل کردیا ہے۔

شرطه أن يكون المضاف اسماً إذ لو كان فعلا لا بد من أن يتلفظ بالحرف نحو: مررت بزيد۔

یعنی حرف جر کی تقدیر کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو کیونکہ اگر فعل ہوگا تو اس صورت میں حرف جر پر تلفظ کرنا ضروری اور لازمی ہوگا جیسے مررت بزید میں ہے۔

مجرداً أي منسلخاً۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ تجرید کے معنی یہاں مجازاً انسلاخ کے ہیں یعنی زوال کے، بطریق ذکرملزوم مرادلازم۔

عنه تنوينه أو قام مقامه من نوني التثنية والجمع۔

یعنی مضاف سے بوجہ اضافت کے تنوین اور جو اس کے قائم مقام ہو یعنی نون تثنیہ اورنون جمع زائل کردیا جائے گا۔

لأجلها أي لأجل الإضافة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ لاجلہا کی ضمیر مجرور اضافت کی طرف راجع ہے۔

لأن التنوين أو النون دليل على تمام ما هي فيه فلما أرادوا أن يمزجوا الكلمتين مزجاً تكتسب به الأولى من الثانية التعريف أوالتخصيص أو التخفيف حذفوا من الأولى علامة تمام الكلمة وتمموها بالثانية ثم المتبادر من هذا التعريف نظراً الى كلام القوم حيث ليسوا قائلين بتقدير حرف الجر في الإضافة اللفظية أنه غير شامل للمضاف إليه بالإضافة اللفظية لكن الظاهر من كلام المصنف في المتن والصريح في شرحه له أن التقسيم إلى الإضافة المعنوية واللفظية إنما هو للإضافة بتقدير حرف الجر لكنه لم يبين تقدير الحرف فيها لا في المتن ولا في

شرحه ولم ينقل عنه شيء فيه من سائر مصنفاته وقد تكلف بعضهم في إضافة الصفة إلى مفعولها مثل: ضارب زيد بتقدير اللام تقويةً للعمل أي ضارب لزيد في إضافتها إلى فاعلها مثل: الحسن الوجه بتقدير من البيانية، فإن ذكر الوجه في قولنا: جاء ني زيد الحسن الوجه بمنزلة التميز فإن في إسناد الحسن إلى زيد إبهاماً، فإنه لا يعلم أنه أي شيء منه حسن فإذا ذكر الوجه فكأنه قال: من حيث الوجه۔

اس میں شارح اضافت کے ساتھ تنوین اورنون تثنیہ اورنون جمع کی ممانعت کی دلیل اور وجہ بیان فرماتے ہیں کہ مضاف کوتنوین اورنون تثنیہ اورنون جمع سے خالی کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تنوین اورنون مذکورکلمہ کے تمام ہونے کی دلیل ہے جب نحاۃ نے دوکلموں کا امتزاج چاہا جس کے ذریعہ سے اول کلمہ ثانی سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل کر سکے تو اول کلمہ کے تمام ہونے کی علامت کوحذف کرڈالا اوراس کوثانی کلمہ سے ملا کر تمام کیا، لہذا اب تنوین اورنون تثنیہ اورنون جمع کی جس پرکلمہ تمام ہوجاتا ہے کوئی ضرورت نہ رہی پس بہ نظر مذہب قوم کے کہ وہ اضافت لفظی میں حرف جر کی تقدیر کے قائل نہیں۔مصنف کافیہ کی تعریف کی بنا پر متبادر ہے کہ یہ تعریف اضافت لفظی کے مضاف الیہ کوشامل نہیں ہے لیکن مصنف کافیہ کے متن کلام کے ظاہر اوراس کی شرح کی تصریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کی تقسیم معنوی اورلفظی کی طرف صرف بنابراس اضافت کے ہے جس میں حرف جرمقدر ہولیکن اس کومصنف نے نہ متن میں بیان کیا ہے اور نہ شرح میں اور نہ ان کی باقی تصنیفات میں اس کے متعلق کوئی ذکر آیا ہے اور بعضے نحاۃ نے صفت کی اضافت کو مفعول کی طرف تکلف کرکے بنابرتقویت عمل کے مقدر بلام ٹھہرادیا ہے جس کی تقدیر ضارب لزيد ہوتی ہے اورفاعل کی طرف صفت کی اضافت میں تقدیر من بیانیہ کے قائل ہوئے ہیں جس کی مثال الحسن الوجه ہے کیونکہ جاء نی زيد الحسن الوجه کے قول میں وجہ کا ذکر کرنا بمنزلہ تمیز کے ہے کیونکہ زید کی طرف حسن کے اسناد میں ابہام تھا اس لئے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ زید کی کونسی چیز اچھی اورحسن ہے، جب اس کے بعد وجه کا ذکر کیا تو گویا زيد حسن من حيث الوجه کہا، لہذا اب وہ ابہام رفع ہوا۔

فإن قلت: هذا في الحقيقة تخصيص فلا يصح أن الإضافة اللفظية لا تفيد إلا تخفيفاً في اللفظ۔

یہ ایک سوال ہے جو فإن ذكر الوجه في قولنا جاء ني زيد الحسن الوجه بمنزلة التميز إلخ کے قول

پروارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ تقدیر مذکور کی بنا پر حقیقت میں اضافت لفظی مفید تخصیص ہوئی پس مصنف کافیہ کا یہ کہنا کہ اضافت لفظی صرف مفید تخفیف فی اللفظ کے ہوتی ہے درست اور صحیح نہیں ہے۔

قلنا: كان هذا التخصيص واقعا قبل الإضافة فلا يكون مما تفيده الإضافة فليست فائدة الإضافة إلا التخفيف في اللفظ۔

اس میں شارح نے اوپر مذکور سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تخصیص مذکور اضافت سے پیشتر واقع ہوئی ہے پس یہ اضافت سے حاصل نہیں ہوئی لہذا اضافت لفظی کا فائدہ صرف تخفیف في اللفظ ٹھہرا۔

وهي أي الإضافة بتقدير حرف الجر۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ هي کی ضمیر مرفوع اضافت کی طرف راجع ہے یعنی اضافت بتقدير حرف الجر کی دو قسمیں ہیں اول اضافت معنوی، دوم اضافت لفظی۔

معنوية أي منسوبة إلى المعنى لأنها تفيد معنى في المضاف تعريفا أو تخصيصاً۔

اس میں شارح اضافت معنوی کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ اضافت معنوی وہ ہے جو منسوب إلى المعنى ہو اور اس کو اضافت معنوی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مضاف کی تعریف یا تخصیص کے معنی کا فائدہ دیتی ہے یعنی اضافت معنوی سے مضاف معرفہ ہو جاتا ہے یا مخصص یہ اضافت معنوی کا فائدہ ہے۔

ولفظية أي منسوبة إلى اللفظ فقط دون المعنى لعدم سرايتها إليه۔

اس میں شارح علیہ الرحمۃ اضافت لفظی کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ اضافت لفظی وہ ہے جو فقط منسوب إلى اللفظ ہو، معنی کا اس میں کوئی دخل نہ ہو، کیونکہ اضافت لفظی کی سرایت معنی کی طرف نہیں ہوتی ہے، بلکہ لفظ کی طرف اس کا اثر متوجہ ہوتا ہے۔

فالمعنوية علامتها۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فالمعنوية کا قول ترکیب میں مبتدا واقع ہوا ہے اور أن يكون کا قول بتاویل کون ہو کر اس کی خبر واقع ہوئی اور خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے اور یہاں حمل درست نہیں کیونکہ اس سے صرف وصف کا حمل ذات پر لازم ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ أن یکون کا قول بتاویل کون ہوکر مبتدا محذوف علامتھا کی خبر ہے اور یہ مبتدا اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر فالمعنویۃ کی خبر واقع ہوئی ہے۔

أن يكون المضاف فيها۔

اس کے بڑھانے سے شارح رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ اشارہ کیا ہے کہ فیھا کی ضمیر مجرور الإضافة کی طرف راجع ہے۔

غير صفة كاسم الفاعل والمفعول والصفة المشبهة۔

یعنی اضافت معنوی کی علامت یہ ہے کہ مضاف اس میں غیر صفت ہو یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ وغیرہا نہ ہو۔

مضافة إلى معمولها فاعلها أو مفعولها قبل الإضافة سواء لم يكن صفة كغلام زيد أو كان صفة ولكن غير مضافة إلى معمولها بل إلى غيره كمصارع مصر، كريم البلد واحترز به عن نحو ضارب زيد وحسن الوجه۔

یعنی اضافت معنوی کی علامت یہ ہے کہ اس میں مضاف صفت اپنے معمول یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف قبل اضافت نہ ہو۔ یہ عام ہے خواہ صفت بالکل نہ ہو جیسے غلام زید میں مضاف صفت نہیں یا صفت تو ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع مصر اور کریم البلد کی امثال میں مصر اور بلد کے الفاظ پر مصارع اور کریم کے معمول نہیں بلکہ ظرف ہیں اور غیر مضافة کی قید سے ضارب زید اور حسن الوجہ سے احتراز کیا کیونکہ یہاں ضارب اور حسن کے الفاظ صفات اپنے معمولوں کی طرف مضاف واقع ہوئے ہیں۔

وهي أي الإضافة المعنوية بحكم الاستقراء۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ ھی کی ضمیر اضافت معنوی کی طرف راجع ہے یعنی اضافت معنوی کے استعمال کے بحکم استقراء تین طریقے ہیں۔ اول بمعنی لام۔ دوم بمعنی من۔ سوم بمعنی فی۔

إما بمعنى اللام فيما أي في المضاف إليه عدا جنس المضاف وظرفه أي لا يكون صادقاً على المضاف وغيره ولا ظرفا له نحو: غلام زيد، فإن زيدا ليس جنسا للغلام

صادقاً عليه ولا ظرفه، فإضافة الغلام إليه بمعنى اللام أى غلام لزيد **وإما بمعنى من** البيانية **في جنس المضاف** الصادق عليه وعلى غيره بشرط أن يكون المضاف أيضاً صادقاً على غير المضاف إليه فيكون بينهما عموم وخصوص من وجهٍ **وإما بمعنى في في ظرفه** أى ظرف المضاف۔

اضافت معنوی کی بحکم استقراء تین قسمیں ہیں وہ تین قسمیں یہ ہیں: (۱) اضافت بمعنی السلام (۲) اضافت بمعنی من (۳) اضافت بمعنی فی۔

اضافت بمعنی السلام اس صورت میں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہو۔ جنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر بھی صادق ہو اور اس کے علاوہ پر بھی صادق ہو۔ اضافت بمعنی اللام میں مضاف الیہ ایسا نہ ہونا چاہئے اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہونا چاہئے جیسے غلام زید اس میں زید مضاف الیہ ہے اور یہ غلام کے لئے جنس نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ غلام اور غیر غلام دونوں پر صادق آئے بلکہ زید تو مثال مذکور میں آقا ہے غلام کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی طرح زید غلام کے لئے ظرف بھی نہیں ہے۔

اضافت بمعنی من کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے جنس ہو، یعنی اپنے مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق آتا ہو، جیسے خاتم فضة، اس میں فضة مضاف الیہ اور خاتم مضاف ہے اور فضة، خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق آتا ہے، یعنی چاندی سے انگوٹھی بھی بنائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور دوسرے زیورات بنائے جاتے ہیں۔

شارح نے إما بمعنى في جنس المضاف کے بعد الصادق عليه وعلى غيره بشرط أن يكون المضاف أيضا صادقاً على غير المضاف إليه کا اضافہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ ایسا ہو کہ مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق ہو۔

اسی طرح مضاف بھی ایسا ہو کہ مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ دونوں پر صادق آتا ہو اس کا حاصل یہ ہو کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں عام ۔ خاص من وجہ کی نسبت ہو، مثلاً مثال مذکور خاتم فضة میں انگوٹھی چاندی اور غیر چاندی دونوں کی ہوتی ہے اسی طرح چاندی سے انگوٹھی اور غیر انگوٹھی دونوں قسم کی چیزیں بنتی ہیں۔

اضافت بمعنی فی کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے ظرف واقع ہو جیسے ضرب اليوم اس میں

الیوم، ضرب کے لئے ظرف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرب کا وقوع آج کے دن ہوا، تقدیری عبارت یہ ہوگی ضرب واقع فی الیوم۔

والحاصل أن المضاف إليه إما مبائن للمضاف وح إن كان ظرفا له فالإضافة بمعنى في وإلا فهي بمعنى اللام، وإما مساو له كليث أسد، وإما اعم مطلقاً كأحد اليوم، فالإضافة على التقديرين ممتنعة، وإما أخص مطلقا كيوم الأحد وعلم الفقه وشجر الأراك، فالإضافة ح أيضا بمعنى اللام، وإما أخص من وجه، فإن كان المضاف إليه أصلاً للمضاف فالإضافة بمعنى من وإلا فهي أيضا بمعنى اللام، فإضافة خاتم إلى فضة بيانية وإضافة فضة إلى خاتم بمعنى اللام كما يقال فضة خاتمك خير من فضة خاتمي۔

اس میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ ہر دو کلیوں کے درمیان چار نسبتوں میں سے کوئی نہ کوئی نسبت پائی جاتی ہے، تساوی، تباین، عام وخاص مطلق عام وخاص من وجہ، یہاں اضافت کے ان اقسام ثلثہ میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ان نسب اربعہ میں سے کونسی نسبت پائی جاتی ہے؟

شارح اس عبارت سے اس کا بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں اگر مضاف الیہ مضاف کے مباین ہو یعنی دونوں میں تباین کی نسبت پائی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر ظرف ہے تو اضافت بمعنی فی ہے۔ اگر ظرف نہیں ہے تو اضافۃ بمعنی اللام ہے۔

اور اگر مضاف ومضاف الیہ کے درمیان تساوی ہو یا مضاف الیہ عام ہو اور مضاف خاص ہو تو ان دونوں صورتوں میں اصافت ممتنع ہوگی کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اضافت سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا نہ مضاف میں تعریف حال ہوتی ہے نہ تخصیص مثلاً کسی نے مررت بالاسد یا مررت بلیث کہا تو مخاطب کو اس سے پورا فائدہ حاصل ہوگیا۔ اب اگر وہ مررت بلیث اسد کہے یا مررت باسدِ لیث کہے یعنی ایک مساوی کو دوسرے مساوی کی طرف مضاف کر دے تو مزید کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا مثلاً لیث کو اسد کی طرف مضاف کرنے میں لیث کے اندر اسد سے نہ تو تعریف حال ہوئی نہ تخصیص، اسی طرح اس کے عکس کا حال ہے تو پھر اضافت سے کیا فائدہ؟

اور اگر مضاف الیہ مضاف سے خاص ہو جیسے یوم الاحد اس میں یوم عام ہے ہر دن کو کہہ سکتے ہیں اور احد صرف یکشنبہ (اتوار) کو کہتے ہیں، اسی طرح علم الفقه، شجر الأراك میں مضاف الیہ خاص ہے اور مضاف عام ہے

تو ایسی صورت میں اضافت بمعنی اللام ہوگی اور اگر مضاف الیہ خاص من وجہ ہے یعنی مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان عام، خاص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی اور اگر اصل نہیں ہے تو اضافت بمعنی اللام ہوگی۔ معلوم ہوا کہ اگر مضاف الیہ و مضاف کے درمیان عام و خاص من وجہ کی نسبت ہو تو اس میں ہر حال میں اضافت بمعنی من نہ ہوگی بلکہ یہ تفصیل ملحوظ ہوگی، چنانچہ اگر مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی ورنہ اضافت بمعنی اللام ہوگی چنانچہ خاتم فضة میں اضافت بمعنی من ہے کیونکہ فضة خاتم کے لئے اصل ہے اور فضة خاتم میں اضافت بمعنی اللام ہے کیونکہ خاتم فضة کے لئے اصل نہیں ہے، فضة خاتمك خير من فضة خاتمي اس میں بھی اضافت بمعنی اللام ہے۔

واعلم أنه لا يلزم فيما هو بمعنى اللام أن يصح التصريح بها بل يكفي إفادة الاختصاص الذى هو مدلول اللام فقولك: يوم الأحد وعلم الفقه وشجر الأراك بمعنى اللام ولا يصح إظهار اللام فيه ولهذا قال المصنف بمعنى اللام ولم يقل بتقدير اللام۔

اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا ازالہ مقصود ہے، سوال کی تشریح یہ ہے کہ اضافت بمعنی اللام وہاں ہوگی جہاں لام کا اظہار درست ہو اور علم الفقه ، یوم الأحد ، شجر الاراك میں لام کا اظہار درست نہیں لہذا ان میں اضافت بمعنی اللام نہ ہونا چاہئے۔

اس کے جواب میں شارح فرمارہے ہیں کہ اضافت بمعنی اللام کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں لام ظاہر کیا جائے، بلکہ لام کے معنی جو تخصیص کے ہیں وہ اس اضافت میں پائے جاتے ہوں، چنانچہ امثلہ مذکورہ میں تخصیص پائی جاتی ہے، اس وجہ سے یہ اضافت بمعنی اللام میں داخل ہیں۔ مصنفؒ نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بمعنی اللام کہا بتقدير اللام نہیں کہا، جس کا مطلب یہی ہے کہ لام کا مقصود جو تخصیص ہے وہ حاصل ہونا چاہئے لام کا مقدر ماننا ضروری نہیں ہے۔

وبهذا الأصل يرتفع الإشكال عن كثير من مواد الإضافة اللامية۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اضافت بمعنی اللام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں لام کا اظہار ضروری ہو، بلکہ اختصاص حاصل ہوجائے یہی کافی ہے۔ اس اصل کے جان لینے کے بعد اضافت لامیہ کی مثالوں میں جو اعتراض ہوسکتا تھا وہ نہ واقع ہوگا مثلاً علم الفقه ، شجر الراك جیسی مثالوں میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہاں لام کا اظہار

جائز نہیں لہذا اضافت بمعنی اللام نہ ہونا چاہئے۔

ان سب کا جواب یہی ہے کہ مقصود اختصاص ہے، چونکہ وہ حاصل ہے لہذا اضافت بمعنی السلام میں یہ سب داخل ہیں۔

ولا يحتاج فيه إلى التكلفات البعيدة مثل كل رجل وكل واحد وهو أي كون الإضافة بمعنى في قليل في استعمالاتهم وردها أكثر النحاة إلى الاضافة بمعنى اللام فإن معنى ضرب اليوم ضرب له اختصاص باليوم بملابسة الوقوع فيه۔

امثلہ مذکورہ علم الفقه وشجر الأراك ويوم الأحد اور اس جیسی دوسری مثالیں مثلاً كل رجل وكل واحد وغیرہ میں جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سب میں اضافت لامیہ ہے حالانکہ ان میں اظہار لام صحیح نہیں۔ اس کا جواب ایک تو شارح نے دیا کہ اضافت لامیہ میں لام کا اظہار ضروری نہیں، لام کا مقصود جو اختصاص ہے وہ حاصل ہو جائے پس کافی ہے بعض لوگوں نے تکلف کیا ہے اور ان امثلہ میں اور ان جیسی دوسری مثالوں میں لام کا اظہار بہ تکلف کیا ہے گویا کہ ان حضرات نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اضافت لامیہ میں لام ظاہر ہونا چاہئے چنانچہ علم الفقه میں انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ اصل میں علم مخصوص للفقه ہے اور شجر الاراك کی تاویل شجر مخصوص للأراك سے کی ہے اور یوم الاحد میں یوم مخصوص للأحد کہا ہے۔

اسی طرح كل رجل اور كل واحد میں اضافت بمعنی اللام ہے لیکن مضاف الیہ پر لام کا ظاہر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ کل امور لازمة الإضافة میں سے ہے یعنی ہمیشہ مضاف ہوتا ہے جیسے عند، لدی وغیرہ اور اسم لازمة الإضافة میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لام کے ذریعہ فصل صحیح نہیں تو ان حضرات نے ان میں بھی تاویل کی اور کل سے افراد مراد لے کر مضاف الیہ پر لام کو ظاہر کیا ہے اور اس کی اصل مثال مذکور میں كل فرد لرجل اور كل فرد لواحد نکالی ہے۔

شارح فرماتے ہیں کہ ہمارے بے تکلف جواب کے بعد پھر اس قسم کے پر تکلف جواب کی کیا ضرورت ہے؟

شارح نے وهو أي كون الاضافة ...... الخ میں ترقی کر کے فرمایا کہ اکثر نحاۃ نے تو اس کو اضافت کی مستقل قسم نہیں قرار دیا بلکہ اضافت بمعنی السلام میں اس کو داخل کر دیا ہے کیونکہ فعل کو اپنے ظرف کے ساتھ وقوع کے اعتبار سے خصوصیت ہوتی ہے مثلاً ضرب اليوم میں اليوم ضرب کے لئے ظرف ہے اور ضرب کو اليوم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ضرب کا وقوع ہوا ہے تو جب اضافت بمعنی في میں بھی اختصاص پایا جاتا ہے تو اس کو علیحدہ قسم

کیوں قرار دیا جائے اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا جائے۔

فإن قلت: فعلى هذا يمكن رد الإضافة بمعنى من أيضاً إلى الإضافة بمعنى اللام للاختصاص الواقع بين المبين والمبين۔

قلنا: نعم لكن لما كانت الإضافة بمعنى في قليلاً ردوها إلى الإضافة بمعنى اللام تقليلاً للأقسام وأما الإضافة بمعنى من فهي كثيرة في كلامهم فالأولى بها أن تجعل قسما على حدة **نحو غلام زيد**، مثال للاضافة بمعنى اللام أي غلام لزيد، **خاتم فضة** مثال للإضافة بمعنى من أي خاتم من فضة **وضرب اليوم** مثال للاضافة بمعنى في أي ضرب واقع في اليوم۔

یہ ایک اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اضافت بمعنی فی میں بھی چونکہ اختصاص پایا جاتا ہے اس لئے اس کو اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا گیا ہے اسی طرح اضافت بمعنی من بھی تو اختصاص ہے کیونکہ مبین اور مبین کے درمیان اختصاص ہوتا ہے تو اس کو کیوں اضافت بمعنی اللام میں داخل نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض آپ کا صحیح ہے لیکن اضافت بمعنی فی کا وقوع بہت کم ہے اس لئے مناسب یہ ہوا کہ اس کو اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا جائے تاکہ اقسام کم ہو جائیں اور ان کا یاد کرنا آسان ہو جائے اور اضافت بمعنی من کثیر الوقوع ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کو علیحدہ قسم قرار دیا جائے۔

وتفيد أي الإضافة المعنوية **تعريفاً** أي تعريف المضاف **مع المضاف إليه المعرفة** لأن الهيأة التركيبية في الإضافة المعنوية موضوعة للدلالة على معلومية المضاف، لأن نسبة أمر إلى معين يستلزم معلومية المنسوب ومعهوديته فإن ذلك غير لازم كما لا يخفى۔

یعنی مضاف الیہ اگر معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا، شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے اس کی وضع ہی اس لئے ہوتی ہے لہذا مضاف الیہ کی معلومیت اور اس کی تعریف مضاف کی طرف سرایت کر یگی کیونکہ ان کے درمیان لفظوں میں بہت قوی اتصال ہے بسا اوقات تو مضاف الیہ کو مضاف میں منضم کر دیتے ہیں اور مضاف الیہ کے عوض مضاف میں تنوین داخل کر کے مضاف الیہ کو ختم کر دیتے ہیں تو جس طرح مضاف اور مضاف الیہ میں لفظوں میں اتصال ہے اسی طرح ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے معنی کے اعتبار سے بھی اتصال قوی حاصل ہو جائے گا۔

ایسا نہیں ہے جیسا کہ شارح ہندی نے فرمایا ہے کہ امر غیر معین کی نسبت جب امر معین کی طرف کی جاتی ہے تو وہ منسوب کی معلومیت اور معہودیت کو مستلزم ہوتی ہے مثلاً غلام زید میں غلام غیر معین تھا اور زید معین ہے جب غلام کی نسبت زید کی طرف کی گئی تو غلام بھی معین ہو گیا۔

شارح لأن نسبة أمر الخ سے اس کو رد کر رہے ہیں کہ یہ ملازمہ مسلم نہیں کہ جب بھی امر معین کی طرف امر غیر معین کی نسبت کریں تو غیر معین معین ہو جائے ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا مثلاً غلام لزید میں بھی تو غلام کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے اور زید معین ہے لیکن غلام معین نہیں ہوا کیونکہ اس کی تنوین تنکیر پر دلالت کر رہی ہے اسی طرح فعل کی نسبت فاعل معین کی طرف ہوتی ہے لیکن وہ فعل کی معلومیت کو مستلزم نہیں جیسے ضرب زید میں ضرب کی نسبت زید کی طرف ہے اور زید فاعل ہے متعین ہے لیکن اس سے ضرب میں کسی قسم کی تعریف نہیں پائی جاتی۔

فإن قلت: قد يقال جاء ني غلام زيد من غير إشارة إلى واحد معين فلا يكون هيأة التركيب الإضافي موضوعة لمعلومية المضاف۔

یہ ایک سوال ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے یہ کلیہ ہم کو مسلم نہیں اس لئے کہ اگر غلام زید کہا جائے اور غلام سے کوئی خاص لام نہ مراد ہو تو باوجودیکہ اس کی نسبت زید کی طرف ہے جو معلوم ہے لیکن اس سے غلام کی معلومیت حاصل نہیں ہوئی۔

قلنا: ذلك كما أن المعرف باللام في أصل الوضع لمعين ثم قد يستعمل بلا إشارة إلى معين كما في قوله: ؎ ولقد أمر على اللئيم يسبني وذلك على خلاف وضعه۔

شارح نے جواب دیا کہ ہم وضع کے اعتبار سے گفتگو کر رہے ہیں کہ ہیئت ترکیبیہ کی وضع اضافت معنوی میں اس لئے ہے کہ وہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر کسی عارض کی بنا پر ایسا نہ ہو تو اس کی اصل وضع پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ الف ولام کی وضع تو اس لئے ہے کہ وہ معین پر دلالت کرے اور اس کے مدخول سے فرد معین مراد ہو لیکن کبھی وضع کے خلاف اس کا استعمال کسی عارض کی بنا پر مراد نہیں ہے کیونکہ اس کی صفت یسبنی جملہ ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اور نکرہ معرفہ کی صفت نہیں ہوتا تو اگر اللئیم معرفہ ہوتا تو لازم آتا کہ نکرہ معرفہ کی صفت ہو تو اس عارض کے پیش آ جانے سے اصل وضع میں کوئی فرق نہیں پڑا، یہاں بھی چونکہ استعمال میں بالقصد غیر معین غلام مراد لیا گیا اس لئے زید کی معلومیت کا اثر غلام میں نہیں ہوا اور نہ ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے تو زید کے معین ہونے کی وجہ

سے غلام بھی معین ہوجاتا۔

وليس يجرى هذا الحكم فى نحو غير ومثل فان إضافتهما لا تفيد التعريف وإن كان مع المضاف إليه المعرفة لتوغلهما فى الإبهام إلا أن يكون للمضاف إليه ضد واحد يعرف بغيريته كقولك: عليك بالحركة غير السكون، وكذ إذا كان للمضاف إليه مثل اشتهر بمماثلته فى شىء من الأشياء كالعلم والشجاعة فقيل له جاء مثلك كان معرفة ......اذا قصد الذى يماثله فى الشىء الفلانى۔

یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اضافت معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہوتو مضاف بھی معرفہ ہوجاتا ہے یہ قاعدہ غیر اور مثل میں جاری نہیں ہے؟

شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں ابہام بہت پایا جاتا ہے، لیکن اگر مضاف الیہ کی ایک ضد ہوتو پھر غیر بھی معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ ہوجاتا ہے، جیسے عليك بالحركة غير السكون اس میں سکون کی ایک ہی ضد ہے، یعنی حرکت اس لئے اس مثال میں غیر بھی معرفہ ہوجائے گا، اسی طرح اگر مضاف الیہ کا کوئی مثل ہو جس کی مماثلت مضاف الیہ کے ساتھ کسی وصف میں مشہور ہوتو مثل بھی معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے جاء مثلك اور مخاطب کے ساتھ کوئی شخص علم یا شجاعت میں مماثل ہو اور مثل سے مراد بھی وہی شخص ہو، جو مخاطب کے ساتھ اس وصف میں مماثل ہے تو ایسی حالت میں مثل بھی معرفہ ہوجائے گا۔

وتفيد الإضافة المعنوية **تخصيصاً** أى تخصيص المضاف **مع المضاف إليه النكرة** نحو: غلام رجل فإن التخصيص تقليل الشركاء ولا شك أن الغلام قبل إضافته إلى رجل كان مشتركا بين غلام رجل وغلام امرأة فلما أضيف إلى رجل خرج عنه غلام امرأة وقلت الشركاء فيه۔

اگر مضاف الیہ نکرہ ہوتو اضافت معنوی کی وجہ سے مضاف میں تخصیص حاصل ہوجائے گی، جیسے غلام رجل اس میں غلام کی اضافت جب تک رجل کی طرف نہیں کی گئی تھی اس وقت تک غلام میں تعمیم تھی مرد اور عورت دونوں کے غلام ہونے کا احتمال تھا اور جب رجل کی طرف اضافت کردی گئی تو اس سے عورت کا غلام خارج ہوگیا کیونکہ تخصیص

کے معنی تقلیل الشرکاء ہیں اور ظاہر ہے کہ غلام کی اضافت رجل کی طرف کرنے سے غلام امرأۃ خارج ہو جائے گا جس سے تخصیص حاصل ہو جائے گی۔

وشرطها أي شرط الإضافة المعنوية **تجريد المضاف** إذا كان معرفة **من التعريف** فإن كان ذو اللام حذف لامه وإن كان علما نكر بأن يجعل واحدا من جملة من سمي بذلك الاسم وإن لم يكن معرفة فلا حاجة إلى التجريد بل لا يمكن۔

اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو اس کو تعریف سے خالی کر لیا جائے اگر مضاف معرف باللام ہے تو لام کو حذف کر دیا جائے اور اگر مضاف علم ہے تو اس کو نکرہ کر لیا جائے یعنی اس کی علمیت ختم کر دی جائے جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے مثلاً زید سے شخص معین نہ مراد لیا جائے بلکہ زید نام کی ایک جماعت ہو اور پھر زید بول کر اس جماعت کا ایک فرد مراد لیا جائے جو متعین نہ ہو، یہ تجرید اس وقت ضروری ہے جب مضاف پہلے سے معرفہ ہو اور اگر وہ معرفہ نہیں ہے تو پھر تجرید کی ضرورت نہیں بلکہ تجرید کا تحقق ایسی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ تجرید کے معنی ہیں خالی کرنا اور خالی کرنے کے لے ضروری ہے کہ جس سے خالی کیا جائے پہلے وہ موجود ہو۔

أو المراد بالتجريد تجرده خلوه من التعريف عند الإضافة سواء كان نكرةً في نفسه من غير تجريد أو كان معرفة جرّدت عن التعريف۔

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت ہے شرطها تجريد المضاف عن التعريف کہ مضاف کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تعریف سے خالی ہو تو اگر مضاف کسی صورت میں پہلے ہی سے معرفہ نہ ہو تو اس صورت میں تجرید کا تحقق کیسے ہوگا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ شرط اس وقت ہے جب مضاف معرفہ ہو جیسا کہ ابھی ماقبل کی عبارت میں شارح نے بیان کیا۔

دوسرا جواب شارح او المراد الخ سے دے رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مراد تجرید سے تجرد ہے یعنی متعدی بول کر لازم مراد ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہئے خواہ خالی کرنے سے خالی ہوا ہو یا پہلے ہی سے خالی ہو۔

وإنما يجب التجريد لأن المعرفة لو أضيفت إلى النكرة لكان طلبا للادنى وهو التخصيص مع حصول الاعلى وهو التعريف ولو أضيفت إلى المعرفة لكان تحصيل الحاصل فتضيع الإضافة حيث لا تفيد تعريفا ولا تخصيصاً۔

اس سے پہلے مصنف نے بیان کیا ہے کہ اضافت معنوی میں شرط ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو، شارح اس کی وجہ بیان کرر ہے ہیں کہ اگر تعریف سے مضاف کو خالی نہ کیا جائے معرفہ ہی رکھا جائے تو اس کا مضاف الیہ یا معرفہ ہوگا یا نکرہ اگر مضاف الیہ معرفہ ہے تو تحصیل حاصل لازم آئے گا کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف تو پہلے ہی سے موجود تھی اب مضاف الیہ کو معرفہ لاکر پھر تعریف حاصل کی جارہی ہے اور اسی کو تحصیل حاصل کہتے ہیں جو محال ہے اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہے تو اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی تحصیل لازم آتی ہے کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف اس کو حاصل ہے اس کے بعد بھی مضاف الیہ نکرہ سے تخصیص حاصل کرنا چاہ رہی ہے، اسی کو طلب الاعلیٰ للادنیٰ کہتے ہیں جو بڑی دنائت کی بات ہے۔

فإن قيل: لا فرق بين إضافة المعرفة وبين جعلها علما في نحو النجم والثريا والصعق وابن عباس في لزوم تعريف المعروف فما بالهم جوزوا هذا دون ذلك۔

یہ بھی ایک سوال ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اسی طرح معرفہ کو علم کرنے میں بھی تحصیل حاصل لازم آتی ہے کیونکہ علم بھی معرفہ ہے تو جب کوئی کلمہ پہلے سے معرفہ ہے تو پھر اس کی علم بنانے سے کیا فائدہ؟ علم تو اس لئے ہوتا ہے کہ کلمہ معرفہ ہوجائے اور وہ پہلے ہی سے معرفہ ہے لہٰذا یہ تفریق سمجھ میں نہیں آتی کہ معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنا تو صحیح نہ ہو اور معرفہ کو علم بنانا صحیح ہو، اس کی مثالیں النجم ، الثريا ، الصعق اور ابن عباس ہیں، ان میں پہلی تین مثالیں تو الف لام کی وجہ سے معرفہ ہیں اس کے بعد ان کو علم قرار دیدیا گیا، النجم ایک خاص ستارہ ہے، الثریا چند ستاروں کا مجموعہ جو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انگور کا خوشہ، یہ بھی علم ہے، الصعق ایسے مرد کو کہتے ہیں جو بزدل ہو، ابن عباس پہلے سے اس وجہ سے معرفہ ہے کہ اس میں ابن کی اضافت عباس کی طرف ہورہی ہے اور عباس علم ہے تو علم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے یہ پہلے ہی سے معرفہ ہے اس کے بعد علم ہوگیا اور اس سے مراد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔

قیل: لا نسلم أن فی هذه الأمثلة تعریف المعرف بل فیها زوال تعریف، وهو التعریف الحاصل باللام أو الإضافة وحصول تعریف اخر وهو التعریف بالعلمیة، فإنها حین صارت اعلاماً لم یبق فیها الإشارة إلی معلومیتها باللام أو الإضافة، فلا یلزم فیها تعریف المعرف بل تبدیل تعریف بتعریف اخر۔

یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے کہ اس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں تعریف المعرف نہیں بلکہ زوال تعریف وحصول تعریف آخر ہے، مطلب یہ ہے کہ علمیت سے پہلے جو تعریف کی صورت تھی مثلاً النجم، الثریا، الصعق میں الف لام کی وجہ سے اور ابن عباس میں اضافت کی وجہ سے یہ صورت علمیت کے وقت میں ضائع ہوگئی اب صرف علمیت کی وجہ سے جو تعریف حاصل ہوئی ہے وہ باقی ہے، حاصل یہ ہے کہ یہاں دو تعریفیں جمع نہیں ہوئیں بلکہ ایک تعریف کے زائل ہونے کے بعد دوسری تعریف حاصل ہوئی ہے۔

وما أجازه الكوفيون من تركيب الثلثة الأثواب وشبهه من العدد المعرف باللام المضاف إلی معدوده نحو: الخمسة الدراهم والمائة الدينار ضعيف قياسا واستعمالاً، أما قياسا فلما ذكر من لزوم تحصيل الحاصل وأما استعمالا فلما ثبت من الفصحاء من ترك اللام قال ذو الرمة: ع ثلث الأثافي والديار البلاقع۔

مصنف علیہ الرحمۃ نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے، اس میں کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ عدد معرف باللام اپنے تمیز مضاف الیہ کی طرف مضاف ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ عدد اگر مضاف ہو تو اس کا حرف تعریف سے خالی ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے الثلثة الاثواب، الخمسة الدراهم، المائة الدينار وغیرہ۔ ان امثلہ میں عدد معرف باللام ہے اور مضاف ہے اور الف لام حرف تعریف ہے، مضاف کو اس سے خالی نہیں کیا گیا۔ مصنف کوفیین کا رد کر رہے ہیں کہ یہ مسلک نہ قیاساً صحیح ہے اور نہ استعمال کے اعتبار سے درست ہے۔

قیاس کے اعتبار سے درست نہ ہونے کی وجہ تو اس سے پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ اس میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور استعمال کے اعتبار سے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ استعمال غیر فصیح ہے، فصحاء کے کلام میں عدد کی اضافت کے وقت اس و الف لام سے خالی کر لیتے ہیں چنانچہ ذوالرمۃ کا قول ہے "ثلاث الأثافي والديار البلاقع" اس میں ثلاث عدد ہے اور الف لام سے خالی ہے، اس مصرعہ سے پہلے تین مصرعے اور ہیں:

أيا منزلي سلمى سلام عليكما
هل الأزمن اللاتي مضين رواجع
وهل يرجع التسليم أو يكشف العمى
ثلث الأثافي والديار البلاقع

''اے میری محبوبہ سلمٰی کی دو قیام گاہو! تم پر سلامتی ہو، کیا گزرے ہوئے زمانے لوٹ سکتے ہیں اور کیا میرے سلام کا جواب دے سکتے ہیں یا سلمٰی کے حال کی بے خبری کو چولہے پر ہانڈی ٹکنے کے تین پتھر اور خراب وخستہ مکانات دور کر سکتے ہیں۔

وأما ماجاء في الحديث من قوله عليه السلام بالألف الدينار فعلى البدل دون الإضافة۔

یہ بھی سوال کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ آپ نے کوفیین کے مذہب پر ضعف کا حکم تو لگا دیا لیکن حضور اکرم ﷺ کے قول میں عدد معرف باللام مضاف ہے اس کا کیا جواب ہے؟

شارح اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے قول بالألف الدينار میں الألف مضاف نہیں ہے بلکہ مبدل منہ ہے اور الدینار اس سے بدل ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ الدینار، الألف کا عطف بیان ہے بہر حال مضاف نہیں ہے لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں، پورا قول یہ ہے " غتسلوا يوم الجمعة ولو اشتريت نصف الصاع بالألف الدينار "جمعہ کے دن غسل کیا کرو خواہ نصف صاع پانی ایک ہزار دینار کے بدلے میں خریدنا پڑے۔

والإضافة اللفظية علامتها أن يكون المضاف صفة احتراز عما إذا لم يكن صفة نحو غلام زيد مضافة إلى معمولها احتراز عما إذا كانت مضافة إلى غير معمولها نحو مضارع البلد و كريم العصر۔

اضافت معنویہ اصل ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا تھا اب اضافت لفظی کو بیان کر رہے ہیں اضافت لفظی یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اگر مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو وہ اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے غلام زید اسی طرح اگر صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو وہ بھی اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے کریم البلد ومضارع مصر اس میں کریم اور مضارع صفت کا صیغہ تو ہیں لیکن بلد اور مصر ان کا معمول نہیں کیونکہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہوتے اور بلد اور مصر نہ فاعل ہیں نہ مفعول بلکہ ظرف ہیں۔

مثل: ضارب زيد من قبيل إضافة اسم الفاعل إلى مفعوله وحسن الوجه من قبيل إضافة الصفة المشبهة إلى فاعلها۔

پہلی مثال میں صفت کا صیغہ مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال میں صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔

ولا تفيد الإضافة اللفظية فائدة إلا تخفيفا، لا تعريفا ولا تخصيصاً لكونها في تقدير الانفصال في اللفظ۔

اضافت لفظی تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اس اضافت میں مضاف الیہ اگرچہ مضاف کے ساتھ لفظوں میں متصل ہے لیکن حقیقت میں وہ منفصل ہے اور جب ان میں انفصال ہے تو پھر مضاف اور مضاف الیہ بھی حقیقت کے اعتبار سے نہ ہوں گے کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال ضروری ہے اور وہ اس اضافت میں مفقود ہے اور جب اضافت حقیقیہ باقی نہ رہی تو اس کا ثمرہ یعنی تعریف اور تخصیص کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

لا في المعنى بأن يسقط بعض المعاني عن ملاحظة العقل بإزاء ما يسقط من اللفظ بل المعنى على ما كان عليه قبل الإضافة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ نے فرمایا ہے کہ اضافت معنوی مفید فائدہ فی اللفظ والمعنی دونوں کے ہے اور اضافت لفظی صرف مفید فائدہ فی اللفظ کے ہے اس فرق کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ اضافت معنوی میں درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے انفصال لفظ اور معنی دونوں میں ہوتا ہے پس جب اضافت کی گئی تو لفظ میں اتصال حاصل ہوا اس اتصال کی بنا پر فائدہ لفظی مرتب ہوا اور اس اتصال لفظی کے ساتھ معنوی اتصال بھی حاصل ہوا پس فائدہ معنوی بھی مرتب ہوا اور اضافت لفظی میں درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے لفظ میں انفصال ہے اور معنی میں اتصال۔ جب اضافت کی گئی تو اتصال فی اللفظ حاصل ہوا، اس لئے یہ اضافت صرف مفید فائدہ لفظی ٹھہری اور انفصال فی المعنی کی صورت یہ ہے کہ لفظ کے اسقاط کے مقابلہ میں عقل کے ملاحظہ سے بعضے معانی بھی ساقط ہو جائیں گے اور اضافت لفظی میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ معنی اضافت کے پیشتر جس حالت پر رہتے ہیں اس حالت پر بعد اضافت بھی باقی رہتے ہیں۔

والتخفيف اللفظى إما فى لفظ المضاف فقط بحذف التنوين حقيقة مثل ضارب زيد أو حكماً مثل حواج بيت الله أو بحذف نونى التثنية والجمع مثل ضاربا زيد وضاربو زيد، وإما فى لفظ المضاف إليه فقط بحذف الضمير واستتاره فى الصفة كالقائم الغلام كان أصله القائم غلامه حذف الضمير من غلامه واستتر في القائم وأضيف القائم إليه للتخفيف فى المضاف إليه فقط وإما فى المضاف والمضاف إليه معاً نحو زيد قائم الغلام أصله قائم غلامه فالتخفيف فى المضاف بحذف التنوين وفى المضاف اليه بحذف الضمير واستتاره فى الصفة۔

اس میں شارح تخفیف کا عموم بتاتے ہیں کہ یہ تخفیف لفظی عام ہے خواہ صرف مضاف کے لفظ میں ہو اور یہ تنوین حقیقی کے حذف کرنے سے حاصل ہوگی جیسے ضارب زید کی مثال میں ہے یا تنوین حکمی کے حذف کرنے پر متصور ہوگی جیسے حواج بیت اللہ کی مثال میں حواج کی تنوین بوجہ غیر منصرف ہونے کے حکماً محذوف مانی جاتی ہے یا یہ تخفیف لفظی نون تثنیہ اور نون جمع کے حذف کرنے سے حاصل ہوگی جیسے ضاربا زید اور ضاربو زید میں ہے اول مثال نون تثنیہ اور ثانی مثال نون جمع کے حذف کی ہے خواہ یہ تخفیف لفظی مضاف کے لفظ میں ہو خواہ صرف مضاف الیہ کے لفظ میں ہو اور یہ ضمیر کے حذف کرنے اور صفت میں اس کے مستتر ماننے سے حاصل ہوگی جیسے القائم الغلام کی مثال میں ہے کہ یہ اصل میں القائم غلامہ تھا، غلامہ کی ضمیر محذوف کی گئی اور القائم صفت میں مستتر مانی گئی اور القائم کی اضافت اس کی طرف کی گئی تا کہ صرف مضاف الیہ کے لفظ میں تخفیف حاصل ہو اور یا یہ تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے الفاظ میں ہوگی جیسے زید قائم الغلام میں ہے کہ یہ اصل میں قائم غلامہ تھا پس تخفیف مضاف کے لفظ میں تنوین کے حذف کرنے سے اور مضاف الیہ کے لفظ میں ضمیر کے حذف کرنے اور صفت میں مستتر ماننے سے حاصل ہوگئی ہے۔

ومن ثم أى من جهة وجوب إفادة الإضافة اللفظية التخفيف وانتفاء كل واحد من التعريف والتخصيص۔

اس میں شارح نے اشارہ کیا کہ کلمہ من اجلیہ مفید معنی علت کے ہے یعنی اس جہت سے کہ اضافت لفظی کا مفید تخفیف فی اللفظ ہونا ضروری اور واجب ہے اور تعریف اور تخصیص دونوں کی انتفا کا باعث ہے اس لئے مررت برجل حسن الوجہ کی ترکیب جائز ہے۔

جاز ترکیب **مررت برجل حسن الوجه** بإضافة الصفة إلى معمولها وجعلها صفةً

للنكرة فمن جهة أنها لم تفد تعريفا جاز هذا التركيب۔

یعنی چونکہ ترکیب مذکور میں اضافت لفظی صفت کی اپنے معمول کی طرف کی گئی ہے اور وہ رجل نکرہ کی صفت ٹھہرائی گئی ہے اور یہ اضافت مفید تعریف اور تخصیص بھی نہیں اس لئے یہ ترکیب جائز ٹھہری۔

وامتنع تركيب مررت **بزيد حسن الوجه** فإن أفادت تعريفاً لم يجز الأول للزوم كون المعرفة صفة للنكرة ولجاز الثانی لكون المعرفة إذاً صفة للمعرفة۔

یعنی اضافت لفظی مفید تعریف نہیں کیونکہ اگر مفید تعریف مانی جائے تو اس تقدیر پر ترکیب اول جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس سے معرفہ کا نکرہ کے لئے صفت ہونا لازم ہوجائے گا اور یہ جائز نہیں ہے اور ثانی ترکیب جائز ٹھہری گی۔ کیونکہ یہاں معرفہ کا معرفہ کے لئے صفت ہونا لازم ہوگا اور یہ درست ہے حالانکہ امر بالعکس ہے یعنی ترکیب اول جائز اور ترکیب ثانی ممتنع ہے اس سے معلوم ہوا کہ اضافت لفظی مفید تعریف نہیں ہے۔

والمراد أن المشار إليه بثم وهو مجموع أمور ثلاثة: وجوب إفادة الإضافة اللفظية التخفيف، وانتفاء التعريف، وانتفاء التخصيص يستلزم جواز التركيب الأول وامتناع الثانی ولا يلزم من ذلك أن يكون لكل واحد من تلك الأمور دخل فی ذلك الاستلزام بل يجوز أن يكون باعتبار بعضها فلا يرد أنه لا دخل فی ذلك الاستلزام لانتفاء التخصيص۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ ثم کے مشار الیہ تین امور ہیں: اول حصول تخفیف فی اللفظ۔ دوم انتفائے تعریف۔ سوم انتفائے تخصیص پس اس تقدیر پر مناسب ہے کہ ان جملہ امور ثلاثہ کا اس تفریع میں دخل ہو حالانکہ امر ایسا نہیں کیونکہ انتفائے تخصیص کا اس تفریع میں کوئی دخل نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے کہ ثم کے مشار الیہ مجموعہ تین امر ہیں وجوب فائدہ اضافت لفظی تخفیف فی اللفظ، انتفائے تعریف اور انتفائے تخصیص جس کی بنا پر ترکیب اول کا جواز اور ترکیب ثانی کا امتناع لازم آتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان امور ثلاثہ میں سے ہر ایک امر کا اس استلزام میں دخل ہو کیوں کہ جائز ہے یہ دخل استلزام باعتبار بعض امور کے ہو لہذا اس تقدیر پر اب انتفائے تخصیص کے عدم دخل کا اعتراض مذکورہ بالا وارد نہیں ہوسکتا ہے۔

ومن جهة أنها تفيد تخفيفاً۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ اوپر ومن ثم الخ کے قول پر عطف ہے یعنی اس جہت سے کہ اضافت لفظی مفید تخفیف ہوتی ہے اس لئے الضارب زید والضاربو زید کی ترکیب جائز ہے۔

جاز ترکیب۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ جاز کا فاعل ترکیب کا لفظ ہے۔

الضاربا زید والضاربو زید لحصول التخفیف بحذف النون۔

یعنی یہ ترکیب اس لئے جائز ہے کہ اس میں تخفیف بوجہ حذف نون تثنیہ اور جمع کے حاصل ہوئی ہے اور الف لام کے داخل ہونے سے تعریف مضاف پیدا نہیں ہوئی ہے اس لئے یہاں یہ اضافت درست اور صحیح ٹھہری۔

وامتنع الضارب زید لعدم التخفیف لأن تنوین الضارب إنما سقط للألف؟ واللام لا للإضافة ولا شك أنه لا دخل فی هذا التفریع لانتفاء التعریف ولا لانتفاء التخصیص بل یکفی فیه وجوب التخفیف فقط۔

یعنی الضارب زید کی ترکیب اس لئے ممنوع ہے کہ اس میں تخفیف لفظی حاصل نہیں ہوئی ہے، کیونکہ الضارب کی تنوین صرف الف لام کے داخل ہونے کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے محذوف نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تفریع میں نہ انتفائے تعریف کا کوئی دخل ہے اور نہ انتفائے تخصیص کا بلکہ اس میں صرف وجوب تخفیف ہی کافی ہے۔

وعلی هذا کان الأنسب تقدیم هذا الفرع لکنه أخره لکثرة لواحقه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ پر لازم اور واجب تھا کہ اس تفریع کو تفریع اول پر مقدم کرتے، کیونکہ اس کی تقدیم دو وجہوں سے اولی ہے اول یہ کہ اس کی اصلیت صریحاً مذکور ہے اور اول تفریع کی اصلیت کلام کے مفہوم سے معلوم ہوتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مذکور مفہوم پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس تفریع کی اصلیت مفرد ہے اور اول کی اصلیت مرکب ہے اور یہ معلوم ہے کہ مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم اور انسب تھا کہ اس تفریع کو تفریع اول پر مقدم کرتے لیکن مصنف کافیہ نے اس کو مؤخر اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس کے لواحق کثیر ہیں۔

خلافاً للفراء فإنه يجوز تركيب الضارب زيد إما لأنه توهم أن دخول لام التعريف إنما هو بعد الإضافة فحصل التخفيف بحذف التنوين بسبب الإضافة ثم عرف باللام، وأجاب المصنف عنه في شرحه بأنه غير مستقيم لأن القول بتاخر اللام المتقدمة حساً على الإضافة مجرداً دعاءٍ مخالف للظاهر۔

اس میں شارح اوپر کے حکم میں فراء کی مخالفت اوران کے قول کی دلیل اوروجہ بتاتے ہیں کہ فراء الضارب زید کی ترکیب میں مصنف کافیہ کی مخالفت کرتے اوراس ترکیب مذکورکو دودلیلوں سے جائز قرار دیتے ہیں دلیل اول یہ ہے کہ فراء کا زعم اورتوہم ہے کہ الف لام تعریفی کا دخول اضافت کے بعد ہی ہوا ہے پس بسبب اضافت کے تنوین کے حذف کرنے سے تخفیف لفظ میں حاصل ہوگئی اور الف لام تعریفی کا دخول اس کے بعد میں ہوا ہے اور مصنف کافیہ نے فراء کے اس قول اور دلیل کا جواب اپنی شرح میں اس طرح دیا ہے کہ فراء کا یہ قول اور دلیل ٹھیک نہیں کیونکہ الف لام متقدمہ حساً کے تاخر کا قول خالی دعویٰ بلا دلیل مخالف ظاہر کے ہے اس لئے کہ ظاہر میں الف لام کا اضافت پر تقدم معلوم ہوتا ہے۔

وإما لما وقع في شعر الأعشى من قوله: ؎

الواهب المائة الهجان وعبدها

فإن قوله: "وعبدها" بالجر معطوف على المائة فصار المعنى باعتبار العطف الواهب عبدها فهو من باب الضارب زيد فكما لا يمتنع ذلك حيث أتىٰ به بعض البلغاء لا يمتنع هذا فأجاب المصنف عنه بقوله۔

یہ اوپر إما لانه توهم کے جملہ پرعطف ہے اورفراء کی دوسری دلیل ہے یعنی فراء الضارب زید کی ترکیب کو بنابرتوہم دخول الف لام جائز قرار دیتے ہیں یا بنابرقول ثانی کے کیوں کہ اسی قسم کی ترکیب اعشی شاعر کے قول الواهب المائة الهجان وعبدها میں واقع ہوئی ہے اس میں عبدها کا قول بالجر المائة کے لفظ پرعطف ہے پس باعتبار اس عطف کے اس قول کے معنی اورتقدیر الواهب عبدها ٹھہری پس یہ مثل الضارب زید کے ہوا پس جس طرح یہ ترکیب منع نہیں کیونکہ اس کو بعضے بلغاء نے استعمال کیا ہے اسی طرح یہ بھی منع نہیں ہے اور مصنف کافیہ نے اس کا جواب ضعف کے قول میں دیا ہے جس کی تشریح آگے چل کر کی جائے گی۔

وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها يعني أن هذا القول ضعيف لا يقوى في الفصاحة بحيث يستدل به لما عرفت من امتناع مثل: الضارب زيد لعدم الفائدة في الإضافة۔

اس میں فراء کی دلیل کا جواب ہے کہ یہ الواهب المائة الهجان وعبدها کا قول ضعیف ہے اور اس کی فصاحت کمزور ہے اس میں ایسی قوت نہیں جس کی بنا پر اس کو استدلال میں پیش کیا جا سکے اور اس کے ضعف کی وجہ وہی ہے جو الضارب زید کی مثال میں معلوم ہو چکی ہے اور وہ اضافت کا عدم مفید ہونا ہے۔

ولا يخفى أن فيه مشوب مصادرة على المطلوب۔

اس میں شارح نے مصنف کے قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ اسمیں مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ پایا جاتا ہے کیونکہ الضارب زید کی ترکیب کا امتناع اس استدلال کے ضعف پر موقوف ہے اور اس استدلال کا ضعف اس دلیل کے ضعف پر موقوف ہے جو الضارب زید کی ترکیب کے امتناع پر دلیل ہے۔

فائدہ: مصادرہ علی المطلوب کی چار قسمیں ہیں اول یہ کہ مدعی عین دلیل ہو۔ دوم یہ کہ مدعی دلیل کا جز ہو۔ سوم یہ کہ مدعی دلیل کی صحت پر موقوف ہو۔ چہارم یہ کہ مدعی دلیل کے جز پر موقوف ہو اور یہ چاروں قسمیں باطل ہیں کیونکہ اس سے دور اور تسلسل لازم ہوتا ہے اور یہ باطل ہے لازم کے بطلان سے ملزوم کا بھی بطلان لازم ہوتا ہے۔

اللهم إلا أن يقال: المراد به أنه ضعيف في الاستدلال به إذ لا نص فيه على الجر فإنه يحتمل النصب حملا على المحل أو على أنه مفعول معه أو لأنه قد يتحمل في المعطوف ما لا يتحمل في المعطوف عليه كما في رب شاة وسخلتها حيث جاز هذا التركيب ولم يجز رب سخلتها بإدخال رب على سخلتها بدون العطف والبيت بتمامه:

الواهب المائة الهجان وعبدها عوذاً يزجى خلفها أطفالها

أي ممدوحه الواهب المائة الهجان أي البيض من النوق يستوي فيه الجمع والواحد والهجان صفة للمائة أو بدل عنها أو من قبيل الثلاثة الأثواب كما هو مذهب الكوفية۔

اس میں شارح نے اوپر مصادرہ والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اس شعر

کے ضعف کی مراد یہ ہے کہ اس شعر سے استدلال لینا صحیح نہیں کیونکہ اس شعر میں عبدھا کے قول کے جر پر تصریح نہیں، اس لئے جائز ہے کہ یہ منصوب ہو بنا بر عطف محل مائۃ یا منصوب بنا بر مفعول معہ کے ہو یا اس لئے کہ بسا اوقات معطوف میں احتمال اس کا ہوتا ہے جس کا احتمال معطوف علیہ میں نہیں ہوتا ہے جیسے رب شاۃ سخلتھا کی مثال میں ہے کہ یہ ترکیب سخلتھا کے قول پر کلمہ رب داخل کر کے بغیر واؤ عطف کے جائز نہیں اور واؤ عاطف کے ساتھ جائز ہے اور پورا شعر یہ ہے:

الواهب المائة الهجان وعبدها عوذاً يزجي خلفها أطفالها

جس کے معنی یہ ہے کہ شاعر کے ممدوح سو سفید اونٹوں اور ان کے چرانے والوں کے بخشنے والے ہیں درآنحالیکہ وہ نئے جننے والے ہیں جن کے بچے پیچھے پیچھے چلائے جاتے ہیں ھجان کے معنی سفید کے ہیں۔ اس میں جمع اور واحد دونوں برابر ہیں اور یہ لفظ ترکیب میں مـائۃ کے لفظ کی صفت اور اسی سے بدل واقع ہوا ہے یا یہ شعر، الثلاثة الأثواب کے قبیل سے ہے جیسا کہ یہ کوفیہ کا مذہب ہے گویا یہ ضعف کی دوسری وجہ ہے۔

وعبدها أي راعيها تشبيهاً له بالعبد لقيامه بحق خدمتها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عبد کی اضافت ھـجـان کی طرف درست نہیں کیونکہ عبد کی اضافت اپنے مالک کی طرف ہوتی ہے مالک کے سوا کسی دوسری شے کی طرف نہیں ہوتی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں عبد کے مجازی معنی راعی کے مراد ہیں حقیقی عبد مراد نہیں ہے اور علاقہ مجاز یہ ہے کہ جس طرح عبد حقیقی اپنے مالک کے حق خدمت کو ادا کرتا ہے اسی طرح راعی بھی حق خدمت رعی کو انجام دیتا ہے۔

أو عبدها حقيقة بإضافته لأدنى ملابسة۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا مراد عبد سے عبد حقیقی ہے لیکن ھـجـان کی طرف اس کی اضافت باعتبار ادنیٰ مناسبت کے ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح غلام مالک کی حق خدمت ادا کرتا ہے اسی طرح راعی بھی حق خدمت رعی کو انجام دیتا ہے۔

عوذاً بالذال المعجمة جمع عائذ أي حديثات النتائج حال من المائة يزجي بالزاي المعجمة والجيم على صيغة المعلوم المذكر أي يسوق وفاعله ضمير العبد وأطفالها منصوب

على المفعولية أو على صيغة المجهول المؤنث وأطفالها مرفوع على أنه مفعول ما لم يسم فاعله وحقيقة الأمر لا تنكشف إلا بعد معرفة حركة حرف الروى من القصيدة۔

اس میں شارح شعر مذکور کی لغوی تحقیق کرتے ہیں کہ عوذ کا لفظ ذال معجمہ کے ساتھ عائذ کی جمع ہے جس کے معنی حدیثات النتائج کے ہیں اور یہ ترکیب میں مائة کے لفظ سے بنا بر حال منصوب ہے یزجی زائے معجمہ اور جیم کے ساتھ بصیغہ معلوم مذکر واحد ہے جس کے معنی یسوق یعنی چلانے کے ہیں اور یزجی کا فاعل یزجی کی ضمیر مرفوع ہے جو عبد کی طرف راجع ہے اور أطفالها کا لفظ بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا یہ لفظ تزجی بصیغہ مجہول واحد مؤنث ہے اور أطفالها کا لفظ بنا بر مفعول ما لم يسم فاعله ہونے تزجی کے مرفوع ہے اور حقیقت امر جب ہی معلوم ہوگی جب اس قصیدہ کے حرف روی کی حرکت معلوم ہو جائے گی کہ منصوب ہے یا مرفوع یا مجرور۔

وإما لأنه قاسه على الضارب الرجل والضاربك فإجاب المصنف عنه بقوله:

یہ فراء کی تیسری دلیل ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ الضارب زید کی ترکیب اس لئے جائز ہے کہ الضارب الرجل والضاربك کی ترکیبوں پر قیاس ہے یعنی جس طرح یہ تراکیب مذکورہ جائز ہیں اسی طرح الضارب زید کی ترکیب بھی جائز ہے۔

مصنف کافیہ نے اس دلیل کا جواب وإنما جاز الضارب الرجل کے قول میں دیا ہے جس کی تشریح آگے بیان ہوگی۔

وإنما جاز الضارب الرجل يعنى كان القياس عدم جوازه لانتفاء التخفيف لزوال التنوين باللام لكنه جاز۔

یعنی الضارب الرجل کی ترکیب میں قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ اس میں تخفیف حاصل نہیں ہوئی ہے کیونکہ اس میں تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں لیکن یہ ترکیب حسن الوجه پر حمل کر کے جائز قرار دی گئی ہے۔

حملاً على الوجه **المختار في الحسن الوجه** وهو جر الوجه بالإضافة وفيه وجهان اخران رفعه على الفاعلية و نصبه على التشبيه بالمفعول ووجه الحمل اشتراكهما فى كون المضاف صفة والمضاف إليه جنسا معرفين باللام، وهذا الاشتراك مفقود بين الضارب

زيد والحسن الوجه فقياسه عليه قياس مع الفارق۔

یعنی الضارب الرجل کی ترکیب بنابر حمل وجہ مختار کے حسن الوجه پر جائز ہے اور وہ بنابر اضافت وجہ کے لفظ کا مجرور ہونا ہے جو مفید تخفیف ہے اور اس میں یہ تخفیف بسبب حذف ضمیر اور استثناء فی الصفة کے حاصل ہوئی ہے کیونکہ الحسن الوجه اصل میں الحسن وجهه تھا اور اس الحسن الوجه کی ترکیب میں علاوہ جر کے دو وجہیں اور بھی ممکن ہیں رفع بنابر فاعلیت اور نصب بنابر تشبیہ بالمفعول کیونکہ الوجہ کا لفظ بمنزلہ تمیز کے ہے جس کی تشریح بیان ہو چکی ہے اور یہاں وجہ حمل ان دونوں ترکیبوں کا اشتراک ہے مضاف کی صفت ہونے اور مضاف الیہ کے جنس معرف باللام ہونے میں یعنی جس طرح الحسن الوجه کی ترکیب میں بھی مضاف صفت اور مضاف الیہ معرفہ باللام ہے اسی وجہ سے اس کا الحسن الوجه پر حمل کر کے جواز کا حکم دیا ہے بخلاف الضارب زید اور الحسن الوجه کے کہ ان میں یہ اشتراک مذکور مفقود ہے اس لئے یہاں الضارب زید کی ترکیب کا الحسن الوجه پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

والضاربک يعني إنما جاز الضاربك مع أن القياس عدم جوازه لما عرفت۔

الضاربك کی ترکیب میں قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو لیکن اس کا جواز بوجہ اس دلیل کے ہے جس کو تم معلوم کر چکے ہو۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وكذا **شبهه** وهو الضاربي والضاربه وغيرهما **فيمن قال** أي في قول من قال يعني سيبويه وأتباعه **إنّه** أي الضارب في الضاربك **مضاف** دون من قال: إنه غير مضاف والكاف منصوب المحل على المفعولية والتنوين محذوف لاتصال الضمير لا للإضافة فإنه لا يحتاج جوازه إلى حمل۔

یعنی الضاربك کی ترکیب اور اسی طرح اس کے مشابہ جیسے الضاربي والضاربه وغيرهما ترکیبیں سیبویہ اور ان کے اتباع کے قول میں جائز ہیں کیونکہ یہ لوگ الضاربك کی ترکیب میں الضاربك کے لفظ کو مضاف مانتے ہیں بخلاف ان کے علاوہ نحاۃ کے کہ وہ غیر مضاف قرار دیتے اور کاف کو بنابر مفعولیت منصوب المحل ٹھہراتے ہیں اور تنوین کو بوجہ اتصال ضمیر کاف کے محذوف مانتے ہیں نہ بوجہ اضافت کے پس اس تقدیر پر یہاں جواز کے لئے حمل کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے بخلاف سیبویہ اور ان کے اتباع کے کہ ان کے قول میں جواز کے لئے حمل ضروری اور لازمی

ہے۔

حملاً أی لمحمولیته علی ضاربک فاتحد فاعل المفعول له والفعل المعلل به أعني جاز۔

اس عبارت میں شارح نے حمل سے محمولیة مراد لے کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ لفظ ترکیب میں مفعول لہ ہے اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ فاعل مفعول لہ اور فعل کا متحد ہوتا ہے اور یہاں متحد نہیں کیونکہ یہاں مفعول لہ کا فاعل متکلم اور فعل جاز کا فاعل الضار به ہے۔

شارح نے محمولیة کے لفظ کو بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ یہاں حمل مصدر بمعنی محمول مفعول کے ہے اب اس تقدیر پر مفعول لہ کا فاعل اور فعل معلل بہ یعنی جاز کا فاعل دونوں متحد ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حملا کا لفظ مفعول لہ اس فعل کا ہو جو جاز سے معلوم ہوتا ہے اور وہ جوزوا ہے پس اس تقدیر پر حملاً کا لفظ مصدر بمعنی اسم فاعل حامل کے ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل قال ہو پس اس تقدیر پر بھی مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل متحد ہوگا۔

وبیانه أنهم إذا وصلوا أسماء الفاعلین والمفعولین مجردة عن اللام بمفعولاتها وكانت مضمرات متصلات التزموا الإضافة ولم ینظروا إلی تحقق تخفیف فقالوا: ضاربك وإن لم یحصل التخفیف بالإضافة بل بنفس اتصال الضمیر ثم لما لم یعتبروا التخفیف فی ضاربك وجوزوه بدونه حملوا الضاربك علیه لأنهما من باب واحد حیث كان كل منها اسم فاعل مضافاً إلی مضمر متصل محذوفاً تنوینه قبل الإضافة لا للإضافة ولم یحملوا الضارب زید علیه لأنهما لیسا من باب واحد۔

اس میں شارح الضاربك کے ضاربك پر حمل کرنے کی دلیل اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس حمل کا بیان یہ ہے کہ جب عرب کے لوگ اسم فاعل اور اسم مفعول کو درآنحالیکہ مجرد عن اللام ہوں اپنے مفعولوں سے متصل کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ ضمائر متصلہ ہوں تو ان میں اضافت لازم ٹھہراتے ہیں اور تخفیف کے تحقق کی طرف نظر نہیں کرتے پس ضاربک بالاضافت استعمال کرتے ہیں اگرچہ اضافت سے یہاں تخفیف حاصل نہیں ہوتی بلکہ نفس اتصال ضمیر سے یہاں تخفیف حاصل ہوتی ہے چونکہ ضاربک کی ترکیب میں تخفیف کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور اس کو بغیر تخفیف کے بھی جائز ٹھہرایا اس لئے اس پر الضاربك کو حمل کر کے جائز قرار دیا کیوں کہ یہ دونوں ترکیبیں ایک ہی قسم کی ہیں کیونکہ ان دونوں

ترکیبوں میں سے ہر ایک ترکیب میں اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہوا ہے جس کی تنوین قبل از اضافت محذوف ہوگئی ہے اضافت کی وجہ سے محذوف نہیں ہوئی اور ضاربك کے ترکیب پر الضارب زید کو اس لئے حمل نہیں کیا کہ یہ دونوں تراکیب ایک قسم کی ترکیبیں نہیں۔

والدليل على أن سقوط التنوين فی ضاربك لاتصال الكاف لا للإضافة أنها لو سقطت بالإضافة لكان ينبغي أن يتصور ذلك أولاً على وجه يكون الضمير منصوباً بالمفعولية ثم يضاف ويقال: ضاربك كما يتصور ضارب زيداً ثم يضاف ويقال: ضارب زيدٍ ولن يتصور ضاربك فعلم أنها سقطت لاتصال الكاف لا للإضافة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ ضاربك کی ترکیب میں اضافت سے پیشتر تنوین ساقط ہوئی ہے اصافت کی وجہ سے نہیں؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ضاربک کے تنوین کی سقوط کی وجہ اتصال ضمیر کاف کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ تنوین بوجہ اضافت ساقط ہوتی تو اس صورت میں چاہئے کہ ترکیب مذکورہ کا تصور اول ایسی وجہ پر کیا جائے جس میں کاف ضمیر بنابر مفعولیت منصوب ٹھہرے اس کے بعد اضافت کی جائے اور ضاربک کہا جائے جس طرح ضارب زید میں اول زید کا لفظ تصور کیا جاتا ہے اس کے بعد اضافت کی جاتی ہے ورضارب زید بولا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے حالانکہ ضاربك متصور نہیں ہوسکتا پس اس سے معلوم ہوا کہ تنوین بوجہ اتصال ضمیر کاف کے ساقط ہوئی ہے بوجہ اضافت کے ساقط نہیں ہے۔

ولقائل أن يقول: لم لا يجوز أن يكون أصل ضاربك ضارب إياك للفصل بالتنوين ثم لما أضيف حذف التنوين وصار الضمير المنفصل متصلا فصار ضاربك وحصل التخفيف جداً ثم حمل الضاربك عليه لأنهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافاً إلى مضمر متصل من غير اعتبار حذف تنوينهما قبل الإضافة لا الإضافة ولم يحملوا الضارب زيد عليه لأنهما ليسا من باب واحدٍ۔

یہ ایک سوال ہے جو اوپر کی عبارت پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ کوئی سائل یہ سوال کرسکتا ہے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ ضاربك کی ترکیب کی اصل ضارب إياك ہو بوجہ تنوین کی فصل کے پھر اضافت

کی گئی ہواور اضافت کی وجہ سے تنوین محذوف ہوگئی ہواور ضمیر منفصل متصل ہوگئی ہو پس ضـــاربك ٹھہرا ہواور لازمی طور پرتخفیف حاصل ہوگئی ہو پھراس پر الضاربک کا حمل ہوگیا ہو کیونکہ اس صورت میں یہ دونوں ترکیبیں ایک ہی قسم کی ہیں کیونکہ ان میں بھی ہرایک اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اور یہاں تنوین کے حذف کا کوئی اعتبار قبل اضافت نہیں ہے اور بوجہ اضافت کے حذف بھی نہیں ہے اور الـضـارب زيد کواس پر اس لئے حمل نہیں کیا کہ یہ دونوں ترکیبیں ایک قسم کی نہیں۔

شارح نے سوال مذکور کو ظاہر کر کے جواب کو چھوڑ دیا ہے اس کا جواب اس طرح دے سکتے ہیں کہ اضافت لفظی میں اضافت کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ تخفیف مضاف کی جانب میں ہو۔ دوم یہ کہ تخفیف مضاف الیہ میں ٹھہرائی جائے۔ مضاف میں تخفیف بوجہ حذف تنوین کے ہوتی ہے اور مضاف الیہ میں ضمیر کے حذف اور استثناء سے اور ضمیر منفصل کا ضمیر متصل سے بدل جانا ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہے پس یہ عرب کی لغت کے مخالف ہے اس لئے سائل کی سوالی ترکیب قابل توجہ نہیں گویا یہ سوال اس قابل نہیں جس کا جواب دیا جاسکے اس لئے شارح نے اس کے جواب کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

واعـلـم أنـا حـمـلـنـا قـولـه: "وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها" وقوله: "الضارب الرجل والضاربك" حملا على نظيريهما على الأجوبة عن استدلالات الفراء على جواز الضارب زيـد عـن جـانـب المصنف على موافقة بعض الشارحين، ولك أن تجعل كل واحدة منها إشارة إلـى مسئلة على حدة مناسبة للحكم بامتناع الضارب زيد فمعنى قوله: "وضعف الواهب المائة الهـجان وعبدها" أنه ضعف عطف المجرد عن اللام على المحل به المضاف إليه صفة مصدرة باللام لأنه بتوسط العطف يصير مثل الضارب زيد كما عرفت۔

اس میں شارح الواهب المائة الهجان وعبدها اور الضارب الرجل اور الضاربك کے اقوال کے حمل کی وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے جو الواهب المائة اور الضارب الرجل اور الضاربك کے اقوال کا حمل اپنے نظیروں پر کر کے جائز ٹھہرایا ہے یہ بنابر جواب فراء کے استدلالات کے ہے جو فراء نے الضارب زید کی ترکیب کے جواز پر قائم کئے ہیں اور یہ جوابات مصنف کافیہ کی طرف سے بنابر موافقت بعضے شارحین کے دیے گئے ہیں اور الـضـارب الـرجـل اور الـضـاربك کی ترکیبوں کی نظیریں الـحـسـن الوجه اور ضاربك کی ترکیبیں ہیں یہ جوابات تو بعضے شراح کے موافقیت

میں دیئے گئے ہیں مگر یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ تراکیب مذکورہ سے الضارب زید کے امتناع پر حکم لگانے کی بناپر علیحدہ علیحدہ مسئلوں کی طرف اشارہ مقصود ہو جس کی تقدیر پر وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها کے قول کے معنی یہ ہوں گے کہ مجرد عن اللام کا عطف معرفہ باللام کے اوپر جو مضاف الیہ اور صفت مصدر باللام ہو ضعیف ہے کیونکہ یہ بواسطہ عطف الضارب زید کی ترکیب کے مثل ہوگا جس کے امتناع کے ثبوت میں کافی تشریح ہو چکی ہے اور مجرد عن اللام سے یہاں مراد وعبدها کا قول ہے اور معرفہ باللام سے مقصود یہاں الواهب کا لفظ ہے۔

وإنما لم يحكم عليه بالامتناع بل بالضعف لأنه قد يتحمل في المعطوف ما لا يتحمل في المعطوف عليه وحينئذٍ يندفع ما فيه من توهم شائبة المصادرة على المطلوب على التقدير الأول وإرجاع كل من الصورتين الأخيرتين إلى مسألة ظاهرٌ۔

اس میں شارح الواهب المائة الهجان کے قول کے ضعف کی دلیل بتاتے ہیں کہ اس ترکیب کے اوپر امتناع کا حکم نہیں لگایا بلکہ ضعف کا حکم لگایا کیونکہ معطوف میں احتمال ہے اس کا جس کا احتمال معطوف علیہ میں نہیں ہے اور اس وقت بنابر تقدیر مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ اور شبہ بھی دفع ہوا جس کی تشریح ہو چکی ہے اور صورتین آخرین کا ارجاع علیحدہ علیحدہ مسائل کی طرف ظاہر ہے۔ محتاج تشریح نہیں ہے۔

ويتضمن الرد على الفراء في الاستدلال بهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس تقدیر ثانی پر فراء کے استدلالات کا جواب مفہوم نہیں ہوتا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس تقدیر پر ان دونوں ترکیبوں کے ضمن میں فراء کے استدلالات کے جوابات بھی شامل اور مندرج ہیں غور کر کے معلوم کرنا چاہئے۔

ولا يضاف موصوف إلى صفة مع بقاء المعنى المفاد بالتركيب الوصفي بحاله لأن لكل من هيأتي التركيب الوصفي والإضافي معنى اخر لا يقوم أحدهما مقام الأخر ولهذا المعنى بعينه **لا تضاف صفة إلى موصوفها** فلا يقال: مسجد الجامع بمعنى المسجد الجامع وجرد قطيفة بمعنى قطيفة جرد خلافاً للكوفية فإن مسجد الجامع عندهم بمعنى المسجد الجامع وجرد قطيفة بمعنى قطيفة جرد من غير فرق۔

یعنی موصوف کی اضافت اپنے صفت کی طرف اور صفت کی اضافت اپنے موصوف کی طرف مع وجود اور بقا معنی متضاد ترکیب وصفی اور اضافی کے درست نہیں ہے کیوں کہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی میں سے ہر ایک ترکیب علیحدہ علیحدہ معنی رکھتی ہے۔ایک کا معنی دوسرے معنی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ ترکیب توصیفی کا مبنی اتحاد پر ہے درمیان صفت اور موصوف کے اور ترکیب اضافی کا مبنی مغائرت پر ہے درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے اور ان کے درمیان منافات ظاہر ہے پس مسجد الجامع جس کے معنی المسجد الجامع کے اور جرد قطیفة جس کے معنی قطیفة جرد کے ہوں، نہیں کہہ سکتے ہیں بخلاف کوفیین کے کہ یہ لوگ اس طرح استعمال کرنے کو جائز کہتے ہیں، اس طرح استعمال میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔

ویرد علیٰ القاعدة الأولیٰ وهو قوله: لا یضاف موصوف إلی صفة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ فرمائی ہے جو مصنف کے لا یضاف موصوف إلی صفة کے قاعدہ پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ مسجد الجامع اور جانب الغربي اور صلوة الأولیٰ اور بقلة الحمقاء کے الفاظ سے منقوض ہے کیونکہ ان تراکیب میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف واقع ہوئی ہے باوجود اس کے کہ یہ جائز نہیں ہے آگے چل کر مصنف کافیہ اس کا جواب دیں گے۔

مثل: مسجد الجامع وجانب الغربی وصلوة الأولیٰ وبقلة الحمقاء، فإن فی کل واحد من هذه التراکیب أضیف موصوف إلی صفته فإن الجامع صفة المسجد والغربی صفة الجانب والأولیٰ صفة الصلوة والحمقاء صفة البقلة وقد اضیف إلیها موصوفاتها۔

یہ اوپر والا سوال ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ان تراکیب میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف واقع ہوئی ہے کیونکہ جامع مسجد کی صفت ہے اور غربی جانب کی اور اولیٰ صلوة کی اور حمقاء بقلة کی صفت واقع ہوئی ہے اور یہاں موصوفات کی اضافت صفات کی طرف یقینی واقع ہوئی ہے لہذا قاعدہ اولیٰ ٹوٹ گیا۔

وأجیب بأن مثل هذه التراکیب متأول۔

یہ اوپر والے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تراکیب مؤول ہیں اول مؤول بوقت ہے اور ثانی مؤول بمکان اور ثالث مؤول بساعة اور رابع مؤول بحبة ہے۔

فمسجد الجامع متأول بمسجد الوقت الجامع وذلك یحتمل معنیین: أحدهما أن

يكون الوقت مقدراً في نظم الكلام ويكون المسجد مضافا إليه والجامع صفة للوقت فيندفع الإيراد بوجهين فإن الجامع ليس مضافاً إليه ولا صفة للمضاف وثانيهما أن يكون الوقت محذوفاً والجامع قائماً مقامه منطويا عليه فيكون بمنزلة الصفات الغالبة فيضاف المسجد إليه فيندفع الإيراد بوجه واحد وهو أن الجامع ليس صفة للمضاف، وعلى هذا القياس صلوٰة الأولى وبقلة الحمقاء متأول بصلوة الساعة الأولى وبقلة الحبة الحمقاء على الاحتمالين المذكورين۔

پس اس تقدیر پر مسجد الجامع مسجد الوقت الجامع سے متأول ہے اور اس صورت میں اس کے دو معنوں کا احتمال ہے اول یہ کہ وقت کا لفظ نظم کلام میں مقدر مانا جائے اور مسجد اس کی طرف مضاف کر دیا جائے اور الجامع وقت کی صفت ٹھہرائی جائے پس اس صورت میں نقض مذکورہ بالا دو وجہوں سے دفع ہو جائے گا کیونکہ الجامع کا لفظ نہ مضاف الیہ ہے مضاف کا اور نہ اس کی صفت اور ثانی یہ کہ وقت کا لفظ نظم کلام میں محذوف مانا جائے اور الجامع اس کے قائم مقام اور اس پر شامل ٹھہرایا جائے پس اس تقدیر پر بھی ایراد مذکور ایک ہی وجہ سے دفع ہوگا اور وہ یہ کہ الجامع کا لفظ مضاف کی صفت نہیں ہے اور اسی پر قیاس کر کے صلوة الأولى اور بقلة الحمقاء کے الفاظ بھی مؤول بصلوة الساعة الأولى اور بقلة الحبة الحمقاء بنابر احتمالین مذکورین سمجھنا چاہئے۔

لكن هذا التأويل لا يتمشى في جانب الغربي فإنه لا شك أن المقصود توصيف الجانب بالغربية لا توصيف مكان هو جانبه بها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ کی ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تاویل جانب الغربي میں جاری نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں مقصود صرف جانب کی توصیف ہے غربیت سے۔ مکان کی توصیف غربیت سے مقصود نہیں۔

اللهم إلا أن يقال: هناك مكانان جزء وكل فالمكان الذي أضيف إليه الجانب هو الجزء۔

اوپر والے سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں دو مکان ہیں ایک مکان کل دوسرا مکان جز یہاں وہ مکان مراد ہے جو جز ہو جس کی طرف جانب کی اضافت کی گئی ہے۔

والإضافة بيانية۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب

مکان سے جزئی مراد ہے تو اس صورت میں درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے مغائرت حاصل نہیں ہوئی۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ اضافت اضافت بیانی ہے اور اضافت بیانی میں درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے مغائرت نہیں ہوتی بلکہ اتحاد ہوتا ہے۔

والمكان الذى اعتبر الجانب بالنسبة إليه هو الكل فيستقيم المعنى۔

یہ اوپر فالمكان الذى الخ کے جملہ پر عطف ہے یعنی وہ مکان جس کی نسبت سے جانب معتبر کیا گیا ہے جو کہ غربیت ہے وہ کلی ہے پس اس تقدیر پر کلام کے معنی درست ہو گئے۔

ويرد على القاعدة الثانية وهو قوله: ولا صفة إلى موصوفها۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہ اوپر ويرد على القاعدة الأولى کے جملہ پر عطف ہے، یعنی قاعدہ ثانی ولا صفة إلى موصوفها کے اوپر اعتراض وارد ہوتا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ جرد قطيفة اور أخلاق ثياب کے قول سے منقوض ہے، کیونکہ یہ الفاظ اصل میں قطيفة جرد اور ثياب أخلاق تھے، صفت کو موصوف پر مقدم کیا گیا اور اس کی اضافت اپنے موصوف کی طرف کی گئی باوجود اس کے یہ جائز نہیں ہے۔ آگے چل کر مصنف اس کا جواب دیں گے۔

مثل: جرد قطيفة وأخلاق ثياب فإن أصلهما قطيفة جرد وثياب أخلاق قدمت الصفة على الموصوف وأضيف إليه۔

اصل میں یہ الفاظ قطيفة جرد اور ثياب أخلاق تھے موصوف کو صفت مقدم کر کے اس کی طرف اضافت کی گئی۔

وأجيب عنه بأنه متأول بأنهم حذفوا قطيفة من قولهم قطيفة جرد حتى صار كأنه اسم غير صفة، فلما قصدوا تخصيصه بكونه صالحا لأن يكون قطيفة وغيرها بمثل خاتم في كونه صالحا لأن يكون فضة وغيرها أضافوا إلى جنسه الذى يتخصص به كما أضافوا خاتماً إلى فضة فليس إضافته إليها من حيث أنه صفة لها بل من حيث أنهٔ جنس مبهم أضيف إليها ليتخصص وعلى هذا القياس أخلاق ثياب۔

یہ اوپر والے نقض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جرد قطيفة اور أخلاق ثياب کی ترکیبیں مؤول ہیں

اس طرح کہ قطیفة جرد کے قول سے قطیفة کومحذوف کردیا گویا یہ اسم غیر صفتی ہے پس جب اس کی تخصیص کا قصد کیا کیونکہ اس میں قطیفیت أو غیر ھا کی صلاحیت ہے جس طرح خاتم میں فضة اور غیر فضة ہونے کی صلاحیت ہے پس جس طرح خاتم کو اپنے جنس فضة کی طرف بنابر خصوصیت مضاف کردیا اسی طرح یہاں بھی اس ترکیب مذکور میں بنابر خصوصیت جنس کی طرف اضافت کردی پس اس تقدیر پر جرد کی اضافت قطیفة کی طرف اس حیثیت سے نہیں کہ یہ اس کی صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ جنس مبہم ہے قطیفة کی طرف اضافت کرنے کی بنا پر اس میں خصوصیت حاصل ہوگئی ہے اور اسی پر أخلاق ثیاب کی ترکیب کو بھی قیاس کر لینا چاہئے۔

ولا یضاف اسم مماثل أي مشابه۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا یہاں مماثل کے معنی مشابہ کے ہیں۔

للمضاف إليه في العموم والخصوص إلى ذلك المضاف إليه سواء كانا مترادفين **كليث وأسد** في الأعيان والجثث **وحبس ومنع** في المعاني والأحداث أو غير مترادفين بل متساويين في الصدق كالإنسان والناطق۔

یعنی جو اسم کہ مضاف الیہ کے عموم اور خصوص میں مشابہ ہو تو اس کی اس مضاف الیہ کی طرف اضافت درست نہیں اور یہ عام ہے خواہ وہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مترادف في المعنی ہوں جیسے لیث اور أسد کے الفاظ مترادف في المعنی ہیں یہ اعیان اور حیثیت کی مثال ہے اور مترادف في المعنی والأحداث کی مثال حبس اور منع ہے یا خواہ غیر مترادف ہوں بلکہ تساوی في المصداق ہوں جیسے انسان اور ناطق کے الفاظ مصداق میں مترادف ہیں کیونکہ جو انسان کا مصداق ہے وہی ناطق کا بھی مصداق ہے اور مترادف کے معنی یہ ہیں کہ الفاظ مغائر معنی واحد ہو۔

لعدم الفائدة في ذكر المضاف إليه فإنك إذا قلت: رأيت ليث أسد لا يفيد إلا ما يفيده رأيت ليثاً بدون ذكر الأسد وإضافة الليث إليه فيكون ذكر الأسد و إضافة اللبث إليه لغواً لا فائدة فيه۔

اس میں اوپر کے قاعدہ کلیہ کی دلیل ہے کہ اسم مماثل کی اضافت اس لئے درست نہیں کہ اس میں مضاف الیہ کے ذکر کی بنا پر کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ جب رأيت ليث أسد پڑھا جائے تو یہ بغیر ذکر اسد اور اس کی طرف لیث کی اضافت کے وہی معنی دے گا جو صرف رأيت ليثاً کی ترکیب دیتی ہے پس اس صورت میں اسد کا ذکر کرنا اور اس کی

طرف لیث کی اضافت کرنا لغو اور بے فائدہ ثابت ہوگا اس لئے یہ اضافت درست نہیں ہے۔

اوپر مصنف کافیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ أحد المتساویین کی اضافت آخر کی طرف درست اور جائز نہیں اس پر یہاں ایک سوال مقدر وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کل الدراهم وعین الشیء کی ترکیبوں سے منقوض ہے کیونکہ ان میں أحد المتساویین کی اضافت موجود ہے اور باوجود اس کے یہ جائز ہے۔ آگے چل کر مصنف اس کا جواب دیں گے۔

بخلاف إضافة العام إلى الخاص في مثل: **كل الدراهم وعين الشيء فإنه** أي المضاف فيهما۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ فإنه کی ضمیر مضاف کی طرف راجع ہے۔

يختص به أي يصير خاصا بسبب إضافته إلى المضاف إليه ولا يبقى على عمومه سواء أفادت الإضافة التعريف أو التخصيص۔

یعنی أحد المتساویین کی اضافت جائز نہیں بخلاف اضافت عام کے خاص کی طرف کہ یہ درست ہے جیسے کل الدراهم اور عین الشیء کی مثالوں میں ہے کیونکہ ان مذکورہ ترکیبوں میں مضاف بہ سبب اضافت کے مضاف الیہ کی طرف خاص ہو جاتا ہے اور اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا اور یہ عام ہے کہ یہ اضافت مفید تعریف کے ہو یا تخصیص کے یعنی ان تراکیب میں أحد المتساویین کی اضافت نہیں بلکہ ان میں اضافت عام کی خاص کی طرف واقع ہوئی ہے اور یہ جائز ہے۔

وأعمية العين عن الشيء إذا كان اللام فيه للعهد ظاهرة، وأما إذا كان للجنس ففيها خفاء۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عین کی أعمیت مسلم نہیں کیونکہ عین مطلق موجود کو نہیں کہتے بلکہ خاص موجود فی الخارج کو کہتے ہیں۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ الشیء کا الف لام دو حالتوں سے خالی نہیں عہدی ہوگا یا جنسی۔ اگر عہدی ہو تو اس تقدیر پر عین کی أعمیت ظاہر ہے اور اگر جنس ہو تو اس صورت میں عین کی أعمیت میں خفا اور پوشیدگی ہوگی کیونکہ شیء لغت میں موجود و معدوم جواہر اور اعراض سب کو شامل ہے اسی طرح عین بھی ہے پس اعم نہیں ہوا یعنی اگر الف لام

جنسی ہوں تو اس صورت میں عین کی أعمیت ظاہر ہے کیونکہ عین سے مراد وہ ہے جو قائم بذاتہ ہوخواہ موجود فی الخارج ہوخواہ موجود فی الذھن بخلاف شیء کے کہ اس سے مراد صرف موجود فی الخارج ہی ہے۔

ویرد علی قولهم: لا یضاف اسم مماثل للمضاف إلیه فی العموم والخصوص **قولهم: سعید کرز** فإن سعیداً وکرزاً اسمان لمسمیً واحد کلیث وأسد مع أنه أضیف أحدهما إلی الأخر۔

یہ اوپر لا یضاف اسم مماثل للمضاف إلیه فی العموم والخصوص کے قاعدہ پر ایک نقض اور اعتراض ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ سعید کرز کی مثال سے منقوض ہے۔ کیونکہ اس میں سعید اور کرز کے الفاظ مسمیٰ واحد کے اسماء ہیں جیسے لیث اور أسد کے الفاظ ہیں اور باوجود اس کے یہاں ایک کی دوسری کی طرف اضافت واقع ہوئی ہے۔

وأجیب بأنه **متأول** بحمل أحدهما علی المدلول والاخر علی اللفظ فکأنك إذا قلت: جاء نی سعید کرز قلت: جاء نی مدلول هذا اللفظ۔

یہ اوپر والے نقض اور اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ سعید کرز کا لفظ مؤول ہے اس طرح کہ ایک مدلول پر محمول ہے اور دوسرا لفظ پر پس جب جاء نی سعید کرز پڑھیں تو گویا جاء نی مدلول هذا اللفظ پڑھ لیا یہ اضافت عام کی خاص کی طرف ہے اور یہ جائز ہے۔

ولم یقولوا: "کرز سعید" لأن قصدهم بالإضافة التوضیح والقلب أوضح من الاسم غالباً۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ترکیب مذکور میں عکس کر کے کرز سعید کیوں نہیں کہا سعید کرز کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ کرز سعید اس لئے نہیں کہا کہ اضافت سے مقصود توضیح ہوتی ہے اور قلب اسم سے اغلب اور اکثر اوضح ہوتا ہے اس لئے سعید کرز کہا۔

وإذا أضیف الاسم الصحیح وهو فی عرف النحاة ما لیس فی اٰخره حرف علة۔

اس میں شارح نحاۃ کے عرفی اسم صحیح کی تعریف کرتے ہیں کہ اسم صحیح نحاۃ کے عرف میں وہ ہے جس کے آخر

میں حرف علت نہ ہو جیسا کہ کسی شاعر نے فرمایا ہے

صحیح چیست بہ نزدیک نحویان   مالا یکون آخرہ حرف علت

أو الملحق به وهو ما في اخره واو أو ياء قبلها ساكن وإنما كان ملحقاً بالصحيح لأن حرف العلة بعد السكون لا تثقل عليها الحركة لمعارضة خفة السكون ثقل الحركة ولأن حرف العلة بعد السكون مثلها بعد السكوت في الوقوع بعد استراحة اللسان ولا تثقل عليها الحركة بعد السكوت يعني في الابتداء كذا بعد السكون۔

اس میں شارح ملحق بہ صحیح کی تعریف بتاتے ہیں کہ ملحق بہ صحیح وہ ہے جس کے آخر میں واو یا یائے ماقبل ساکن ہو اوراس کو ملحق بہ صحیح اس لئے کہتے ہیں کہ حروف علت پر بعد سکون کے حرکت ثقیل نہیں ہوتی ہے کیونکہ سکون کی خفت حرکت کے ثقل کا معارض ہے اور دوسرے یہ کہ حروف علت بعد سکون کے استراحت لسان میں مثل اس حرف علت کے ہے جو بعد سکون کے واقع ہو اور یہ معلوم ہے کہ حرف علت پر بعد سکون کے حرکت ثقیل نہیں ہوتی یعنی جس طرح ابتدا میں ثقیل نہیں اسی طرح بعد سکون کے بھی ثقیل نہیں ہوگا۔

إلى ياء المتكلم كسر اٰخره للتناسب مثل ثوبي وداري في الصحيح وظبيي ودلوي في الملحق به ۔

یعنی جب اسم صحیح یا ملحق بہ صحیح کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو اس کے آخر کو بنا بر مناسبت یاء کے مکسور پڑھا جائے گا جیسے صحیح میں ثوبی اور داری کے الفاظ ہیں اور ملحق بہ صحیح میں ظبیی اور دلوی کے کلمے ہیں۔

والياء مفتوحة أو ساكنة وقد اختلف في أن أيهما الأصل، والصحيح أنه الفتح إذ الأصل في الكلمة التي على حرف واحد هو الحركة لئلا يلزم الابتداء بالساكن حقيقة أو حكما والأصل في ما بني على الحركة الفتح، والسكون إنما هو عارض للتخفيف۔

یعنی یائے متکلم کو بوجہ خفیف ہونے فتح کے مفتوح پڑھیں گے یا ساکن اور اس میں اختلاف ہے کہ اصل فتحہ ہے یا سکون اور صحیح یہی ہے کہ اصل فتحہ ہے کیونکہ اصل اس کلمہ میں جو ایک حرف کا ہو جیسے یائے متکلم ہے حرکت ہی ہے لہذا یہاں یائے متکلم کو مفتوح اس لئے پڑھیں گے کہ ابتدا بالساکن حقیقۃ یا حکماً لازم نہ ہو اور اصل اس کلمہ میں جو مبنی بر حرکت ہو فتحہ ہی ہے اور سکون صرف تخفیف کے حاصل کرنے کے لئے عارضی ہوتا ہے اور عارضی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا

اس لئے یہاں فتحہ زیادہ موزوں ہے۔

فإن كان أخره أى اخر الاسم المضاف إلى ياء المتكلم۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ اخرہ کی ضمیر مجروراس اسم کی طرف راجع ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔

ألفاً تثبت أى الألف على اللغة الفصيحة لعدم موجب الانقلاب نحو: عصاى ورحاى۔

اس میں شارح نے یہ بتایا ہے کہ تثبت کا فاعل الألف ہے یعنی اگراس اسم کے آخر میں جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوالف ہوتو وہ بنا برلغت فصیحہ ثابت رہے گا، کیونکہ یہاں اس کے منقلب ہونے کا کوئی موجب اور باعث نہیں ہے جیسے عصای اور رحای میں باوجوداضافت کے الف ثابت ہے۔

وهذيل وهى قبيلة من العرب۔

یعنی ''ہذیل'' عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

تقلبها أى الألف حال كونها **لغير التثنية ياء** لمشاكلة ياء المتكلم وتدغم فى الياء مثل عصى ورحى ولا تقلب ألف التثنية كغلاماي لالتباس المرفوع بغيره بسبب القلب۔

یعنی قبیلہ ہذیل کے لوگ اضافت کی حالت میں الف کودرآنحالیکہ وہ تثنیہ کا الف نہ ہو بسبب مشاکلت یائے متکلم کے یاء سے بدل کر کے یائے متکلم میں ادغام کرتے ہیں جیسے عصی اور رحی میں ہےاورالف تثنیہ کواس لئے ادغام نہیں کرتے کہ بسبب قلب کے مرفوع کا منصوب اور مجرور سے التباس نہ ہوجیسے غلامای اگراس میں الف کو یاء سے بدل کرادغام کیا جائے تو اس صورت میں حالت رفعی کا حالت نصبی اور حالت جری سے التباس واقع ہوجائے گا۔ پس یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ مرفوع ہے یامنصوب یا مجرور؟

وإن كان آخر الاسم المضاف إلى ياء المتكلم **ياء أدغمت** فى ياء المتكلم لاجتماع المثلين فيما هو كالكلمة الواحدة مثل مسلمين إذا أضيف إلى ياء المتكلم وأسقطت النون للإضافة وأدغمت الياء فى الياء فصار مسلمى۔

اوراگراس اسم کے آخر میں جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو یاء ہوتو اس کا یائے متکلم میں ادغام ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک کلمہ میں دوحروف مثلین جمع ہوں تو ان میں سے ایک کا دوسرے میں ادغام کرتے ہیں جیسے مسلمین کا لفظ ہے کہ جب اس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی تو بوجہ اضافت کے نون جمع ساقط کردیا گیااور یاء کا

یاء میں ادغام کیا مسلمی ہوا۔

وإن كان آخره واوا قلبت الواو ياء لاجتماع الواو والياء، والأولىٰ ساكنة مثل: مسلمون إذا أضيف إلى ياء المتكلم قلبت واوه ياء وأدغمت الياء في الياء وكسر ما قبلها لأنها لما انقلبت ياء ساكنةً يوجب بقاء الضمة قبلها تغيرها فحركت بالحركة المناسبة لها فقيل مسلمي وإن كانت قبل الياء أو الواو فتحة بقي ما قبلها مفتوحا كقولك في مسلمين: مسلمي وفي مصطفون مصطفي لخفة الفتحة۔

اور اگر اس اسم کے مضاف کے آخر میں واؤ ہو تو وہ واؤ کو یاء سے بدلا جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کلمہ میں واؤ اور یاء جمع ہوں اور اول ساکن ہو تو اس صورت میں اول کو ثانی کے جنس بنا کر ادغام کرتے ہیں جیسے مسلمون کا لفظ ہے کہ جب اس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی تو واؤ کو یاء سے بدل کر کے یاء کا یاء میں ادغام کیا اور بوجہ مناسبت یاء کے، اس کے ماقبل یعنی ضمۂ میم کو کسرہ سے بدل دیا کیونکہ جب یہ واؤ یاء ساکنہ سے بدلا تو اس وقت اگر ماقبل اس کے ضمہ کو باقی چھوڑتے ہیں تو اس سے اس کا تغیر واجب اور لازم آ جاتا ہے اور یہ درست نہیں، اس لئے بوجہ اس ضرورت کے یاء کے ماقبل یاء یا واؤ کے فتحہ ہو تو اس تقدیر پر اس کا ماقبل مفتوح رہے گا جیسے مسلمین میں مسلمی اور مصطفون میں مصطفی بنا بر خفت فتح کے پڑھتے ہیں۔

وفتحت الياء أي ياء المتكلم في الصور الثلث للساكنين أي للزوم التقاء الساكنين إن لم تحرك واختير الفتح لخفته۔

یعنی صور ثلثہ مذکورہ بالا میں یائے متکلم کو مفتوح پڑھیں گے کیونکہ اگر اس کو حرکت فتحہ کی نہ دی جائے گی تو اس سے التقائے ساکنین کا لزوم ہو جائے گا اور یہ درست نہیں اس لئے بنا بر ضرورت اس کو مفتوح پڑھیں گے اور فتحہ چونکہ اخف الحرکات ہے اس لئے اس کو مختار کیا گیا۔

وأما الأسماء الستة: التي مر البحث عنها مضافة إلى غير ياء المتكلم فأخي وأبي أي فالحال في أخ وأب منها إذا أضيف إلى ياء المتكلم أن يقال: أخي وأبي مثل: يدي ودمي بلا رد المحذوف لجعله نسيًا منسيًا۔

یعنی اسمائے ستہ مکبرہ جن کی بحث درآنحالیکہ غیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں جو بیان ہو چکی ہیں ان میں

سے اخ اور اب کے الفاظ کا حال یہ ہے کہ جب یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اس صورت میں ان کا استعمال اخی وابی مثل یدی اور دمی کے بغیر رد محذوف کے ہوگا اور محذوف کو نسیًا منسیًا مانا جائے گا یعنی اضافت کے وقت واؤ محذوف کو رد نہیں کیا جائے گا۔

وأجاز المبرد فيهما أخيَّ وأبيَّ برد لام الفعل فيهما وهي الواو وجعلها ياءً وإدغام الياء في الياء وتمسك في ذلك بقول الشاعر:

وأبـــي مــــالك ذوالـــمـــجـــاز بـــدار

وحمل الأخ على الأب لتقاربها لفظًا ومعنىً، وأجاب عنه المصنف في شرحه بأن ذلك خلاف القياس واستعمال الفصحاء مع أنه يحتمل أن يكون المقسم به أي أبي جمع أب فأصله أبين سقطت النون في الإضافة فاجتمعت ياءان فأدغمت الأول في الثانية فصار أبي وقد جاء جمعه هكذا في قول الشاعر:ـ

فلـمـا تبيـن أصـواتـنـا بـكـيـن وفـديـنـنـا بـالأبـيـنـا

أي لما سمعن وعلمن أصواتنا بكين وقلن: لنا آباء نا فداؤ كم۔

اور مبردؒ نے أخي اور أبي کے الفاظ میں لام کلمہ کا رد جائز مانا ہے اور لام کلمہ یہاں واؤ ہے مبرد اس واؤ کو یاء سے بدل کر کے یاء کا یاء میں ادغام کرتے ہیں اور اس حکم میں شاعر کے قول مذکور سے تمسک اور دلیل لیتے ہیں کہ اس میں أبي کا لفظ اصل میں أبو تھا واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کو یاء میں ادغام کیا گیا ہے اور أخ کے لفظ کو أب کے لفظ پر حمل کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں الفاظ لفظ اور معنی میں متقارب ہیں تقارب لفظی تو ظاہر ہے اور تقارب معنوی یہ ہے کہ جس طرح أب کا لفظ اسم جنس ہے اسی طرح أخ کا لفظ بھی اسم جنس ہے ہر أخ پر صادق آتا ہے۔

گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ شاعر کا قول حکم مذکور میں صرف أبي کے متعلق ہے أخي کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہیں ہے شارح نے مبرد کی طرف سے جواب دیا کہ مبردؒ أخ کے لفظ کو حکم مذکور میں أب کے لفظ پر حمل کرتے ہیں اور مصنف کافیہ نے اس کا ....جواب اپنی شرح میں اس طرح دیا ہے کہ یہ شعر مذکور قیاس اور فصحاء کے استعمال کے خلاف مستعمل ہوا ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں علاوہ ازیں اس میں احتمال ہے کہ مقسم بہ یعنی أبي کا لفظ جمع أب کی ہو پس اس تقدیر پر اس کی اصل أبين ہوگی نون بوجہ اضافت ساقط ہوا پس دو یاء جمع ہوگئی حسب

قاعدہ ادغام اول یاء کا ثانی میں ادغام کیا گیا پس أبـي ہوا اور علاوہ ازیں شاعر کے قول میں اس طرح اس کی جمعیت بھی آئی ہے شاعر کے شعر میں استدلال کا مقام بـالأبينا ہے اور شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جب انہوں نے ہماری آوازیں سنیں اور معلوم کیں تو رونے لگیں اور ہم سے کہا کہ ہمارے باپ دادا تم پر قربان ہوں۔''

وتقول أى امرأة قائمة لامتناع إضافة الحم إلى المذكر۔

اس کے بڑھانے سے شارحؒ نے یہ اشارہ کیا کہ تـقـول کا فاعل امـرأة ہے کیونکہ حم کی اضافت مذکر کی طرف ممنوع ہے اس لئے اس قول کی قائلہ عورت ہوگی۔

حمي وهني بلا رد المحذوف عند الاضافة إلى ياء المتكلم۔

یعنی حمی اور ھنی کے الفاظ کا استعمال اضافت کے وقت یائے متکلم کی طرف بغیر رد محذوف کے ہوگا۔

وإنـمـا فـصـلـهـما عن أخي وأبي لأنه لم ينقل عن المبرد فيهما في المشهور ما يخالف مذهب الجمهور وإن نقل عنه بعضهم ذلك الخلاف في الأسماء الأربعة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ الفاظ اخی اور ابی کے الفاظ کے حکم میں داخل ہیں پس ان کو علیحدہ ذکر کیا کہ ان الفاظ میں جمہور کے مذہب کے خلاف مبرد سے کوئی روایت مشہور منقول نہیں ہے اگرچہ بعضے نے باقی اسمائے اربعہ میں بھی مبرد سے یہ اختلاف نقل کیا ہے لیکن وہ مشہور نہیں ہے۔

ويقال في فم حال الإضافة إلى ياء المتكلم: **في** بالرد والقلب والإدغام **في الأكثر** أى في أكثر موارد استعمالاته **وفمي** في بعضها إبقاء للميم المعوض عن الواو عند قطعه عن الإضافة۔

یعنی جب فـم کے لفظ کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے گی تو اس حالت میں اکثر موارد استعمال میں یہ لفظ بنا بر رد اور قلب وادغام کے فمی پڑھا جائے گا یعنی واؤ کو رد کر کے یاء سے بدل دیں گے اور یاء کا یاء میں ادغام کریں گے اور اس کا اکثر استعمال یہی ہے اور بعضے استعمال میں میم کو جو واؤ سے عوض آیا تھا قطع اضافت کے وقت باقی رکھ کر فمی پڑھتے ہیں لیکن یہ استعمال اکثر نہیں، بلکہ بعض ہے۔

وإذا قطعت هذه الأسماء الخمسة عن الإضافة **قيل: أخ وأب وحم وهن وفم** بالحركات الثلاث ولكن **فتح الفاء أفصح منهما** أى من الضم والكسر۔

یعنی جب یہ اسماء خمسہ اضافت سے منقطع مانے جائیں یعنی ان میں اضافت نہ مانی جائے تو اس صورت میں یہ الفاظ مذکورہ سب حرکات ثلاثہ کے ساتھ پڑھے جائیں گے لیکن فاء کا فتحہ، ضمہ اور کسرہ سے زیادہ فصیح ہوگا۔

وجاء حم مثل يد فيقال هذا حم أو حمك ورأيت حمًا أو حمك ومررت بحم أو حمك، ومثل **خبء** بالهمزة فيقال: هذا حمء، وحموئك، و رأيت حمأ أو حمأك ومررت بحمء وحمئك، ومثل **دلو** بالواو فيقال هذا حمو أوحموك ورأيت حموًا أو حموك ومررت بحمو أو حموك، ومثل **عصا** بالألف، فيقال: هذا حما أو حماك ورأيت حما أو حماك ومررت بحما أو حمك **مطلقا** أى جواز حم مثل هذه الأسماء الأربعة مطلقًا غير مقيد بحال الإفراد والإضافة بل تجئ هذه الوجوه فيه فى كل من حالتى الإفراد والإضافة۔

یعنی حم کا لفظ ید کے مثل استعمال میں آیا ہے پس یہ بغیر رد محذوف کے استعمال ہوگا اور مثل خبء اور دلو کے بھی استعمال ہوتا ہے اور مثل عصا کے بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن اول استعمال ہمزہ اور ثانی واؤ اور ثالث الف کے ساتھ ہوگا اور مثالیں سب کی شرح میں مذکور ہیں ملاحظہ ہوں اور حم کے لفظ کا جواز مثل ان اسمائے اربعہ مذکورہ کے مطلقاً ہر حالت افراد اور حالت اضافت سے مقید نہیں بلکہ اس میں یہ وجوہ مذکورہ بالا حالت افراد اور حالت اضافت دونوں میں آسکتی ہیں۔

وجاء هن مثل يد مطلقًا أى فى الإفراد والإضافة يقال: هذا هن ورأيت هنًا ومررت بهن وهذا هنك ورأيت هنك ومررت بهنك۔

یعنی هن کا لفظ بھی مثل ید کے مطلقاً یعنی حالت افراد اور حالت اضافت میں استعمال ہوتا ہے اور مثال استعمال شرح میں مذکور ہے۔

وذولا يضاف إلى مضمر لأنه وضع وصلة إلى الوصف بأسماء الأجناس، والضمير ليس باسم جنسٍ۔

یعنی ذو کا لفظ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ذو کا لفظ اسمائے اجناس سے شے کی توصیف کے لئے موضوع اور ذریعہ ہے اور ضمیر اسم جنس نہیں اس لئے ضمیر کی طرف یہ لفظ مضاف نہیں ہوگا۔

وقد أضيف إليه على سبيل الشذوذ كقول الشاعر:

إنما يعرف ذا الفضل من الناس ذووه

یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہ کا قاعدہ "وذو لا يضاف إلى مضمر" إنما يعرف ذا الفضل من الناس ذووه کے شعر سے منقوض ہے کیونکہ یہاں ذو کا لفظ ضمیر کی طرف مضاف ہوا ہے باوجود اس کے یہ جائز نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ اضافت بہ سبیل شذوذ ہے اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور شعر کے معنی یہ ہیں کہ "لوگوں میں سے فضیلت والوں کو فضیلت والے ہی جانتے ہیں۔"

ولو قيل: لا يضاف إلى غير اسم الجنس لكان أشمل۔

یہ ایک سوال مقدر ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ ذو کا لفظ جس طرح ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اسی طرح اسم اشارہ اور علم اور موصول کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا ہے پس مصنف کافیہ کو لازم تھا کہ ذو لا يضاف إلى غير اسم الجنس کہتے تاکہ یہ حکم اسم اشارہ، علم اور اسم موصول کو بھی شامل ہوتا ضمیر کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

وكأنه خص المضمر بالذكر لأنه كان لبعض تلك الأسماء حكم خاص عند إضافته إلى ياء المتكلم فنفى إضافته إلى الضمير مطلقًا نفيًا لاختصاصه بحكم خاص باعتبار إضافته إليه۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ مسلم ہے لیکن مصنف کافیہ نے ضمیر کو خاص کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت ان اسمائے خمسہ مذکورہ کے خاص خاص احکام ہیں پس مصنف نے ان احکام خاصہ کی نفی کی بنا پر ذو کی اضافت ضمیر کی طرف مطلقاً نفی کی تاکہ باعتبار اضافت کے کسی خاص حکم سے خصوصیت نہ ہو۔

ولا يقطع أي ذو عن الإضافة لأن جعله وصلة إلى أسماء الأجناس ليس إلا بإضافته إليها۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ لا يقطع کا فاعل ذو کا لفظ ہے یعنی ذو کا لفظ اضافت سے منقطع نہیں ہوگا کیونکہ اس کو واضع نے اسماء اجناس کی صفتیت کے لئے ذریعہ اور واسطہ بنایا ہے اور یہ معنی صرف اس کی

اسمائے اجناس کی طرف اضافت کرنے ہی سے حاصل ہوتے ہیں جب مصنف اسمائے معربہ بالاصالۃ کے بیان سے فارغ ہوئے تو آگے چل کر اسمائے معربہ بالواسطہ کا بیان فرمائیں گے۔

التوابع وهو جمع تابع منقول عن الوصفية إلى الاسمية والفاعل الاسمي يجمع على فواعل كالكاهل على الكواهل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ توابع تابع کی جمع ہے اور تابع فاعل کا وزن ہے اور یہ معلوم ہے کہ فاعل کا وزن فواعل کے وزن پر جمع نہیں ہوتا پس یہاں توابع کے وزن پر کیونکر جمع آیا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ فاعل کے وزن کی دو قسمیں ہیں اول صفتی، دوم اسمی، صفت فواعل کے صیغہ کے وزن پر جمع نہیں ہوتا اور اسمی اس وزن پر جمع ہو کر آتا ہے اور تابع فاعل اسمی ہے صفتی نہیں کیونکہ یہ وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہوا ہے پس جس طرح کاهل کواهل کے وزن پر جمع ہوتا ہے اسی طرح یہاں تابع توابع کے وزن پر جمع ہوا ہے۔

والمراد بها توابع المرفوعات والمنصوبات والمجرورات التي هي أقسام الاسم فلا ينتقض حدها بخروج نحو اَنَّ اِنَّ وضَرَبَ ضُرِبَ لعدم كونهما من أفراد المحدود۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں، کیونکہ اس سے تابع فعلی اور حرفی خارج ہوا جیسے اَنَّ اِنَّ اور ضَرَبَ ضُرِبَ میں ہے کیونکہ یہاں تابع معرب باعراب سابق نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں توابع سے مراد توابع مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے ہیں جو اسم کی اقسام میں سے ہیں اور امثال مذکورہ میں توابع فعل اور حرف کے ہیں، پس اب تابع کی تعریف جامع ثابت ہوئی اور امثال مذکورہ کے توابع خارج ہوئے کیونکہ وہ محدود کے افراد میں سے نہیں ہیں۔

فائدہ:۔ ھو کی ضمیر جنس تابع کی طرف راجع ہے جو توابع کے ضمن میں پایا جاتا ہے کیونکہ واحد جمع کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور توابع پانچ ہیں۔ اول نعت، دوم تاکید، سوم عطف بیان، چہارم بدل، پنجم معطوف اور حصر کے ضبط کی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالنسبت تین حالتوں سے خالی نہیں۔ تابع ہوگا یا متبوع یا دونوں مقصود بالنسبت ہوں گے اگر مقصود بالنسبت

تابع ہوتو یہ بدل ہے اور اگر مقصود بالنسبت متبوع ہوتو اس صورت میں تابع کے لانے سے مقصود اس معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں ثابت ہوں یا اس کا تقرر ہے یا توضیح۔ اول نعت ہے، ثانی تاکید، ثالث عطف بیان اور اگر مقصود بالنسبت تابع اور متبوع دونوں ہوں تو یہ معطوف ہوا۔

کل ثان أی کل متأخر متی لوحظ مع سابقه کان فی الرتبة الثانیة منه فدخل فیه التابع الثانی والثالث فصاعدًا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ثانی، ثالث، رابع اور خامس وغیرہا توابع خارج ہوئے کیونکہ وہ بہ نسبت متبوع کے ثانی نہیں بلکہ بہ نسبت تابع کے ثانی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ثانی سے مراد ہر متاخر ہے جب اپنے متبوع کے ساتھ اس کا لحاظ کیا جائے تو رتبہ میں اس کا ثانی پڑتا ہو لہٰذا اب اس تعریف میں تابع ثانی وثالث اور رابع وغیرہا سب داخل ہوئے اور تعریف جامع ثابت ہوئی۔

متلبس **بإعراب سابقه** أی بجنس إعراب سابقه بحیث یکون إعرابه من جنس إعراب سابقه ناشیٍ کلاهما۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا دفعیہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ثانی معرب باعراب سابق ہوگا تو اس صورت میں سابق بلا اعراب رہے گا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مراد اعراب سابق سے جنس اعراب سابق ہے عین اعراب مراد نہیں ہے یعنی تابع سابق کے اعراب کے جنس سے معرب ہوگا اس طرح کہ اس کا اعراب سابق کے جنس کا ہو اور ایک ہی جہت کا ہو شارح نے باعراب سے متلبس اور من جهة سے مقدم ناشی کے الفاظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ متلبس اور ناشی کے الفاظ جار مجرور کے متعلقات مقدرہ ہیں۔

من جهة واحدة شخصیة مثل جاء نی زید العالم فإن العالم إذا لوحظ مع زید کان فی الرتبة الثانیة منه، وإعرابه من جنس إعرابه وهو الرفع والرفع فی کل منهما ناشی جهة واحدة شخصیة هی فاعلیة زید العالم لأن المجیئ المنسوب إلی زید فی قصد المتکلم منسوب إلیه مع

تابعه لا إليه مطلقًا فقوله كل ثان يشمل التوابع وخبر المبتدأ وخبرى كان وإن وأخواتهما وثانى مفعول ظننت وأعطيت وقوله: بإعراب سابقه يخرج الكل إلا خبر المبتدأ وثانى مفعول ظننت وأعطيت وقوله: من جهة واحدة يخرج هذه الأشياء لأن العامل فى المبتدأ والخبر وإن كان هو الابتداء أعنى التجرد عن العوامل اللفظية للإسناد لكن هذا المعنى من حيث هو يقتضى مسنداً إليه صار عاملا فى المبتدأ ومن حيث أنه يقتضى مسنداً صار عاملاً فى الخبر فليس ارتفاعهما من جهة واحدة وكذا ظننت من حيث أنه يقتضى مظنونًا فيه ومظنونًا عمل فى مفعولية فليس انتصابهما من جهة واحدة وكذلك أعطيت من حيث أنه يقتضى آخذا ومأخوذا عمل فى مفعوليه فليس انتصابهما من جهة واحدة۔

یعنی تابع وہ ثانی اسم ہے جو اپنے سابق متبوع کے جنس کے اعراب پر معرب ہو اور دونوں کا اعراب ایک ہی جہت شخصی ہو جیسے جاء نی زید العالم میں عالم کے لفظ کا جب زید کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو وہ زید سے ثانی مرتبہ میں پڑتا ہے اور اس کا اعراب اور زید کا اعراب ایک جنس اور ایک ہی جہت کا معلوم ہوتا ہے اور وہ جهة واحدة کا اعراب دونوں کا مرفوع ہونا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ رفع دونوں میں جهة واحدة شخصیت سے پیدا ہوا ہے اور وہ جهة واحدہ شخصیت زید اور عالم کا فاضل ہونا ہے کیونکہ مجیئت جو زید کی طرف منسوب ہے وہ متکلم کے قصد اور ارادہ میں تابع یعنی عالم کے ساتھ منسوب الیہ ہے مطلق نہیں پس مصنف کا قول کل ثانی جملہ توابع اور مبتدأ کی خبر اور افعال ناقصہ اور حروف مشبہ بہ فعل کی خبروں اور ظننت اور أعطيت کے ثانی مفعولوں کو شامل ہے کیونکہ یہ بمنزلۂ جنس کے ہے اور بإعراب سابقه کے قول سے سوائے خبر مبتدأ اور ظننت اور أعطيت کے ثانی مفعولوں کے کل خارج ہو گئے اور مصنف کے قول میں جهة واحدة سے خبر مبتدأ اور ظننت اور أعطيت کے ثانی مفاعیل خارج ہو گئے کیونکہ مبتدأ اور خبر کا عامل اگرچہ ابتدا ہے اور وہ مبتدأ اور خبر کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا ہے لیکن یہ معنی اس حیثیت سے کہ مسند الیہ کو چاہتے ہیں مبتدأ کے عامل ہوئے اور اس حیثیت سے کہ اسم کے مسند ہونے کے مقتضی ہیں خبر کے عامل ٹھہرے، پس مبتدأ اور خبر کا مرفوع ہونا ایک حیثیت سے نہیں ہوا اور اسی طرح ظننت کا فعل اس حیثیت سے کہ یہ مظنون فیہ اور مظنون کو چاہتا ہے دونوں مفعولوں میں نصب کا عمل کرتا ہے، پس بوجہ تغائر حیثیت کے اس کا عمل نصب بھی جهة واحدة سے نہیں ہوا اور اسی طرح أعطيت کا فعل اس حیثیت سے کہ اخذ اور ماخوذ کو چاہتا ہے ہر دو مفعولوں میں نصب کا عمل کرتا ہے۔

پس جهة واحدة کی قید کے بعد شارح نے شخصية کی قید بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں ثانی مفعول ظننت واعطیت کا اور خبر مبتدأ کی داخل ہوئی کیونکہ یہ بھی سابق کے اعراب سے جهة واحدة سے معرب ہیں اور وہ جهة واحدة یہاں مفعولیت ہے۔

شارح نے شخصية کی قید بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ جهة واحدة سے مراد جهة شخصية ہے اور ظننت اور أعطيت میں جهة واحدة نوعية ہے۔ لہذا اب تابع کی تعریف مانع ثابت ہوئی۔

واعلم أن الإعراب المعتبر في هذا التعريف بالنسبة إلى اللاحق والسابق أعم من أن يكون لفظيًا أو تقديريًا أو محليًا حقيقة أو حكمًا فلا يرد نحو جاء ني هولاء الرجال ويا زيد العاقل ولا رجل ظريفًا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے وہ تابع خارج ہوا جس میں یا جس کے متبوع میں اعراب تقدیری یا محلی ہو جیسے امثال مذکورہ میں ہے کیونکہ یہاں ثانی سابق کے اعراب سے معرب نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس تعریف میں اعراب بہ نسبت لاحق اور سابق کے معتبر ہے اور یہ عام ہے خواہ لفظی ہو خواہ تقدیری، خواہ حقیقی یا حکمی ہو یہاں اگرچہ لفظی نہیں لیکن تقدیری اور محلی موجود ہے لہذا اب تابع کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

ثم إن لفظة "كل" ههنا ليست في موقعها لأن التعريف إنما يكون للجنس وبالجنس لا للأفراد و بالأفراد، فالمحدود بالحقيقة التابع والحد مدخول كل وهو ثان بإعراب سابقه من جهة واحدة لكنه لما أدخل "كل" عليه أفاد صدق المحدود على كل أفراد الحد فيكون مانعًا والظاهر انحصار المحدود فيها لعدم ذكر غيرها فيكون جامعًا فيحصر حد جامع ومانع يكون جمعه ومنعه كالمنصوص عليه۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ توابع جمع تابع کی ہے اور جمع کا وجود افراد سے ہوتا ہے اور کل کا کلمہ افراد کے احاطہ کے لئے آتا ہے پس اس تقدیر پر افراد کی تعریف افراد سے ہوئی اور یہ باطل ہے کیونکہ یہاں کل کا کلمہ اپنے موقع پر نہیں ہے اس لئے کہ تعریف جنس کے لئے یا جنس کے ساتھ ہوتی

ہے۔افراد کے لئے یا افراد کے ساتھ نہیں .وتی اور یہاں افراد کے لئے ہوئی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ محدود حقیقت میں تابع ہے اور حد کــــل کا مدخول ہے اور وہ تابع سابق کے اعراب کے جهة واحدة سے معرب ہے اور جب اس پر کل کا کلمہ داخل ہوا تو اس صورت میں محدود حد کے کل افراد پر صادق آیا پس تعریف مانع ہوئی اور ظاہر ہے کہ محدود کا حد کے افراد میں انحصار ہے کیونکہ سوائے افراد حد کے یہاں اور کسی شے کا ذکر نہیں ہوتا پس تعریف جامع ہوئی لہذا اب تابع کی تعریف جامع اور مانع ثابت ہوئی اور اس کا جامع اور مانع ہونا مثل منصوص علیہ کے ہوا یعنی گویا اس کی جامعیت اور مانعیت پر تصریح کی۔

النعت تابع جنس شامل للتوابع كلها وقوله:

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لفظ جـــنـــس تمام توابع کو شامل ہے یعنی توابع میں سے ایک نعت ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو اپنی متبوع کے معنی پر دلالت کرے۔

يدل على معنى في متبوعه أي يدل بهيأة تركيبية مع متبوعه على حصول معنًى في متبوعه۔

یعنی نعت اپنے متبوع کے ساتھ بنا بر ہیئات ترکیبی کے اس معنی کے حصول پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں پائے جاتے ہیں۔

مطلقًا أي دلالة مطلقة غير مقيدة بخصوصية مادة من المواد احتراز عن سائر التوابع ولا يرد عليه البدل في مثل قولك: أعجبني زيد علمه والمعطوف في مثل قولك: أعجبني زيد وعلمه ولا التاكيد في مثل قولك: جاء ني القوم كلهم لدلالة كلهم على معنى الشمول في القوم فإن دلالة التوابع في هذه الأمثلة على حصول معنًى في المتبوع إنما هي لخصوص موادها فلو جردت عن هذه المواد كما يقال: أعجبني زيد غلامه أو أعجبني زيد وغلامه وجاء ني زيد نفسه لا تجد لها دلالة على معنى في متبوعاتها بخلاف الصفة فإن الهيأة التركيبية بين الصفة والموصوف تدل على حصول معنى في متبوعها في أي مادةٍ كانت۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ مـطـلـقـا کا لفظ منصوب بنا بر مفعول مطلق ہے لیکن اس کا مفعول مطلق ہونا باعتبار موصوف مقدر دلالت کے ہے یعنی نعت وہ تابع ہے جو بغیر کسی خصوصیت مادہ کے اپنے متبوع کے معنی پر مطلق

دلالت کرے اور اس کی دلالت کسی خاص مادہ سے مقید نہ ہو تابع کا لفظ جنس تمام توابع کو شامل تھا لیکن یدل علی معنی فی متبوع کے قول سے باقی توابع خارج ہو گئے گویا یہ قول احترازی ہے اور مطلقًا کا لفظ اس لئے بڑھایا کہ نعت کی تعریف کی مانعیت پر امثال مذکورہ فی الشرح کے بدل اور معطوف اور تاکید کا اعتراض وارد نہ ہو کیونکہ توابع کی دلالت حصول معنی پر باعتبار خصوصیت مواد کے ہے پس ان کو اگر ان خاص مواد سے مجرد کیا جائے جیسے أعجبنی زید غلامه یا أعجبنی زید وغلامه یاجاء نی زید نفسه پڑھا جائے تو اس تقدیر پر ان کی دلالت متبوعات کے معنی پر نہیں پائی جائے گی بخلاف صفت کے کہ یہاں ہیئات ترکیبی درمیان صفت اور موصوف کے اس معنی کے حصول پر دلالت کرتی ہے جو متبوعات میں پائے جاتے ہیں خواہ وہ کسی مادہ میں ہوں اور جاء نی القوم کلهم کی مثال میں کل کا لفظ قوم کے شمول کے معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ تاکید بھی نعت کی تعریف سے خارج ہوگی۔

وفائدته ای فائدة النعت غالباً۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ فائدته کی ضمیر نعت کی طرف راجع ہے۔

تخصیص فی النکرة کرجل عالم أو توضیح فی المعرفة کزید الظریف

یعنی نعت لانے کا فائدہ غالبا موصوف نکرہ کا مخصص ہونا اور موصوف معرفہ کا واضح ہونا ہے جیسے رجل عالم اور زید الظریف کی امثال میں عالم کے لفظ لانے سے رجل کی تخصیص اور ظریف لانے سے زید کی توضیح کا فائدہ حاصل ہوا ہے۔

وقد یکون لمجرد الثناء من غیر قصد تخصیص وتوضیح نحو: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اور کبھی یہ نعت صرف ثناء اور تعریف کے لئے مستعمل ہوتی ہے اس میں خصوصیت اور توضیح کا کوئی قصد اور ارادہ نہیں ہوتا جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم میں الرحمن اور الرحیم کے الفاظ صرف اللہ کی تعریف اور ثناء کے لئے مستعمل ہوئے ہیں یہاں تخصیص اور توضیح مقصود نہیں ہے۔

أو لمجرد الذم۔

اس کے بڑھانے سے مقصد یہ ہے کہ یہ او پر وقد یکون لمجرد الثناء کے جملہ پر عطف ہے۔

نحو: أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

اس میں رجیم کا لفظ صرف شیطان کی مذمت کے لئے مستعمل ہوا ہے یہاں بھی اس سے نہ کوئی تخصیص مقصود ہے اور نہ توضیح۔

أو لمجرد التأكيد مثل: ﴿نفخة واحدة﴾ إذ الوحدة تفهم من التاء في نفخة فأكدت بالواحدة ولما كان غالب مواد الصفة المشتقات توهم كثير من النحويين أن الاشتقاق شرط في النعت حتى تأولوا غير المشتق إلى المشتق ولما لم يكن هذا مرضيًا للمصنف رده بقوله:

یہ بھی اوپر کے جملہ پر معطوف ہے یعنی نعت کبھی صرف تاکید کے لئے مستعمل ہوتی ہے جیسے نفخة واحدة میں واحدة کا لفظ صرف نفخة کی تاکید کے لئے مستعمل ہوا ہے یہاں تخصیص اور توضیح مقصود نہیں کیونکہ وحدت نفخة کے تاء سے معلوم ہوتی ہے پس واحدة کا لفظ صرف اس کی تاکید کے لئے ہے اور چونکہ غالب مواد صفت کے مشتقات ہوتے ہیں اس لئے اکثر نحاۃ نے یہ توہم کیا ہے کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے اور اسی وجہ سے غیر مشتق کو مشتق سے مؤول کر کے نعت ٹھہراتے ہیں لیکن یہ مصنف کافیہ کے نزدیک شرط اور مرضی نہیں اس لئے اس مذہب موہومہ نحاۃ کو ولا فصل کے قول سے رد کیا۔

ولا فصل أي لا فرق بين أن يكون النعت مشتقًا أو غيره في صحة وقوعه نعتًا إذا كان وضعه أي وضع غير المشتق لغرض المعنى أي لغرض الدلالة على المعنى الواقع في المتبوع عمومًا أي في جميع الاستعمالات مثل: تميمي وذي مال فإن التميمي يدل دائمًا على أن لذات ما نسبة إلى قبيلة تميم وذي مال يدل على أن ذاتا ما صاحب مال أوخصوصًا أي في بعض الاستعمالات بأن يدل في بعض المواضع على حصول معنى لذات ما وحينئذ يجوز أن يقع نعتاً وفي بعضها لا يدل على ذلك وحينئذٍ لا يصح جعله نعتاً مثل: مررت برجل أي رجل أي كامل في الرجولية فأي رجل باعتبار دلالته في مثل هذا التركيب على كمال الرجولية يصح أن يقع نعتاً وفي مثل أي رجل عندك لا يدل على هذا المعنى فلا يصح أن يقع نعتًا ومثل: مررت بهذا الرجل فإن هذا يدل على ذاتٍ مبهمة والرجل على ذات معينة وخصوصية الذات المعينة بمنزلة معنًى حاصل في الذات المبهمة فلهذا

صح أن يقع رجل صفة لهذا وفي المواضع الأخر التي لا يدل على هذا المعنى لايصح أن يقع صفة، وذهب بعضهم إلى أن الرجل يدل على اسم الإشارة وبعضهم إلى أنه عطف بيان ومثل مررت بزيد هذا أي بزيد المشار إليه فهذا في هذا الموضع يدل على معنىً حاصل في ذات زيد فوقع صفة له، وفي المواضع الأخر التي لا يدل على هذا المعنى لا يصح أن يقع صفة۔

یعنی نعت عام ہے خواہ وہ مشتق ہو یا غیر مشتق اس کے نعت واقع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن غیر مشتق کا نعت واقع ہونا اس وقت ہوگا جس وقت اس کی وضع معنی کے کسی غرض کے لئے ہو یعنی اس سے غرض دلالت ہو اس معنی پر جو متبوع میں ہو اور یہ عموم جملہ استعمالات میں مقصود ہو جیسے تمیمی اور ذی مال کے الفاظ ہیں کہ تمیمی کا لفظ ہمیشہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس کی قبیلہ تمیم کی طرف نسبت ہو اور ذی مال اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو صاحب مال ہو اور یہ معلوم ہے کہ دلالت عام ہے اور اگر یہ دلالت عام نہ ہو بلکہ بعضے استعمالات میں ہو اس طرح کہ بعضے مواضع میں اس معنی کے حصول پر دلالت مقصود ہو جو کسی ذات عامہ میں پائے جاتے ہوں تو اس وقت اس غیر مشتق کا نعت واقع ہونا جائز ہے اور بعضے استعمالات میں چونکہ اس عموم کے معنی پر دلالت مقصود نہیں ہوتی اس لئے اس وقت اس غیر مشتق کا نعت واقع ہونا صحیح اور درست نہیں ہوگا جیسے مررت برجل أيّ رجل، أيّ رجل کی مثال میں أيّ رجل کا لفظ رجل کے کمال رجولیت پر دلالت کرتا ہے اس اعتبار کی بنا پر اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہے اور أيّ رجل عندک کی مثال میں چونکہ یہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا اس لئے یہاں اس کا نعت واقع ہونا درست نہیں ہے اور اسی طرح مررت بهذا الرجل کی مثال میں هذا کا لفظ ذات مبہمہ پر دلالت کرتا ہے اور رجل کا لفظ ذات معینہ پر دلالت کرتا ہے اور ذات معینہ کی خصوصیت بمنزلہ اس معنی کے ہے جو ذات مبہمہ میں حاصل ہوں اس لئے رجل کا هذا کے لفظ کے لئے نعت اور صفت واقع ہونا صحیح اور درست ہے اور بعضے دوسرے مواضع میں چونکہ ان معنوں پر یہ دلالت مقصود نہیں ہوتی ہے اس لئے ایسے مواضع میں رجل کا صفت واقع ہونا درست نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے بعضے نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ یہ رجل هذا اسم اشارہ سے بدل ہے۔ اور بعضے اس طرف گئے ہیں کہ یہ عطف بیان ہے اور اسی طرح مررت بزید هذا کی مثال میں زید مشار الیہ ہے اور هذا کا لفظ اس موضع میں اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید کی ذات میں حاصل ہوں پس یہ اس کی صفت واقع ہوگی اور دوسرے مواضع میں ان معانی پر دلالت نہیں کرتا اس لئے وہاں اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں ہوگا۔

وتوصف النكرة لا المعرفة **بالجملة الخبرية** التي هي في حكم النكرة لأن الدلالة على معنىً في متبوعه كما توجد في المفرد كذلك توجد في الجملة الخبرية، وإنما قيد الجملة الخبرية لأن الإنشائية لا تقع صفة إلا بتأويل بعيد كما إذا قلت: جاء ني رجل اضربه أي مقول في حقه اضربه أي مستحق لأن يؤمر بضربه **ويلزم** فيها **الضمير** الراجع إلى تلك النكرة للربط نحو: جاء ني رجل أبوه قائم وإذا لم يكن فيها الضمير الرابط تكون أجنبية بالنسبة إلى الموصوف فلا يصح أن تقع صفة له مثل: جاء ني رجل زيد عالم، **ويوصف بحال الموصوف** أي بحال قائمة به نحو: مررت برجل حسن إذا الحسن حال الرجل وصفته **وبحال متعلقه** أي متعلق الموصوف يعني بصفة اعتبارية تحصل له بسبب متعلقه **نحو: مررت برجل حسن غلامه** إذ كون الرجل حسن الغلام معنًى فيه وإن كان اعتبارياً۔

یعنی نکرہ کی صفت صرف وہ جملہ خبریہ واقع ہوتا ہے جو نکرہ کے حکم میں ہو کیونکہ دلالت متبوع کے معنی پر جس طرح مفرد میں پائی جاتی ہے اسی طرح جملہ خبریہ میں بھی پائی جاتی ہے اور مصنف نے جملہ کو خبریت کی قید سے اس لئے مقید کر دیا ہے کہ جملہ انشائیہ بغیر تاویل بعید کے صفت نہیں واقع ہوتا جیسے جاء نی رجل اضربہ میں اضربہ کے جملہ کو جب تک مقول فی حقہ اضربہ سے مؤول نہ کیا جائے یہ رجل کی صفت واقع نہیں ہوسکتی اس تقدیر پر اس ترکیب کے معنی یہ ہیں کہ رجل اس کا مستحق اور قابل ہے جس کے مارنے کا حکم دیا جائے اور جب جملہ خبریہ نکرہ کی صفت واقع ہو تو اس میں بر بنا ربط اور تعلق کے اس نکرہ کی طرف ضمیر راجع ہونا ضروری اور لازمی ہے جیسے جاء نی رجل أبوہ قائم میں أبوہ کی ضمیر بغرض ربط اور تعلق کے رجل نکرہ کی طرف راجع ہے اور اگر اس میں ضمیر رابط نہ ہو تو اس صورت میں یہ جملہ بہ نسبت موصوف کے اجنبیہ مانا جائے گا پس اس کا صفت واقع ہونا رجل کے لئے درست نہیں ہوگا جیسے جاء نی رجل زید عالم کی مثال میں بوجہ نہ ہونے ضمیر کے زید عالم کے جملہ کا رجل کے لئے صفت واقع ہونا درست نہیں ہے اور نکرہ کی صفت اس حال سے بھی کی جاسکتی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہو جیسے مررت برجل حسن کی مثال میں حسن، رجل کی صفت اور اس کا حال قائم ہے اور موصوف کے متعلق کی حال بھی نکرہ موصوف ہوسکتا ہے یعنی نکرہ کی صفت وہ صفت اعتباری بھی واقع ہوسکتی ہے جو بہ سبب متعلق موصوف کے موصوف کی صفت واقع ہو جیسے مررت برجل حسن غلامہ کی مثال میں اگرچہ حسن حقیقت میں غلام کی صفت ہے لیکن اس اعتبار سے کہ غلام کا حسن بعینہ مالک

کا حسن ہوتا ہے اس لئے یہاں یہ حسن، رجل کی صفت واقع ہوئی ہے اگرچہ یہ اعتباری ہے حقیقی نہیں۔

فالأول أی النعت بحال الموصوف **يتبعه** أی الموصوف فی عشرة أمور یوجد منها فی کل ترکیب أربعة: **فی الإعراب** رفعًا ونصبًا وجرًا **والتعريف والتنكير والإفراد والتثنية والجمع والتذكير والتأنيث.**

پس اول قسم نعت یعنی نعت بحال موصوف اپنے منعوت کے ساتھ دس امور میں مطابق ہوگی اور ان دس امور میں ہر ایک ترکیب میں چار چار امور پائے جا سکتے ہیں اور وہ امور عشرہ: رفع، نصب، جر اور تعریف وتنکیر وافراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث ہیں یعنی ان امور عشرہ میں سے ایک کلمہ میں چار چار امور جمع ہو سکتے ہیں۔

إلا إذا کان صفة یستوی فیها المذکر والمؤنث کفعول بمعنی الفاعل نحو: رجل صبور وامرأة صبور، أو فعیل بمعنی مفعول کرجل جریح وامرأة جریح، أو کان صفة مؤنثة تجری علی المذکر کعلامة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ تطابق کا **رجل صبور وامرأة صبور** اور **رجل جریح وامرأة جریح** اور **رجل علامة وامرأة علامة** سے منقوض ہے کیونکہ یہاں صفت بحال موصوف موجود ہے اور باوجود اس کے یہاں نعت اپنے منعوت کے ساتھ تذکیر وتانیث میں مطابق نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ قاعدہ اس صفت میں ہے جس میں مذکر ومؤنث مستوی نہ ہوں اور نہ وہ صفت مؤنث مذکر پر جاری ہو اور امثال مذکورہ فی الشرح میں مذکر ومؤنث مستوی ہیں کیونکہ یہ فعول کے وزن پر ہیں اور فعول جو بمعنی فاعل کے ہو اس میں مذکر ومؤنث مستوی ہوتے ہیں اور اس طرح فعیل کے وزن میں بھی جو بمعنی مفعول کے ہو اس میں مذکر ومؤنث برابر ہوتے ہیں امثال مذکور ہو چکی ہیں اور اسی طرح اگر صفت مؤنث مذکر پر جاری کی گئی ہو تو اس میں بھی مطابقت ضروری نہیں ہے جیسے علامة کا لفظ ہے کہ یہ لفظ صرف مذکر پر جاری کیا جا سکتا ہے مؤنث کی صفت واقع نہیں ہوگا۔

والثانی أی النعت بحال متعلق الموصوف **يتبعه فی الخمسة الأول** وهی الرفع والنصب والجر والتعريف والتنكير ويوجد منها فی کل ترکیب اثنان **وفی البواقی** من تلك

الأمور العشرة وهي أيضًا خمسة الإفراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث **كالفعل** لشبهه به يعني ينظر إلى فاعله فإن كان مفردًا أو مثنى أومجموعًا أفرد كما يفرد الفعل وإن كان مذكراً أو مؤنثًا حقيقيًا بلا فصل طابقه وجوبًا كما يطابق الفعل فاعله في التذكير والتانيث وإن كان فاعله مؤنثًا غير حقيقي أو حقيقيًا مفصولاً يذكر أو يؤنث جوازًا تقول مررت برجل قاعد غلامه مثل يقعد غلامه وبرجلين قاعد غلاماهما مثل يقعد غلاماهما وبرجال قاعدغلامانهم يقعد غلمانهم، ومررت بامرأة قائم أبوها مثل يقوم أبوها وبرجل قائمة جاريته مثل تقوم جاريته وبرجل معمور أو معمورة داره مثل يعمر أو تعمر داره وبرجل قائم أو قائمة في الدارجاريته مثل يقوم أو تقوم في الدار جاريته۔

اور ثانی یعنی نعت بحال متعلق موصوف خمسہ اول میں موصوف کے موافق ہوگی اور وہ خمسہ اول رفع ونصب وجر وتعریف وتنکیر ہیں۔اوران اشیائے خمسہ میں سے ہر ترکیب میں دودو پائے جاتے ہیں اوران امورعشرہ کے باقی میں اور وہ باقی بھی پانچ ہیں افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث ان اشیاء میں نعت بوجہ مشابہت نعت بحال متعلق موصوف کے مثل فعل کے ہوگی یعنی نعت کے فاعل کو دیکھیں گے اگر وہ مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع تو جس طرح ان صورتوں میں فعل مفرد لایا جاتا ہے اسی طرح یہاں نعت بھی مفرد لائی جائیگی اور اگر فاعل نعت مذکر ہو یامؤنث حقیقی بلافصل کے تو اس صورت میں درمیان نعت اور منعوت کے مطابقت ضروری اور واجب ہے یعنی جس طرح فعل مذکر یامؤنث حقیقی بلافصل کے ہوتو اس صورت میں فعل اپنے فاعل کے ساتھ تذکیراور تانیث میں مطابق ہوتا ہے اسی طرح نعت کا فاعل اگر مذکر یامؤنث حقیقی بلافصل کے ہوتو اس صورت میں بھی نعت اپنے منعوت کے ساتھ میں مطابق ہوگی اوراگر نعت کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا حقیقی ہومگر فصل کے ساتھ ہوتو اس صورت میں مذکر لانے اورمؤنث لانے میں اختیار ہے مذکر کردینا اورمؤنث کرنا دونوں جائز ہیں یعنی جس طرح فعل کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا حقیقی مفعول ہوتو اس صورت میں فعل کی تذکیراور تانیث دونوں جائز ہیں اور مثالیں سب صورتوں کی شرح میں مذکور ہیں غور کر کے معلوم کرلیں۔

فإن قلت: إذا نظرت حق النظر وجدت الأول وهو الوصف بحال الموصوف أيضًا في الخمسة البواقي كالفعل؛ لأن فاعله كالضمير المستكن فيه الراجع إلى موصوفه والفعل إذا أسند إلى الضمير يلحقه الألف في التثنية والواو في جمع المذكر العاقل، والنون في جمع

المؤنث، ويؤنث في الواحد المؤنث، ولذلك قلت: مررت برجل ضاربٍ وبرجلين ضاربين وبرجال ضاربين وبامرأة ضاربة وبامرأتين ضاربتين وبنسوة ضاربات كما تقول في الفعل: يضرب ويضربان ويضربون وتضرب وتضربان ويضربن فلم خصصت الثاني بهذا الحكم۔

یہ ایک سوال ہے جو فالأول يتبعه الخ کے قاعدہ پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ جب دقیق اور تعمق کی نظر سے دیکھیں تو قسم اول یعنی وصف بحال موصوف کو بھی خمسہ باقی میں مثل فعل کے پائیں گے کیونکہ اس کا فاعل مثل اس ضمیر مستکن کے ہے جو فعل میں فاعل کی طرف راجع ہو اسی طرح یہاں بھی نعت کا فاعل مثل اس ضمیر مستتر کے ہوگا جو اس میں منعوت اور موصوف کی طرف راجع ہو اور فعل جب ضمیر کی طرف مسند ہو تو اس میں تثنیہ کی حالت میں الف تثنیہ اور جمع مذکر عاقل میں واو جمع اور جمع مؤنث میں نون جمع ملحق ہوتے ہیں اور واحد مؤنث میں مؤنث لایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے مررت برجل ضارب وبرجلين ضاربين وبرجال ضاربين وبامرأة ضاربة وبامرأتين ضاربتين وبنسوة ضاربات پڑھتے ہیں جیسے فعل میں يضرب ويضربان ويضربون وتضرب وتضربان ويضربن پڑھتے ہیں۔ پس قسم ثانی کو اس حکم کے لئے کیونکر خاص کیا؟

قلنا: المقصود الأصلي في هذا المقام بيان نسبة الوصفين الى الموصوف بالتبعية وعدمها، ولما كان الوصف الأول يتبعه في الأمور العشرة وكان لا تخرجه مشابهته للفعل في الخمسة البواقي عن هذه التبعية كماعرفت اكتفى فيه بالحكم عليه بالتبعية بخلاف الوصف الثاني، فإنه لما حكم عليه بالتبعية في الخمسة الأول لم يكتف فيه بالحكم بعدم التبعية، فإنه غير مضبوط بل بيّن ضابطة عدم تبعية له بكونه كالفعل بالنسبة إلى الظاهر بعده لتبيين حاله عندعدم التبعية۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ مقصود اصلی مصنف کا اس مقام میں موصوف سے اوصاف کی متابعت اور عدم متابعت کی نسبت کا بیان کرنا ہے چونکہ صفت اول اپنے موصوف کے ساتھ میں امور عشرہ مذکورہ بالا میں متابع اور موافق تھی اور فعل کی مشابہت اس کو خمسہ باقی میں اس متابعت اور موافقت سے خارج نہیں کرسکتی تھی جیسا کہ مررت برجل ضارب الخ کی امثال میں معلوم کرلیا ہے اس لئے یہاں اس پر متابعت کا حکم لگا کر اکتفا کیا بخلاف صفت ثانی کے کہ یہاں صرف خمسہ اول میں متابعت کا حکم لگایا ہے اس

لئے اس میں عدم متابعت کے حکم پر اکتفانہیں کیا بلکہ **وفی البواقی کالفعل** کا قول اور بڑھایا کیونکہ یہ عدم متابعت کے حکم پر اکتفا یہاں مضبوط نہیں ہے اس لئے مصنف نے عدم متابعت کا قاعدہ اس کے مثل فعل کے ہونے کا بہ نسبت ظاہر کے بیان کیا تاکہ اس کی عدم متابعت کی حالت بھی معلوم ہو سکے۔

ومن ثم أی ومن أجل کون الوصف الثانی فی الخمسة البواقی کالفعل۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ یہاں کلمہ مــن اجلیہ ہے یعنی اس وجہ سے کہ صفت ثانی خمسہ باقی میں مثل فعل کے ہے اس لئے **قام رجل قاعد غلمانہ** کی ترکیب حسن ہے۔

حسن قام رجل قاعد غلمانه کما حسن یقعد غلمانه وحسن أیضًا قاعدة غلمانه لأن الفاعل مؤنث غیر حقیقی کما حسن تقعد غلمانه۔

یعنی جس طرح یقعد غلمانه اور قاعدة غلمانه کی ترکیبیں حسن ہیں اسی طرح قام رجل قاعد غلمانه کی ترکیب بھی حسن ہے کیونکہ یہاں فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے اور مؤنث غیر حقیقی میں تذکیر فعل اور تانیث دونوں جائز ہیں جیسا کہ سابق میں تشریح کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے۔

وضعف قام رجل **قاعدون غلمانه** لأنه بمنزلة یقعدون غلمانه وإلحاق علامتی المثنی والمجموع فی الفعل المسند إلی ظاهرهما ضعیف۔

یعنی **قام رجل قاعدون غلمانه** کی ترکیب اس لئے ضعیف ہے کہ یہ بمنزلہ **یقعدون غلمانه** کے ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس فعل میں جو اسم ظاہر کی طرف مسند ہو علامات تثنیہ اور جمع کا ملحق کر دینا ضعیف ہے کیونکہ یہ إذا أسند الفعل إلی الظاهر وحد الفعل أبدًا کے قاعدہ کلیہ کے مخالف ہو جاتا ہے۔

ویجوز من غیر حسن لا ضعف **قعود غلمانه**، وإن کان قعودُ جمعًا أیضًا کقاعدون؛ لأنك إذا کسرت الاسم المشابه للفعل خرج لفظًا عن موازنة الفعل ومناسبته؛ لأن الفعل لا یکسر، فلم یکن قعودًا غلمانه مثل: یقعدون غلمانه الذی اجتمع فیه فاعلان فی الظاهر۔

یہاں اوپر کے قاعدہ کلیہ پر ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ قعود غلمانه کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ یہ اپنے فاعل کی جمعیت کے ساتھ جمع ہے پس مناسب ہے کہ یہ جائز نہ ہو حالانکہ جائز ہے۔

مصنف کافیہ نے خود ہی اس کا جواب اس طرح دیا کہ یہ مثال بغیر حسن لا ضعف کے جائز ہے اگرچہ فاعل کے ساتھ قعود بھی جمع ہے مثل قاعدون کے۔ اس کا یہ جواز اس بنا پر ہے کہ جب اسم مشابہ فعل کو جمع تکسیر کے ساتھ جمع نہیں ہوتا پس **قعود غلمانه مثل يقعدون غلمانه** کے مثل نہیں ہوا جس میں بظاہر دو فاعل جمع معلوم ہوتے ہیں لہذا یہ ترکیب جائز ثابت ہوئی۔

إلا أن تخرج الواو من الاسمية إلى الحرفية أو يجعل المظهر بدلا من المضمر أو يجعل الفعل خبرًا مقدمًا على المبتدأ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعلون کا جمع ہونا ممنوع ہے پس چاہیے کہ یہ ترکیب ممتنع ہو حالانکہ مصنف نے جواز مع ضعف کا حکم دیا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہ مسلم ہے لیکن اس کا جواز بنا بر احتمال وجہ آخر ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے کہ واؤ کو اسمیت سے حرفیت کی طرف خارج کیا جائے اور اس کو حرف دال علی جمعیة الفاعل ٹھہرایا جائے یا فاعل ضمیر ہو اور اسم ظاہر کو اس سے بدل قرار دیا جائے یا غلمانہ اسم ظاہر ترکیب میں مبتدا مؤخر ہوا اور قعود اس پر خبر مقدم مانی جائے ان وجوہات کے احتمال کی بناء پر یہ ترکیب جائز ٹھہری ہے۔

والمضمر لا يوصف لأن ضمير المتكلم والمخاطب أعرف المعارف وأوضحها فلا حاجة لهما إلى التوضيح۔

یعنی ضمیر موصوف واقع نہیں ہوگی کیونکہ متکلم اور مخاطب کی ضمائر أعرف المعارف اور أوضح المعارف ہیں، پس ان کی توضیح اور تعریف کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے۔

وحمل عليهما ضمير الغائب وعلى الوصف الموضع الوصف المادح والذام وغيرهما طردًا للباب۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اس دلیل سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضمائر وصف موضح کے محتاج نہیں مطلق اوصاف کا عدم احتیاج اس سے معلوم نہیں ہوتا پس چاہیے کہ اوصاف مادحہ اور ذم وغیرہما کے محتاج ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ ضمیر غائب، متکلم اور مخاطب کی ضمائر پر محمول ہے اور اسی طرح وصف مادح اور ذم وغیرھما موضح پر طرداً للباب محمول ہیں لہذا ضمیر مطلق اوصاف کا محتاج نہیں خواہ اوصاف موضح ہوں یا مادحہ اور ذم وغیرھما ہوں۔

ولا یوصف به لأنه لیس فی المضمر معنی الوصفیة وهو الدلالة علی قیام معنی بالذات لأنه یدل علی الذات لا علی قیام معنی بها وکأنه لم یقع فی بعض النسخ قوله: "ولا یوصف به" ولهذا اعتذر الشارح الرضی وقال: "لم یذکر المصنف أنه یوصف بالضمیر لأنه تبین ذالك بقوله:"

یعنی ضمائر کسی شے کی صفات بھی واقع نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ضمائر میں وصفیت کے معنی نہیں ہوتے اور وہ معنی کے قیام پر بالذات دلالت کرنا ہے کیونکہ ضمائر ذات پر دلالت کرتی ہیں معنی کے قیام پر دلالت نہیں کرتی اور گویا ولایوصف به کا قول بعض نسخوں میں واقع نہیں ہے اسی وجہ سے شارح رضی نے عذر کر کے کہا ہے کہ مصنف کافیہ نے لا یوصف بالضمیر کا قول ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ اس حکم کو انہوں نے والموصوف أخص أو مساوٍ کے قول میں بیان کیا ہے۔

والموصوف أخص أومساو أی الموصوف المعرفة أاشد اختصاصًا بالتعریف والمعلومیة من الصفة یعنی أعرف منها لأنه المقصود الأصلی فیجب أن یکون أکمل من الصفة فی التعریف أو مساویًا لها، لأنه لو لم یکن أکمل منها فلا أقل من أن لا یکون أدون منها والمنقول عن سیبویه وعلیه جمهور النحاة أن أعرفها المضمرات ثم الأعلام ثم أسماء الإشارة ثم المعرف باللام والموصولات فبینهما مساواةٌ۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بنابریں قاعدہ مذکورہٗ بالا حیوان ناطق کی مثال میں حیوان کی توصیف ناطق سے جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہاں موصوف نہ اخص ہے اور نہ مساوی بلکہ اعم ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں خصوص اور مساوات سے مراد خصوص اور مساوات تعریف اور معلومیت میں ہے ما صدق علیه میں مقصود نہیں اور مثال مذکور میں مساوات ما صدق علیه میں ہے یعنی موصوف معرفہ میں

خصوصیت تعریف اور معلومیت کی صفت سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ موصوف معرفہ صفت سے اعرف ہوتا ہے کیونکہ یہی مقصود اصلی ہوتا ہے پس واجب ہے کہ موصوف صفت سے تعریف میں اکمل ہو یا اس کا مساوی ہو کیونکہ اگر موصوف صفت سے اکمل نہ ہو تو کم از کم اس سے کم بھی نہ ہو بلکہ مساوی ہو اور سیبویہ سے منقول ہے کہ **اعرف المعارف** مضمرات ہیں پھر اعلام پھر اسمائے اشارات پھر معرفہ باللام اور موصولات کا درجہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ درمیان معرفہ بـالـلام اور موصولات کے مساوات ہے اور یہی جمہور نحاۃ کا بھی مذہب ہے۔

ومن ثم أى ومن أجل أن الموصوف أخص أو مساوٍ **لم يوصف ذو اللام إلا بمثله** أى ذى اللام الآخر أو الموصول فإنه أيضًا مماثل لذى اللام لما عرفت بينهما فى المساوات من التعريف نحو: جاء نى الرجل الفاضل أو الرجل الذى كان عندك أمس **أو بالمضاف إلى مثله** اى مثل المعرف باللام بلا واسطة نحو: جاء نى الرجل صاحب الفرس أو بواسطة نحو: جاء نى الرجل صاحب لجام الفرس لأن تعريف المضاف مساوٍ لتعريف المضاف إليه أو أنقص منه، على الخلاف الواقع بين سيبويه وغيره بخلاف سائر المعارف، فإنها أخص من ذى اللام، فلو وقع أخص نعتاً بغير أخص فهو مجمول على البدل عند صاحب هذا المذهب۔

یعنی اس وجہ سے کہ موصوف میں یہ شرط ہے کہ اخص ہو یا مساوی ذوالـلام کی صفت ذوالـلام ہی واقع ہوگی یعنی معرفہ بـالـلام کی صفت معرفہ بـالـلام ہی ہوگی یا موصول کیونکہ موصول بھی معرفہ بـالـلام کا تعریف میں مماثل ہے جیسے **جاء نی الرجل الفاضل** اور **الرجل الذی کان عندک أمس** کی مثالوں میں ہے یا معرفہ باللام کی صفت وہ مضاف ہوگا جو معرفہ باللام کی طرف مضاف ہو بلا واسطہ جس کی مثال **جاء نی الرجل صاحب الفرس** ہے یا بواسطہ جس کی مثال **جاء نی الرجل صاحب لجام الفرس** ہے کیونکہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے مساوی ہوتی ہے یا اس سے انقص بنابراس اختلاف کے جو درمیان سیبویہ اور اس کے غیر کے واقع ہے بخلاف باقی معارف کے کہ وہ معرفہ باللام سے اخص ہوتے ہیں پس اگر اخص غیر اخص کی صفت واقع ہو تو وہ اس مذہب والے کے نزدیک بدل پر محمول ہوگا نعت اخص۔ مصنف کافیہ کے نزدیک بدل پر محمول ہوگی۔

یہاں اس قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا پر ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے یہ قاعدہ باندھا ہے

کہ موصوف میں شرط یہ ہے کہ اخص ہو یا مساوی پس بنا بریں مناسب ہے کہ اسم اشارہ کی توصیف اسم اشارہ سے جائز ہو کیونکہ یہاں مساوات ہے اور باوجود اس کے نحاۃ نے باب ہذا کی توصیف معرفہ باللام سے لازم ٹھہرائی ہے آگے چل کر مصنفؒ خود اس کا جواب دیتے ہیں۔

وإنما التزم وصف باب هذا أى باب اسم الإشارة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ باب هذا سے مراد باب اسم اشارہ ہے۔

بذی اللام مثل مررت بهذا الرجل مع أن القياس يقتضى جواز وصفه بذى اللام والموصول والمضاف إلى احدهما **للإبهام** الواقع فى هذا الباب بحسب أصل الوضع المقتضى لبيان الجنس، فإذا أريد رفعه لا يتصور بمثله لإبهامه ولا يليق بالمضاف المكتسب التعريف عن المضاف إليه لأنه كالاستعارة من المستعير والسوال عن المحتاج الفقير فتعين ذو اللام لتعينه فى نفسه وحمل الموصول عليه لأنه مع صلته مثل ذى اللام مثل: مررت بهذا الذى كرم أى الكريم۔

یہ اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ باب هذا کی توصیف معرفہ باللام سے نحاۃ نے اس لئے لازمی ٹھہرائی ہے کہ اس باب میں بحسب اصل وضع ابہام واقع ہے جس کا مقتضی جنس ہے پس اگر اس ابہام کا رفع کرنا مقصود ہو تو بوجہ ابہام هذا اسم اشارہ کے هذا اسم اشارہ آخر سے اس کا رفع کرنا متصور نہیں ہوگا کیونکہ اس ابہام کی رفع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:۔اول مضاف سے، ثانی اسم اشارہ سے، ثالث ذی اللام سے۔

بنابر اول استعارہ مستعیر سے اور سوال محتاج فقیر سے لازم آجائے گا کیونکہ مضاف خود مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا ہے اور بنابر ثانی غیر کے ابہام متصور نہیں کیونکہ اسم اشارہ فی نفسہ مبہم ہے پس وہ رفع ابہام غیر کیونکہ کرسکے گا پس بوجہ ضرورت اور مجبوری کے صرف معرف باللام ہی اس رفع ابہام کے لئے متعین ٹھہرا کیونکہ یہ فی نفسہ متعین ہوتا ہے اور موصول اس پر محمول ہے کیونکہ یہ اپنے صلہ سے ملکر تعین میں مثل معرفہ باللام کے ہے جیسے مررت بهذا الذى كرم الذى أى الكريم ......میں ہے یعنی مررت بهذا الرجل کی ترکیب میں قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی توصیف کا جواز معرفہ باللام یا موصول یا مضاف إلى أحدهما سے ہو لیکن بوجہ ابہام کے اس کی توصیف کے لئے معرفہ باللام ہی متعین ہے اور موصول اس پر محمول ہے۔

ومن ثم أی ومن أجل أن التزام وصف باب هذا بذی اللام لرفع الإبهام ببیان الجنس **ضعف مررت بهذا الأبیض** لأنه لا یتبین به جنس المبهم، لأن الأبیض عام، لا یختص بجنس دون جنس، **وحسن مررت بهذا العالم**؛ لأنه یتبین به أن المشار إلیه إنسان، بل رجل۔

یعنی اس وجہ سے کہ باب ھذا کی توصیف کا التزام ذی اللام سے بنا بر رفع ابہام بیان جنس سے ہے اس لئے مررت بھذا الأبیض کی ترکیب ضعیف ہے کیونکہ اس سے جنس مبہم کا بیان نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ أبیض عام ہے، اس کے کسی خاص جنس سے خصوصیت نہیں ہے بخلاف مررت بھذا العالم کی ترکیب کے کہ یہ حسن ہے کیونکہ اس سے مشار الیہ کا بیان ہوتا ہے کہ وہ انسان بلکہ رجل ہے یعنی عالم کی توصیف سے یہ معلوم ہوا کہ ھذا کا مشار الیہ انسان ہے کیونکہ یہ انسان کے سوا کسی اور حیوان کی صفت نہیں ہے پس بوجہ بیان جنس مشار الیہ کے یہ ترکیب حسن ٹھہری۔

العطف یعنی المعطوف بالحرف۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ العطف کا لفظ ترکیب میں مبتدا اور تابع کا لفظ اس کی خبر واقع ہوئی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے اور یہاں یہ حمل درست نہیں کیونکہ اس سے ذات کا حمل صرف وصف پر لازم آتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں عطف مصدر سے معطوف بالحرف مراد ہے لہذا اب اس تقدیر پر حمل درست ثابت ہوا۔

تابع مقصود أی قصد نسبته إلی شيء أو نسبته شيء إلیه **بالنسبة** الواقعة فی الکلام۔

یعنی معطوف بالحرف وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبت ہو، یعنی اس کی نسبت کسی شے کی طرف مقصود ہو، یا اس کی طرف کسی شے آخر کی نسبت مطلوب ہو، لیکن یہ مقصود بالنسبت اس نسبت سے ہو جو کلام میں واقع ہو۔

فقوله: بالنسبة متعلق بالقصد المفهوم من المقصود۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ النسبة کے قول کا تعلق بظاہر

مقصود کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ اس سے متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں معطوف بنفسہ مقصود ہوجائے گا حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ مقصود بالنسبت معطوف کی نسبت ہوتی ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بالنسبة کا قول قصد سے متعلق ہے جو مقصود کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

مع متبوعه أي كما يكون هو مقصودًا بتلك النسبة يكون متبوعه أيضًا مقصودًا بها نحو: جاء ني زيد وعمرو، فعمرو تابع لأنه معطوف على زيد قصد نسبة المجئ إليه بنسبة المجيء الواقعة في الكلام، وكما أن نسبة المجئ إليه مقصودة كذلك نسبته إلى زيد الذي هومتبوعه أيضًا مقصودة، فقوله: مقصود بالنسبة احتراز عن غير البدل من التوابع لأنها غير مقصودة، بل المقصود متبوعاتها، وقوله: مع متبوعه احتراز عن البدل لأنه المقصود دون متبوعه۔

یعنی جس طرح معطوف مقصود بالنسبت ہوتا ہے اسی طرح اس کا متبوع مع معطوف علیہ بھی مقصود بالنسبت ہوگا جیسے **جاء نی زید وعمرو** کی مثال میں عمرو تابع ہے کیونکہ وہ زید پر معطوف ہے اور اس کی طرف بھی مجیئت کی نسبت کلامی مقصود ہے اور جس طرح عمرو کی طرف مجیئت کی نسبت مقصود ہے اسی طرح زید کی طرف بھی مقصود ہے جو اس کا متبوع ہے پس مقصود بالنسبة کے قول میں بدل کے علاوہ جملہ توابع سے احتراز کیا کیونکہ وہ مقصود بالنسبت نہیں ہوتے بلکہ مقصود بالنسبت متبوعات ہوتے ہیں اور مع متبوعہ کے قول میں بدل سے احتراز کیا کیونکہ یہ مقصود بالنسبت ہوتا ہے اس کا متبوع مقصود بالنسبت نہیں ہوتا۔

قيل: يخرج بقوله مع متبوعه المعطوف بلا وبل ولكن وأم وأما وأو لأن المقصود بالنسبة معها أحد الأمرين من التابع والمتبوع لا كلاهما۔

یہ ایک سوال ہے جو معطوف بالحرف کی تعریف پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے معطوف بہ بلا وبل ولكن وأو وأما وأم خارج ہوا کیونکہ یہاں ان حروف مذکورہ کے ساتھ مقصود بالنسبة، أحد الأمرين ہوتا ہے یعنی تابع یا متبوع دونوں مقصود بالنسبت نہیں ہوتے ہیں۔

أجيب بأن المراد بكون المتبوع مقصودًا بالنسبة أن لا يذكر لتوطية ذكر التابع، وبكون التابع مقصودًا بالنسبة أن لا يكون كالفرع على المتبوع من غير استقلال به، ولا شك أن

المعطوف والمعطوف علیه بتلك الحروف الستة مقصودان بالنسبة معًا بهذا المعنی۔

یہ اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تابع کے ذکر کے لئے توطیہ اور وسیلہ نہ ہو اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے متبوع پر متفرع نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معنی کی بنا پر حروف ستہ مذکورہ کے معطوف اور معطوف علیہ دونوں مقصود بالنسبت ہیں لہذا اب تعریف جامع ثابت ہوئی۔

ولمّا تم الحد بماذكره جمعًا ومنعًا أردفه لزيادة التوضيح بقوله:

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معطوف کی تعریف عبارت سابق سے حاصل ہو چکی ہے، پس ویتوسط کا قول بے کار اور بے ضرورت ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اگر چہ معطوف کی تعریف عبارت سابق سے جامعیت اور مانعیت کے اعتبار سے تمام ہوگئی لیکن اس کے بعد ویتوسط کے قول کو صرف زیادت وضاحت کے لئے بڑھا کر ذکر کیا ہے لہذا اس کا ذکر بے کار نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے۔

یتوسط بینه أی بین ذالك التابع۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ بینه کی ضمیر مجرور تابع مذکور کی طرف راجع ہے۔

وبین متبوعه أحد الحروف العشرة وسیأتی تفصیلها فی قسم الحروف إن شاء الله تعالیٰ۔

یعنی درمیان تابع اور اس کے متبوع کے دس حروف عاطفہ میں سے ایک حرف کا آنا ضروری ہے اور قسم حروف میں انشاء اللہ ان حروف مذکورہ کی تفصیل اور تشریح آئے گی۔

مثل: قام زید وعمرو ولم یكتف بقوله تابع یتوسط بینه وبین متبوعه أحد الحروف العشرة؛ لأن الحروف قد تتوسط بین الصفات مثل: جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر فالصفة الداخل علیها حرف العطف كالشاعر والدبیر لها: جهتان أحدهما كونها صفة لزید تابعة له بتبعیة المعطوف علیه وأخرهما كونها معطوفًا علی الصفة المتقدمة تابعة لها۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ تعریف سے مقصود جامعیت اور

مانعیت ہوتی ہے اور یہ العطف تابع الخ کے قول سے حاصل ہوگئی ہے پس تابع مقصود بالنسبة کے قول کی کیا حاجت اور ضرورت ہے؟ اور تابع یتوسط بینه وبین متبوعه أحد الحروف العشرة کے قول پر اکتفا کیونکر نہیں کیا؟

شارحؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ "تابع یتوسط بینه وبین متبوعه أحد الحروف العشرة" کے قول پر اکتفا اس لئے نہیں کیا کہ اگر اس پر اکتفا کرتے تو تابع کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوتی کیونکہ اس میں صفات داخل ہوتے اس لئے کہ حروف عاطفہ درمیان صفات کے بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسے جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر کی مثال میں ہے کہ اس میں صفات شاعر اور دبیر کے الفاظ ہیں جن کے درمیان واؤ حرف عاطف داخل ہوا ہے مگر یہاں شاعر اور دبیر کے دو اعتبار ہیں ایک یہ کہ زید کی صفت مانی جائے اور باعتبار معطوف علیہ یعنی صفت اول کے اس کا تابع ٹھہرا جائے۔ دوسرا اعتبار یہ کہ اس کو صفت اول پر معطوف کر کے صفت اول کا تابع مانا جائے یہاں اعتبار اول کی بنا پر تابع کہہ دیا ہے۔

ويصدق على هذه الصفة من جهتها الأولىٰ أنها تابعة، لأنها صفة لزيد يتوسط بينها وبين زيد حرف العطف، لأن توسط حرف العطف بين شيئين لا يلزم أن يكون لعطف الثانى على الأول، فلو لم يكن قوله مقصوداً بالنسبة مع متبوعه لدخل هذه الصفة من جهتها الأولى فى حد المعطوف وهى من هذه الجهة ليست معطوفة فلم يبق مانعًا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حرف عاطفہ درمیان صفت اور موصوف کے داخل نہیں ہوتا جبکہ درمیان صفات کے داخل ہوتا ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اعتبار اول کی بنا پر تابع کی تعریف صفات کی تابعیت پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ اس اعتبار کی بنا پر شاعر اور دبیر کے الفاظ زید کے صفات ہیں، کیونکہ درمیان ان الفاظ اور زید کے حرف عاطف واؤ داخل ہوا ہے اور حرف عطف کے توسط درمیان شیئین سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ عطف ثانی اول ہی پر ہو، پس اگر مقصوداً بالنسبة مع متبوعه کا قول نہ ہو تو اعتبار اول کی بنا پر معطوف کی تعریف میں یہ صفات داخل ہو جائیں اور حالانکہ یہ اس اعتبار مذکور کی بنا پر معطوف نہیں، پس تعریف مانع نہ رہی لہٰذا مقصودًا بالنسبة کے قول کا بڑھانا ضروری ہوا۔

وقيل: قد جوز الزمخشرى وقوع الواو بين الموصوف والصفة لتاكيد اللصوق فى

مواضع عديدةٍ من الكشاف، وحكم المصنف في شرح المفصل في مباحث الاستثناء أن قوله تعالىٰ: ﴿ولها منذرون﴾ في قوله: ﴿وما أهلكنا من قرية إلا ولها منذرون﴾ صفة لقرية فلو اكتفىٰ بقوله: تابع يتوسط لدخل فيه مثل هذه الصفة ونقل عن المصنف أنه قال في أمالي الكافية: إن العاقل في مثل جاء ني زيد العالم والعاقل تابع يتوسط بينه وبين متبوعه أحد الحروف العشرة، وليس بعطف على التحقيق، وإنما هو باقٍ على ما كان عليه في الوصفية، وإنما حسن دخول العاطف لنوع من الشبه بالمعطوف لما بينهما من التغاير فلو حد العطف كذلك لدخل فيه بعض الصفات مع أنه ليس بمعطوف۔

اس میں اوپر والے سوال کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ علامہ زمخشریؒ نے تفسیر کشاف کے متعدد مقامات میں ذکر کیا ہے کہ واؤ کا وقوع درمیان موصوف اور صفت کے لصوق اور اتصال کے لئے جائز ہے اور مصنف کافیہ نے بھی شرح مفصل میں استثناء کے مباحث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ﴿وما أهلكنا من قرية إلخ﴾ کے قول میں ﴿ولهامنذرون﴾ کا قول قریة کی صفت ہے اگر مصنف معطوف کی تعریف میں تابع يتوسط کے قول پر اکتفا کرتے تو اس تعریف میں اس قسم کی صفت داخل ہوتی اور مصنف کافیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کافیہ کی شرح امالی میں لکھا ہے کہ جاء نی زيد العالم والعاقل کی مثال میں عاقل کا لفظ تابع ہے اور اس کے اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف کا توسط آیا ہے لیکن یہ حقیقت میں معطوف نہیں بلکہ یہ اپنی اس اصلی حالت وصف پر باقی ہے جس پر پیشتر تھا اور یہاں دخول حرف عاطف صرف اس لئے حسن ہے کہ صفت کی معطوف کے ساتھ ایک نوع مشابہت ہے اور وہ تغائر ہے یعنی جس طرح معطوف معطوف علیہ سے مغایر ہوتا ہے اسی طرح صفت اپنے موصوف سے مغایر ہوتی ہے پس اگر معطوف کی تعریف اسی طرح کی جائے تو اس میں بعض صفات داخل ہو جائیں گی، حالانکہ یہ معطوف نہیں ہوتی ہیں۔

وقال بعضهم: فيه نظر لأن الحروف المتوسطة بينها عاطفة لدلالتها فيها على ما تدل عليه في غيرها من الجمع والترتيب وغير ذلك ففي جعلها غير عاطفة في الصفات وعاطفة في غيرها ارتكاب أمر بعيد من غير ضرورة داعية إليه۔

اس میں شارحؒ ایک سوال پر تنبیہ کرتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ حروف متوسطہ عاطفہ درمیان صفت اور

موصوف کے عطف کے معنی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ جمع اور ترتیب وغیرہ ہے پس ان کو صفت اور موصوف کے علاوہ عاطفہ ٹھہرانا اور صفت اور موصوف میں غیر عاطفہ ٹھہرانا بلا ضرورت داعیہ کے ایک امر بعید کا اختیار کرنا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ درمیان معطوف اور معطوف علیہ کے مغائرت بالذات ہوتی ہے اور درمیان صفت اور موصوف کے اتحاد بالذات ہوتا ہے پس کس طرح ایک عین آخر ہو سکتا ہے؟ اس لئے صفت کے علاوہ میں عاطفہ ٹھہرانا اور صفات میں غیر عاطفہ ٹھہرانا ضروری اور لازمی ہوا۔

وإذا عطف على الضمير المرفوع لا المنصوب والمجرور **المتصل** بارزاً كان أو مستتراً لا المنفصل **أكد بمنفصل** أولاً ثم عطف عليه، وذلك لأن المتصل المرفوع كالجزء مما اتصل به لفظًا من حيث أنه متصل لا يجوز انفصاله، ومعنًى من حيث إنه فاعل والفاعل كالجزء من الفعل فلوعطف عليه بلا تاكيد كان كما لو عطف على بعض حروف الكلمة فأكد أولاً بمنفصل لأنه بذلك يظهر أن ذلك المتصل وإن كان كالجزء منفصل من حيث الحقيقة بدليل جواز إفراده مما اتصل به بتاكيده فيحصل له نوع استقلال۔

یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف مقصود ہو خواہ وہ ضمیر مرفوع متصل بارز ہو خواہ مستتر تو اول اس کی ضمیر منفصل سے تاکید کرتے ہیں بعدہ اس پر عطف کرتے ہیں بخلاف ضمیر منصوب مجرور اور منفصل کے کہ یہاں تاکید کی ضرورت نہیں ہے اور ضمیر منفصل سے تاکید اس لئے ضروری اور لازمی ہے کہ ضمیر مرفوع متصل فعل سے باعتبار لفظ کے بمنزلۂ جز کے ہے پس اس حیثیت سے کہ وہ متصل ہے اس کا انفصال جائز نہیں اور باعتبار معنی کے بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ فعل کا فاعل ہے اور فاعل فعل سے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے پس اگر اس پر بغیر تاکید منفصل کے عطف کیا جائے تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ کلمہ کے بعضے حروف پر عطف کیا جائے اور یہ درست نہیں۔ پس بدرجہ مجبوری پہلے ضمیر منفصل سے تاکید کی جائے گی اس کے بعد عطف کیا جائیگا کیونکہ اس تاکید سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہ ضمیر متصل اگرچہ فعل سے بمنزلۂ جز کے ہے لیکن حقیقت میں یہ فعل سے منفصل ہے کیونکہ اس کا فعل سے جدا ذکر کرنا بھی جائز ہے پس اس کو ایک قسم کا استقلال حاصل ہے اس استقلال کی بنا پر اس میں یہ تاکیدی صورت مذکورہ ضروری ہوئی۔

ولا يجوز أن يكون العطف على هذا التأكيد لأن المعطوف فى حكم المعطوف عليه فكان يلزم أن يكون هذا المعطوف أيضًا تأكيدًا وهو باطل فإن كان الضمير منفصلاً نحو ما

ضرب إلا أنت وزيد لم يكن كالجزء لفظًا وكذا إن كان متصلاً منصوبًا نحو ضربتك وزيدًا لم يكن كالجزء معنًى فلا حاجة فيهما إلى التاكيد بمنفصل۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ضمیر متصل سے تاکید کی جائے تو اس تقدیر پر یہ عطف دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا مؤکد پر ہوگا یا مؤکد پر نہ ہوگا۔ بنابر اول محذور مذکور لازم ہو جائے گا اور بنابر ثانی یہ تاکید ہوگی عطف نہیں ہوگا۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ عطف مؤکد پر ہے اور اس عطف کا تاکید ہونا اس لئے جائز نہیں کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہ معطوف بھی تاکید ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

پس اگر ضمیر منفصل ہو جیسے ماضرب إلا أنت وزيد کی مثال میں ہے تو اس صورت میں وہ ضمیر باعتبار لفظ کے فعل سے بمنزلۂ جز کے نہیں ہوگی اور اسی طرح اگر وہ ضمیر متصل منصوب ہو جیسے ضربتك وزيدًا کی مثال میں ہے تو اس صورت میں وہ ضمیر باعتبار معنی کے كالجزء نہیں ہوگی پس بنابر اس ضرورت کے یہاں ضمیر منفصل سے تاکید کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

مثل: ضربت أنا وزيد وزيد ضرب هو وغلامه۔

یعنی ان مثال میں ضربت کی ضمیر متصل کی تاکید انا ضمیر منفصل اور ضرب کی هو ضمیر مرفوع کی تاکید هو ضمیر منفصل سے کی ہے جب یہ عطف صحیح ہوا ہے۔

إلا أن يقع فصل بين الضمير المرفوع المتصل وبين ما عطف عليه **فيجوز تركه** أى ترك التاكيد لأنه قد طال الكلام بوجود الفصل فحسن الاختصار بترك التاكيد سواء كان الفصل قبل حرف العطف نحو: ضربت اليوم وزيد أو بعده كقوله تعالىٰ: ﴿**ما أشركنا ولا آباؤنا**﴾، فان المعطوف هو أباؤنا ولا زائدة بعد حرف العطف لتاكيد النفى وإنما قال يجوز تركه فإنه قد يؤكد بالمنفصل مع الفصل كقوله تعالىٰ: ﴿ **فكبكبوا فيها هم والغاؤن**﴾ وقد لا يوكد والأمران متساويان هذا۔

واعلم أن مذهب البصريين أن التاكيد بالمنفصل هو الأولىٰ ويجوزون العطف بلا تاكيد ولا فصل لكن على قبح، والكوفيون يجوزونه بلا قبح۔

البتہ اگر درمیان ضمیر مرفوع متصل کے اور اس کے جو اس پر معطوف ہو فصل واقع ہو تو اس صورت میں تاکید کا چھوڑ دینا بھی جائز ہے کیونکہ فصل کے وجود کی بناء پر کلام میں طوالت ہوتی ہے پس تاکید کو چھوڑ کر اختصار کرنا حسن اور اچھا ہے برابر ہے کہ فعل، حرف عطف کے قبل ہو جیسے ضربت الیوم وزید کی مثال میں ہے یا بعد ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور ﴿ما أشركنا ولا آباء نا﴾ میں ہے اس میں معطوف صرف أباؤنا کا قول ہے اور لا بعد حروف عطف کے صرف نفی کی تاکید کے لئے بڑھایا ہے اور یجوز ترکہ اس لئے کہا کہ کبھی باوجود فصل کے بھی ضمیر منفصل سے تاکید کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ﴿فکبکبوا فیھا ھم الغاؤن﴾ کے قول میں ہے اور کبھی نہیں کی جاتی ہے اور یہ دونوں امر مستوی ہیں۔

اس کو یاد کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ علمائے بصرہ ضمیر متصل کی تاکید کو منفصل سے اولیٰ قرار دیتے ہیں اور عطف کو بلا تاکید اور فصل کے جائز ٹھہراتے ہیں لیکن یہ جواز ان کے نزدیک قبح کی بنا پر ہے۔ اور علمائے کوفہ اس عطف کو بلا قبح جائز مانتے ہیں۔

وإذا عطف على الضمير المجرور أعيد الخافض حرفًا كان أو اسما لأن اتصال الضمير المجرور بجاره أشد من اتصال الفاعل المتصل بالفعل لأن الفاعل إن لم يكن ضميرًا متصلاً جاز انفصاله والمجرور لا ينفصل من جاره فكره العطف عليه إذ يكون كالعطف على بعض حروف الكلمة۔

اس میں شارح خافض کا عموم بتا کر ضمیر مجرور کے اتصال کی علت اور وجہ بتاتے ہیں کہ جب ضمیر مجرور پر عطف مقصود ہو تو خافض کا اعادہ ضروری اور لازمی ہے اور خافض عام ہے خواہ حرف ہو خواہ اسم اور خافض کا اعادہ اس لئے ضروری ہے کہ ضمیر مجرور کا اتصال اپنے جار سے فاعل کے اتصال سے جو اپنے فعل سے متصل ہو بڑھا ہوا ہے کیونکہ فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو تو اس صورت میں اس کا انفصال فعل سے جائز ہے بخلاف ضمیر مجرور کے کہ وہ اپنے جار سے کسی حالت میں بھی جدا نہیں ہوتا بنا بریں اس پر عطف مکروہ ہے کیونکہ یہ عطف ایسا ہوگا جیسا کہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف ہو اور یہ باطل ہے، لہٰذا خافض کا اعادہ ضروری ثابت ہوا۔

وليس للمجرور ضمير منفصل كما يجيء في المضمرات حتى يؤكد به أولاً ثم يعطف عليه كما عمل في المرفوع المتصل ۔

اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مناسب ہے کہ پہلے ضمیر منفصل سے تاکید کی جائے اس کے بعد عطف کیا جائے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ ضمیر مجرور کے لئے کوئی ضمیر منفصل نہیں جیسا کہ عنقریب بحث مضمرات میں اس کی تحقیق آئے گی، تاکہ اس سے پہلے تاکید کی جائے اور پھر اس پر عطف کیا جائے جیسا کہ ضمیر مرفوع متصل میں ہوا ہے۔

وفی استعارة المرفوع له مذلة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضمیر مجرور کے لئے ضمیر مرفوع کا استعارہ کیا جائے اور اس کے بعد اس پر عطف کیا جائے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مرفوع کے استعارہ میں مرفوع کی مذلت ہے کیونکہ اس سے استعارہ اعلیٰ کا ادنیٰ کے لئے لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

ولا يكتفى بالفصل لأن الفصل لا تأثير له إلا فى جواز ترك التأكيد بالمنفصل للاختصار فحيث لا يمكن التاكيد بالمنفصل لعدمه لا يتصور له أثر فكيف يكتفى به فلم يبق إلا إعادة العامل الأول۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا جس کی تشریح یہ ہے مناسب ہے کہ فصل پر اکتفا کر کے عطف کیا جائے۔

اس کا جواب دیا کہ فصل پر اکتفا اس لئے نہیں کیا کہ فصل بنا بر اختصار تاکید کے ترک کے جواز میں مؤثر ہے اور ضمیر مجرور کی ضمیر منفصل نہیں جس سے اس کی تاکید کی جائے پس جب یہاں منفصل سے تاکید ممکن نہیں ہوئی تو فصل بھی ممکن نہیں ہوئی پس جب منفصل کا یہاں کوئی اثر متصور نہیں تو اس صورت میں فصل پر کیونکر اکتفا کیا جا سکتا ہے لہذا بدرجہ مجبوری یہاں عامل اول کا اعادہ ضروری اور لازمی ہوا۔

نحو: مررت بك وبزيد والمال بيني وبين زيد۔

یہ اس ضمیر مجرور کی مثالیں ہیں جس پر عطف اعادہ خافض کے ہوا ہو۔

فالمعطوف هو المجرور والعامل مكرر وجره بالأول والثانى كالعدم معنى بدليل قولهم

بيني وبينك إذ بين لا يضاف إلا إلى المتعدد۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب معطوف میں خافض کا اعادہ ضروری ہوا تو اس تقدیر پر عطف مرکب کا مفرد پر لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معطوف صرف مجرور ہی ہے اور اعادہ خافض بغرض تکریر عامل ہے اور تکریر عامل کی صورت میں توارد عاملین علی محمول واحد لازم نہیں آتا کیونکہ معطوف کا جر عامل اول سے ہے اور ثانی معنی میں کالعدم ہے بدلیل بيني وبينك کے قول کے کیونکہ بين کا لفظ صرف متعدد ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہاں متعدد کی طرف مضاف نہیں ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا بين کالعدم ہے۔

وقيل: جره بالثاني كما في الحرف الزائد في كفى بالله۔

یہ اوپر والے سوال کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ معطوف کا جر عامل ثانی سے ہو جیسے كفى بالله کی مثال کا باء حروف زائد میں سے ہے۔

وهذا الذي ذكرناه أعني لزوم إعادة الجار في حال السعة والاختيار مذهب البصريين، ويجوز عندهم تركها اضطراراً، وأجاز الكوفيون ترك الإعادة في حال السعة مستدلين بالأشعار۔

یعنی یہ جو کچھ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یعنی جار کے اعادہ کا لزوم یہ صرف سعت کلام میں ہے اور بصریین کا مذہب مختار ہے اور ان کے نزدیک حالت اضطراری میں ترک اعادہ جار جائز ہے اور علمائے کوفہ نے حالت سعت کلام میں بھی ترک اعادہ جار کو جائز قرار دیا ہے اور ان کی دلیل اس میں وہ اشعار ہیں جو اس بحث کے مطابق آئے ہیں۔

فإن قيل: كيف جاز تأكيد المرفوع المتصل في نحو جاء وني كلهم والإبدال منه نحو: أعجبتني جمالك من غير شرط تقدم التأكيد بالمنفصل وجاز أيضًا تأكيد الضمير المجرور في نحو: مررت بك نفسك والإبدال منه نحو: عجبت بك جمالك من غير إعادة الجار ولم يجز العطف في الأول إلا بعد التأكيد بالمنفصل وفي الثاني إلا مع إعادة الجار۔

یہ ایک سوال ہے جو اوپر کے قاعدہ کلیہ پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف بلا تاکید منفصل کے جائز نہیں اور ضمیر مجرور پر بھی بلا اعادہ خافض کے عطف درست نہیں ہے تو پھر

جاء ونی کلھم کی ترکیب میں کلھم سے جاء ونی کی ضمیر مرفوع منفصل کی تاکید کیونکر جائز ہوئی اور اس سے ابدال جیسے اعجبتنی جمالك کی ترکیب میں ہے بغیر شرط تقدم تاکید بالمنفصل کے کیونکر جائز ٹھہرا ہے اور تاکید ضمیر مجرور کی جیسے مررت بك نفسك میں ہے کیوں جائز ہے اور اس سے ابدال بغیر اعادہ جار کے جیسے عجبت بك جمالك میں ہے کیونکر جائز مانا گیا ہے اور حالانکہ عطف اول میں صرف تاکید بالمنفصل کے بعد ہی جائز ہے اور ثانی میں صرف اعادہ جار کے ساتھ درست مانا جاتا ہے؟

قلنا: التأكيد عين المؤكد والبدل في الأغلب إما كل المتبوع أوبعضه أو متعلقه والغلط قليل نادرٌ فهما ليسا بأجنبيين بمتبوعهما ولا منفصلين عنه لعدم تخلل فاصل بينهما وبين متبوعهما فلا حاجة في ربطهما إلى متبوعهما إلى تحصيل مناسبة زائدة بخلاف العطف فإن المعطوف يغائر المعطوف عليه ويتخلل بينهما العاطف فلا بد فيه من تحصيل مناسبة بينهما بتأكيد المتصل بالمنفصل في المرفوع وبإعادة الجار في المجرور ليخرج المتصل المرفوع عن صرافة الاتصال ويناسب المعطوف عليه بتاكيده بالمنفصل وقوى مناسبة المجرور بانضمام الجار إليه كما في المعطوف عليه۔

یہ اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ تاکید عین مؤکد ہے اور بدل غالب اور اکثر استعمال میں کل متبوع ہوتا ہے بدل الکل میں یا بعض متبوع ہوتا ہے بدل البعض میں یا متبوع کا متعلق ہوتا ہے بدل الاشتمال میں اور بدل الغلط قلیل اور نادر استعمال ہوتا ہے پس تاکید اور بدل دونوں اپنے متبوعوں سے نہ اجنبی ہیں اور نہ منفصل کیونکہ ان کے اور ان کے متبوعوں کے درمیان کسی فاصل کا تخلل نہیں جس سے ان کے متبوعوں کے ساتھ ان کا ربط اور تعلق پیدا ہو اور بموجب اس ربط اور تعلق کے ان کے متبوعوں کے درمیان ایک مناسبت زائدہ حاصل ہو بخلاف عطف کے کہ یہاں چونکہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے مغائر ہوتا ہے اور ان کے درمیان عاطف کا تخلل ہوتا ہے جس سے ان کے درمیان مناسبت زائدہ حاصل ہوتی ہے اس لئے منفصل سے متصل کی تاکید ضمیر مرفوع میں ضروری ہے اور ضمیر مجرور میں اعادۂ جار لازمی ہے تاکہ ضمیر مرفوع متصل صرافۃ اتصال سے خارج ہو اور درمیان معطوف اور معطوف علیہ کے تاکید بالمنفصل سے مناسبت پیدا ہو اور ضمیر مجرور کی مناسبت بوجہ انضمام جار کے قوی ثابت ہو جیسا کہ معطوف علیہ میں ہے۔

والمعطوف فی حکم المعطوف علیه فیما یجوز له ویمتنع من الأحوال العارضة له نظرًا إلی ما قبله۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ معطوف کا معطوف علیہ کے حکم میں ہونا مسلم نہیں کیونکہ بسا اوقات معطوف مبنی ہوتا ہے اور معطوف علیہ معرب اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے اور معطوف معرفہ ہوتا ہے اور معطوف علیہ نکرہ اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے اور معطوف مفرد ہوتا ہے اور اس کا معطوف علیہ تثنیہ اور جمع، اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔

شارحؒ نے نظرًا الی ماقبلہ کا قول بڑھا کر اس کا جواب دیا کہ معطوف کے احوال دو قسم کی ہیں اول وہ جو معطوف علیہ کو اپنے ماقبل سے عارض ہوں، دوم وہ کہ معطوف علیہ کو من حیث النفس عارض ہوں پس معطوف معطوف علیہ کے حکم میں باعتبار ان احوال کے ہوگا جو اس کو ماقبل سے عارض ہوں احوال عارضہ من حیث النفس میں نہیں ہوگا اور یہاں یہ احوال قسم ثانی کے مقصود ہیں نہ کہ اول کے۔

بشرط أن لا یکون مایقتضیها منتفیًا فی المعطوف۔

اس کے بڑھانے سے بھی شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ یا رجل والحارث کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں حارث کا لفظ رجل پر معطوف ہے اور حالانکہ یہ باعتبار تجرید لام کے معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں باعتبار ان احوال کے ہوگا جو اس کو ماقبل سے عارض ہوں بشرطیکہ جو چیز کہ ان احوال کا معطوف علیہ میں مقتضی ہو وہ معطوف میں منتفی نہ ہوں اور یہاں انتفا کا مقتضی موجود ہے اور یہاں تجرید لام کے لئے حروف ندا کا داخل ہونا ہے جو معطوف میں منتفی ہے۔

وإنما قلنا من الأحوال العارضة له نظرًا إلی ما قبله احترازًا عن الأحوال العارضة له من حیث نفسه کالإعراب والبناء والتعریف والتنکیر والإفراد والتثنیة والجمع فإن المعطوف فیها لیس فی حکم المعطوف علیه۔

اوپر شارحؒ نے نظرًا الی ماقبلہ کا قول بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا تھا جس کی تشریح اوپر مذکور ہو چکی ہے اب یہاں اس کے بڑھانے کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے من الاحوال العارضۃ نظرًا الی ماقبلہ کا قول

اس لئے بڑھایا ہے کہ اس سے ان احوال سے احتراز ہو جائے جو معطوف علیہ کو من حیث النفس عارض ہوں جیسے اعراب اور بناء، وتعریف وتنکیر، افراد اور تثنیہ اور جمع ہیں کہ ان میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہے۔

وإنما قلنا بشرط أن لا يكون ما يقتضيها منتفيًا في المعطوف احترازًا عن مثل قولنا: يا رجل والحارث، فإن الحارث معطوف على الرجل، وليس في حكمه من حيث تجرده عن اللام، فإن ما يقتضي تجرده عن اللام هو اجتماع اللام وحرف النداء، وهو مفقود في المعطوف۔

اور شارحؒ نے بشرط أن لا يكون ما يقتضيها منتفيًا في المعطوف کا قول بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا تھا جس کی تشریح اوپر مذکور ہو چکی ہے اب یہاں اس کے بڑھانے کی علت اور وجہ بتاتے ہیں کہ ہم نے اس قول مذکور کو اس لئے بڑھایا ہے کہ اس سے یا رجل والحارث کے قول سے احتراز ہو کیونکہ اس میں حارث کا لفظ اگر چہ رجل پر معطوف ہے لیکن یہ باعتبار تجرید لام کے اس کے حکم میں نہیں کیونکہ یہاں تجرد لام کا مقتضی اجتماع لام اور حرف ندا ہے اور یہ یہاں معطوف میں منتفی اور مفقود ہے۔

وأما نحو: رب شاة وسخلتها فبتقدير التنكير لقصد عدم التعيين أي رب شاةٍ وسخلة لها۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ مذکورہ بالا رب شاةٍ وسخلة لها کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں سخلتها کا لفظ شاة پر معطوف ہے اور باوجود اس کے یہ اس کے حکم میں نہیں کیونکہ رب کا لفظ اپنے مدخول کے نکرہ ہونے کا مقتضی ہے اور یہاں سخلتها معرفہ بالاضافت ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ سخلتها بغرض عدم تعین کے مؤول بہ نکرہ ہے، جس کی تقدیر رب شاة وسخلة لها ہے۔

أو محمول على نكارة الضمير كربه رجلاً على الشذوذ أي رب شاة وسخلة شاة۔

اس میں شارحؒ نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دوسرے پیرائے میں دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا سخلتها اس مثال میں محمول بہ نکارت ضمیر ہے بنا بر شذوذ جیسے ربه رجلاً میں ہے اس تقدیر پر عبارت کی تقدیر رب شاة وسخلة شاة ہوگی۔

وکذا المعطوف فی حکم المعطوف علیه فی أحوال عارضة له بالنظر إلی نفسه وغیره إن کان المعطوف مثل المعطوف علیه ولذا وجب بناء المعطوف فی نحو یا زید وعمرو لأن ضم زید بالنظر إلی حرف النداء وإلی کونه مفردًا معرفة فی نفسه وعمرو مثل زید فی کونه مفردًا معرفةً وامتنع بناؤہٗ فی یا زید وعبد اللّٰه فإن عبد اللّٰه لیس مثل زید، فإن زیدًا مفردًا معرفة وعبد اللّٰه مضاف۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا یا زید وعمرو کی مثال سے منقوض ہے کیونکہ اس میں عمرو کا لفظ زید پر معطوف ہے اور باوجود اس کے یہ اس کے حکم میں ہے باعتبار مبنی برضمہ ہونگے اور بنا احوال ذاتیہ میں سے ہے احوال عارضہ میں سے نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اسی طرح احوال عارضہ میں معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے بہ نظر نفس معطوف علیہ اور اس کے ضمیر کے جبکہ معطوف مثل معطوف علیہ کے ہو پس یہاں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہے اس طرح کہ یہ دونوں مثال مذکور میں مفرد معرفہ واقع ہوئے ہیں پس اسی وجہ سے یا زید وعمرو کی مثال میں معطوف یعنی عمرو کی بناء واجب ہے کیونکہ زید کا ضمہ بہ نظر حرف ندا اور بنظر اس کے مفرد معرفہ فی نفسہ ہونے کے ہے اور عمرو مفرد معرفہ ہونے میں مثل زید کے ہے اور اسی وجہ سے یا زید وعبد اللہ کی مثال میں معطوف کا مبنی برضمہ ہونا ممتنع ہے، کیونکہ یہاں معطوف یعنی عبد اللہ مثل زید کے نہیں اس لئے کہ زید مفرد معرفہ ہے اور عبد اللہ مضاف ہے۔

ومن ثم أی ومن أجل أن المعطوف فی حکم المعطوف علیه فیما یجوز ویمتنع۔

اس میں شارح نے یہ اشارہ کیا کہ کلمہ من اجلیہ مفید معنی علت کے ہے یعنی اس وجہ سے کہ معطوف فیما یجوز ویمتنع میں اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے آگے آنے والی ترکیب میں سوائے رفع کے اور کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

لم یجز فی ترکیب ما زید بقائم أو قائمًا ولا ذاهب عمرو إلا الرفع فی ذاهب إذ لو نصب أو خفض لکان معطوفًا علی قائم أو قائمًا فیکون خبرًا عن زید وهو ممتنع لخلوه عن الضمیر الواقع فی المعطوف علیه العائد إلی اسم ما، فتعین الرفع علی أن یکون خبرًا

مقدمًا علی المبتدأ وهو عمرو ویکون من قبیل عطف الجملة علی الجملة ولا مانع منه۔

ولما کان لقائل أن یقول هذه القاعدة منتقضة بقولهم الذی یطیر فیغضب زید الذباب فإن یطیر فیه ضمیر یعود إلی الموصول ویغضب المعطوف علیه لیس فیه ذلك الضمیر فأجاب عنه بقوله:

اس میں شارح رفع کی خصوصیت کی دلیل اور وجہ بتاتے ہیں کہ مثال مذکور میں ذاهب کے لفظ کا صرف رفع ہی جائز ہے نصب اور جر جائز نہیں کیونکہ اگر اس کو منصوب یا مجرور پڑھیں تو اس تقدیر پر یہ قائم یاقائما پر معطوف مانا جائے گا پس یہ زید کی خبر ٹھہرے گی اور یہ ممتنع ہے کیونکہ معطوف علیہ میں ضمیر ہے جو راجع ہے کلمہ ما کے اسم کی طرف اور معطوف میں یہ ضمیر راجع نہیں ہے اس لئے یہاں بنا بر تقدیم خبریت اس کا رفع ہی مخصوص ہے یعنی ذاهب خبر مقدم اور عمرو ترکیب میں مبتدأ مؤخر ہے اور یہ گویا عطف جملہ علی الجملة ہے اور اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

اب یہاں قاعدہ مذکورہ بالا پر الذی یطیر فیغضب زید الذباب کے قول سے ایک نقص وارد ہوتا ہے جس کی تشریح شارح کی عبارت میں یہ ہے کہ یطیر کے جملہ میں ضمیر ہے جو موصول کی طرف راجع ہے اور فیغضب کا جملہ اس پر معطوف ہے اور اس میں یہ ضمیر نہیں پس مناسب ہے کہ یہ ترکیب جائز نہ ہو حالانکہ جائز ہے آگے چل کر مصنف کافیہ اس کا جواب دیتے ہیں۔

وإنما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لأنها أی الفاء فی هذا الترکیب **فاء السببیة** ای فاء لها نسبة إلی السببیة بان یکون معناها السببیة لا العطف فلا یرد نقضًا علی تلك القاعدة۔

یہ اوپر والے نقص کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ ترکیب مذکور اس لئے جائز ہے کہ اس میں فیغضب کا فاء سببی ہے یعنی وہ فاء ہے جس کی سببیت کی طرف نسبت ہو اس طرح کہ اس کے معنی سببیت کے ہوں عطف کے نہ ہوں پس اب اس تقدیر پر قاعدہ مذکورہ پر کوئی نقص وارد نہیں ہوگا۔

أو یکون معناها السببیة مع العطف لکنها تجعل الجملتین کجملة واحدة فیکتفی بالربط فی الأولیٰ والمعنیٰ: الذی إذا یطیر فیغضب زید الذباب۔

یہ اوپر والے نقص کا دوسرا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یا اس فاء کے معنی سببیت کے ہیں عطف کے

ساتھ لیکن یہ دو جملے بمنزلۂ ایک جملہ کے ٹھہرائے جائیں گے اور صرف جملہ اولی میں ربط پر اکتفا کیا جائے گا اور دونوں تقریروں پر کلام کے معنی یہ ہونگے کہ وہ شخص جس کو طیران ذباب سے غصہ آتا ہے وہ زید ہے۔

أو يفهم منها سببية الأولى للثانية فالمعنى الذى يطير فيغضب زيد بسببه الذباب۔

یہ نقض مذکور کا تیسرا جواب ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ یا یہ فاء محض عطف کے لئے نہیں بلکہ اس سے اول کی سببیت بھی ثانی کے لئے کلام کے مفہوم سے معلوم ہوتی ہے جس کی تقدیر پر کلام کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ چیز جس کے طیران کے سبب سے زیدؔ کو غصہ آتا ہے اور وہ ذباب ہے۔

ويمكن أن يقدر فيه ضمير اى الذى يطير فيغضب زيد بطيرانه الذباب۔

اس میں شارح نے اوپر والے نقض کا چوتھا جواب دیا ہے۔ جس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس ترکیب مذکور میں ضمیر موصول کی مقدر مانی جائے جس کی تقدیر الذى يطير فيغضب زيد بطيرانه الذباب ہوگی۔

وإذا عطف اى إذا وقع العطف بناء **على وجود عاملين** بأن عطف اسمان على معموليهما بعاطف واحد۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کافیہؒ کی یہ عبارت مفید مراد نہیں کیونکہ مراد دو اسموں کا عطف ہے عاملین مختلفين کے معمول پر، نفس عاملین پر عطف مقصود نہیں ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ مصنفؒ کی عبارت میں مضاف مقدر ہے اور وہ معمول ہے جس کی تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ جب دو اسموں کا اپنے معمولوں پر ایک ہی عطف سے عطف کیا جائے تو یہ جمہور علماء کے نزدیک درست نہیں ہے۔

وقال بعض شارحى اللباب: الأظهر عندى أن العطف ههنا محمول على معناه اللغوى أى إمالة الاسمين نحو العاملين بأن يجعلا معموليهما۔

اس میں اوپر والے نقض کا دوسرا جواب ہے جو لباب کے بعض شراح نے دیا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہاں عطف سے مراد عطف بمعنی لغوی ہے یعنی دو اسموں کا جھکاؤ عاملین کی طرف اس طرح کہ ان دونوں اسموں کو

عاملین کا معمول ٹھہرایا جائے۔

وأكثر الشارحين على أن المعنى على معمولى عاملين وإنما قال على معمولى عاملين لا على معمولى عامل واحد فإنه جائز اتفاقًا نحو ضرب زيد عمراً وعمرو خالداً ولا على أكثر من اثنين فإنه لا خلاف فى امتناعه۔

اس میں اوپر والے سوال کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اکثر شراح کا خیال ہے کہ یہاں عاملین سے مراد بحکم ذکر اثر مراد مؤثر کے معمولین ہیں جس کی تقدیر پر معنی کلام کے یہ ہوں گے کہ عاملین مختلفین کے معمولین پر عطف جمہور کے یہاں درست نہیں ہے اور علی معمولی عاملین کہا اور علی معمولی عامل واحد اس لئے نہیں کہا کہ یہ باتفاق نحاۃ جائز ہے جیسے ضرب زید عمرًا وعمرو خالدًا کی مثال میں ہے اور اسی طرح علی أکثر من اثنین نہیں کہا یہ اس لئے کہ یہ باتفاق نحاۃ ممتنع ہے گویا اس عطف کے مجموعہ میں تین صورتیں ہوئیں اول جواز اتفاقی کی، دوم امتناع اتفاقی کی، سوم اختلافی ہے جس کو مصنف کافیہ نے ذکر کر دیا ہے۔

مختلفين أى غير متحدين بأن لا يكون الثانى عين الأول۔

یعنی درآنحالیکہ عاملین غیر متحد ہوں اس طرح کہ ثانی عین اول نہ ہو۔

وذلك لدفع وهم من يتوهم أن مثل ضرب ضرب زيد عمرًا وبكر خالدًا من هذا الباب مع أنه ليس منه لعدم تعدد العامل فيه إذا العامل هو الأول والثانى تاكيد له وذلك العطف كما وقع فى قولهم: ما كل سوداء تمرةً وبيضاء شحمةً وفى قول الشاعر شعر:

أكل امرئٍ تحسبين امرأً ونارٍ توقد بالليل نارًا

فهذا وإن كان بحسب الظاهر جائزاً لكنه **لم يجز** عند الجمهور بحسب الحقيقة لأن الحرف الواحد لم يقو أن يقوم مقام عاملين مختلفين۔

اس میں شارحؒ یہ بتاتے ہیں کہ مصنف کا قول مختلفین قید احترازی ہے یعنی مصنف کافیہ نے اس قید کو بڑھا کر ایک وہم کا دفعیہ کیا ہے۔ وہم کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ کوئی شخص یہ وہم کر سکتا ہے کہ بظاہر ضرب ضرب زید عمرًا وبکر خالدًا کی مثال اس باب عطف مذکور میں سے معلوم ہوتی ہیں حالانکہ یہ واقع میں اس باب سے نہیں کیونکہ یہاں عامل کا تعدد نہیں اس لئے کہ عامل صرف اول ہی ہے ثانی اس کی تاکید ہے مختلفین کی قید

بڑھا کر مصنف کافیہ نے امثال مذکورہ سے احتراز فرمایا کیونکہ امثال مذکورہ میں عامل مختلف نہیں بلکہ متحد فی العمل ہے اوراس عطف مذکور کی مثال عرب کے قول ما کل سوداء تمرة وبیضاء شحمة اور شاعر کے شعر مذکور فی الشرح میں ہے، پس یہ عطف اگر چہ بحسب ظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، لیکن بحسب حقیقت جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ ایک حرف میں یہ قوت نہیں کہ عاملین مختلفین کے قائم مقام ہو سکے، لہٰذا جمہور کے نزدیک یہ عطف درست نہیں ہے۔

خلافاً للفراء فإنه يجوز هذا العطف بحسب الحقيقة كما جاز بحسب الصورة ولا يؤول الأمثلة الواردة عليها، ولا يقتصر على صورة السماع بل يعمها وغيرها وعدم جواز ذلك العطف مع خلاف الفراء جارٍ في جميع المواد عند الجمهور۔

یعنی عطف مذکور کے متعلق فراء جمہور کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح یہ عطف بحسب صورت جائز ہے اسی طرح بحسب حقیقت بھی جائز ہے اور جو امثال اس عطف کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کو اپنے معانی پر محمول کرتے ہیں، ان میں نہ تاویل کے قائل اور نہ سماع پر مقصود مانتے ہیں بلکہ عام ٹھہراتے ہیں اور اس عطف کا عدم جواز مع اختلاف فراء کے جمہور کے نزدیک جملہ موارد استعمال میں جاری ہے، کسی خاص موضع کی خصوصیت نہیں ہے۔

إلا في نحو: في الدار زيد والحجرة عمرو وإن في الدار زيدًا والحجرة عمرًا يعني إلا في صورة تقديم المجرور وتاخير المرفوع أو المنصوب لمجيئه في كلامهم، واقتصر الجواز على صورة السماع لأن ما خالف القياس يقتصر على مورد السماع۔

یعنی عطف مذکور کا عدم جواز جمہور کے نزدیک جمیع مواد میں ہے سوائے **في الدار زيد والحجرة عمر** اور **إن في الدار زيدًا والحجرة عمرًا** کی امثال کے، کہ یہ باتفاق جائز ہے یعنی جہاں مجرور مقدم ہو اور مرفوع یا منصوب مؤخر ہو وہاں یہ عطف مذکور علی الاتفاق جائز ہوگا کیونکہ اس قسم کا عطف کلام عرب میں مستعمل ہوتا ہے اور اس جواز کا اقتصار صورت سماع پر اس لئے کیا ہے کہ جو قیاس کے مخالف ہو اس موارد سماع ہی پر اختصار کرتے ہیں۔

خلافا لسيبويه فإنه لا يجوز هذا العطف بحسب الحقيقة في هذه الصورة أيضًا بل يحملها على حذف المضاف وإبقاء المضاف إليه على إعرابه نحو: ﴿تريدون عرض الحيوة الدنيا والله يريد الآخرة﴾ بجر الآخرة كما جاء في بعض القراءة أي عرض الآخرة۔

یعنی امثال مذکورہ بالا کے عطف کے متعلق سیبویہ اختلاف کرتے ہیں کہ جس طرح یہ عطف بحسب صورت جائز نہیں اسی طرح یہاں مذکورہ صورت میں بحسب حقیقت بھی درست نہیں ہے اور امثال مذکورہ کو حذف مضاف پر محمول کر کے مضاف الیہ کو اس کے اعراب پر معرب مانتے ہیں یعنی امثال مذکور میں یہ تاویل کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور فی الشرح میں آخـرۃ کا لفظ مضاف مقدر کا مضاف الیہ ہے، یعنی عـرض جیسا کہ بعض قاریوں نے اس لفظ کو بنا بر مضاف مقدر کے مجرور پڑھا ہے اسی طرح امثال مذکورہ کو بھی بتقدیر مضاف موؤل ٹھہراتے ہیں آیت شریفہ کے معنی یہ ہیں کہ ''تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے آخرت کا سامان چاہتا ہے۔''

التـأكيد تابع يقرر أمر المتبوع أي حـالـه وشـانه عند السامع، يعني يجعل حاله ثـابتًـا مقررًا عنده في النسبة أي في كـونـه مـنسـوبـاً أو منسوباً إليه فيثبت عنده ويتحقق أن الـمنسـوب أو المنسوب إليه في هذه النسبة هو المتبوع لا غير، وذلك إما لدفع ضرر الغفلة عن السـامـع أو لـدفع ظنه بالمتكلم الغلط، وذلك الدفع يكون بتكرير اللفظ نحو: ضرب زيد زيد أو ضرب ضرب زيـد، أو لـدفع ظن السامع به تجوزًا إما في المنسوب نحو: قولك زيد قتيل قتيل دفعًا لتوهم السامع أن يريد بالقتل الضرب الشديد فيجب حينئذٍ أيضاً تكرير اللفظ حتى لا يبقى شك في إرادة الـمـعنى الحقيقي أو في المنسوب إليه، فإنه ربما نسب الفعل إلى الشيء، والمراد نسبتـه إلـى بـعـض متـعـلـقـاتـه كـمـا في قطع الأمير اللص أي قطع غلامه فيجب حينئذٍ تكرير الـمنسوب إليه لفظًا نحو: ضرب زيد زيد أي ضرب هو لا من يقوم مقامه أو تكريره معنى نحو: ضرب زيد نفسه أو عينه۔

یعنی تاکید وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے امر کو ثابت کرے یعنی اپنے متبوع کی حال اور شان کو سامع کے سامنے نسبت میں ثابت اور مقرر کرے اس طرح کہ وہ منسوب ہے یا منسوب الیہ، پس اس کا منسوب یا منسوب الیہ ہونا سامع کے سامنے ثابت ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ صرف متبوع ہی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہے اور مقصود اس تاکید سے سامع کے ذہن سے غفلت کا ضرر دفع کرنا ہوگا یا متکلم کے متعلق جو اس کے غلطی کا ظن اور خیال ہے اس کو رفع کرنا مقصود ہوگا اور یہ دفع مذکور تکریر لفظ سے حاصل ہوگا جیسے ضـرب زید زید یا ضـرب ضرب زید کی امثال میں ہے اول مثال اسم کی تاکید کی ہے اور دوم فعل کی تاکید کی ہے اور یا تاکید

سے مقصود سامع کے ذہن سے مجازیت کے ظن کا دفع کرنا ہوگا اور ظن مجازیت عام ہے خواہ منسوب میں ہو جیسے زید قتیل قتیل کے قول میں قتیل کے لفظ کو اس لئے مکرر ذکر کیا ہے شاید سامع قتیل سے مجازاً اضرب شدید کا وہم کرے پس اس وہم کے رفع کرنے کی بنا پر واجب اور ضروری ہے کہ اس کو لفظ میں مکرر ذکر کیا جائے، تا کہ معنی حقیقی کے مراد لینے میں سامع کو کسی قسم کا شک باقی نہ رہے خواہ یہ ظن مجازیت منسوب الیہ میں ہو کیونکہ بسا اوقات فعل کسی شے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور مراد نسبت سے اس کے بعض متعلقات ہوتے ہیں جیسے قطع الامیر اللص کی مثال میں قطع امیر کی طرف منسوب ہے، لیکن مقصود یہ نسبت قطع یہاں امیر کا غلام ہے امیر نہیں۔ پس اس ظن مجازیت کے دفع کرنے کی بناء پر منسوب الیہ کا مکرر ذکر کرنا ضروری اور لازمی ہوا اور یہ تکریر عام ہے۔ خواہ لفظی ہو جیسے ضرب زید زید میں مقصود بہ نسبت ضرب زید ہی ہے۔ کوئی دوسرا شخص جو ضرب میں اس کا قائم مقام ہو مقصود نہیں ہے۔ خواہ یہ تکریر معنوی ہو جیسے ضرب زید نفسه أو عینه کی مثال میں نفسہ اور عینہ کے الفاظ سے تاکید معنوی ہوئی ہے۔

أو فی الشمول أی تاکید ما یقرر أمر المتبوع فی النسبة بالتفصیل الذی ذکرناه أو فی شمول المتبوع أفراده دفعًا لظن السامع تجوزًا لا فی نفس المنسوب إلیه بل فی شموله لأفراده، فإنه کثیرًا ما نسب الفعل إلی جمیع أفراد المنسوب إلیه مع أنه یرید النسبة إلی بعضها فیندفع هذا الوهم بذکر کل وأجمع وأخواته وکلاهما وثلاثتهم وأربعتهم ونحوها فهذا هو الغرض من جمیع ألفاظ التاکید، وإذا عرفت هذا فنقول: أخرج المصنف رحمه الله الصفة والعطف والبدل عن حد التاکید بقوله: "یقرر أمر المتبوع" أما البدل والعطف فظاهر خروجهما به وأما الصفة فلأن وضعها للدلالة علی معنًی فی متبوعها وإفادتها توضیح متبوعها فی بعض المواضع لیست بالوضع وأما عطف البیان وهو لتوضیح متبوعه، فهو یقرر أمر متبوعه ویحققه لکن لا فی النسبة والشمول هذا حاصل ما ذکره المصنف فی شرحه۔

یہ جملہ اوپر فی النسبة کے جملہ پر عطف ہے یعنی تاکید وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے امر کو نسبت میں ثابت کرے اور نسبت کی تفصیل ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے ملاحظہ ہو یا متبوع کے شمول اس کے افراد کیلئے ثابت کرے جس سے شارح کے ذہن سے ظن مجازیت دفع ہو اور یہ ظن نفس منسوب الیہ میں نہیں ہوتا ہے بلکہ متبوع کے افراد کے شمول اس میں بھی ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات بظاہر فعل کی نسبت منسوب الیہ کے جمیع افراد کی طرف ہوتی ہے اور حالانکہ حقیقت میں

بعض افراد کی طرف نسبت فعل مقصود ہوتی ہے پس اس وہم کو کل اور أجمع اوران کے اخوات کلاھما وثلاثتھم اورأربعتھم وغیرھاالفاظ تاکیدذکرکر کے دفع کر دیتے ہیں پس تاکید کے جمیع الفاظ سے یہی غرض اور مقصد ہوتا ہے اور جب اس کومعلوم کرلیا تواب ہم کہتے ہیں کہ مصنف کافیہ کاتابع کا قول بمنزلہ جنس کے ہے یہ کل توابع کوشامل ہے اور یقرر امر المتبوع الخ کاقول احترازی ہے اس میں صفت اور عطف اور بدل سے احتراز کیا یعنی ان توابع کوتاکید کی تعریف سے خارج کردیا بدل اور عطف کا خروج تو ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں کیونکہ یہ اپنے متبوعات کے امرکوثابت نہیں کرتے ہیں بہرحال صفت تاکید کی تعریف سے اس لئے خارج ہے کہ یہ اپنے متبوع کے معنی پر دلالت کرنے کیلئے موضوع ہے اور بعض مواضع میں یہ اپنے متبوع کی وضاحت کا بھی فائدہ دیتی ہے لیکن یہ بالوضع نہیں ہے اور عطف بیان اگرچہ اپنے متبوع کی وضاحت کا فائدہ دیتا ہے پس اس تقدیر پر یہ بھی اپنے متبوع کے امرکوثابت ومقرر کرتا ہے، لیکن یہ تحقیق اورثبوت نسبت اور شمول میں مقصود نہیں، لہذا یہ بھی تاکید کی تعریف سے خارج ہوااور یہ اس کا حاصل ہے جس کو مصنف کافیہ نے خوداپنی شرح میں ذکرکیا ہے۔

وهو أى التأكيد۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ ھو کی ضمیر مرفوع تاکید کی طرف راجع ہے یعنی تاکید کی دو قسمیں ہیں اول لفظی، دوم معنوی۔

لفظی أى منسوب إلى اللفظ لحصوله من تكرير اللفظ۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ لفظی کے کلمہ میں یاء نسبتی ہے یعنی تاکید لفظی وہ ہے جو منسوب إلى اللفظ ہو یعنی تکریر لفظ سے حاصل ہو۔

ومعنوى أى منسوب إلى المعنى لحصوله من ملاحظة المعنى۔

اس کے بڑھانے سے بھی مقصد یہ ہے کہ یاء نسبتی ہے یعنی تاکید معنوی وہ ہے جو منسوب إلى المعنى ہو یعنی معنی کے ملاحظہ کرنے سے حاصل ہو۔

فاللفظى منه تكرير اللفظ الأول أى مكرر اللفظ الأول ومعاده حقيقة نحو: جاء نى زيد زيد أوحكمًا نحو: ضربت أنت وضربت أنا فإن ذلك فى حكم تكرير اللفظ وإن كان مخالفًا للأول لفظًا إذ الضرورة داعية إلى المخالفة لأنه لايجوز تكريره متصلاً۔

پس تا کید لفظی لفظ اول کا مکرر اور معاد کر دینا ہے خواہ حقیقۃً ہو جیسے جاء نی زید زید میں ہے، خواہ حکماً ہو جیسے ضربت أنت وضربت أنا میں ہے کہ یہاں اگر چہ تکریر لفظی حقیقی نہیں لیکن تکریر لفظی حکمی ہے اگر چہ یہ لفظ میں اول کے مخالف ہے مگر یہ مخالفت بوجہ ضرورت واقع ہوئی کیونکہ اس مخالفت کا داعی یہ ضرورت ہے کہ یہاں یہ انت اور انا کے الفاظ ضمائر منفصلہ ہیں ان کا ضمائر ٹھہر کر مکرر کر دینا ناجائز اور ممنوع ہے بنا بریں ضرورت یہ اپنے متبوع اول سے مخالف آئے ہیں۔

ویجری أی التکریر مطلقًا لا التکریر الذی هو التاکید الاصطلاحی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یجری کی ضمیر مرفوع تا کید لفظی کی طرف راجع ہے اصطلاحی تا کید کی طرف راجع نہیں ہے اور تا کید اصطلاحی افعال وحروف اور مرکبات میں جاری نہیں ہوتا ہے پس یجری فی اللفظ کلها کا قول کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یجری کی ضمیر مرفوع تا کید لفظی لغوی کی طرف راجع ہے اور تا کید لغوی تکریر مطلق ہے تکریر تا کید اصطلاحی مقصود نہیں ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ اس کی بنا پر مبحث سے خروج لازم آتا ہے کیونکہ بحث تا کید اصطلاحی میں ہے تا کید لغوی کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے پس بہتر یہ ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ یجری کی ضمیر مرفوع تا کید لفظی اصطلاحی کی طرف راجع ہے اور الألفاظ کلها سے مراد اسماء ہیں۔

فی الألفاظ کلها أسماء أو أفعالاً أو حروفًا أو جملاً ومرکبات تقییدیة أو غیر ذلك۔

یعنی تا کید کل الفاظ میں جاری ہوتی ہے خواہ وہ الفاظ اسماء ہوں خواہ حروف، خواہ فعال خواہ جملہ، خواہ مرکبات تقییدی ہوں خواہ غیر تقییدی سب میں تا کید کا استعمال ممکن ہے۔

ولا یبعد إرجاع الضمیر إلی التاکید اللفظی الاصطلاحی وتخصیص الألفاظ بالأسماء ویکون المقصود من هذا التعمیم وعدم اختصاصه بألفاظ محصورة کالتأکید المعنوی۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کے دوسرے جواب صواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعید نہیں کہ یجری کی ضمیر مرفوع تا کید لفظی اصطلاحی کی طرف راجع ہو اور الفاظ کی اسماء سے تخصیص کی جائے اور اس تعمیم سے مقصود یہ ہے کہ یہ تا کید لفظی مثل تا کید معنوی کے الفاظ محصورہ سے مختص نہیں ہے بلکہ تمام الفاظ میں جاری ہوگی اور اسماء سے مراد أجمع اور أکتع اور ان کے اخوات کی علاوہ اسماء مراد ہوں گے کیونکہ ان الفاظ میں تا کید لفظی اصطلاحی جاری نہیں ہوتی

ہے۔

والتأكيد **المعنوى** مختص **بألفاظ محصورة** أى معدودة محدودة **وهى: نفسه وعينه وكلاهما وكله وأجمع وأكتع وأبتع وأبصع** بالصاد المهملة وقيل: بالضاد المعجمة قيل: لا معنى لهذه الكلمات الثلث فى حال الأفراد مثل جسنٍ بسنٍ وقيل: أكتع مشتق من حول كتيع تام، وأبصع بالمهملة من بصع العرق أى سال وبالمعجمة من بضع أى روى وأبتع من البتع وهو طول العنق مع شدة مغرزه ويمكن استنباط مناسبات خفية بين هذه المعانى ومعناها التاكيدى بالتأمل الصادق۔

اس میں شارح أكتع ، أبتع اور أبصع کی لغوی اور اشتقاقی تحقیق کرتے ہیں کہ تاکید معنوی چند محصورہ یعنی معدودہ اور محدودہ الفاظ سے مختص ہے اور وہ **نفس وعين وكلاهما وكله وأجمع وأكتع وأبتع وأبصع** کے الفاظ ہیں اور أبصع کا لفظ صاد بےنقط سے ہے اور ضاد با نقط سے بھی منقول ہے کہا جاتا ہے کہ أكتع وأبتع وأبصع یہ الفاظ ثلاثہ حالت افراد میں **مثل حسنٍ بسنٍ** کے مہمل بلا معنی الفاظ ہیں اور کسی نے کہا ہے کہ أكتع کا لفظ قول كتع سے مشتق ہے جس کے معنی تام کے ہیں اور ابصع بےنقط بصع العرق سے مشتق ہے جس کے معنی جاری ہونے کے ہیں اور معجمہ کے ساتھ بضع سے ہے جس کے معنی سیراب شدن کے ہیں اور أبتع بتع سے مشتق ہے جس کے معنی طول گردن مع سختی مغرز کے ہیں اور مغرز کے معنی بیخ گردن کے ہیں اور درمیان ان معانی لغویہ مذکورہ اور تاکیدی معانی کے تامل صادق سے مناسبات خفیہ کا استنباط ممکن ہے غور کر کے معلوم کر لینا چاہئے۔

فالأولان أى النفس والعين **يعمان** أى يقعان على الواحد والمثنى والمجموع والمذكر والمؤنث **باختلاف صيغتهما** إفراداً وتثنيةً وجمعًا واختلاف **ضميرهما** العائد إلى المتبوع المؤكد **تقول: نفسه** فى المذكر الواحد، **ونفسها** فى المؤنث الواحدة، **وأنفسهما** بإيراد صيغة الجمع فى تثنية المذكر والمؤنث وعن بعض العرب: نفساهما وعيناهما **وأنفسهم** فى الجمع المذكر العاقل **وأنفسهن** فى جمع المؤنث وغير العاقل من المذكر۔

یعنی نفس اور عین کے الفاظ عام ہیں یعنی واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب میں مستعمل ہوتی ہیں لیکن

افرادی، تثنیہ اور جمع کی حالت میں صیغے اور ضمائر کا اختلاف ضرور ہوگا یعنی وہ ضمائر جو متبوع مؤکد کی طرف راجع ہوں وہ مختلف ہوں گی پس واحد مذکر میں نفسہ اور واحد مؤنث میں نفسہا اور تثنیہ مذکر اور مؤنث میں انفسھما صیغہ جمع لاکر مستعمل کریں گے اور بعضے عرب سے نفساھما اور عیناھما بصیغہ تثنیہ بھی منقول ہے۔ اور جمع مذکر عاقل أنفسھم اور جمع مؤنث اور جمع غیر عاقل مذکر میں انفسھن استعمال کرتے ہیں۔

والثانی لما سمی النفس والعین أولین تغلیبًا کالقمرین سمی الثالث ثانیًا۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے **کلاھما** کا لفظ ثالث ہے پس مصنف کافیہؒ نے اس کو ثانی کس اعتبار سے ٹھہرایا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ نفس اور عین کے الفاظ کو باقاعدہ تغلیب مثل قمرین کے مؤول ٹھہرایا ہے اس لئے اس ثالث کو ثانی مانا ہے اگرچہ واقع میں یہ ثالث ہے ثانی نہیں۔

للمثنیٰ تقول: **کلاھما** للمذکر **وکلتاھما** للمؤنث **والباقی** بعد الثلثة المذکورة **لغیر المثنیٰ** مفردًا کان أو جمعًا **باختلاف الضمیر** العائد إلی المتبوع المؤکد **فی کله** نحو: قرأت الکتاب کله، **وکلها** نحو: قرأت الصحیفة کلها، **وکلھم** نحو: اشتریت العبید کلھم، **وکلھن** نحو: طلقت النساء کلھن، وباختلاف **الصیغ فی** الکلمات **البواقی** وھی: أجمع وأکتع وأبتع وأبصع بالمھملة أو المعجمة تقول: **أجمع** فی جمع المذکر الواحد **وجمعاء** فی المؤنث الواحدة أو الجمع بتاویل الجماعة **وأجمعون** فی المذکر **وجُمَع** فی جمع المؤنث وکذا أکتع کتعاء أکتعون کتع، وأبتع بتعاء أبتعون تبع وأبصع وبصعاء وأبصعون وبصع۔

یعنی کلاھما مذکر تثنیہ کیلئے اور کلتاھما تثنیہ مؤنث کیلئے استعمال کرتے ہیں اور باقی الفاظ ثلاثہ مذکورہ کو خواہ مفرد ہوں خواہ جمع اختلاف ضمائر عائدہ إلی المتبوع المذکر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور کله پڑھتے ہیں جیسے **قرأت الکتاب کله** کی مثال میں ہے اور کلها استعمال کرتے ہیں جیسے **قرأت الصحیفة کلها** میں ہے اور جمع مذکر میں **کلھم** پڑھتے ہیں جیسے **اشتریت العبید کلھم** میں ہے اور **کلھن** پڑھتے ہیں جیسے **طلقت النساء کلھن** میں ہے اور اسی طرح **کلمات باقیہ** میں بھی اختلاف صیغہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور وہ **کلمات باقیہ** أجمع،

أکتع، أبتع اور أبصع کے الفاظ ہیں اور أبصع کا لفظ مہملہ اور معجمہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مذکر واحد میں أجمع اور مؤنثہ واحدہ میں یا جمع میں بتاویل جماعت میں جمعاء پڑھیں گے۔ مذکر جمع میں أجمعون اور جمع مؤنث میں جمع استعمال کریں گے اور اسی طرح أکتع، کتعاء، أکتعون اور کتع اور أبتع، بتعاء أبتعون بتع اور أبصع اور بصعاء، أبصعون، بصع کا استعمال بھی سمجھنا چاہئے۔

ولا یؤکد بکل وأجمع إلا ذو أجزاء مفردًا کان أوجمعًا إذ الکلیة والاجتماع لا یتحققان إلا فیه۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح کل اور أجمع سے ذو اجزاء کی تاکید ہوتی ہے اسی طرح ان سے افراد کی بھی تاکید ہوتی ہے پس مناسب تھا کہ ذو أجزاء وأفراد کہتے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں ذو أجزاء سے مراد متعدد ہے اور متعدد عام ہے خواہ اجزاء ہوں خواہ افراد کیونکہ کلیت اور اجتماع کے معنی سوائے اس کے اور کہیں متحقق نہیں ہوتے ہیں۔

ولا حاجة إلی ذکر الأفراد لأن الکلی ما لم تلاحظ أفراده مجتمعة ولم تصر أجزاء لا یصح تأکیده بکل وأجمع ویجب أن تکون تلك الأجزاء بحیث۔

اس میں شارح نے اوپر والے سوال کا دوسرا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ذو الأجزاء کا ذو الأفراد پر بھی اطلاق ہوتا ہے پس اس تقدیر پر افراد کے ذکر کی حاجت اور ضرورت نہیں کیونکہ کلی کے افراد کو جب تک مجتمع اور ذو اجزاء ملاحظہ نہ کریں گے اس وقت تک اس کی تاکید کل اور أجمع سے صحیح اور درست نہ ہوگی اور یہ بھی ضروری اور لازمی ہے کہ وہ اجزاء اس قسم کے ہوں کہ جن کا افتراق حسًا اور حکمًا درست ہو۔

یصح افتراقها حسًا کأجزاء القوم أوحکمًا کأجزاء العبد لیکون فی التاکید بکل وأجمع فائدة۔

یعنی جن اجزاء کا افتراق حس میں درست ہو وہ جیسے اجزاء قوم کے ہیں کہ ان میں افتراق حسی ہے اور وہ اجزاء جن کا افتراق حکمی درست ہو وہ جیسے اجزاء غلام کے ہیں کہ اس میں نصف وثلث وربع وغیرہ اجزائے حکمی ہیں اور یہ افتراق حسی یا حکمی اس لئے ضروری اور لازمی ہے کہ کل اور أجمع سے تاکید میں فائدہ مرتب ہو سکے۔

مثل: أكرمت القوم كلهم واشتريت العبد كله فإن العبد قد يتجزء في الاشتراء فيصح تأكيده بكل ليفيد الشمول بخلاف جاء زيد كله لعدم صحة افتراق أجزائه لا حسًا ولا حكمًا في حكم المجيئ۔

اس میں ان اجزاء کی مثال ہے جن کا افتراق حس میں یا حکم میں درست ہو۔ عبد میں اجزاء حکمی کا افتراق درست ہے کیونکہ عبد کا تجزیہ اور تقسیم اشتراء میں درست ہے پس کل سے اس کی تاکید درست ہوگی تاکہ شمول کا فائدہ دے سکے جیسے اشتریت العبد کله میں شمول کا فائدہ دیا ہے بخلاف جاء زید کله کے کہ یہ ترکیب درست نہیں، کیونکہ اس میں زید کے اجزاء کا افتراق حکم مجیئت میں نہ حساً درست ہے اور نہ حکماً اس لئے یہ ترکیب نادر ٹھہری۔

وإذا أكد الضمير المرفوع المتصل بارزًا كان أو مستكنا بالنفس والعين أي إذا أريد تأكيده بهما أكد ذلك الضمير أولاً بمنفصل ثم بالنفس والعين مثل: ضربت أنت نفسك فنفسك تأكيد لتاء الضمير بعد تاكيده بمنفصل هو أنت، إذ لولا ذلك لالتبس التاكيد بالفاعل إذا وقع تاكيداً للمستكن نحو: زيد أكرمني هو نفسه، فلو لم يؤكد الضمير المستكن في أكرمني بقوله: هو ويقال: زيد أكرمني نفسه لالتبسه نفسه الذي هو التاكيد بالفاعل۔

یعنی جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید نفس اور عین کے الفاظ سے کرنا چاہو، خواہ وہ ضمیر مرفوع متصل بارز ہو خواہ مستتر تو اول اس ضمیر مرفوع کی منفصل سے تاکید کرتے ہیں۔ اس کے بعد نفس اور عین کے الفاظ سے اس کی تاکید کر دیتے ہیں جیسے ضربت انت نفسک کی مثال میں نفسك کا لفظ تائے ضمیر مخاطب کی تاکید ہے اور اس کی تاکید اول ضمیر منفصل أنت سے کی، اس کے بعد نفسك سے تاکید ٹھہرائی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو اس صورت میں تاکید کا التباس اس فاعل سے واقع ہو جائے گا جو ضمیر مستکن کی تاکید واقع ہو جیسے زید اکرمنی هو نفسه میں ہے پس یہاں اگر أکرمنی کی ضمیر مستکن کی تاکید هو کے قول سے نہ کریں اور زید أکرمنی نفسه کہیں تو اس تقدیر پر اس نفس کا اس فاعل سے التباس ہو جائے گا جس کی تاکید نفس کے لفظ سے کی جاتی ہے۔

ولما وقع الالتباس في هذه الصورة أجرى بقية الباب عليها وإنما قيد الضمير بالمرفوع لجواز تاكيد الضمير المنصوب والمجرور بالنفس والعين بلا تاكيدهما بالمنفصل نحو: ضربتك

نفسك ومررت بك نفسك لعدم اللبس لجواز تاكيد المرفوع المنفصل بالنفس والعين بلا تاكيده، وبمنفصل نحو: أنت نفسك قائم لعدم اللبس وانماقيد بالنفس والعين لجواز تاكيد المرفوع المتصل بكل وأجمعين بلا تاكيد نحو القوم جاء نی كلهم أجمعون لعدم التباس التاكيد بالفاعل لأن كلاً وأجمعين يليان العوامل قليلاً بخلاف النفس والعين فإنهما يليانها كثيرًا۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ دلیل مذکور صرف مرفوع مستکن کی تاکید پر دلالت کرتی ہے کیونکہ التباس صرف اسی صورت میں ہے ضمیر مرفوع بارز کی تاکید پر دلالت نہیں کرتی حالانکہ نفس اور عین کے الفاظ سے بھی ضمیر مرفوع کی تاکید ہوتی ہے خواہ وہ مستکن ہو خواہ بارز۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ جب اس صورت مذکورہ میں بوجہ التباس واقع ہونے کے ضمیر مستکن کی تاکید ضروری ٹھہرائی تو باقی باب اس پر جاری کردیا یعنی جب صورت مذکورہ میں التباس کی وجہ سے ضمیر مرفوع مستکن کی تاکید ضروری ہوئی تو ضمیر مرفوع بارز کی تاکید کو اس پر قیاس کر کے جاری کردیا ہے اور ضمیر کو مرفوع کی قید سے اس لئے مقید کیا کہ ضمیر منصوب اور مجرور کی تاکید نفس وعین سے بلا تاکید بالمنفصل جائز ہے جیسے ضربتك نفسك ومررت بك نفسك میں ہے کیونکہ یہاں التباس نہیں ہے اور التصل کی قید سے اس لئے مقید کردیا ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل کی تاکید نفس وعین سے بلا تاکید بالمنفصل درستؒ ہے جیسے أنت نفسك قائم میں ہے کیونکہ یہاں فاعل سے التباس نہیں ہوتا اور نفس وعین کے الفاظ سے اس لئے مقید کردیا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کل اور أجمعون کے الفاظ سے بلا تاکید بھی ہوتی ہے جیسے القوم جاء ونی كلهم أجمعون میں ہے کیونکہ یہاں بھی فاعل سے التباس تاکید نہیں ہے کیونکہ کل اور أجمعون کے الفاظ عوامل کے تھوڑے سے قریب ہوتے ہیں پس یہ فاعل واقع نہیں ہوں گے لہذا بوجہ نہ پائے جانے التباس کے یہاں تاکید کی ضرورت اور حاجت نہیں ہے بخلاف نفس اور عین کے الفاظ کے کہ یہ عوامل کے بہت قریب ہوتی ہیں پس ان کا فاعل واقع ہونا بھی درست ہوگا اس لئے بوجہ متحقق ہونے التباس کے یہاں تاکید کی اشد ضرورت ہے۔

وأكتع وأخواه يعنى أبتع وأبصع **أتباع** بفتح الهمزة على ما هو المشهور **لأجمع** يعنى تستعمل هذه الكلمات الثلث بتبيعة لا بالإصالة لكونه أدل منها على المقصود وهو الجمعية **فلا يتقدم** يعنى أكتع وأخويه **عليه** أى على أجمع لو اجتمعت معه، **وذكرها** أى

ذكر أكتع مع أخويه **دونه** أي دون ذكر أجمع **ضعيف** لعدم ظهور دلالتها على معنى الجمعية وللزوم ذكر ما من شانه التبعية بدون الأصل۔

یعنی چونکہ اکتع اوراس کے اخوات یعنی ابتع وابصع اجمع کے تابع ہیں یعنی ان کلمات ثلاثہ کا استعمال بہ تبعیت اجمع کے ہے یہ علیحدہ بالاصل مستعمل نہیں ہوتے کیونکہ اجمع کا لفظ معنی مقصودی جمعیت پر اکتع اوراس کے اخوات سے مقدم ہے اسلئے اکتع اوراس کے اخوات اگر اجمع کے ساتھ ہوں تو اس صورت میں اجمع پر مقدم نہیں ہوں گے اوراسی وجہ سے **اکتع مع اخوات** کا ذکر بغیر ذکر اجمع کے ضعیف ہے کیونکہ ان الفاظ مذکورہ کی حالات جمعیت کے معنی پر بدون اجمع کے ظاہر نہیں ہے اوراگر یہ بدون ذکر اجمع کے مذکور ہوں تو اس سے تابع کا ذکر بغیر اصل کے لازم ہوگا اور یہ درست نہیں ہے لہذا ان کا ذکر بہ تبعیت اجمع ضروری اورلازمی ٹھہرا اوراتباع کا لفظ بنابر روایت مشہورہ کے مفتوح الهمزہ ہے مکسور نہیں۔

البدل تابع مقصود بما نسب إلى المتبوع أي تقصد النسبة إليه بنسبة ما نسب إلى المتبوع **دونه** أي دون المتبوع أي لا تكون النسبة إلى المتبوع مقصودة ابتداءً بنسبة ما نسب إليه، بل تكون النسبة إليه توطيةً وتمهيدًا لنسبته إلى التابع سواء كان ما نسب إليه مسندًا أو غيره مثل: جاء ني زيد أخوك وضربت زيداً أخاك، واحترز بقوله: "مقصود بما نسب إلى المتبوع" عن النعت والتاكيد وعطف البيان؛ لأنها ليست مقصودةً بما نسب إليه بل المتبوع مقصود به وبقوله: دونه احترز عن العطف بحرف فإن المتبوع فيه مقصود بما نسب إليه مع التابع۔

یعنی بدل وہ تابع ہے جو مقصود بالنسبۃ ہو یعنی جس چیز کی متبوع کی طرف نسبت ہوگی اس کی نسبت اسی تابع بدل کی طرف مقصود ہوگی متبوع کی طرف مقصود نہیں ہوگی یعنی متبوع کی طرف نسبت ابتداء مقصود نہیں ہوگی بلکہ متبوع کی طرف نسبت صرف تابع کی نسبت کیلئے توطیہ اور تمہید ہوگی اور بالنسبة الى المتبوع عام ہے خواہ مسند ہو خواہ غیر مسند جیسے جاء ني زيد أخوك اور ضربت زيداً أخاك کی مثال میں ہے اور مقصود بما نسب إلى المتبوع کے قول میں نعت وتاکید وعطف بیان سے احتراز کیا کیونکہ یہ اشیاء مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان کے متبوعات مقصود بالنسبة ہوا کرتے ہیں اور دونہ کے قول میں عطف بحرف سے احتراز کیا کیونکہ اس میں متبوع اور تابع دونوں

مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں۔

ولا یصدق الحد علی المعطوف ببل لأن متبوعه مقصود ابتداء ثم بدا له فأعرض عنه وقصد المعطوف فكلاهما مقصودان بهذا المعنی۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا دفعیہ کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، کیونکہ اس میں معطوف ببل داخل ہوا کیونکہ یہ بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اس کا متبوع مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتا۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ تعریف مذکور معطوف ببل پر صادق نہیں کیونکہ اس میں مقصود بالنسبۃ اول اور ابتدا متبوع ہوتا ہے پھر ثانیا تابع کیونکہ متکلم متبوع کی نسبت میں غلطی کرتا ہے جب اس کو اپنی غلطی کا احساس اور ظہور ہوتا ہے تو متبوع کی نسبت سے اعراض کر کے تابع یعنی معطوف کو مقصود بالنسبۃ ٹھہراتا ہے پس بنا براس معنی کے دونوں مقصود بالنسبۃ ہوئے لہذا اب اس تقدیر پر تعریف مانع ثابت ہوئی۔

فإن قيل: هذا الحد لا يتناول البدل الذي بعد إلا مثل: ما قام أحد إلا زيد فإن زيدًا بدل من أحدٍ وليست نسبة ما نسب إليه من عدم القيام مقصودةً بالنسبة إلى زيد بل النسبة المقصودة بنسبة ما نسب إلى أحدٍ نسبة القيام إلى زيد۔

یہ ایک اعتراض ہے جو بدل کی تعریف پر وارد ہوا ہے جس کی تشریح شارحؒ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں ہے جو الا کے بعد واقع ہو جیسے ما قام احد الا زید میں زید احد سے بدل ہے اور باوجود اس کے یہاں مقصود بہ نسبت عدم قیام کے احد ہی ہے۔ زید کی طرف اس عدم قیام کی نسبت مقصود نہیں بلکہ زید کی طرف یہاں نسبت قیام کی مقصود ہے لہذا یہ تعریف جامع ثابت نہیں ہوئی۔

قلنا: ما نسب إلى المتبوع ههنا هو القيام فإنه نسب إليه نفيًا ونسبة القيام بعينه إلى التابع مقصودة لكن إثباتًا فيصدق على زيد أنه تابع مقصود نسبته بنسبة ما نسب إلى المتبوع فإن النسبة الماخوذة في الحد أعم من أن يكون بطريق الإثبات أو النفي۔

یہ اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جس کی تشریح شارحؒ اس طرح کرتے ہیں کہ ما نسب إلى المتبوع یہاں قیام ہے اور یہاں اس کی نفی یعنی عدم قیام کی نسبت متبوع کی طرف ہوئی ہے اور اس قیام کی نسبت بعینہ تابع کی

طرف مقصود ہے لیکن اثباتاً۔ پس زید پر انه تابع مقصود نسبته بنسبة ما نسب الی المتبوع کی تعریف صادق ہوئی کیونکہ وہ نسبت جو بدل کی تعریف میں ماخوذ ہے وہ عام ہے خواہ بطریق اثبات کے ہو خواہ بطریق نفی لہذا اب بدل کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

ویمکن أن یقصد بنسبته إلی شيء نفیًا نسبته إلی شيء آخر إثباتًا ویکون الأول توطیة للثانی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں اجتماع تضاد ثابت ہوا اور یہ باطل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اجتماع تضاد ایک ہی حکم میں ممنوع ہے اور یہاں ایک حکم نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شے کی طرف کسی شے کی نسبت بطریق نفی مقصود ہو اور اسی شے کی نسبت شے آخر کی طرف بطریق اثبات مقصود ہو اور اول ثانی کیلئے بطور تمہید اور توطیہ کے ہو۔ یہاں یہی قاعدہ جاری ہوا ہے۔ قیام کی نفی کا مقام اور ہے اور قیام کے ثبوت کا محل اور ہے لہذا اجتماع تضاد ثابت نہیں ہوا۔

وهو أی البدل أنواع أربعة۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد صرف یہ ہے کہ ھو کی ضمیر مرفوع بدل کی طرف راجع ہے یعنی بدل کی چار قسمیں ہیں۔

بدل الکل أی بدل هو کل المبدل منه۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ بدل الکل کی اضافت بیانی اور الف لام مضاف الیہ کے عوض میں آئے ہیں یعنی اول قسم بدل کی بدل الکل ہے جس کا مدلول بعینہ مبدل منہ کا مدلول ہوتا ہے۔

وبدل البعض أی بدل هو بعض المبدل منه فالإضافة فیهما مثلها فی خاتم فضة۔

اس کے بڑھانے کی تشریح اور وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے یعنی دوسری قسم بدل کی بدل البعض ہے جس کا مدلول مبدل منہ کا بعض ہوتا ہے پس اضافت بدل الکل اور بدل البعض دونوں میں مثل اس اضافت کے ہے جو خاتم فضة میں ہے یعنی اضافت بمعنی من ہے۔

وبدل الاشتمال أی بدل مسبب غالبًا عن اشتمال أحد المبدلین علی الآخر أما

اشتمال البدل على المبدل منه نحو: سلب زيد ثوبه او بالعكس نحو:﴿يسئلونك عن الشهرالحرام قتال فيه﴾

یعنی تیسری قسم بدل کی بدل اشتمال ہے یہ بدل غالباً احد المبدلین کے اشتمال کا سبب ہوتا ہے بہر حال مبدل منہ پر بدل کے اشتمال کی مثال سُلِبَ زید ثوبه ہے اور اس کے برعکس یعنی بدل پر مبدل منہ کے اشتمال کی مثال اللہ تعالیٰ کے قول ﴿يسئلونك ...... الخ﴾ میں ہے کہ اس میں قتالٍ کا لفظ شهرٍ سے بدل ہے پس یہاں مبدل منہ کا اشتمال ہے کیونکہ قتال شہر میں واقع ہوا ہے۔

وبدل الغلط أي بدل مسبب عن الغلط فالاضافة في الأخيرين من قبيل اضافة المسبب الى السبب لأدنى ملابسة۔

یعنی چوتھی قسم بدل کی بدل الغلط ہے اور یہ بدل غلطی کا سبب ہوا کرتا ہے پس اضافت اخیرین یعنی بدل الاستمال اور بدل الغلط میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے کیونکہ اشتمال اور غلطی اس کے اسباب ہیں اور یہی ادنیٰ مناسبت ہے جس کی وجہ سے یہ اضافت جائز ہوئی ہے۔

فالأول أي بدل الكل **مدلوله مدلول الأول** يعني متحدان ذاتًا لا أن يتحد مفهوما هما ليكونا مترادفين نحو: جاء نى زيد أخوك فزيد وأخوك وإن اختلفا مفهومًا فهما متحدان ذاتًا۔

پس اوّل قسم یعنی بدل الکل وہ ہے جس کا مدلول بعینہ مدلول اول کا ہو یعنی بدل الکل میں بدل اور مبدل منہ دونوں متحد بالذات ہوتے ہیں اور متغائر بالمفهوم کیونکہ بالمفهوم بھی مانیں تو اس صورت میں مترادفین ٹھہریں گے اور بدل الکل کی مثال جاء نی زید أخوك ہے یہاں زید اور اخوك کے الفاظ اگرچہ باعتبار مفہوم کے مختلف ہیں لیکن باعتبار ذات یعنی مصداق کے متحد ہیں کیونکہ جو زید کا مصداق ہے وہی بعینہ اخوک کا بھی مصداق ہے۔

قالالشارح الرضي: "وأنا إلى الأن لم يظهر لي فرق جلي بين بدل الكل من الكل وبيّن عطف البيان، بل لاأرى عطف البيان إلا بدل الكل، وما والوا: من أن الفرق بينهما أن البدل هو المقصود بالنسبة دون متبوعه بخلاف عطف البيان فانّه بيان، والبيانفرع المبينفيكون المقصودهو الأول فالجواب لا نسلم أن المقصود في بدل الكل هو الثاني فقط ولا في سائر الأبدال إلا الغلط"۔

یہاں بدل الکل کی تعریف کی مانعیت پر شارح رضی نے ایک سوال قائم کیا ہے جس کی تشریح شارح ملا جامیؒ اس طرح کرتے ہیں کہ شارح رضی نے کہا ہے کہ اس وقت تک مجھ کو درمیان بدل الکل اور عطف بیان کے کوئی فرق ظاہری معلوم نہیں ہوا بلکہ میرے نزدیک عطف بیان بدل الکل ہی ہے اور جو بعض نے ان کے فرق کے متعلق کہا

ہے کہ بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان فرق یہ ہے کہ بدل مقصود بالنسبة اول ہوتا ہے بخلاف عطف بیان کے کہ یہ بیان متبوع ہوتا ہے اور بیان مبین کی فرع ہوتی ہے پس یہاں مقصود بالنسبة اول ہے تو اس ماقالوا کا جواب یہ ہے کہ بدل الکل میں صرف ثانی کا مقصود بالنسبة ہونا مسلم نہیں اور نہ سوائے بدل الغلط کے باقی ابدال میں ثانی کا مقصود بالنسبة ہونا مسلم ہے۔

وقال بعض المحققین فی جوابه: "الظاهر أنهم لم یریدوا أنه لیس مقصودًا بالنسبة أصلا، بل أرادوا أنه لیس مقصودا أصلیًا، والحاصل أن مثل قولك جاء نی أخوك زید إن قصدت فیه الاسناد إلی الأول وجئت بالثانی تتمة له توضیحًا، فالثانی عطف بیان وإن قصدت فیه الاسناد الثانی وجئت بالأول توطیةً له مبالغةً فی الاسناد فالثانی بدل وحینئذٍ یکون التوضیح الحاصل به مقصودًا تبعًا، والمقصود إصالةً هو الإسناد إلیه بعدالتوطیة فالفرق ظاهر"۔

اوپر والے سوال کا جواب بعض محققین نے دیا ہے جس کی تشریح شارح اس طرح کرتے ہیں کہ درمیان بدل الکل اور عطف بیان کے فرق واضح ہے کیونکہ اگر مقصود بالنسبة اول ہو اور ثانی اس کی وضاحت کے لئے لایا گیا ہو تو یہ عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالنسبة ثانی ہو اور اول صرف اس کی توطیہ اور تمہید کے لئے ذکر کیا گیا ہو تو یہ بدل الکل ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ متبوع کا مقصود بالنسبة ہونے سے مراد یہ نہیں کہ بالکل مقصود بالنسبة نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مقصود بالنسبة بالنسبة اصلی نہیں۔

حاصل فرق یہ ہے کہ مثلاً جاءنی اخوک زید کے قول میں اگر مقصود بالنسبة اول ہوا اور ثانی اس کے توضیح اور تتمیم کے لئے ذکر کیا گیا ہو تو اس صورت میں ثانی عطف بیان ہوگا اور اگر مقصود بالنسبة ثانی ہو اول صرف اس کی توطیہ کے لئے بنا پر مبالغہ کے لایا گیا ہو تو اس تقدیر پر ثانی بدل الکل ٹھہرے گا اور اس وقت سے جو توضیح حاصل ہوئی ہے وہ مقصود بالتبع ہوگی اور مقصود بالأصل صرف وہی اسناد ہوگا جو توطیہ اور تمہید کے بعد واقع ہوگا پس اس تقدیر پر فرق درمیان بدل الکل اور عطف بیان کے ظاہر ہے محتاج زیادہ تشریح کا نہیں ہے۔

والثانی أی بدل البعض **جزءه** أی جزء المبدل منه نحو ضربتُ زیدًا رأسه۔

یعنی بدل کی دوسری قسم یعنی بدل البعض اس کو کہتے ہیں جو مبدل منہ کا جز ہو جیسے ضربت زیدا رأسه میں رأس زید کا بدل البعض جز ہے۔

والثالث أی بدل الاشتمال **بینه وبین الأول** أی المبدل منه ملابسة۔

یعنی بدل کی ثالث قسم یعنی بدل الاشتمال اس کو کہتے ہیں جس کے اور مبدل منہ کے درمیان کوئی مناسبت اور تعلق نہ ہو۔

بحیث توجب النسبة إلی المتبوع النسبة الی الملابس اجمالاً نحو: اعجبنی زید

علمه حيث يعلم ابتداءً أنه يكون زيدًا معجبًا باعتبار صفاته لا باعتبار ذاته و تتضمن نسبة الإعجاب اِلى زيد نسبة اِلى صفة من صفاته اجمالاً، و كذافي سلب زيد ثوبه بخلاف ضربت زيدًا حماره وضربت زيدًا غلامه لأن نسبة الضرب اِلى زيد تامّة و لا يلزم في صحتها اعتبار غير زيدٍ،فيكون من باب بدل الغلط۔

اس میں شارحؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف بدل دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں بدل الغلط داخل ہوا جیسے ضربت زیدًا غلامه اور ضربت زیدًا حماره میں ہے کیونکہ یہاں ملابست مالکیت اور مملوکیت درمیان بدل اور مبدل منہ کے موجود ہے اور باوجود اس کے یہ بدل اشتمال نہیں ہے۔

شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہاں ملابست سے مراد وہ ملابست ہے جس کے متبوع کی نسبت سے نسبت ملابس یعنی تابع کی اجمالاً اور تبعاً واجب آتی ہو جیسے أعجبني زیدًا علمه میں اول یہ معلوم ہوا کہ زید باعتبار صفات کے معجب ہے، باعتبار ذات کے نہیں اور زید کی طرف اعجاب کی نسبت زید کی صفات کی نسبت کو بھی اجمالاً اور تبعاً شامل ہے اور اسی طرح سلب زیدًا ثوبه کو بھی قیاس کرنا چاہئے بخلاف ضربت زیدًا غلامه اور ضربت زیدًا حماره کے یہاں زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس کی صحت سے غیر زید کا اعتبار لازم نہیں آتا پس یہ بدل الغلط کے باب سے ٹھہرا۔

بغيرهما أي تكون تلك الملابسة بغير كون المبدل منه أو جزءه، فيدخل فيه ما اِذا كان المبدل منه جزاءً من البدل ،ويكون اِبداله منه بناءً على هذه الملابسة نحو:نظرت اِلى القمر فلكه۔

اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف بدل اشتمال اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے وہ بدل الاشتمال خارج ہوا جو نظرت اِلى القمر فلكه میں ہے کیونکہ یہاں درمیان بدل اور مبدل منہ کے ملابست کلی اور جزئی ہے، مالکیت اور مملوکی نہیں اس لئے کہ قمر فلک کا جز ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ بغیرھما کے قول کے معنی یہ ہیں کہ وہ ملابست بغیر بدل کے کل مبدل منہ یا اس کے جز ہونے کے ہو یعنی بدل کل مبدل نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں بلکہ بدل کلی ہے اور مبدل منہ اس کا جز، پس اس تقدیر پر اس تعریف میں وہ بدل بھی داخل ہوا جس میں مبدل منہ بدل کا جز ہو اور اس کا ابدال اس سے بنا بر اس ملابست کے ہو جیسے نظرت اِلى القمر فلكه ہے لہٰذا اب بدل کی تعریف جامع ثابت ہوئی۔

و المناقشة بأن القمر ليس جزءً من فلكه بل هو مركوز مناقشة في المثال۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ قمر کا فلك سے جز ہونا مسلم نہیں بلکہ وہ فلك میں مرکوز ہوتا ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ قمر کے فلك سے جز ہونے کا اعتراف مناقشہ في المثال ہے اور مناقشہ

فی المثال ممنوع ہے کیونکہ مثال ممثل کی وضاحت کے لئے ذکر کرتے ہیں پس اس میں صرف فرضی مثال کافی ہے۔

ویمکن أن یورد لمثاله مثل: رأیت درجة الأسد برجه فإنه لا مجال لهذه المناقشة فیه فإن البرج عبارة عن مجموع الدرجات۔

یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ بدل اشتمال کے لئے رأیت درجة الأسد برجه کی مثال وارد کی جائے، کیونکہ اس میں مناقشہ مذکور کا کوئی محل اور دخل نہیں کیونکہ برج مجموعہ درجات سے عبارت ہے، پس یہاں مبدل منہ بدکا جز نہیں ہے۔

وانما لم یجعل هذا البدل قسمًا خامسًا ولم یسم ببدل الكل عن البعض لقلته وندرته بل قیل بعدم وقوعه فی كلام العرب فإن هذه الأمثلة موضوعة۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ پس مصنف کافیہؒ نے اس قسم کو قسم خامس کیوں نہیں ٹھہرایا اور اس کو بدل الكل عن البعض سے کیوں مسمی نہیں کیا؟

شارح نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ یہ بدل بہت ہی قلیل اور نادر ہے بلکہ بعض نے کہا ہے کہ یہ کلام عرب میں واقع نہیں ہے کیونکہ یہ امثال موضوعی اور فرضی ہیں اس لئے اس کو خاص قسم ٹھہرا کر بدل الكل عن البعض سے مسمی نہیں کیا۔

والرابع أی بدل الغلط **أن تقصد** أی أن یكون بأن تقصد أنت **إلیه** أی إلی البدل من غیر اعتبار ملابسة بینهما **بعد أن غلطت بغیره** أی بغیر البدل، وهو المبدل منه۔

یعنی قسم رابع بدل الغلط ہے اور وہ یہ کہ متکلم کا مقصود بدل نہ ہو بعد غلطی کے بغیر اعتبار ملابست مذکورہ کے یعنی مبدل منہ کی نسبت میں اس سے غلطی ہو، اس غلطی کے تدارک کے لئے مبدل منہ کو چھوڑ کر بدل کو مقصود بالسنة ٹھہرائے۔

ویكونان أی البدل والمبدل منه **معرفتین** نحو: ضرب زید اخوك **ونكرتین** نحو: جاء نی رجل غلام لك **ومختلفین** نحو: ﴿بالناصیة ناصیة كاذبة﴾ وجاء رجل غلام زید۔

اور یہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفے ہوں، جیسے ضرب زید اخوك میں ہے خواہ نکرے ہوں، جیسے جاء نی رجل غلام لك میں موجود ہے خواہ مختلفین ہوں، جیسے ﴿بالناصیة ناصیة كاذبة﴾ اور جاء رجل غلام زید کی امثال میں ہے۔

واذا كان البدل نكرة مبدلة **من معرفة فالنعت** أی نعت البدل النكرة واجب لئلا یكون المقصود أنقص من غیر المقصود من كل وجهٍ فأتوا فیه بصفة تكون كالجابر لما فیه من نقص النكارة۔

یعنی جب کلام میں بدل نکرہ، معرفہ مبدل منہ سے آئے اس صورت میں بدل نکرہ کی نعت ضروری اور لازمی ہے تاکہ مقصود غیر مقصود سے من كل الوجه ناقص نہ ہو پس اس میں بدل نکرہ کی صفت ذکر کرتے ہیں کہ نکارت کے نقصان کا جبیرہ ہو جائے۔

مثل :﴿بالناصية ناصية كاذبة﴾ **ويكونان ظاهرين** نحو: جاء نی زيد اخوك، **ومضمرين** نحو: الزيدون لقيتهم إياهم، **ومختلفين** نحو: أخوك ضربته زيدًا أو أخوك ضربت زيدًا إياه۔

یہ مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ موصوفہ کی مثال ہے اور بدل اور مبدل منہ دونوں اسمائے ظاہرہ بھی ہوتے ہیں، جیسے جاء نی زید أخوك میں ہے اور ضمائر بھی ہوتے ہیں، جیسے الزیدون لقیتهم ایاهم میں موجود ہے اور اور مختلفین بھی ہوتے ہیں، جیسے أخوك ضربته زیدًا یا أخوك ضربت زیدًا إیاه میں ہے کہ ان مثالوں میں ایک ضمیر ہے تو دوسرا اسم ظاہر ہے۔

ولا يبدل ظاهر من مضمر بدل الكل إلا من الغائب نحو: ضربة زيدًا لأن المضمر المتكلم والمخاطب أقوى وأخص دلالةً من الظاهر فلو أبدل الظاهر منهما بدل الكل يلزم أن يكون المقصود أنقص من غير المقصود مع كون مدلوليها واحدًا بخلاف بدل البعض والاشتمال والغلط فإن المانع فيها مفقود إذ ليس مدلول الثاني فيها مدلول الأول فيقال: اشتريتك نصفك واشتريتني نصفي وأعجبتني علمك وأعجبتك علمي وضربتك الحمار وضربتني الحمار۔

یعنی کوئی اسم ظاہر بطریق بدال الکل ضمیر سے بدل نہیں آئے گا، البتہ ضمیر غائب سے آسکتا ہے کہ ضمیر متکلم مخاطب دونوں اسم ظاہر سے دلالت میں زیادہ قوی اور اخص ہیں پس اگر ان دونوں ضمیروں سے اسم ظاہر بطریق بدال الکل بدل آئے تو اس صورت میں مقصود کا غیر مقصود سے انقص ہونا لازم آئے گا۔ باوجود اس کے کہ بدل اور مبدل منہ کا مدلول اور مفہوم ایک ہوتا ہے بخلاف بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط کے کہ یہاں مانع بدل مفقود ہے کیونکہ یہاں ثانی کا مدلول اول نہیں ہے پس اشتریتك نصفك واشتریتنی نصفی اور أعجبتنی علمك وأعجبتك علمی وضربتك الحمار وضربتنی الحمار پڑھ سکتے ہیں اول مثال بدل البعض کی ہے اور ثانی بدل اشتمال کی اور ثالث بدل الغلط کی مثال ہے خوب سمجھنا چاہئے۔

عطف البيان تابع شامل لجميع التوابع۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا کہ تابع کا لفظ جنس تمام توابع کو شامل ہے۔

غير صفة احترز به عن الصفة۔

اس کے بڑھانے سے شارح نے یہ اشارہ کیا غیر صفة کا قول احترازی ہے اس کی صفت سے احتراز کیا۔

يوضح متبوعه احترز به عن البدل والعطف بالحرف والتاكيد۔

اس کے بڑھانے سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ یوضیح متبوعه کا قول احترازی ہے۔ اس میں بدل، عطف

بالحرف اورتاکید سے اعتراض کیا کیونکہ یہ اشارۂ مذکورہ اپنی متبوعات کی وضاحت کے مفید نہیں، یعنی عطف بیان وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کی وضاحت کرے، بخلاف بدل اور عطف بالحرف اور تاکید کے کہ یہ مفید وضاحت نہیں ہیں۔

ولا يلزم من ذلك أن يكون عطف البيان أوضح من متبوعه، بل ينبغي أن يحصل من اجتماعها اِيضاح لم يحصل من أحدهما على الانفراد، فيصح أن يكون الأول أوضح من الثانی۔

اس میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ بعض نحات نے عطف بیان کا اپنی متبوع سے اوضح ہونا ضروری اور لازمی شرط ٹھہرایا ہے کیونکہ یہ اسم مشترک کے بعد آتا ہے یہ اس کے اوضح ہونے کی دلیل ہے۔

شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس سے عطف بیان کا واضح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے کہ تابع اور متبوع دونوں کے اجماع سے وضاحت حاصل ہو جو ان میں سے ایک کے انفرادی صورت میں حاصل نہ ہو سکے پس یہ درست اور صحیح ہوگا کہ اول ثانی سے واضح ہو۔

مثل: **أقسم بالله أبو حفص عمرُ** فأبو حفص كنيةُ أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه وعمر عطف بيان له وقصته: أنه أتى أعرابی اِلی عمر بن الخطاب فقال: اِن أهلی بعيد، واِنی علی ناقة وبراء عجفاء نقباء، واستحمله، فظنه كاذبًا فلم يحمله فانطلق الأعرابی، فحمل بعيره، ثم استقبل البطحاء، وجعل يقول وهو يمشی خلف بعيره:

شعر:

أقسم باللّٰه أبو حفص عمر ما مسها من نقب ولا وبر
اغفر له اللّٰهم اِن كان فجر

وعمر مقبل من أعلى الوادی فجعل اِذا قال: اغفرله اللّٰهم اِن كان فجر قال: "اللّٰهم صدق صدق" حتى التقيا فأخذه بيده فقال: "ضع عن راحلتك" فواضع فاِذا هی نقباء عجفاء، فحمله علی بعيره وزوّده وكساه۔

اس میں شارح شعر کے واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ شعر مذکورہ میں ابوحفص کا لفظ جناب حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور عمر اس کا عطف بیان ہے اور اس کا قصہ اور واقعہ یہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت عالیہ میں ایک اعرابی حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا گھر دور ہے اور میری سواری پشت ریش و لاغر و سودہ ہوئی ہے سوری کے قابل نہیں ہے اس سے اس کا مقصد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سوری طلب کرنا تھا، پس حضرت خلیفہ المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اس میں جھوٹا خیال کیا اس لئے اس کو سواری سواری دینے سے انکار فرمایا لہٰذا وہ اعرابی نا اُمید ہو کر چلا اور اپنے اونٹ کو اپنے آگے چلا دیا پھر ایک جنگل میں پہنچ کر اپنے اونٹ کے پیچھے پیادہ چلتے چلتے اس شعر مذکورہ بالا کو پڑھتا رہا جس کے معنی یہ ہیں کہ "ابوحفص عمر نے قسم کھائی ہے کہ میری سواری نہ

پشت ریش ہے اور نہ لاغر سودہ شدہ۔اے باری تعالیٰ اگر خلفہ نے جھوٹ کہا ہے تو ان کو بخش دے اور ان کا مواخذہ نہ فرما''۔ وہ اعرابی یہ شعر پڑھ رہا تھا کہ اچانک حضرت خلیفۃ المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنگل کے اوپر سے تشریف لائے پس اس اعرابی نے آپ کو دیکھ کر شعر مذکورہ کو پڑھنا پھر شروع کیا۔حضرت خلیفۃ المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کو سن کر فرمایا کہ اے باری تعالیٰ !اس اعرابی کی بات کو سچا کر دیجئے اس اثنا میں دونوں کی ملاقات ہوئی پس حضرت خلیفۃ المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ تو اپنی سواری سے اتر آ، پس وہ اُتر آیا جب خلیفہ نے اس کی سواری کو دیکھا تو واقعی پشت ریش ولاغر نکلی، پس حضرت خلیفۃ المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور زادِراہ اور خلعت عطا فرمائی۔

وفصله أي فرقه **من البدل لفظًا** أي من حيث الأحكام اللفظية واقع **في مثل:**

أنـــا ابـــن التـــارك البـــكـــري بشـــر

فإن قوله: بشر إن جعل عطف بيان للبكري جاز،وإن جعل بدلا منهلم يجز، لأن البدل في حكم تكرير العامل فيكون التقدير أنا ابن التارك بشر وهو غير جائز كما ذكرنا فيما سبق في الضارب زيد۔

یعنی فرق درمیان عطف بیان اور بدل کے باعتبار لفظی احکام کے اوپر شعر مذکور میں واقع ہے کیونکہ اس میں بشر کا لفظ اگر بکری کا عطف بیان ٹھہرایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ بدل عامل کی تکریر کے حکم میں ہوتا ہے پس اس صورت میں عبارت کی تقدیر أنا ابن التارك بشر ہوگی اور یہ قطعی جائز ہے جیسا کہ سابق میں الضارب زید کی تشریح میں بمعہ دلائل کے ہم نے ذکر کای ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

وآخره:

عـلـيـــه الـطـيـــر تـــرقـبـــه وقـوعًـــا

وعليه الطير ثاني مفعولي التارك إن جعلناه بمعنى المصّير وإلا فهو حال وقوله: ترقبه حال من الطير إن كان فاعلًا" عليه" وإن كان مبتدأً فهو من الضمير المستكن في عليه ووقوعا جمع واقع حال من فاعل ترقبه أي واقعة حوله مترقبة لانزهاق روحه لأن الانسان مادام به رمق فإن الطير لا تقربه۔

اس میں شارح شعر مذکور کے مصرعہ ثانی ظاہر کر کے شعر کی ترکیبی حالت کی تحقیق کرتے ہیں کہ آخری مصرعہ شعر مذکور کا علیه الطیر ترقبه وقوعًا ہے اور علیه الطیر کا لفظ ترکیب میں التارك کا مفعول ثانی ہے اگر التارك کو بمعنی صیر کے ٹھہرایا جائے اور مفعول الاول بکری ہے اور اگر بمعنی صیر کے نہ ٹھہرائیں تو اس صورت میں یہ حال مانا جائے گا اور ترقبه کا قول الطیر سے حال ہوگا اگر اس کو علیه یعنی شبہ فعل کا فاعل ٹھہرائیں۔

اور اگر الطیر کو مبتدا مؤخر اور علیہ کو اس کی خبر مقدم مانیں تو اس صورت میں وہ علیہ کی ضمیر مستکن سے حال ٹھہرے گا اور وقوعًا واقع کی جمع ہے اور ترکیب میں ترقبہ کے فاعل سے حال ہے جس کی تقدیر پر مراد یہ ہوں گی اس کے اردگرد پرندے امیدوار ہو کر اس کی روح کے خروج کے انتظار میں رہتے ہیں کیونکہ جب تک انسان میں آخری حصہ روح کا باقی رہتا ہے اس وقت پرندے اس کے پاس نہیں جاتے ہیں۔

وأما الفرق المعنوی بینهما فقد تبین فیما سبق، والمراد بمثل أنا ابن التارك البكری بشر كل ما كان عطف بیان للمعرف باللام الذی أضیف الیه الصفة المعرفة باللام نحو: الضارب الرجل زید۔

یعنی درمیان عطف بیان اور بدل کے جو معنوی فرق ہے اس کی تشریح ماسبق میں یعنی بدل الکل کی بحث میں بیان ہو چکی ہے ملاحظہ ہو اور أنا ابن التارك البكری بشر کی مثال سے مراد ہر وہ مثال ہے جس میں عطف بیان معرفہ باللام ہو جس کی طرف صفت معرفہ باللام کی اضافت واقع ہوئی ہو جیسے الضارب الرجل زید میں ہے۔

ویمكن أن یراد به ماهو أعم منهذا الباب أی كل ماخالف حكمه اذا كان عطف بیان حكمه اذا كان بدلاً، فیتناول صورة النداء أیضًا فانك تقول: یا غلام زیدٌ وزیدًا بالتنوین مرفوعاً حملًا علی اللفظ ومنصوبًا حملًا علی المحل اذا جعلته عطف بیان، ویاغلام زیدُ بالضم اذا جعلته بدلاً والمعنی الأول أظهر والثانی أفید۔

اور ممکن ہے کہ اس ترکیب مذکور کو اعم مانیں اس طرح کہ اس کو عطف بیان میں شامل ٹھہرائیں اور غیر عطف بیان کو بھی شامل مانیں اس طرح کہ جب عطف بیان واقع ہو تو اس وقت اس کا حکم بدل واقع ہونے کی صورت کی مخالف ہوگا پس اس تقدیر پر یہ ندا کی صورت کو بھی شامل ہوا کیونکہ جب یاغلام زید کی مثال میں زید کے لفظ کو لفظ غلام پر حمل کریں تو مرفوع منون پڑھیں گے اور اگر اس کے محل پر حمل کریں تو اس صورت میں منصوب منون پڑھیں گے یہ جب کہ زید کے لفظ کو عطف بیان ٹھہرائیں اور غلام کے لفظ سے بدل مانیں تو اس صورت میں مبنی برضمہ پڑھیں گے اور اول معنی زیادہ ظاہر اور ثانی معنی زیادہ فید ہیں کیونکہ ثانی معنی کی بناء پر صورت ندا کو بھی شمول ہوتا ہے چونکہ ثانی معنی کی بنا پر عموم کا فائدہ مرتب ہوتا ہے اور جس میں عموم ہوتا ہے اس میں فائدہ اکثر ہوتا ہے اس لئے ثانی معنی افید ثابت ہوئے۔

تمت بالخیر